انّ اللّٰہ لا یغیر ما بقوم حتّٰی یغیروا ما بانفسہم

سلسلۂ تصنیفاتِ احمدیّہ

شعبۂ دوم

ملفوظاتِ احمدیّہ

جلد اوّل

جسمیں

حضرت مسیح موعود و مہدی معہود جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رحمۃ اللہ علیہ

کی تقریرات جمع کی گئی ہیں

مُرتّبہ

احمدیّہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

احمدیّہ بلڈنگس
باہتمام بابو رادھا کشن پرنٹر کے انڈین سٹیم پریس لاہور میں چھپا

www.aaiil.org

ضروری التماس

حضرت مسیح موعود کی تقریرات کا حصہ اول شایع کیا جاتا ہے۔ چند ناگریز وجوہ کے باعث اس کی ترتیب اور تیاری بیقاعدہ نظر آتی ہے تاہم ان کلمات طیبہ کی قدر و منزلت اس بے قاعدگی سے کم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان میں سراسر نور و برکت بھری ہوئی ہے۔ اور یہ تقاریر احمدیہ جماعت کے لئے خصوصاً اور عام مسلمانوں کے لئے عموماً ایسی بیش بہا نصائح کا مجموعہ ہیں کہ جن پر عمل کر کے قوم معراج ترقی پر پہنچ سکتی ہے ؂

سلسلہ عالیہ احمدیہ کی یہ تقریریں مختلف احباب نے اپنے مذاق کے مطابق حضرت مسیح موعود سے سن کر قلمبند کی تھیں۔ اور اس سے پہلے سلسلہ کے پرانے اخبارات الحکم۔ البدر و بدر میں شائع ہو چکی ہیں۔ اس لئے یہ یقینی امر ہے کہ گو حضرت اقدس کی تعلیم کی روح (سپرٹ) ان میں پورے طور پر موجود ہو مگر یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ تمام الفاظ بعینہٖ حضرت اقدس کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خواہ لکھنے والا کتنا ہی زود نویس کیوں نہ ہو اس کے لئے متکلم کے جملہ الفاظ کا تتبع نہایت ہی دشوار امر ہے۔ پھر بھی ان احباب کی سعی قابل شکریہ ہے کہ انہوں نے انکو محفوظ کرنیکی کوشش کی۔ پہلا حصہ کسی قدر نامکمل اور بے ترتیب صورت میں نکلا ہے۔ مگر انشاء اللہ دوسرا حصہ تاریخی ترتیب کے لحاظ سے اور دیگر پہلوؤں سے ہر طرح مکمل شائع ہو گا۔ اس حصہ کی تیاری میں یہی امر مد نظر رکھا گیا ہے کہ جس طرح ہو سکے حضرت مسیح موعودؑ کے ملفوظات کو کتابی صورت میں لایا جائے۔ اس لئے ناظرین کرام اسی بات کو مد نظر رکھکر اس کا مطالعہ کریں۔ اور جہاں دو ایک تقریریں غیر مسلسل ہو گئی ہیں۔ ان کا سلسلہ حوالہ کے مطابق درست کر لیں۔ والسلام

خاکسار: مرزا یعقوب بیگ آنریری سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	ہمارا انجام کیا ہوگا	۱	۲۱	ہر امر کی عظمت و عدم عظمت اُس کے حصول کے لوازمات اور مشکلات پر ہوتی ہے	۱۵
۲	برگزیدہ لوگوں پر ابتلا آنے کی وجہ	۲			
۳	کثرت ازدواج	۳	۲۲	الہام السہیل البدری کے معنی	۱۶
۴	انبیاء کے ساتھ خاص مراعات قابلِ اعتراض نہیں	۴	۲۳	مخالفوں کی بدزبانی و جھوٹ	۱۶
۵	خدا کا تلون بھی رحمت ہے	۴	۲۴	مہرِ نبوت کی حقیقت	۱۷
۶	قبولیتِ دعا میں توقف کامیابی کا موجب ہے	۴	۲۵	تعداد ازدواج	۱۹
۷	رونا اور صدقات عذابِ الٰہی کو ٹال دیتے ہیں	۴	۲۶	روح کا تعلق قبور سے	۲۱
۸	سورہ تبت پر ایک نکتہ	۵	۲۷	سفر میں روزہ رکھنا	۲۴
۹	ظاہر پرستی گمراہی کا موجب ہے	۶	۲۸	تقدیر	۲۴
۱۰	لوگوں کی قساوتِ قلبی	۶	۲۹	قضائے معلق اور مبرم	۲۵
۱۱	وہ مبارک ہیں جو آخر میں ہیں	۶	۳۰	نماز کی حقیقت	۲۵
۱۲	جماعت کو نصیحت	۷	۳۱	عبودیت اور ربوبیت کے رشتہ کی حقیقت	۲۷
۱۳	تعبیرِ خواب	۸	۳۲	نماز میں لذت نہ آنے کی وجہ اور اس کا علاج	۲۸
۱۴	بعض تائیداتِ الٰہیہ ظاہر ہوتی ہیں بعض مخفی	۹	۳۳	غیر اللہ سے دعا اور سوال غیر مومنانہ طریق ہے	۳۱
۱۵	عیسائی اصول فلسفہ استقرا کے خلاف ہیں	۹	۳۴	والدہ کی تعظیم	۳۴
۱۶	اسلامی اصول فلسفہ استقرا کے مطابق ہیں	۱۰	۳۵	دکھ پہنچنا اپنے اعمال کا نتیجہ ہے	۳۵
۱۷	عربی زبان کی وسعت	۱۰	۳۶	آپ نے آکر کیا اصلاح کی؟ اس کا جواب	۳۵
۱۸	رسالت کی اصل غرض نبی کریم اور حضرت عیسیٰ کے صحابہ کا مقابلہ	۱۱	۳۷	اسلام صرف تلوار سے پھیلایا گیا ہے	۳۶
			۳۸	مرید اور مرشد کے تعلقات	۳۷
۱۹	انسان کی خرابیوں کی وسعت اُس کے تعلقات کی وسعت پر مبنی ہے	۱۲	۳۹	خدا ستار ہے انسان پردہ پوشی نہیں کرتا	۳۷
			۴۰	غفلت کا علاج توبہ ہے	۳۷
۲۰	اپنی صداقت پر چار قسم کے نشانات	۱۴	۴۱	اپنے دعوے کی صداقت کی ایک دلیل	۳۸

۴۲	رزق ابتلا و رزق اصطفا	۳۹	۶۴	ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ الخ کی دعا	۱۱۱
۴۳	دنیا لعب اور لہو ہے	۳۹	۶۵	اعجاز کی حاجت کیوں ہوتی ہے	۱۱۲
۴۴	آپؑ کی تعلیم	۴۰	۶۶	مال و دولت دین کا خادم ہو تو متقی کی ایک صفت ہے	۱۱۳
۴۵	گورنمنٹ کے بارہ میں آپ کی تعلیم	۴۵	۶۷	انبیاء کو کیوں فترتیں لاحق ہوتی ہیں؟	۱۱۴
۴۶	ایک ہندو سادھو سے مکالمہ دربارہ		۶۸	واعبد ربک حتی یاتیک الیقین کی تفسیر	۱۱۵
	طریق حصول معرفت الٰہی	۴۹	۶۹	ایمان ایک راز ہے	۱۱۵
۴۷	ایمان بالغیب کی حقیقت	۵۳	۷۰	وقف زندگی	۱۱۶
۴۸	اسلام اور غیر مذاہب سے سلوک	۵۶	۷۱	اپنا ذاتی تجربہ اور وصیت	۱۱۷
۴۹	ایک الہام اور اس کی تشریح	۶۰	۷۲	آیت ولقد ذرأنا لجہنم کثیرا من الجن	
۵۰	قرآن کی تعلیم دربارہ خدا تعالیٰ	۶۰		والانس الخ کی تفسیر	۱۱۷
۵۱	گورنمنٹ کے حقوق اور مسلمانوں کے فرائض	۶۴	۷۳	جہنم کیا ہے	۱۱۷
۵۲	اسلام اور فطرت	۶۸	۷۴	اپنے تائیدی نشانوں کا ذکر	۱۲۲
۵۳	خطبہ عید الاضحیٰ۔ اسلام اور دیگر مذاہب کا مقابلہ	۸۲	۷۵	مسیح آ کر جنگ نہیں کرے گا	۱۲۷
۵۴	جماعت کی باہمی اخوت پر تقریر	۹۳	۷۶	آیت ما کفر سلیمٰن کی تفسیر	۱۲۸
۵۵	دو انگریزوں کے قاتلوں سے نفرت کا		۷۷	خیانت اور ریا	۱۲۹
	اظہار۔ جہاد کی حقیقت	۹۴	۷۸	ایک شیعہ سے خطاب	۱۳۰
۵۶	نبی لوگوں کا کامل ہمدرد ہوتا ہے۔	۹۵	۷۹	ایک امام کی کیوں ضرورت ہے؟	۱۳۱
۵۷	ہمدردی کی قسمیں اور اُن کی تشریح	۹۶	۸۰	مسئلہ تناسخ	۱۳۲
۵۸	عزیر نبی کی دوبارہ زندگی کا راز	۱۰۱	۸۱	حوا کا آدم کی پسلی سے پیدا ہونا	۱۳۳
۵۹	قرآن کریم کے دو حصص۔ احکام و قصص		۸۲	دعا کی حقیقت	۱۳۴
	ان کو کس طرح مانا جاوے	۱۰۳	۸۳	نوافل فرائض کی کمی پوری کرتے ہیں	۱۳۶
۶۰	اسلام و عیسائیت	۱۰۶	۸۴	انجیل و قرآن کی تعلیم کا مقابلہ	۱۳۷
۶۱	حقیقی نفع رساں خدا کی ذات ہے	۱۰۹	۸۵	اپنے دوستوں سے محبت کا اظہار	۱۳۸
۶۲	خدا کے بندے کون ہوتے ہیں	۱۱۰	۸۶	انسان کی زاہدانہ زندگی کا بڑھیا نشان ہے	۱۳۸
۶۳	حصول دنیا میں مقصود بالذات دین ہونا چاہیے	۱۱۰	۸۷	انما اموالکم واولادکم فتنۃ کی تفسیر	۱۴۰

۸۸ اپنی بیویوں سے نیک سلوک کرنے کا حکم ۱۴۰
۸۹ ہر امور کے وقت سعید اور شقی دو گروہ ہوتے ہیں ۱۴۳
۹۰ نبی کریم کی اعلیٰ شان ۱۴۸
۹۱ نبی کریم کے اسم محمدؐ کی حقیقت ۱۴۸
۹۲ نبی کریم کے اسم احمدؐ کی حقیقت ۱۵۳
۹۳ سعادت عظمیٰ صرف نبی کریم کی اطاعت سے ملتی ہے ۱۶۰
۹۴ نبی کریم کے اسماء محمدؐ و احمدؐ کی مزید تشریح ۱۶۱
۹۵ آخرین منھم نبی کریم کے اسم احمدؐ کا بروز ہونگے ۱۶۲
۹۶ حضرت مسیح موعود کا ابتدائی دعوےٰ ۱۶۳
۹۷ بڑا معجزہ علمی معجزہ ہوتا ہے ۱۶۵
۹۸ سورۂ فاتحہ کی تفسیر نویسی میں مخالف مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔ ۱۶۶
۹۹ انسان ایمانی قوت سے ان تکالیف پر جو دین حق کی تلاش میں پیش آتی ہیں غالب ہو سکتا ہے ۱۶۷
۱۰۰ صحابہ کا ایمان ۱۶۹
۱۰۱ خدا کی ہستی کا ثبوت ۱۷۰
۱۰۲ قومی ترقی اتباع قرآن سے ہو سکتی ہے ۱۷۲
۱۰۳ صحابہ کی مثال ۱۷۳
۱۰۴ مسلمان کس طرح ترقی کر سکتے ہیں ۱۷۳
۱۰۵ سلسلہ احمدیہ منہاج نبوت پر ہے ۱۷۴
۱۰۶ ابتلا کا فلسفہ ۱۷۵
۱۰۷ مسیح موعود کا ابتدائی دعوےٰ ۱۷۵
۱۰۸ استغفار کلید ترقیات روحانی ہے ۱۷۶
۱۰۹ حضرت سید احمد شہید اور حضرت اسمٰعیل شہید ۱۷۷

احمدی نام رکھنے چاہئیں پر اعتراض اور آپ کا جواب ۱۷۷
اسم احمدؐ سے مراد آنحضرت ہیں ۱۷۷
۱۱۰ سچا تقویٰ صادقوں اور مردان خدا کی محبت اور ان کی اطاعت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ۱۷۸
۱۱۱ صحابہ کرام میں باہم پھوٹ اور عداوت نہیں تھی ۱۸۰
۱۱۲ صحابہ نے اپنی حفاظت کے لئے تلوار اٹھائی ۱۸۰
۱۱۳ مسیح موعود کی جماعت کو صحابہ کا رنگ اختیار کرنا چاہئے۔ ۱۸۱
۱۱۴ مسیح موعود کی جماعت کے لئے خدا کا وعدہ ۱۸۲
۱۱۵ قیامت تک دنیا کو مجددین کی ضرورت ہے ۱۸۳
۱۱۶ مخالفوں پر غلبہ کے لئے تقویٰ کی ضرورت ہے ۱۸۳
۱۱۷ دعا کی فلاسفی ۱۸۴
۱۱۸ سابقہ اولیاء اللہ کی قبولیت دعا کے نمونے ۱۸۵
۱۱۹ آپ کے نہ ماننے والے کون ہیں؟ ۱۸۶
۱۲۰ مختلف نکات ۱۸۶
۱۲۱ ولی کے مراتب ۱۸۹
۱۲۲ مراتب انسانی ۱۹۰
۱۲۳ ابتلا اور اصطفےٰ ۱۹۱
۱۲۴ نماز میں لذت کیسے ہو سکتی ہے ۱۹۲
۱۲۵ دعا کی قبولیت کا حقت ۱۹۳
۱۲۶ کیسی دعا قبول نہیں ہوتی ۱۹۳
۱۲۷ دعا کی قبولیت کے لئے کن باتوں کی ضرورت ہے۔ ۱۹۴
۱۲۸ مومن کون ہے ۱۹۶
۱۲۹ مدارج اصلاح ۱۹۶

۱۳۰	درجہ المیزان	۱۹۷	۱۵۱	قرآنی تعلیم کی علت غائی تقویٰ ہے	۲۲۳
۱۳۱	جماعت عباد اللہ	۱۹۸	۱۵۲	انسان ابدال کیسے بنتا ہے	۲۲۶
۱۳۲	دعا کا ظاہر الفاظ میں پورا نہ ہونا	۱۹۸	۱۵۳	یا عیسیٰ انی متوفیک کی تفسیر	۲۲۸
۱۳۳	مومنین پر تکالیف اور ابتلاء	۱۹۹	۱۵۴	مخالف حضرت عیسیٰ میں خدائی اوصاف مانتے ہیں۔	۲۲۹
۱۳۴	سفر میں قصر و سفر کے مسائل پر عمل کرے	۱۹۹			
۱۳۵	مسیح کے لئے نمازیں جمع کی جاویں گی	۲۰۰	۱۵۵	اتفاق کی تین اقسام ہیں	۲۳۰
۱۳۶	حضرت صاحب کا فیصلہ کہ رکوع میں شامل ہونے سے رکعت ہوتی ہے یا نہیں	۲۰۱	۱۵۶	نمازیں حال وقال کی تصویر	۲۳۱
			۱۵۷	ممارزقنھم ینفقون کی تفسیر	۲۳۲
۱۳۷	اعجاز قرآن	۲۰۲	۱۵۸	مسیح کی تعلیم قابل عمل نہیں	۲۳۳
۱۳۸	آیت ربنا الذی اعطی کل شئ کی لطیف تفسیر	۲۰۲	۱۵۹	عفو کا استعمال	۲۳۴
			۱۶۰	قرآنی تعلیم انسانی قویٰ کی تکمیل کرتی ہے	۲۳۵
۱۳۹	انبیاء سابقہ پر ہماری فضیلت	۲۰۳	۱۶۱	وفات مسیح اور قرآن مجید	۲۳۶
۱۴۰	جو کام ہو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جو بات ہو خدا کے واسطے ہو	۲۰۳	۱۶۲	حضرت ابوبکرؓ کا فہم قرآن	۲۳۷
			۱۶۳	وفات مسیح پر اجماع نہیں	۲۳۸
۱۴۱	روحانی ونفسانی لذت کے معنی	۲۰۴	۱۶۴	مسئلہ بروز۔ بروزی آمد	۲۳۹
۱۴۲	مسلمانوں میں زوال و ادبار کی وجہ	۲۰۵	۱۶۵	دجال یاجوج ماجوج کی حقیقت	۲۴۰
۱۴۳	حقانی ریفارمر	۲۰۶	۱۶۶	اسلامی پردہ کی حقیقت	۲۴۲
۱۴۴	نفس کی تین اقسام	۲۰۸	۱۶۷	برائی کے دو بروز۔ الدجال۔ یاجوج ماجوج	۲۴۳
۱۴۵	دماغ اور قلب کی ماہیت	۲۰۹	۱۶۸	نیکی کے بھی دو بروز ہیں۔ اندرونی لحاظ سے مہدی اور بیرونی لحاظ سے مسیح ابن مریم	۲۴۵
۱۴۶	روح کی حقیقت	۲۱۰			
۱۴۷	اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصول کے ذرائع	۲۱۳			
۱۴۸	منعم علیہ گروہ کی چار اقسام	۲۱۴	۱۶۹	الائمۃ من القریش کے معنی	۲۴۶
۱۴۹	متقیوں کی بعض دعاؤں کا ان کی منشاء پورا نہ ہونے کی وجہ؟	۲۱۹	۱۷۰	آپس میں محبت	۲۴۷
			۱۷۱	اخلاق فاضلہ کا اثر	۲۴۹
۱۵۰	متقی کون ہوتے ہیں	۲۲۰	۱۷۲	قرآن ذوی الوجوہ نہیں بلکہ ذوی المعارف ہے	۲۵۰

۱۷۳	مخالفین کے ساتھ صلح کی خواہش	۲۵۲	۱۹۶	عقل کی رہنمائی کے لئے آسمانی نور کی ضرورت ہے	۲۷۵
۱۷۴	اسلام کے نام کی فلاسفی	۲۵۲	۱۹۷	مخالف دلائل سے مغلوب ہو کر ذاتیات پر گفتگو کرتے ہیں	۲۷۶
۱۷۵	روحانی ترقی بتدریج ہوتی ہے	۲۵۳	۱۹۸	دنیا میں دو قسم کے تعلقات ہیں جسمانی روحانی	۲۷۷
۱۷۶	محبت الٰہی کے لئے معرفت کی ضرورت	۲۵۴	۱۹۹	صحابہ کی قربانیاں	۲۷۸
۱۷۷	مجاہدہ کے لئے صبر اور حسن ظن ضروری ہے	۲۵۵	۲۰۰	تاریکی تاریکی کو پیدا کرتی ہے اور روشنی روشنی کو	۲۷۸
۱۷۸	عقاید صحیحہ کی ضرورت اور اثر	۲۵۶			
۱۷۹	صحبت کی ضرورت	۲۵۸	۲۰۱	جماعت کو نصیحت	۲۷۹
۱۸۰	مذہب کے معنی	۲۵۸	۲۰۲	مامورین کے دو اقسام	۲۷۹
۱۸۱	خدا کی معرفت گناہ سے نفرت پیدا کرتی ہے	۲۵۹	۲۰۳	نبی کریمؐ کی شریعت کے بعد اور کوئی شریعت نہیں	۲۸۲
۱۸۲	انسان کے لئے دو باتیں ضروری ہیں	۲۶۰	۲۰۴	اشاعت مذہب کا بہترین طریق	۲۸۳
۱۸۴	نصیحت	۲۶۲	۲۰۵	دعا بیعت اور زہد میں رشتہ پیدا کر دیتی ہے	۲۸۴
۱۸۵	ہمارا جو کام ہے خدا کے لئے ہے	۲۶۳	۲۰۶	خدا نے مسیح موعود پر اپنا جلوہ ظاہر کیا ہے	۲۸۵
۱۸۶	میرا اس بات پر ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے	۲۶۴	۲۰۷	لقب مسیح موعود کے معنی	۲۸۶
			۲۰۸	مسیح کے بن باپ پیدا کرنے کی حکمت	۲۸۹
۱۸۷	یورپ وغیرہ میں تبلیغ کیسے ہو	۲۶۶	۲۰۹	سلسلہ موسویہ کی آخری امت مسیح ابن مریم	۲۸۹
۱۸۸	عبادت کیا ہے	۲۶۷	۲۱۰	ایلیا نبی کے آنے کی پیشگوئی یوحنا میں پوری ہوئی۔	۲۹۱
۱۸۹	ایک پہلو تبلیغ کا ہمیں کرنا ہو دوسرا پہلو تبلیغ کا ہماری انگریزی خوان جماعت نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے		۲۱۱	مسیح کی آمد ثانی ایلیا ہی کے رنگ میں ہے	۲۹۲
		۲۶۸	۲۱۲	یہی وہ وقت ہے جس کا وعدہ کیا گیا تھا	۲۹۳
۱۹۰	صلیب پرستی کی بیخ کنی کا جوش	۲۶۹	۲۱۳	حضرت عیسیٰؑ صلیب پر نہیں مرے	۲۹۴
۱۹۱	کسر صلیب کی حقیقت	۲۶۹	۲۱۴	مسیح کی قبر سری نگر میں موجود ہے	۲۹۵
۱۹۲	وجد و سرور معیار تقویٰ نہیں	۲۷۰	۱۱۵	ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ حق کی تلاش کرے	۲۹۸
۱۹۳	دوسروں کی نسبت رائے قائم کرنے میں جلدی نہ کرو	۲۷۱	۱۱۶	تفسیر قرآن میں دخل دینا بہت نازک ہے / محرم کے دنوں میں اماموں کی روح کو ثواب دینے کے واسطے روٹیاں دینا وغیرہ جائز ہے یا نہیں	۲۹۸
۱۹۴	مامور من اللہ کی صحبت ضروری ہے	۲۷۲			
۱۹۵	سلسلہ احمدیہ منہاج نبوت پر ہے	۲۷۳			۲۹۹

نمبر	مضمون	صفحہ
۲۱۷	بیعت کے معنی	۲۹۹
۲۱۸	انسان کے اندر دو قسم کے گناہ ہوتے ہیں	۳۰۰
۲۱۹	محبت خدا کے حکم سے ہے	۳۰۱
۲۲۰	آں حضرت صلعم کا سلام مسیح موعود کو	۳۰۱
۲۲۱	اپنی زبان میں دعا	۳۰۲
۲۲۲	اسراف	۳۰۳
۲۲۳	فضائل بھی متعدی ہیں	۳۰۴
۲۲۴	سورۂ والعصر کی تفسیر	۳۰۶
۲۲۵	گورنمنٹ کی نصفت شعاری	۳۰۷
۲۲۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے غیرت	۳۰۸
۲۲۷	اسلام کے خلاف تین ہزار اعتراض	۳۱۰
۲۲۸	قرآن کریم کی تعلیم ہر طبقہ کے لئے ہے	۳۱۱
۲۲۹	قرآن میں قسموں کی فلاسفی	۳۱۲
۲۳۰	قرآن کے نزول کے وقت فساد عظیم	۳۱۴
۲۳۱	یقرض اللہ قرضا حسنا کی تفسیر	۳۱۵
۲۳۲	ولایت نبوت کے لئے بطور میخ کے ہے	۳۱۶
۲۳۳	مفارقت پر کشش	۳۱۷
۲۳۴	قوت متفکرہ سے کام لینا چاہیئے	۳۱۸
۲۳۵	احسان کی قدر کرنا ہماری سرشت میں ہے	۳۱۹
۲۳۶	جس قسم کے ہتھیار میدان میں لائے گئے ویسے ہی ہتھیار لیکر نکلنا چاہیئے	۳۲۰
۲۳۷	الہام سلطان القلم و ذوالفقار علی	۳۲۰
۲۳۸	اشاعت کے لئے مالی امداد کی ضرورت ہے	۳۲۰
۲۳۹	ہم اپنے اخلاق اور اعمال میں ترقی کریں	۳۲۱
۲۴۰	لکھنؤ کے جلسۂ اعظم کا ذکر	۳۲۱
۲۴۱	لفظ قادیان پر ال کیوں آیا ہے	۳۲۲
۲۴۲	رسول اللہ نے مسیح موعود کو السلام علیکم کہا ہے	۳۲۳
۲۴۴	حاکم کے لئے دین کا ایک حصہ یہ ہے کہ مقدمات پر خوب غور کرے	۳۲۳
۲۴۵	عیسائیوں کا اعتقاد کہ مسیح ملعون ہوا	۳۲۴
۲۴۶	دربارہ الہام۔ صادق اور کاذب میں شناخت	۳۲۴
۲۴۷	ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم	۳۲۵
۲۴۸	شیعہ مذہب اسلام کا سخت مخالف ہے	۳۲۵
۲۴۹	اہل کتاب کے کھانے کے متعلق	۳۲۵
۲۵۰	دنیا کی کامیابیاں ابتلا سے خالی نہیں ہوتیں	۳۲۶
۲۵۱	مومن اور کافر کی کامیابی میں فرق	۳۲۷
۲۵۲	تقویٰ والے پر خدا کی تجلی ہوتی ہے	۳۲۸
۲۵۳	حضرت مسیح کے بے باپ ہونے کے متعلق	۳۳۰
۲۵۴	پورے مسلمان بنو	۳۳۱
۲۵۵	۴ کروڑ مسلمان رسول خدا نام لیوا ہو گئے ہیں	۳۳۱
۲۵۶	استقامت کی برکت	۳۳۲
۲۵۷	مشکلات و مصائب میں سے گذرنا ضروری ہے	۳۳۴
۲۵۸	آں حضرت صلعم کی زندگی کا نمونہ	۳۳۵
۲۵۹	شہید کے معنی	۳۳۶
۲۶۰	یکسر الصلیب کے معنی	۳۳۷
۲۶۱	مجدد کی ضرورت	۳۳۸
۲۶۲	اسلام پر اصحاب الفیل کی طرح حملے	۳۳۸
۲۶۳	اپنی جماعت کو نصیحت	۳۴۰
۲۶۴	لفظ رمضان کے معنی	۳۴۲
۲۶۵	مذہب کی اول اینٹ خداشناسی ہے	۳۴۳
۲۶۶	مسئلہ کفارہ اور عملی دنیا	۳۴۳
۲۶۷	من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ کی تفسیر	۳۴۵
۲۶۸	جماعت کو نصیحت تقویٰ کی	۳۴۶
۲۶۹	آں حضرت صلعم کی قوت قدسی	۳۴۷
۲۷۰	کفار کی زندگی چوپاؤں کی طرح ہوتی ہے	۳۴۸
۲۷۱	وحدت وجود کا مسئلہ غلط فہمی پر مبنی ہے	۳۴۹
۲۷۲	انسانی پیدائش کی غرض عبادت ہے	۳۵۰
۲۷۳	سورۂ العصر میں دو سلسلوں کا ذکر	۳۵۱
۲۷۴	صراط مستقیم	۳۵۲
۲۷۵	انسان کا سینہ بیت اللہ اور دل حجر اسود ہے	۳۵۲
۲۷۶	قرآن کریم میں علمی و عملی تکمیل کی ہدایت	۳۵۴
۲۷۷	ولی کی مخالفت سے سلب ایمان ہوتا ہے	۳۵۶
۲۷۸	تواصوا بالحق وتواصوا بالصبر کی تفسیر	۳۵۷
۲۷۹	مسیح موعود کی محبت ضروری ہے	۳۵۸
۲۸۰	سورۂ فاتحہ قرآن شریف کا ایک نقشہ ہے	۳۵۹
۲۸۱	دعا کی فلاسفی	۳۶۲
۲۸۲	قبولیت دعا کی نظیریں قانون قدرت میں	۳۶۳
۲۸۳	ہندوؤں کا خدا	۳۶۴
۲۸۴	عیسائیوں کا خدا	۳۶۵
۲۸۵	ہدایت حمایت الٰہی سے ملتی ہے	۳۶۶
۲۸۶	اپنا دعوے	۳۶۷/۳۶۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تقاریر حضرت مسیح موعود

ازاخبار الحکم ۸۔اکتوبر ۱۸۹۷ء

ہمارا انجام کیا ہوگا

بجز خدا تعالےٰ کے انجام کون بتلا سکتا ہے! اور بجز اُس غیب دان کے آخری دنوں کی کس کو خبر ہے۔ دشمن کہتا ہے کہ بہتر ہو کہ یہ شخص ذلت کے ساتھ ہلاک ہو جاوے اور حاسد کی تمنا ہے کہ اس پر کوئی ایسا عذاب پڑے کہ اُس کا کچھ بھی باقی نہ رہے لیکن یہ سب لوگ اندھے ہیں اور عنقریب ہے کہ اُن کے بدخیالات اور بداراد ے انہیں پر پڑیں! اس میں شک نہیں کہ مُفتری بہت جلد تباہ ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص کہے کہ میں خدا کی طرف سے ہوں اور اُس کے الہام اور کلام سے مُشرف ہوں۔ حالانکہ وہ نہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے نہ اُس کے الہام اور کلام سے مشرف ہے وہ بہت بُری موت سے مرتا ہے! اور اُس کا انجام نہایت ہی بد اور قابلِ عبرت ہوتا ہے لیکن جو صادق اور اُس کی طرف سے ہیں وہ مر کر بھی زندہ ہو جایا کرتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے فضل کا ہاتھ اُن پر ہوتا ہے۔ اور سچائی کی رُوح اُن کے اندر ہوتی ہے۔ اگر وہ آزمائشوں سے کچلے جائیں اور پیسے جائیں اور خاک کے ساتھ ملائے جائیں! اور چاروں طرفوں سے اُن پر لعن وطعن کی بارشیں ہوں۔ اور اُن کے تباہ کرنے کیلئے سارا زمانہ منصوبے کرے تب بھی وہ ہلاک نہیں ہوتے۔ کیوں نہیں ہوتے؟ اُس سچے پیوند کی برکت سے جو اُن کو محبوب حقیقی کے ساتھ ہوتا ہے خدا اُن پر سب سے زیادہ مصیبتیں نازل کرتا ہے۔ مگر اسلئے نہیں کہ تباہ ہو جاویں بلکہ اس لئے کہ تا زیادہ سے زیادہ پھل اور پھول میں ترقی کریں۔ ہر ایک جوہر قابل کے لئے یہی قانون قدرت ہے کہ اوّل صدمات کا تختۂ مشق ہوتا ہے۔ مثلاً اُس زمین کو جب کسان کئی مہینہ

تک اپنی قلبہ رانی کا تختہ مشق رکھتا ہے اور ہل چلانے سے اُس کا جگر پھاڑتا رہتا ہے یہانتک کہ وہ زمین جو پتھر کی طرح سخت اور درشت معلوم ہوتی تھی سُرمہ کی طرح پس جاتی ہے اور ہوا اُس کو اِدھر اُدھر اُڑاتی ہے اور پریشان کرتی رہتی ہے اور وہ بہت ہی خستہ شکستہ اور کمزور معلوم ہوتی ہے اور ایک انجان سمجھتا ہے کہ کسان نے چنگی بھلی زمین کو خراب کر دیا اور بیٹھنے اور لیٹنے کے لائق نہ رہی لیکن اُس دانا کسان کا فعل عبث نہیں ہوتا۔ وہ خوب جانتا ہے کہ اُس زمین کا اعلےٰ جوہر بجز اس درجہ کے کوفت کے نمودار نہیں ہو سکتا۔ اِسی طرح کسان اُس زمین میں بہت عمدہ قسم کے دانے تخم ریزی کے وقت بکھیر دیتا ہے اور وہ دانے خاک میں ملکر اپنی شکل اور حالت میں قریب قریب مٹی کے ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کا وہ رنگ و رُوپ سب جاتا رہتا ہے لیکن وہ دانا کسان اِس لیئے اُن کو مٹی میں پھینکتا ہے کہ وہ اُسکی نظر میں ذلیل ہیں نہیں بلکہ دانے اُسکی نظر میں نہایت ہی بیش قیمت ہیں بلکہ وہ اِسلیئے اُنکو مٹی میں پھینکتا ہے کہ تا ایک ایک دانہ ہزار ہزار دانہ ہو کر نکلے اور وہ بڑھیں اور پھولیں اور اُن میں برکت پیدا ہو اور خدا کے بندوں کو نفع پہنچے +

پس اسی طرح وہ حقیقی کسان کبھی اپنے خاص بندوں کو مٹی میں پھینک دیتا ہے اور لوگ اُن کے اُوپر چلتے ہیں۔ اور پیروں کے نیچے کچلتے ہیں اور ہر ایک طرح سے اُن کی ذلّت ظاہر ہوتی ہے۔ تب تھوڑے دنوں کے بعد وہ دانے سبزہ کی شکل پر ہو کر نکلتے ہیں اور ایک عجیب رنگ اور شکل عجیب کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں جو ایک دیکھنے والا تعجب کرتا ہے +

یہی قدیم سے برگزیدہ لوگوں کے ساتھ سنّت اللہ ہے کہ وہ ورطۂ عظیمہ میں ڈالے جاتے ہیں لیکن غرق کرنے کیلئے نہیں بلکہ اسلیئے کہ تا اُن موتیوں کے وارث ہوں۔ کہ جو دریائے وحدت کے نیچے ہیں اور وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں لیکن اسلیئے نہیں کہ جلائے جائیں بلکہ اسلیئے کہ تا خدا تعالےٰ کی قدرتیں ظاہر ہوں۔ اور اُن سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے۔ اور لعنت کیجاتی ہے اور وہ ہر طرح سے ستائے جاتے ہیں اور دُکھ دیئے جاتے ہیں۔ اور طرح طرح کی بولیاں اُن کی نسبت بولی جاتی ہیں اور بد ظنیاں بڑھ جاتی ہیں یہانتک کہ بہتوں کے خیال و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ وہ سچے ہیں بلکہ جو شخص اُن کو دُکھ دیتا اور لعنتیں بھیجتا ہے وہ اپنے دل میں خیال کرتا ہے کہ بہت ہی ثواب کا کام کر رہا ہے پس ایک مُدّت تک ایسا ہی ہوتا رہتا ہے۔ اور اگر اُس برگزیدہ پر بشریّت کے تقاضا سے کچھ قبض طاری ہو تو خدا تعالےٰ اُس کو ان الفاظ سے تسلّی دیتا ہے کہ

صبر کر جیسا کہ پہلوں نے صبر کیا اور فرماتا ہے کہ میں تیرے ساتھ ہوں سُنتا ہوں اور دیکھتا ہوں پس وہ صبر کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ امر مُقدر اپنی مُدت مقررہ تک پہنچ جاتا ہے تب غیرت الٰہی اُس غریب کے لئے جوش مارتی ہے اور ایک ہی تجلی میں اعدا کو پاش پاش کر دیتی ہے سو اوّل نوبت دشمنوں کی ہوتی ہے۔ اور اخیر میں اُسکی نوبت آتی ہے +

اسی طرح خداوند کریم نے بارہا مجھے سمجھایا کہ ہنسی ہوگی اور ٹھٹھا ہوگا اور لعنتیں کریں گے اور بہت ستائینگے لیکن آخر نصرت الٰہی تیرے شامل ہوگی۔ اور خدا دشمنوں کو مغلوب اور شرمندہ کرے گا۔ چنانچہ براہین احمدیہ میں بہت سا حصہ الہامات کا انہیں پیشگوئیوں کو بتلا رہا ہے۔ اور مکاشفات بھی یہی بتلا رہے ہیں۔ چنانچہ ایک کشف میں میں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ میرے سامنے آیا اور وہ کہتا ہے کہ لوگ پھرتے جاتے ہیں تب میں نے اُس کو کہا کہ تم کہاں سے آئے تو اُس نے عربی زبان میں جواب دیا اور کہا کہ جئت من حضرۃ الوتر یعنے میں اس کی طرف سے آیا ہوں جو اکیلا ہے تب میں اُس کو ایک طرف خلوت میں لے گیا اور میں نے کہا کہ لوگ پھرتے جاتے ہیں۔ مگر کیا تم بھی پھر گئے تو اُس نے کہا کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں تب میں اِس حالت سے منتقل ہوگیا لیکن یہ سب امور درمیانی ہیں اور جو خاتمہ امر پر مقدر ہو چکا ہے وہ یہی ہے کہ بار بار کے الہامات اور مکاشفات سے جو ہزارہا تک پہنچ گئے ہیں۔ اور آفتاب کی طرح روشن ہیں خدا تعالےٰ نے میرے پر ظاہر کیا کہ میں آخرکار تجھے فتح دونگا۔ اور ہر ایک الزام سے تیری بریت ظاہر کر دونگا۔ اور تجھے غلبہ ہوگا اور تیری جماعت قیامت تک اپنے مخالفوں پر غالب ہوگی اور فرمایا کہ میں زور آور حملوں سے تیری سچائی ظاہر کر دونگا۔ اور یاد رہے کہ یہ الہامات اس واسطے نہیں لکھے گئے کہ ابھی کوئی ان کو قبول کرلے۔ بلکہ اس واسطے کہ ہر ایک چیز کے لئے ایک موسم اور وقت ہے۔ پس جب ان الہامات کے ظہور کا وقت آئیگا۔ اُس وقت یہ تحریر مستعد دلوں کے لئے زیادہ تر ایمان اور تسلی اور یقین کا موجب ہوگی والسلام علےٰ من اتبع الھدےٰ +

از اخبار الحکم ۶ مارچ ۱۸۹۹ء

کثرت ازدواج

کثرت ازدواج کے متعلق صاف الفاظ قرآن کریم میں دو دو تین تین چار چار کرکے ہی آئے ہیں مگر اُسی آیت میں اعتدال کی بھی ہدایت ہے اگر اعتدال نہ ہوسکے اور محبت ایک طرف زیادہ ہو جائے۔ یا آمدنی کم ہو۔ یا قوائے رجولیت ہی کمزور ہوں۔ تو پھر ایک سے تجاوز کرنا نہیں چاہئے ہمارے نزدیک یہی بہتر ہے کہ انسان اپنے تئیں ابتلا میں نہ ڈالے

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ لا یحب المعتدین +

حلال پر بھی ایسا زور نہ مارو کہ نفس پرست ہی بن جاؤ۔ غرض اگر حلال کو حلال سمجھ کر بیویوں ہی کا بندہ ہو جاوے۔ تو بھی غلطی کرتا ہے۔ ہر ایک شخص اللہ تعالیٰ کی منشاء کو نہیں سمجھ سکتا اُس کا یہ منشاء نہیں۔ کہ بالکل زن مرید ہو کر نفس پرست ہی ہو جاؤ۔ اور وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ رہبانیت اختیار کرو۔ بلکہ اعتدال سے کام لو۔ اور اپنے تئیں بیجا کارروائیوں میں نہ ڈالو +

[انبیاء کے ساتھ خاص مراعات قابل اعتراض نہیں] انبیاء علیہم السلام کے لئے کوئی نہ کوئی تخصیص اگر اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے تو یہ کوتاہ اندیش لوگوں کی ابلہ فریبی اور غلطی ہے کہ اُس پر اعتراض کرتے ہیں۔ دیکھو توریت میں کاہنوں کے فرقہ کے ساتھ خاص مراعات ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ اور ہندوؤں کے برہمنوں کیلئے خاص خاص رعائتیں ہیں۔ پس یہ نادانی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی کسی تخصیص پر اعتراض کیا جاوے۔ اُن کا نبی ہونا ہی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ جو اور لوگوں میں موجود نہیں +

خدا کا تلون بھی رحمت ہے دیکھو یونس علیہ السلام کی قوم کے معاملہ میں قطعی الہام دیکر جب لوگوں نے چیخنا چلانا شروع کیا تو عذاب ٹلا دیا۔ اور رحمت کے ساتھ اُن پر نگاہ کی پس خدا کے تلون میں بھی ایک خاص لطف ہے مگر اس کو وہی لوگ اُٹھا سکتے ہیں۔ جو اُس کے سامنے روتے اور عجز و نیاز ظاہر کرتے ہیں۔ مجھے بارہا تعجب آتا ہے۔ کہ لوگ اپنے جیسے انسان کی خوشامد تو کرتے ہیں۔ مگر افسوس خدا کی خوشامد نہیں کرتے +

قبولیت دعا میں توقف کامیابی کا موجب ہے یہ یاد رکھو۔ کہ دعا کے لئے اگر جلدی جواب ملجاوے۔ تو عموماً اچھا نہیں ہوتا پس دعا کرتے نا اُمید نہ ہو۔ دعا میں جس قدر دیر ہو۔ اور اُس کا بظاہر کوئی جواب نہ ملے۔ تو خوش ہو کر سجدہ شکر بجالاؤ۔ کیونکہ اس میں بہتری اور بھلائی ہے۔ توقف کامیابی کا موجب ہوتا ہے

رونا اور صدقات خود قرارداد جرم کو رد کر دیتے ہیں دعا بہت بڑی اکسیر کامیابی کیلئے ہے۔ یونس کی قوم گریہ و زاری اور دعا کے سبب آنیوالے عذاب سے بچ گئی۔ میری سمجھ میں محاتبت مغاضبت کو کہتے ہیں۔ اور حوت مچھلی کو کہتے ہیں۔ اور نون تیزی کو بھی کہتے ہیں۔ اور مچھلی کو بھی۔ پس حضرت یونس کی وہ حالت ایک مغاضبت کی تھی۔ اصل یوں ہے۔ کہ عذاب سے

ٹل جانے سے اُن کو شکوہ اور شکایت کا خیال گذرا۔ کہ پیشگوئی اور دعائیں یونہی رائیگاں گئیں۔ اور یہ بھی خیال گذرا۔ کہ میری بات پوری کیوں نہ ہوئی۔ پس یہی مغاضبت کی حالت تھی۔ اس سے ایک سبق ملتا ہے۔ کہ تقدیر کو اللہ بدل دیتا ہے۔ اور رونا دھونا اور صدقات فرد قرارداد جُرم کو بھی ردّی کر دیتے ہیں۔ اصُول خیرات کا اسی سے نکلا ہے۔ یہ طریق اللہ کو راضی کرنے کے ہیں۔ علم تعبیر الرویا میں مال کلیجہ ہوتا ہے۔ اسلئے خیرات کرنا۔ جان دینا ہوتا ہے۔ انسان خیرات کرتے وقت کس قدر صدق و ثبات دکھاتا ہے۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ صرف قیل و قال سے کچھ نہیں بنتا۔ جب تک کہ عملی رنگ میں لا کر کسی بات کو نہ دکھایا جاوے۔ صدقہ اُس کو اسی لئے کہتے ہیں۔ کہ صادقوں پر نشان کر دیتا ہے۔ حضرت یُونس ؑ کے حالات میں دُرِّ منثور میں لکھا ہے۔ کہ آپ نے کہا۔ کہ مجھے پہلے ہی معلوم تھا۔ کہ جب تیرے سامنے کوئی آویگا تجھے رحم آجائیگا۔ ع

این مشت خاک را گر نہ بخشم چہ کنم

منشی رستم علی کورٹ انسپکٹر

دہلی کے خواب کی تعبیر میں فرمایا۔ کہ نماز عید شہر میں پڑھنا بہت بڑی کامیابی ہے +

سُورۃ تبت پر ایک نکتہ } ابولہب قرآن کریم میں عام ہے نہ خاص مُراد وہ شخص ہے جس میں التہاب و اشتعال کا مادّہ ہو۔ اسی طرح حمالۃ الحطب ہیزم کش عورت سے مُراد ہے۔ جو سخن چین ہو آگ لگانے والی چُغلخور عورت۔ آدمیوں میں شرارت کو بڑھاتی ہے۔ سعدی کہتا ہے ع

سخن چین بدبخت ہیزم کش ست

سورۂ تبّت پر اعتراض سُن کر فرمایا +

دُنیا کی دولت اور سلطنت رشک کا مقام نہیں۔ مگر رشک کا مقام دُعا ہے میں نے اپنے احباب حاضرین۔ اور غیر حاضرین میں سے جن کے نام یاد آئے۔ یا شکل یاد آئی۔ آج بہت دُعا کی۔ اور اتنی دُعا کی۔ کہ اگر خشک لکڑی پر کیجاتی۔ تو سرسبز ہو جاتی۔ ہمارے احباب کے لیئے یہ بڑی نشانی ہے۔

رمضان کا مہینہ الحمدللہ گذر گیا۔ عافیت اور تندرستی سے یہ دن حاصل رہے۔ پھر اگلا سال خدا جانے کس کو آئیگا۔ کس کو معلوم ہے کہ اگلے سال کون ہوگا۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہوگا۔ اگر اپنی جماعت کے اُن لوگوں کو فراموش کر دیا جاوے۔ جو انتقال کر گئے

ہیں۔ یہ ایسے وقت میں فرمایا۔ کہ جب فہرست میں زندوں کے نام ثبت ہو رہے تھے ؛

ظاہر پرستی سے یہود گمراہ ہو گئے۔ ظاہر پرستی سے یہودیوں پر یہ آفت آئی کہ وہ مسیح علیہ السلام کا انکار کرتے رہے۔ اور نہ صرف یہی بلکہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی انکار کرتے رہے۔ اُن کو یہ خیال تھا۔ کہ مسیح آئیگا۔ تو ایک بادشاہ ہو کر آئیگا۔ اور بڑے شان و شوکت سے تختِ داؤد پر جلوہ افروز ہوگا۔ اور اُس کے آنے سے پیشتر ایلیا آسمان سے اُتریگا مگر جب مسیح آیا۔ تو اُس نے ایلیا تو یوحنا کو بتایا۔ اور آپ بجائے بادشاہ ہونے کے ایسی عاجزی دکھائی۔ کہ سر رکھنے کو بھی جگہ نہ ملی۔ اب ظاہر پرست یہودی کیونکر مان لیتے پس اُنہوں نے بڑے زور سے انکار کیا۔ اور اب تک کر رہے ہیں یہی مصیبت ہمارے زمانہ کے مولویوں اور مُلّاؤں کو پیش آئی۔ وہ منتظر ہیں۔ کہ مسیح اور مہدی آکر لڑائیاں کریگا۔ مگر خدا تعالے نے یہ امر ملحوظ رکھا تھا اور بخاری نے یضع الحرب کہہ کر اُس کا قضیہ ہی چکا دیا تھا۔ پھر بھی یہ امن اور سلامتی کے خواستگار کو ماننا نہیں چاہتے ؛

از اخبار الحکم ۱۳ مارچ سنہ ۱۸۹۸ء

لوگوں کی قساوتِ قلبی میں دیکھتا ہوں۔ کہ باوجود مصائب پر مصائب آنے کے اور ہر طرف خطرہ ہی خطرہ دکھائی دینے کے لوگ ابھی تک سنگدلی اور عجب و نخوت سے کام لے رہے ہیں۔ نادان کب تک اِس بیفکری میں بسر کرینگے۔ تاوقتیکہ لوگ ضد نہیں چھوڑتے۔ اپنی بُری کرتُوتوں سے باز نہیں آتے۔ اور خدا تعالےٰ سے مصالحت نہیں کرتے۔ یہ بلائیں اور مصیبتیں دُور نہیں ہونگی۔ میں نے دیکھا ہے اور خوب غور کیا ہے۔ کہ قحط کے دنوں میں لوگوں نے ذرا بھی قحط کی مصیبت کو محسوس نہیں کیا۔ شراب خانے اُسی طرح آباد تھے۔ اور بدکاریوں اور بدمعاشیوں کے بازار برابر گرم تھے۔ ابتدا میں جب کبھی کوئی برائے نام فتوے مکہ مدینہ کے نام سے آجایا کرتا تھا۔ تو لوگ ڈر جایا کرتے تھے۔ اور مسجدیں آباد ہو جاتی تھیں۔ مگر اس وقت شوخی اور بیباکی حد سے بڑھ چلی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی فضل کرے ؛

مبارک ہیں وہ جو آخر بین ہیں۔ عقلمند وہ ہے جو عذاب آنے سے پیشتر اُس کی فکر کرتا ہے اور دُور اندیش وہ ہے۔ جو مصیبت سے پہلے اُس سے بچنے کی فکر کرے ؛

انسان کو یہی لازم ہے۔ کہ آخرت پر نظر رکھ کر بُرے کاموں سے توبہ کرے۔ کیونکہ حقیقی خوشی اور سچی راحت اسی میں ہے۔ یہ ایک یقینی امر ہے کہ کوئی بدکاری اور گناہ کا کام ایک لحظہ کے لئے

بھی سچی خوشی نہیں دے سکتا۔ بدکار بدمعاش کو تو ہر دم اظہار راز کا خطرہ لگا ہوا ہے پھر وہ اپنی بدعملیوں میں راحت کا سامان کہاں دیکھیگا۔ آخرت پر نظر رکھنے والے ہمیشہ مبارک ہیں ع

مرد آخر بین مبارک بندہ ایست

دیکھو اُن قوموں کا حال جن پر وقتاً فوقتاً عذاب آئے ہر ایک کو بھی لازم ہے۔ کہ اگر دِل سخت بھی ہو تو اُسے ملامت کر کے خشوع خضوع کا سبق دے رونا اگر نہیں آتا۔ تو رونی صُورت بنا دے پھر خود بخود آنسو بھی نکل آئیں گے +

جماعت کو نصیحت } ہماری جماعت کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے اندر پاک تبدیلی کریں۔ کیونکہ انکو تو تازہ معرفت ملتی ہے۔ اور اگر معرفت کا دعویٰ کر کے کوئی اُس پر نہ چلے۔ تو یہ نری لاف گزاف ہی ہے پس ہماری جماعت کو دوسروں کی سُستی غافل نہ کر دے۔ اور اسکو کاہلی کی جُرأت نہ دلا دے۔ وہ ان کی محبت سرد دیکھ کر خود بھی دل سخت نہ کرے +

اِنسان بہت آرزوئیں اور تمنائیں رکھتا ہے۔ مگر غیب کی قضا و قدر کی کس کو خبر ہے۔ زندگی آرزوؤں کے مُوافق نہیں چلتی۔ تمناؤں کا سلسلہ اور ہے قضاؤ قدر کا سلسلہ اور ہے۔ اور وہی سچا سلسلہ ہے۔ خدا کے پاس انسان کے سوانح سچے ہیں۔ اُسے کیا معلوم ہے اُس میں کیا لکھا ہے۔ اسلئے دل کو جگا جگا کر غور کرنا چاہئے +

مُنتہائے توحید } توحید کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ خدا تعالےٰ کی محبت میں اپنے نفس کے اغراض کو بھی درمیان سے اُٹھا دے۔ اور اپنے وجود کو اُس کی عظمت میں محو کر دے +

از اخبار الحکم ۲۰ - ۲۷ مئی ۱۸۹۸ء

جماعت کے لئے نصائح } اللہ تعالیٰ کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ مگر صالح بندوں کی آپس میں اخوت اور محبت کو پیدا کرو۔ اور درندگی اور اختلاف کو چھوڑ دو۔ ہر ایک قسم کے ہزل اور تمسخر سے مطلقاً کنارہ کش ہو جاؤ کیونکہ تمسخر انسان کے دل کو صداقت سے دُور کر کے کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ عزت سے پیش آؤ۔ ہر ایک اپنے آرام پر اپنے بھائی کے آرام کو ترجیح دیوے۔ اللہ تعالیٰ سے ایک سچی صلح پیدا کر لو۔ اور اُسکی اطاعت میں واپس آجاؤ۔ اللہ تعالےٰ کا غضب زمین پر نازل ہو رہا ہے۔ اور اُس سے بچنے والے وہی ہیں جو کامل طور پر اپنے سارے گناہوں سے توبہ کر کے اُسکے حضور میں آتے ہیں +

تم یاد رکھو۔ کہ اگر اللہ تعالےٰ کے فرمان میں تم اپنے تئیں لگاؤ گے۔ اور اسکے دین کی حمایت

میں ساعی ہو جاؤ گے۔ تو خدا تمام رکاوٹوں کو دور کر دیگا اور تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کسان عمدہ پودوں کی خاطر کھیت میں سے ناکارہ چیزوں کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ اور اپنے کھیت کو خوش نما درختوں اور بار آور پودوں سے آراستہ کرتا۔ اور اُن کی حفاظت کرتا۔ اور ہر ایک ضرر اور نقصان سے اُن کو بچاتا ہے۔ مگر وہ درخت اور پودے جو پھل نہ لاویں۔ اور گلنے اور خشک ہونے لگجاویں اُن کی مالک پرواہ نہیں کرتا۔ کہ کوئی مویشی آکر اُن کو کھا جاوے۔ یا کوئی لکڑہارا اُن کو کاٹ کر تنور میں پھینک دیوے۔ سو ایسا ہی تم بھی یاد رکھو اگر تم اللہ تعالےٰ کے حضور میں صادق ٹھیرو گے تو کسی کی مخالفت تمہیں تکلیف نہ دیگی۔ پر اگر تم اپنی حالتوں کو درست نہ کرو اور اللہ تعالےٰ سے فرمانبرداری کا ایک سچا عہد نہ باندھو تو پھر اللہ تعالےٰ کو کسی کی پرواہ نہیں۔ ہزاروں بھیڑیں اور بکریاں روز ذبح ہوتی ہیں پر اُن پر کوئی رحم نہیں کرتا۔ اور اگر ایک آدمی مارا جاوے تو اتنی باز پُرس ہوتی ہے۔ سو اگر تم اپنے آپ کو درندوں کی مانند بیکار اور لاپرواہ بناؤ گے۔ تو تمہارا بھی ایسا ہی حال ہوگا۔ چاہیئے کہ تم خدا کے عزیزوں میں شامل ہو جاؤ۔ تاکہ کسی وبا کو یا آفت کو تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہو سکے۔ کیونکہ کوئی بات اللہ تعالےٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر ہو نہیں سکتی۔ ہر ایک آپس کے جھگڑے اور جوش اور عداوت کو درمیان میں سے اُٹھا دو۔ کہ اب وہ وقت ہے کہ تم ادنےٰ باتوں سے اعراض کر کے اہم اور عظیم الشان کاموں میں مصروف ہو جاؤ۔ لوگ تمہاری مخالفت کرینگے۔ اور انجمن کے ممبر تم پر ناراض ہونگے۔ پر تم اُن کو نرمی سے سمجھاؤ اور جوش کو ہرگز کام میں نہ لاؤ۔ یہ میری وصیت ہے۔ اور اسبات کو وصیت کے طور پر یاد رکھو کہ ہرگز تندی اور سختی سے کام نہ لینا بلکہ نرمی اور آہستگی اور خُلق سے ہر ایک کو سمجھاؤ اور انجمن کے ممبروں کے ذہن نشین کراؤ کہ ایسا میموریل[^۱۵] فی الحقیقت دین کو ایک نقصان دینے والا امر ہے۔ اور اسی واسطے ہم نے اُس کی مخالفت کی کہ دین کو صدمہ پہنچتا ہے" ✦

ازاخبار الحکم ۶-۱۳ اگست ۱۸۹۸ء

خواب میں ہاتھ سے دانت کا گرانا منذر ہوتا ہے

"میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ڈاڑھ کا حصہ جو بوسیدہ ہوگئی ہے اس کو میں نے مُنہ سے نکالا اور وہ بہت صاف تھا۔ اور اُسے ہاتھ میں رکھا"۔ پھر فرمایا کہ "خواب میں دانت اگر ہاتھ سے گرایا جاوے تو وہ منذر ہوتا ہے۔ ورنہ مبشر"۔ ازاں بعد محمد صادق نے اپنے دو خواب سُنائے۔ جن میں سے ایک میں نور کے کپڑوں کا ملنا اور دوسرے میں حضرت اقدس کے دیئے ہوئے مضمون کا خوشخط نقل کرنا تھا جس کی تعبیر حضرت اقدس نے کامیابی مقاصد فرمائی ✦

[^۱۵]: احمد شاہ شائق نام عیسائی نے ایک دلخراش کتاب بنام اُمہات المومنین چھپوا کر اکہزار جلد سنہ ۱۸۹۷ء میں ہندوستان کے نامور مسلمانوں کو بلا طلب بھیجی تھی اسکے خلاف انجمن حمایت اسلام لاہور نے ایک میموریل گورنمنٹ کی خدمت میں بھیجا تھا جو کہ مسود ثابت ہوا۔ جس میں اُس میموریل کی طرف اشارہ ہے۔

بعض تائیدات الٰہیہ بیّن ہوتی ہیں اور بعض مخفی } اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا
کہ "تائیداتِ الٰہیہ ایک تو بیّن اور ظاہر طور پر ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اور عام لوگ انکو دیکھ سکتے ہیں
مگر بعض مخفی تائیدات ایسی ہوتی ہیں۔ جن کے لئے میری سمجھ میں کوئی قاعدہ نہیں آتا۔ کہ
عوامُ النّاس کو کیونکر دکھا سکوں مثلاً یہی عربی تصنیف ہے۔ مَیں خوب جانتا ہوں کہ عربی ادب
میں مجھے کہاں تک دسترس ہے لیکن جب مَیں تصنیف کا سلسلہ شروع کرتا ہوں۔ تو یکے بعد
دیگرے اپنے اپنے محل اور موقع پر موزون طور پر آنے والے الفاظ القا ہوتے جاتے ہیں۔ اب کوئی
بتلائے کہ ہم کیونکر اِس تائید الٰہی کو دکھلا سکیں۔ کہ وہ کیونکر سینہ پر الفاظ نازل کرتا ہے
اور دیکھو اس ایّام الصلح میں اکثر مضامین ایسے آئے ہیں۔ جن کا میری پہلی تصنیفات
میں نام تک نہیں۔ اور اللہ تعالےٰ خُوب جانتا ہے۔ کہ اِس سے پہلے وہ کبھی ذہن میں گذرے
تھے لیکن اب وہ ایسے طور پر آ کر قلب پر نازل ہُوئے کہ سمجھ میں نہیں آسکتا۔ جب تک خود
تائید الٰہی کے شامل حال ہو کر اُس کو اس قابل نہ بنا دیوے۔ اور یہ خدا تعالےٰ کا فضل
ہے جو وہ ایسے بندوں پر کرتا ہے۔ جن سے کوئی کام لینا ہوتا ہے +
یہ بھی ایک سچّی بات ہے کہ تصنیفات کے لئے جب تک صحّت اور فراغت نہ ہو یہ کام
نہیں ہو سکتا۔ اور یہ خُدا تعالےٰ کا فضل اُن لوگوں ہی کو ملتا ہے۔ جن سے وہ کوئی کام لینا
چاہتا ہے پھر ان کو یہ سب سامان جو تصنیف کے لئے ضروری ہوتے ہیں یکجا جمع کر دیتا ہے" +

از اخبار الحکم ۲۰-۲۷ اگست ۱۸۹۸ء

حضور نے ایکدن پوچھا کہ "یہ موجودہ فلسفہ اکثر طبیعتوں میں بیدینی کیوں پیدا کر دیتا ہے"۔
اس پر ماسٹر غلام محمد صاحب سیالکوٹی نے کہا۔ کہ "دراصل جو طبیعتیں پہلے ہی سے بیدینی کی طرف
مائل ہوتی ہیں۔ وہی اس سے اثر پذیر ہوتی ہیں۔ ورنہ اکثر بڑے بڑے فلاسفر مزاج پادری
اپنے مذہب میں پکّے ہوتے ہیں" +

عیسائی اُصول فلسفہ استقراء کے مطابق نہیں

حضرت اقدس نے فرمایا۔ کہ ان باتوں پر غور کرنے کے بعد
افسوس کے ساتھ ذہن دوسری طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ کہ ایک طرف تو یہ پادری لوگ کالجوں اور
سکولوں میں فلسفہ اور منطق پڑھاتے ہیں۔ دوسری طرف مسیح کو ابن اللہ اور اللہ مانتے ہیں اور تثلیث
وغیرہ عقائد کے قائل ہیں۔ جو سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ کہ کیونکر اس کو فلاسفہ سے مطابق کرتے ہیں۔

انگریزی منطق کی بنا تو منطق استقرائی ہی پر ہے۔ پھر یہ کونسا استقراء ہے۔ کہ یسوع ابن اللہ ہے کونسی شکل پیدا کرتے ہونگے یہی ہوگا۔ کہ مثلاً اِس قسم کے خواص جن لوگوں کے اندر ہوں وہ خدا یا خدا کے بیٹے ہوتے ہیں۔ اور مسیح میں یہ خواص تھے پس وہ بھی خدا یا خدا کا بیٹا تھا۔ اِس سے تو کثرت لازم آتی ہے۔ جو محال مطلق ہے۔ میں تو جب اس پر غور کرتا ہوں حیرت بڑھتی ہی جاتی ہے نہیں معلوم یہ لوگ کیوں نہیں سوچتے +

اسلامی اصول فلسفۂ استقرا کے مطابق ہیں اسلام کے پاک اصول ایسے نہیں ہیں۔ کہ فلسفہ یا استقراء کی محک پر بھی کامل العیار ثابت نہوں۔ بلکہ میں نے بارہا غور کی ہے۔ کہ قرآن کریم کی نسبت جو آیا ہے۔ فی کتٰب مکنون۔ س ۲۷۔ یہ کتاب مکنون زمین اور آسمان کی چھپی ہوئی کتاب ہے جس کے پڑھنے پر ہر شخص قادر نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن کریم اسی کتاب کا آئینہ ہے۔ اور قرآن کریم نے وہی خدا دکھایا ہے جس پر آسمان وزمین شہادت دیتے ہیں۔ مگر یہ اُنیس سو برس کا تراشا ہوا جعلی مُردہ خدا کس سند اور شہادت پر خدا بنایا گیا ہے پس یہ اسلام ہی کی خوبی اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی فخر ہے۔ کہ وہ ایسا دین لیکر آئے۔ کہ جو ہمیشہ سے ہے۔ اور جس کی تعلیم زمین اور آسمان کے اوراق میں بھی واضح طور پر موجود ہے" +

۲۵۔ اگست کی صبح کو فارسی زبان پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے کہا۔ کہ "ایرانیوں نے آج کل اپنی توجہ تصنیفات کی طرف بہت مبذول کی ہے۔ اور اس کثرت سے عربی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کہ بجز روابط کے فارسی زبان کو کم دخل دیتے ہیں۔ اور باب مفاعلہ انفعال استفعال وغیرہ کو اس قدر کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ کہ عقل حیران ہوتی ہے" +

اِس پر حضرت اقدس نے فرمایا۔ کہ "فہمیدن وغیرہ قدیم زمانے میں استعمال کرتے تھے۔ آجکل بہت کم استعمال رہگیا"۔ پھر مولانا عبدالکریم صاحب نے عرض کیا کہ "جناب! آج کل تو مفاہمہ تفہیم وغیرہ ہی بولتے ہیں" +

عربی زبان وسیع ہے اسکی تصنیفات کا اندازہ نہیں ہوسکتا اسکے بعد اسی سلسلہ میں حضرت نے فرمایا۔ کہ "عربی زبان بہت وسیع ہے۔ اور ہر ایک قسم کی اصطلاحیں اُس میں موجود ہیں۔ اور تصنیفات اس قدر کثرت سے ہو رہی ہیں۔ کہ جن کا علم بجز خدا کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ صرف حدیث ہی کو دیکھو۔ کہ کوئی کامل طور پر دعوے نہیں کر سکتا کہ اُس نے علم حدیث کی کل کتابوں کو دیکھا ہو پھر مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے علے اسبیل الذکر فرمایا۔ کہ حال ہی میں مولوی نورالدین صاحب کے

پاس مصر سے کتب خانہ خدیویکی ایک فہرست سات جلدوں میں آئی ہے۔ وہ فہرست ایسے طور پر ترتیب کی گئی ہے۔ کہ اُس کو پڑھ کر بھی ایک مزا آتا ہے۔ ایسے ڈھنگ پر کتابوں کے نمبر دیئے ہیں۔ کہ ایک بالکل اجنبی بھی اگر لائبریری میں چلا جاوے تو وہ بلا تکلیف عین کتاب پر ہاتھ ڈالیگا بشرطیکہ اُس نے فہرست کو ایکبار دیکھا ہو۔" اس پر حضرت اقدس نے پوچھا۔ کہ وہ کتابیں باہر جا سکتی ہیں"؟ مولوی صاحب نے فرمایا۔" ہاں وہ لائبریریاں ایسی نہیں۔ کتابیں نقل ہو سکتی ہیں وغیرہ وغیرہ

اس پر جناب امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ

" خدا تعالےٰ نے اسلام کی کس قدر تائید کی ہے۔ اگر کوئی نادان اسلام کی اس تائید الٰہی کا انکار کرتا ہے۔ تو اُسے ماننا پڑے گا۔ کہ کبھی بھی دُنیا میں خدا نے کسی کی تائید نہیں کی۔ زبان کا اس قدر وسیع ہونا اور پھر اُسمیں اس قدر کثرت سے تصنیفات کا ہونا بھی اسلام ہی کی تائید ہے کیونکہ قرآن شریف ہی کی تائید ہوئی ہے۔ کوئی اہلِ لغت جب کسی لفظ کے معنے لکھتا ہے تو اگر وہ لفظ قرآن کریم میں آیا ہے۔ ساتھ ہی اُس نے وہ آیت بھی ضرور ہی لکھ دی ہے"۔ یہاں مولانا عبدالکریم صاحب نے فرمایا کہ "لسان العرب" نے تو یہ طریق لازمی طور پر رکھا ہے پھر حضرت نے اپنے سلسلہ تقریر میں فرمایا۔ کہ سنسکرت وغیرہ زبانیں تو قریب مُردہ ہوگئی ہیں۔ نہ اُن میں تصنیفات ہیں نہ کچھ اور۔ ایسا ہی عیسائیوں کا حال ہے۔ کہ اُن کی انجیل کی اصلی زبان کی طرف توجہ ہی نہیں رہی"۔ پھر اسی سلسلہ میں حضور نے فرمایا۔ کہ

مجھے حیرت ہوتی ہے۔ کہ پھر اسلام سے کیوں پرخاش کی جاتی ہے۔ اسلام کا خدا کوئی مصنوعی خدا نہیں۔ بلکہ وہی قادر خدا ہے جو ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ اور پھر رسالت کی طرف دیکھو۔ کہ اصل غرض رسالت کی کیا ہوتی ہے؟

رسالت کی اصل غرض آنحضرت صلعم اور حضرت عیسےٰ اور ان دونوں کے اصحاب کا مقابلہ

اوّل یہ کہ رسُول ضرورت کے وقت آئے۔ اور پھر اُس ضرورت کو بوجہ احسن پُورا کرے۔ سو یہ فخر بھی ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے۔ عرب اور دُنیا کی حالت جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آئے کسی سے پوشیدہ نہیں بالکُل وحشی لوگ تھے۔ کھانے پینے کے سوا کچھ نہ جانتے تھے۔ نہ حقوق العباد سے آشنا نہ حقوق اللہ سے آگاہ۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے ایک طرف اُن کا نقشہ کھینچ کر بتلایا۔ کہ یأکلون کما یأکل الانعام پھر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم نے ایسا اثر کیا۔ یبیتون لربھم سجدا و قیاما۔ ان کی حالت ہوگئی۔ یعنے اپنے رب کی یاد میں راتیں سجدے اور قیام میں

گذار دیتے ہیں۔ اللہ اللہ کس قدر فضیلت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سبب سے ایک بے نظیر انقلاب اور عظیم الشان تبدیلی واقع ہو گئی۔ حقوق العباد اور حقوق اللہ دونوں کو میزان اعتدال پر قائم کردیا۔ اور مُردار خوار اور مُردہ قوم کو ایک اعلےٰ درجہ کی زندہ اور پاکیزہ قوم بنا دیا دونوں ہی خوبیاں ہوتی ہیں علمی یا عملی۔ عملی حالت کا تو یہ حال کہ یبیتون لربھم سجدًا وقیاماً۔ اور علمی کا یہ حال کہ اس قدر کثرت سے تصنیفات کا سلسلہ اور توسیع زبان کی خدمت کا سلسلہ جاری ہے کہ اسکی نظیر نہیں ملتی +

دوسری طرف جب عیسائیوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے حیران ہی ہونا پڑتا ہے کہ حواریوں نے عیسائی ہو کر کیا ترقی کی۔ یہودہ اسکریوطی جو یسوع کا خزانچی تھا کبھی کبھی تغلب بھی کر لیا کرتا تھا۔ اور تیس روپے لے کر اُستاد کو پکڑوا نا۔ تو اُس کا ظاہر ہی ہے یسوع کی تھیلی میں دو ہزار روپیہ رہا کرتے تھے۔ ایک طرف تو اُن کا یہ حال ہے۔ بالمقابل رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ حال کہ بوقت وفات پُوچھا۔ کہ کیا گھر میں کچھ ہے۔ جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ کہ ایک دینار ہے حضُور نے فرمایا۔ کہ اسے تقسیم کردو۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کا رسُول خدا تعالےٰ کی طرف سفر کرے۔ اور گھر میں ایک دینار چھوڑ جاوے +

مجھے تو حیران ہی ہونا پڑتا ہے۔ کہ عیسائی لوگ فلسفہ فلسفہ پکارتے ہیں۔ اُن کی الٰہیات کی فلسفی خدا جانے کہاں گئی۔ کفارہ ہی کو دیکھو۔ ایک تصویری جانور کی طرح ہے۔ کفارہ نے کیا بنایا۔ علمی دلائل کو چھوڑ دیا جاوے۔ تو بھی دیکھو۔ کہ حواریوں کی نہ تو علمی اصلاح ہُوئی اور نہ عملی۔ علمی اصلاح کے لئے تو انجیل نے خود فیصلہ کردیا۔ کہ وہ موٹی عقل والے تھے اور کم فہم اور لالچی تھے۔ اور عملی اصلاح کا خاکہ بھی انجیل ہی نے کھینچ کر دکھلا دیا کہ کوئی لعنتیں بھیجتا ہے۔ اور کوئی تیس روپے پر پکڑواتا ہے اور کیا کچھ۔ اور کیا کچھ۔ گناہ کے آثار۔ تاریکی اور ظلمت تو اس دنیا ہی میں شروع ہو جاتی ہے۔ جیسے فرمایا۔ من کان فی ھذہٖ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ الآیہ۔ ۱۵۔ اب یسوع کے شاگردوں کو دیکھو۔ کہ کیا ان کی حالت میں تبدیلی ہُوئی۔ گناہ کے دُور ہونے سے تو ایک قسم کی بصیرت اور روشنی پیدا ہوتی ہے۔ مگر اُن میں کہاں۔ پھر کفارہ نے کیا بنایا" +

از اخبار الحکم ۲۰۔ ۲۷ ستمبر ۱۸۹۸ء

جسقدر انسان کے تعلقات وسیع ہوتے ہیں اُسیقدر اسکی خوابوں کا تعلق وسیع ہوتا ہے } ۲۶ ستمبر کی صبح کو بعد نماز فجر حضرت اقدس نے فرمایا کہ اب میری حالت یہانتک پہنچ گئی ہے کہ اگر

کوئی خواب بھی آتا ہے۔ تو میں اُسے اپنی ذات یا نفس سے مخصوص نہیں سمجھتا۔ بلکہ اسلام اور اپنی جماعت ہی کے متعلق سمجھتا ہوں۔ اور میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں۔ کہ اپنے نفس کا ذرا بھی خیال نہیں ہوتا۔ چنانچہ رات میں نے دیکھا۔ کہ ایک بڑا پیالہ شربت کا پیا۔ اُسکی حلاوت اسقدر ہے کہ میری طبیعت برداشت نہیں کرتی۔ باانیہمہ میں اُس کو پیئے جاتا ہوں۔ اور میرے دل میں یہ خیال بھی گذرتا ہے۔ کہ مجھے پیشاب کثرت سے آتا ہے اِتنا میٹھا اور کثیر شربت میں کیوں پی رہا ہوں مگر اُس پر بھی میں اُس پیالے کو پی گیا۔ شربت سے مُراد کامیابی ہوتی ہے۔ اور یہ اسلام اور ہماری جماعت کی کامیابی کی بشارت ہے +

اصل بات یہ ہے۔ کہ جس قدر تعلقات انسان کے وسیع ہوتے جاتے ہیں۔ اسیقدر سلسلہ اُسکے خواب کا بلحاظ تعلقات وسیع ہوتا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کلکتہ کا کوئی ایسا شخص ہو جس کو ہم جانتے بھی نہیں۔ تو اُس کے متعلق کوئی خواب بھی نہ آئیگی۔ چنانچہ کئی سال پہلے جب مجھے صرف چند آدمی جانتے تھے۔ اُس وقت جو خواب آتی تھی وہ اُن تک ہی محدُود ہوتی تھی۔ اور اب کئی ہزار سے تعلق رکھتی ہے" +

ادویات کے متعلق سلسلہ گفتگو کا چل پڑا۔ اور وہ اس تقریب پر کہ مولانا مولوی عبدالکریم صاحب کو کوئی دوا حضرت اقدس نے شب گذشتہ کو دی تھی۔ اُس کے اثر کے متعلق حضرت نے دریافت فرمایا۔ اسی ضمن میں البیٹرن سپہ اور کچلہ وغیرہ پر مختلف ذکر ہوتا رہا۔ اور اُن کے خواص میں سے عصاب کی تقویت کا تذکرہ ہوُا۔ جس پر حضرت اقدس کو مولانا مولوی عبدالکریم نے اِس امر کی طرف توجہ دلائی۔ کہ عَصَب کے لفظ میں فلاسفی بھری ہوئی ہے۔ کیونکہ عَصَب کے معنے ہیں باندھنا۔ اور پٹھے بھی انسان کے اعضا کو رسیوں کی طرح باندھے رکھتے ہیں۔ اور بالمقابل نرد کے لفظ میں بجز لفظ کے کچھ بھی نہیں۔ اسپر حضرت نے فرمایا۔

"یہ بھی رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ کہ الفاظ کے اندر علمی باتیں بھری ہوئی ہیں۔ اور عربی زبان اسی لئے خاتم الالسنہ ہے۔ چونکہ قرآن جیسا عظیم الشان معجزہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیا۔ اسلئے اُسکی عظمت علمی پہلو سے بہت بڑی ہے +

پھر اسی کے ضمن میں منن الرحمٰن کی اشاعت کے متعلق تذکرہ ہوتا رہا۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ" بعض اسباب اور سامان کے بہم پہنچ جانے پر جو اُسکے لیئے ضروری ہیں شائع ہوگی"

پھر اسی ذکر میں آپنے فرمایا۔" میں نے بارہا ذکر کیا ہے۔ کہ اللہ تعالے نے چار قسم کے نشان مجھے دیئے ہیں اور جن کو میں نے بڑے دعوے کے ساتھ متعدد مرتبہ لکھا اور شائع کیا ہے" +

چار قسم کے نشان مجھے دئیے گئے ہیں
جو میری صداقت پر دلالت کرتے ہیں

اوّل عربی دانی کا نشان ہے۔ اور یہ اُس وقت سے مجھے ملا ہے۔ جبسے کہ محمد حسین (بٹالوی صاحب) نے یہ لکھا کہ یہ عاجز عربی کا ایک صیغہ بھی نہیں جانتا۔ حالانکہ ہم نے کبھی دعوےٰ بھی نہیں کیا تھا۔ کہ عربی کا صیغہ آتا ہے۔ جو لوگ عربی املا اور انشاء میں پڑے ہیں۔ وہ اسکی مشکلات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اور اُس کی خوبیوں کا لحاظ رکھ سکتے ہیں۔ مولوی صاحب (مولوی عبد الکریم صاحب سے مراد تھی) شروع سے دیکھتے رہے ہیں۔ کہ کس طرح پر اللہ تعالےٰ نے اعجازی طور پر مدد دی ہے۔ بڑی مشکل آکر یہ پڑتی ہے جب ٹھیٹھ زبان کا لفظ مناسبِ موقع پر نہیں ملتا۔ اُس وقت خدا تعالےٰ وہ الفاظ القا کرتا ہے۔ نئی اور بناوٹی زبان بنا لینا آسان ہے۔ مگر ٹھیٹھ زبان مشکل ہے۔ پھر ہم نے ان تصانیف کو بیش قرار انعامات کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ تم جس سے چاہو مدد لیلو۔ اور خواہ اہلِ زبان بھی ملا لو۔ مجھے خدا تعالےٰ نے اسبات کا یقین دلا دیا ہے۔ کہ وہ ہرگز قادر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ نشان قرآن کریم کے خوارق میں سے ظلّی طور پر مجھے دیا گیا ہے +

دوم دعاؤں کا قبول ہونا۔ میں نے عربی تصانیف کے دوران میں تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے کہ کس قدر کثرت سے میری دُعائیں قبول ہوئی ہیں۔ ایک ایک لفظ پر دُعا کی ہے۔ اور میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تو مستثنےٰ کرتا ہوں (کیونکہ اُن کی طفیل اور اقتدا سے تو یہ سب کچھ ملا ہی ہے) اور میں کہہ سکتا ہوں کہ میری دعائیں اس قدر قبول ہوئی ہیں۔ کہ کسی کی نہیں ہوئی ہونگی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ دس ہزار یا دو لاکھ یا کتنی۔ اور بعض نشانات قبولیت کے تو ایسے ہیں کہ ایک عالم اُن کو جانتا ہے +

تیسرا نشان پیشگوئیوں کا ہے۔ یعنے اظہار علے الغیب یُوں تو نجومی اور رمّال لوگ بھی اٹکل بازیوں سے بعض باتیں ایسی کہدیتے ہیں۔ کہ اُن کا کچھ نہ کچھ حصہ ٹھیک ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی تاریخ ہم کو بتلاتی ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کاہن لوگ تھے۔ جو غیب کی خبریں بتلاتے تھے۔ چنانچہ سطیح بھی ایک کاہن تھا۔ مگر ان اٹکل باز رمّالوں اور کاہنوں کی غیب دانی اور ماموُر من اللہ اور مُلہم کے اظہار غیب میں یہ فرق ہوتا ہے۔ کہ مُلہم کا اظہار غیب اپنے اندر الٰہی طاقت اور خدائی ہیبت رکھتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے صاف طور پر فرمایا ہے۔ لا یظھر علی غیبہٖ احدًا الا من ارتضیٰ من رسول۔ پ ۲۹۔ یہاں اظہار کا لفظ ہی ظاہر کرتا ہے۔ کہ اسکے اندر ایک شوکت اور قوّت ہوتی ہے +

چوتھا نشان قرآن کریم کے دقائق اور معارف کا ہے۔ کیونکہ معارف قرآن اُس شخص کے سوا اور کسی پر نہیں کھُل سکتے۔ جس کی تطہیر ہو چکی ہو۔ لا یمسّہ الا المطھرون۔ س ۲۷۔ مَیں نے کئی مرتبہ کہا ہے۔ کہ میرے مخالف بھی ایک سُورت کی تفسیر کریں۔ اور مَیں بھی تفسیر کرتا ہوں پھر مقابلہ کر لیا جاوے۔ مگر کسی نے جُرات نہیں کی محمد حسین وغیرہ نے تو یہ کہدیا۔ کہ ان کو عربی کا صیغہ نہیں آتا۔ اور جب کتابیں پیش کی گئیں تو بودے اور رکیک عذر کر کے ٹال دیا۔ کہ یہ عربی تو اردو کی چالو ہے۔ مگر یہ نہ ہوسکا۔ کہ ایک صفحہ ہی بنا کر پیش کر دیتا۔ اور دکھا دیتا کہ عربی یہ ہے +

غرض یہ چار نشان ہیں جو خاص طور پر میری صداقت کے لئے مجھے ملے ہیں" +

از اخبار الحکم ۸۔ اکتوبر ۱۸۹۸ء

ہر ایک امر کی عظمت اور عدم عظمت اُسکے حصُول کے لوازمات اور مشکلات پر ہوتی ہے

۳۔ اکتوبر کی صبح کو بعد نماز فجر فرمایا کہ "رات کو بعد تہجد لیٹ گیا تو تھوڑی سی غنُودگی کے بعد دیکھا کہ میرے ہاتھ میں سرمہ چشم آریہ کے چار ورق ہیں۔ اور کوئی کہتا ہے کہ آریہ لوگ اب خود اس کتاب کو چھپوا رہے ہیں"۔ تعبیر میں فرمایا۔ کہ شاید اس سے یہ مُراد ہو کہ آریہ لوگونکو جو بعض حجاب اور وساوس ہماری پیشگوئیوں مثل پیشگوئی متعلقہ لیکھرام وغیرہ کے متعلق ہیں وہ دُور ہو جاویں۔ اور اُن پر اصل حقیقت کا انکشاف ہو جاوے۔ مقدمہ کلارک میں رام بھجدت وکیل آریہ تھا۔ جب امرتسر کے سٹیشن پر مجھ سے ملا تو اُس نے صاف کہا کہ میں بلا فیس اس مقدمہ میں اس لئے گیا تھا۔ کہ شاید قتل لیکھرام کا کوئی سراغ ملے کیونکہ اُس کے قتل کا یقین ہم کو آپ پر تھا۔ ایسا ہی اور اقوام کو ایسا خیال ہو سکتا ہے۔ پس اس خواب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ اُن پر اصل حقیقت کھول کر حجت ملزمہ قائم کر دے۔ پھر فرمایا کہ بٹی والے جو اشتہار دکھائے گئے تھے۔ اُسمیں بھی یہی تھا کہ وہ لوگ خود چھپوا رہے ہیں +

اس پر مولانا مولوی نور الدین صاحب نے فرمایا کہ جب وہ امر پورا ہوگا جس قدر عظمت اور قدر ہم کو ہوگی اور لوگونکو کہاں ہم تو دیکھتے ہیں کہ کیسے مشکلات در پیش ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ

بیشک صرف اسی میں نہیں بلکہ ہر دُعا اور پیشگوئی کی عظمت اور قبولیت میں یہی حال ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی لق و دق میدان میں جہاں ہزارہا کوس تک پانی نہیں ملتا کوئی شخص دُعا کرے۔ اور خدا تعالےٰ اپنے فضل سے اُسے پانی کا پیالہ عطا کرے۔ تو اس امر کو مجمل طور پر اُن

مشکلات اور لوازمات کو نظر انداز کر کے بیان کیا جاوے تو لوگ جو کُل حالات پر آگاہ نہیں بجائے عظمت کے ہنسی کرینگے لیکن جب مشکلات سے واقف ہوں تو پھر ایک خاص عظمت اور ہیبت سے اسکو دیکھینگے۔ ایسا ہی اگر کوئی ناخواندہ اور اُمّی آدمی انگریزی کی کتاب پڑھ جاوے تو اُس کی اُمید سے واقف لوگ اُسے عظمت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ مگر ایک ایم۔اے اور بی اے اگر اُس کتاب کو پڑھ جاوے تو چنداں کیا بالکُل وقعت نہ دینگے معمولی امر خیال کرینگے +

غرض ہر ایک امر کی عظمت اور عدم عظمت اس کے حصُول کے لوازمات اور مشکلات پر ہوتی ہے

پھر فرمایا کہ "لوگ اس امر کو بھی جھوٹ جانیں گے جو ہم نے لکھ دیا ہے کہ میری تیس ہزار دُعائیں کم از کم قبول ہوئی ہیں۔ مگر میرا خدا خوب جانتا ہے کہ یہ سچ ہے۔ اور اسمیں ذرا بھی جھوٹ نہیں کیونکہ ہر ایک کام کے لیئے خواہ دینی ہو یا دنیوی دُعا کی گئی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے اُسے موزُون اور طیّب بنا دیا ہے" +

عربی تصنیفات میں ایک ایک لفظ دُعا ہی کا اثر ہے ورنہ انسانی طاقت کا کام نہیں کہ تحدّی کرے۔ اگر دُعا کا اثر نہیں تو پھر کیوں کوئی مولوی یا اہل زبان دم نہیں مار سکتا۔ یہ اللہ تعالےٰ کا خاص فضل ہے کہ اہل زبان کے رنگ اور محاورہ پر ہماری کُتب تصنیف ہُوئی ہیں۔ ورنہ اہل زبان بھی سارے اس پر قادر نہیں ہوتے کہ کُل مسلّم محاورات زبان پر اطلاع رکھتے ہوں۔ پس یہ خدا ہی کا فضل ہے" +

از اخبار الحکم ۱۰ جنوری ۱۸۹۹ء

الہام السهيل البدری کے معنے حضور نے فرمایا کہ رات یعنی ۳۱ دسمبر ۹۸ء کی شب کو الہام ہُوا "السهيل البدری"۔ پھر فرمایا کہ سہیل وہ ستارہ ہے جس کو ولدالزنا کُش بھی کہتے ہیں کیونکہ جب وہ طلوع ہوتا ہے تو تلوّنی کیڑے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ابوالفضل نے اسی ستارہ کی نسبت لکھا ہے ع

ولدالزنا کُش آمد چو ستارۂ یمانی

مخالفوں کی بدزبانی اور جھوٹی مخبریاں یہ تکالیف اور ایذائیں جو مخالف کبھی بدزبانیوں کے رنگ میں۔ اور جھوٹ اور افترا سے بھرے ہوئے اشتہاروں کے ذریعے۔ اور کبھی گورنمنٹ اور حکومت کو خلاف واقعہ اور محض جھوٹی باتوں کے بیان کرنے سے بدظن کر کے ہم کو پہنچاتے ہیں۔ اگر ہماری اپنی ہی ذات تک محدود اور مخصوص ہوتی ہیں تو خدا تعالےٰ بہتر جانتا ہے کہ ہم کو

ذرا بھی خیال نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہم تو قربانی کے بکرے کی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر وقت تیار ہیں مگر اس کا اثر ہماری قوم پر پہنچتا ہے۔ اور بعض لوگ ابھی ایسے کمزور بھی ہیں جو ابتلا برداشت نہیں کر سکتے۔ اسلئے ہم نے مناسب سمجھا ہے۔ کہ ان کُل حالات کو چھاپ کر گورنمنٹ کے پاس بھیجدیں کیونکہ اگر ہم خاموش رہیں تو اُدھر مخالف ریشہ دوانیاں کرتے ہیں۔ پھر اس کا اثر اچھا نہیں پڑتا۔ چونکہ ہمارے دل صاف ہیں۔ اور ہم بد باطن لوگوں کی طرح نفاق اور مداہنت سے کام نہیں لیتے۔ اسلئے ہم کو کامل اُمید ہے کہ یہ رسالہ کشف الغطاء گورنمنٹ عالیہ کو ہمارے حالات اور ہمارے تعلقات سے اطلاع دیگا +

مولوی قطب الدین صاحب ساکن بدو ملہی نے سوال کیا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کتفین مبارک کے درمیان جو مُہرِ نبوّت بتلائی جاتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ رسولی کی طرح تھی۔ اسکی اصل حقیقت کیا ہے؟"

مُہرِ نبوّت کی اصل حقیقت

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مُہرِ نبوّت کے متعلق جو اعتراض کیا جاتا ہے ہمارے خیال میں یہ ایک فروعی بات ہے مگر میں یہ بات اپنے سچے جوش اور اخلاص سے کہتا ہوں کہ میرا ایمان یہی ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی نشان نبوّت کو رسولی وغیرہ الفاظ سے نسبت دینا ایک مومن اور سچّے مسلمان کا کام نہیں۔ یہ گستاخی اور شوخی ہے جو کُفر کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ ہم کو ایسے معاملات میں زیادہ تفتیش اور چھان بین کی ضرورت نہیں کہ وہ مُہرِ نبوّت کیا تھی؟ اور کیسی تھی؟ کیونکہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی تصدیق میں اللہ تعالےٰ نے بیشمار نشانات بیّن اور واضح طور پر رکھے تھے۔ اُن میں سے ایک مُہر نبوّت بھی تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ چونکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجُود سے انبیاء علیہم السّلام کو ایسی ہی نسبت ہے جیسی کہ ہلال کو بدر سے ہوتی ہے ہلال کا وجوُد ایک تاریکی میں ہوتا ہے لیکن جب وہ اپنے کمال کو پہنچ کر بدر بن جاتا ہے تو وہ بدر اپنی پہلی حالت ہلال کا مُثبت اور مُصدّق ہو جاتا ہے۔ پس یقیناً سمجھو کہ اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ آتے تو پہلے نبی اور اُن کی نبُوتوں کے پہلو مخفی رہتے۔ اب سوچو اور بتلاؤ کہ کیا موجُودہ اناجیل سے انسان طریق توحید کا پتہ لگا سکتا ہے۔ کیسی حیران کر دینے والی بات ہے کہ خدا تعالےٰ کا نبی اُسکی توحید کو قائم کرنے آیا کرتا ہے یا اپنی خدائی منوانے؟ پس اب موجودہ انجیل نے یہی نہیں کہ طریق توحید کو گم کیا۔ بلکہ ساتھ ہی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی رسالت اور نبوّت کو اُڑا دیا اور یہ چاہا کہ وہ خدا یا ابن خدا بنتے۔ اُن کو نبی کے درجہ سے بھی گرا کر معاذ اللہ بہت بُرے درجہ کا

آدمی بنا دیا۔ مگر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات نے آکر اُن کی تعلیم کو زندہ کیا۔ اور خود مسیح کی اپنی ذات اور وجُود کے لئے مسیحائی کی کہ اُس کو مُردوں سے نکال کر اُس زندگی میں داخل کیا جو اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ بندوں اور رسُولوں کو دیجاتی ہے تعلیم وہی کامل ہو سکتی ہے جو انسانی قوائے کی پُوری مُربّی اور متکفّل ہو نہ یہ کہ ایک ہی پہلو پر واقع ہُوئی ہو۔ انجیل کی تعلیم کو دیکھو کہ وہ کیا کہتی ہے اور اُسکے بالمقابل قرآن کیا تعلیم دیتے ہیں انسانی قویٰ اور فطرت خدا تعالےٰ کی فعلی کتاب ہے پس اُس کی قولی کتاب جو کتاب اللہ کہلاتی ہے۔ یا اُسے تعلیم الٰہی کہو اُسکی ساخت اور بناوٹ کے مخالف اور متضاد کیونکر ہوگی؟ اسی طرح پر اگر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نہ آتے تو انبیاء سابقین کے اخلاق۔ ہدایات۔ معجزات اور قوّت قدسیہ پر اعتراض ہوتے۔ مگر حضُور نے آکر اُن سب کو پاک ٹھیرایا۔ اسلئے آپ کی نبوت کے نشانات سُورج سے زیادہ روشن ہیں۔ اور بے انتہا اور بیشمار ہیں پس آپ کی نبوت یا نشانات نبوت پر اعتراض کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ دن چڑھا ہُوا ہو اور کوئی احمق نابینا کہدے کہ ابھی تو رات ہی ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ دوسرے مذاہب تاریکی ہی میں رہتے۔ اگر اب تک رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نہ آتے ایمان تباہ ہو جاتا اور زمین لعنت اور عذاب الٰہی سے تباہ ہو جاتی۔ اسلام شمع کی طرح منوّر ہے۔ جس نے دوسروں کو بھی تاریکی سے نکالا ہے۔ توریت کو پڑھو تو بہشت اور دوزخ کا پتہ ہی ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ انجیل کو دیکھو تو توحید کا نشان نہیں ملتا۔ اب بتلاؤ کہ اس میں تو شک نہیں کہ یہ دونوں کتابیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے تھیں اور ہیں لیکن اس میں کونسی روشنی مل سکتی ہے۔ سچی روشنی اور حقیقی نُور جو نجات کے لئے مطلوب ہے۔ وہ اسلام ہی میں ہے۔ توحید ہی کو دیکھو کہ جہاں سے قرآن کو کھولو وہ ایک شمشیر برہنہ نظر آتا ہے کہ شرک کی جڑ کاٹ رہا ہے۔ ایسا ہی نبوّت کے تمام پہلو ایسے صاف اور روشن نظر آتے ہیں۔ کہ اُن سے بڑھکر ممکن نہیں۔ ختم نبوّت کو یُوں سمجھ سکتے ہیں کہ جہانتک دلائل اور معرفت طبعی طور پر ختم ہو جاتے ہیں وہ وہی حد ہے جس کو ختم نبوت کے نام سے موسُوم کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ملحدوں کی طرح نکتہ چینی کرنا بے ایمانوں کا کام ہے۔ ہر بات میں بیّنات ہوتے ہیں۔ اور اُن کا سمجھنا معرفت کاملہ اور نُور بصر پر موقوف ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ایمان اور عرفان کی تکمیل ہُوئی۔ دوسری قوموں کو روشنی پہنچی۔ کسی اور قوم کو یقین اور روشن شریعت نہیں ملی۔ اگر ملتی تو کیا وہ عرب پر اپنا کچھ بھی اثر نہ ڈال سکتی۔ عرب سے وہ آفتاب نکلا کہ اُس نے ہر قوم کو روشن کیا۔ اور ہر بستی پر اپنا نور ڈالا۔ یہ

قرآن کریم ہی کو فخر حاصل ہے کہ وہ توحید اور نبوت کے مسئلہ میں کُل دُنیا کے مذاہب پر فتحیاب ہوسکتا ہے۔ یہ فخر کا مقام ہے کہ ایسی کتاب مسلمانوں کو ملی ہے جو لوگ حملہ کرتے ہیں اور تعلیم و ہدایت اسلام پر معترض ہوتے ہیں وہ بالکل کور باطنی اور بے ایمانی سے بولتے ہیں مثلاً

تعدّد ازدواج

تعدد ازدواج پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے بہت عورتوں کی اجازت دی ہے ہم کہتے ہیں کہ کیا کوئی ایسا دلیر اور مرد میدان معترض ہے جو ہم کو یہ دکھلا سکے کہ قرآن کہتا ہے ضرور ضرور ایک سے زیادہ عورتیں کرو۔ ہاں یہ ایک سچی بات ہے اور بالکل طبعی امر ہے۔ کہ اکثر اوقات انسان کو ضرورت پیش آجاتی ہے۔ کہ وہ ایک سے زیادہ عورتیں کرے مثلاً عورت اندھی ہوگئی یا کسی اور خطرناک مرض میں مُبتلا ہو کر اس قابل ہوگئی کہ خانہ داری کے امور سرانجام نہیں دے سکتی۔ اور مرد از راہ ہمدردی یہ بھی نہیں چاہتا کہ اُسے علیحدہ کرے یا رحم کی خطرناک بیماریوں کا شکار ہو کر مرد کی طبعی ضرورتوں کو پُورا نہیں کرسکتی۔ تو ایسی صُورت میں اگر نکاح ثانی کی اجازت نہو تو بتلاؤ کیا اُس سے بدکاری اور بداخلاقی کو ترقی نہ ہوگی؟ پھر اگر کوئی مذہب و شریعت کثرت ازدواج کو روکتی ہے تو یقیناً وہ بدکاری اور بداخلاقی کی مُؤید ہے لیکن اسلام جو دُنیا سے بداخلاقی اور بدکاری کو دُور کرنا چاہتا ہے اجازت دیتا ہے کہ ایسی ضرورتوں کے لحاظ سے ایک سے زیادہ بیویاں کرے۔ ایسا ہی اولاد کے نہونے پر جبکہ لاولد کے پس مرگ خاندان میں بہت سے ہنگامے اور کُشت و خُون ہونے تک نوبت پہنچ جاتی ہے ایک ضروری امر ہے کہ وہ ایک سے زیادہ بیویاں کرکے اولاد پیدا کرے۔ بلکہ ایسی صُورت میں نیک اور شریف بیبیاں خود اجازت دیدیتی ہیں پس جس قدر غور کرو گے یہ مسئلہ صاف اور روشن نظر آئیگا۔ عیسائی کو توحق ہی نہیں پہنچتا کہ اس مسئلہ پر نکتہ چینی کرے۔ کیونکہ اُن کے مُسلّمہ نبی اور مُلہم بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بزرگوں نے سات سات سو اور تین تین سو بیبیاں کیں۔ اور اگر وہ کہیں کہ وہ فاسق فاجر تھے۔ تو پھر اُن کو اس بات کا جواب دینا مشکل ہوگا کہ ان کے الہام خدا کے الہام کیونکر ہوسکتے ہیں عیسائیوں میں بعض فرقے ایسے بھی ہیں جو نبیوں کی شان میں ایسی گستاخیاں جائز نہیں رکھتے۔ علاوہ ازیں انجیل میں صراحت سے اِس مسئلہ کو بیان ہی نہیں کیا گیا۔ لنڈن کی عورتوں کا زور ایک باعث ہوگیا۔ کہ دوسری عورت نہ کریں۔ پھر اُس کے نتائج خود دیکھ لو کہ لنڈن اور پیرس میں عفت اور تقوے کی کیسی قدر ہے۔ ایسا ہی دوسرے مسائل غلامی اور جہاد پر بھی اُن کے اعتراض درست نہیں۔ کیونکہ توریت میں ایک لمبا سلسلہ ایسی جنگوں کا چلتا ہے۔ حالانکہ اسلام کی لڑائیاں ڈیفنسو (دفاعی) تھیں۔ اور وہ صرف سال

کے اندر ختم ہوگئیں ۔میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یہ مسائل اُن کی کتابوں میں نکال سکتا ہوں۔ اور ایسے ہی میرا دعوے ہے کہ تمام صداقتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ اگر کوئی مدعی ایسی صداقت پیش کردہ قرآن میں نہیں۔میں اُسے نکال کر دکھانے کو تیار ہوں۔ اسلامی شریعت نے وہ مسائل لئے ہیں جو طبعی اور فطرتی طور پر انسان کے لئے مطلوب ہیں۔ اور جو ہر پہلو سے اُسکے قوائے کی تربیت کرتے ہیں اُن پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ ہاں! اسلام کے جو اعتراض غیر مذاہب پر ہیں وہ اُن کا جواب نہیں دے سکتے۔ پس میں پھر کہتا ہوں کہ بڑی باتوں کو استخفاف اور استہزاء کی نظر سے نہ دیکھیں استہزا سے کُفر کا اندیشہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا ادب اور خوف ہونا چاہیئے۔ ہر ایک عارف ان باتوں کے ہزار ہا جواب دے سکتا ہے۔ کیا چہروں میں ایسی علامات نہیں ہوتیں۔ جن کو دیکھ کر ہم ایک سعید اور شقی۔ بدمعاش اور خوش اطوار میں تمیز کر سکتے ہیں۔ اور پہچان لیتے ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لکھا ہے کہ ایک شخص نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ یہ جھوٹوں کا مُنہ نہیں۔ اب وہ کونسا نشان تھا جو جھوٹوں میں ہوتا ہے اور آپ میں نہ تھا۔ ایک امتیاز تو تھا جس کو بصیرت والا انسان دیکھ سکتا ہے۔ ایسا ابلہ اور احمق کون ہے جو نیک اور بد کو چہرہ سے دیکھ کر تمیز نہیں کر سکتا مومن کا چہرہ اور ہر عضو اُس کو ایک امتیاز بخشتا ہے۔ اور اُس کے باخدا ہونے پر دلالت کرتا ہے پھر اگر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مُہرِ نبوّت میں ایک خصوصیّت ہو تو بتلاؤ اُس سے کیا استبعاد لازم آتا ہے سب کچھ ممکن ہے۔ بالآخر یاد رکھو کہ یہ ایک فروعی بات ہے۔ ہم کو ضرورت نہیں کہ ان باتوں میں پڑیں۔ اصُول پر بحث ہونی چاہیئے۔ اصُول کے اثبات پر فروع خود ہی ثابت ہو جاتی ہے ایمان لانا ضروری ہے اُسکی کیفیت اور کُنہ تک پہنچنے کی کوشش کرنا ضروری نہیں۔ دشمن اگر گفتگو کرے تو ہم اُسکو روک سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کی صفات پر لانا اور اللہ تعالے کی کتابوں اور انبیاء علیہم السّلام وغیرہ امُور ایمانی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور ان سب باتوں کا ماننا اصُول ہے۔ اور باقی امُور ان پر متفرّع ہیں۔ اور یہ صفائی کے ساتھ ثابت شدہ صداقت ہے کہ تعلیم اسلام ایسی صاف ہے کہ ہر قوّت کو اعتدال اور عین محل پر رکھتی اور تربیت کرتی ہے۔ اور یہ عظیم الشّان مُعجزہ ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ دوسری تعلیمیں ایسی نہیں کسی کا ناک نہیں تو کسی کے کان نہیں ہیں۔ غرض وہ ناقص اور ادُھوری ہیں۔ مکمّل خلقت تعلیم اسلام ہی کی ہے توحید صفات باریتعالے نبوّت اور اخلاق فاضلہ تکمیل نفس وغیرہ ضروری امُور جن کا انسان محتاج ہے وہ ایسے کامل اور روشن طور پر بیان ہوئے ہیں کہ اُن میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں پڑتی

باقی امور کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیونکر کھاتے تھے۔ کتنے بڑے نوالے لیتے تھے؟ اِن جھگڑوں میں پڑنے کی مومن کو کیا ضرورت ہے؟ مدارِ نجات اِن باتوں پر نہیں ہے ایسی باتیں جوانز کے طور پر لکھی گئی ہیں۔ اگر وہ نبوّتِ حقّہ کے خلاف نہیں بلکہ مشابہ ہیں تو ایمان لائیں ورنہ تاویل کریں۔ کچھ ضرورت نہیں کہ اُس پر چھان اور چھنٹیں کرکے بلبی اور فضول بحثوں میں پڑیں +

ختم نبوّت کے متعلق میں پھر کہنا چاہتا ہوں۔ کہ خاتم النّبیین کے بڑے معنے یہی ہیں کہ نبوّت کے امور کو آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر ختم کیا۔ یہ موٹے اور ظاہر معنے ہیں دوسرے یہ معنے ہیں۔ کہ کمالاتِ نبوت کا دائرہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا۔ یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ قرآن نے ناقص باتوں کا کمال کیا اور نبوت ختم ہوگئی اسلئے الیوم اکملت لکم دینکم کا مصداق اسلام ہوگیا غرض یہ نشانات نبوت ہیں۔ انکی کیفیت اور کنہ پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اصول صاف اور روشن ہیں اور وہ ثابت شدہ صداقتیں کہلاتی ہیں۔ ان باتوں میں مومن کو ضروری نہیں ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر کوئی مخالف اعتراض کرے تو ہم اُسکو روک سکتے ہیں۔ اگر وہ بند نہ ہو تو ہم اسکو کہہ سکتے ہیں۔ کہ پہلے اپنے جزئی مسائل کا ثبوت دے۔ الغرض مہر نبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نشانِ نبوّت میں سے ایک نشان ہے جس پر ایمان لانا ہر مسلمان مومن کو ضروری ہے +

از اخبار الحکم ۲۳ جنوری ۱۸۹۹ء

(سوال مولوی قطب الدین صاحب) رُوح کا تعلق جو قبور سے بتلایا گیا ہے۔ اس کی اصلیت کیا ہے؟

رُوح کا تعلّق قبور سے

اصل بات یہ ہے۔ کہ جو کچھ ارواح کے تعلق قبور کے متعلق احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے وہ بالکل سچ اور درست ہے۔ ہاں یہ دوسرا امر ہے کہ اُس تعلق کی کیفیت اور کُنہ کیا ہے؟ جس کے معلوم کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں البتہ یہ ہمارا فرض ہوسکتا ہے۔ کہ ہم یہ ثابت کردیں کہ اس قسم کا تعلق قبور سے ساتھ ارواح کا ہوتا ہے اور اس میں کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا +

اور اس کے لیئے ہم اللہ تعالےٰ کے قانونِ قدرت میں ایک نظیر پاتے ہیں۔ در حقیقت یہ امر اُسی قسم کا ہے۔ جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض امور کی سچائی اور حقیقت صرف زبان ہی سے معلوم ہوتی ہے اور اسکو ذرا وسیع کرکے ہم یُوں کہتے ہیں کہ حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے کیلئے اللہ تعالےٰ نے مختلف طریقے رکھے ہیں بعض خواص آنکھ کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں۔ اور بعض صداقتوں کا پتہ صرف کان لگاتا ہے اور بعض ایسی ہیں۔ کہ حسِ مشترک سے اُن کا سُراغ چلتا ہے اور کتنی ہی

سچائیاں ہیں کہ وہ مرکز قوی یعنے دل سے معلوم ہوتی ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے صداقت کے معلوم کرنے کے لیئے مختلف طریق اور ذریعے رکھے ہیں۔ مثلاً مصری کی ایک ڈلی کو اگر کان پر رکھیں تو وہ اُس کا مزہ معلوم نہ کر سکینگے اور نہ اُسکے رنگ کو بتلا سکینگے۔ ایسا ہی اگر آنکھ کے سامنے کرینگے تو وہ اُس کے ذائقہ کے متعلق کچھ نہ کہہ سکیگی۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے کے لیئے مختلف قویٰ اور طاقتیں ہیں۔ اب آنکھ کے متعلق اگر کسی چیز کا ذائقہ معلوم کرنا ہو اور وہ آنکھ کے سامنے پیش ہو تو کیا ہم یہ کہیں گے کہ اس چیز میں کوئی ذائقہ ہی نہیں۔ یا آواز نکلتی ہو۔ اور کان بند کر کے زبان سے وہ کام لینا چاہیں تو کب ممکن ہے؟ آجکل کے فلسفی مزاج لوگوں کو یہ بڑا دھوکہ لگا ہوا ہے۔ کہ وہ اپنے عدم علم کی وجہ سے کسی صداقت کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ روزمرہ کے کاموں میں دیکھا جاتا ہے۔ کہ سب کام ایک شخص نہیں کرتا بلکہ جُدا گانہ خدمتیں مقرر ہیں۔ سقہ پانی لاتا ہے۔ دھوبی کپڑے صاف کرتا ہے۔ باورچی کھانا پکاتا ہے۔ غرضکہ تقسیم محنت کا سلسلہ ہم انسان کے خود ساختہ نظام میں بھی پاتے ہیں۔ پس اس اصل کو یاد رکھو کہ مختلف قوتوں کے مختلف کام ہیں۔ انسان بڑے قویٰ لیکر آیا ہے۔ اور طرح طرح کی خدمتیں اُس کی تکمیل کے لئے ہر ایک قوت کے سپرد ہیں۔ نادان فلسفی ہر بات کا فیصلہ اپنی عقل خام سے چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ بات غلط محض ہے۔ تاریخی اُمور تو تاریخ ہی سے ثابت ہونگے۔ اور خواص الاشیاء کا تجربہ بدوں تجربہ صحیحہ کے کیونکر لگ سکیگا۔ امور قیاسیہ کا پتہ عقل دیگی۔ اسی طرح پر متفرق طور پر الگ الگ ذرائع ہیں۔ انسان دھوکہ میں مُبتلا ہو کر حقایق الاشیاء کے معلوم کرنے سے تب ہی محروم ہو جاتا ہے جبکہ وہ ایک ہی چیز کو مختلف امور کی تکمیل کا ذریعہ قرار دے لیتا ہے۔ میں اس اصول کی صداقت پر زیادہ کہنا ضروری نہیں سمجھتا۔ کیونکہ ذرا سے فکر سے یہ بات خوب سمجھ میں آجاتی ہے۔ اور روزمرہ ہم ان باتوں کی سچائی کو دیکھتے ہیں۔ پس جب رُوح جسم سے مفارقت کرتی ہے یا تعلق پکڑتی ہے تو ان باتوں کا فیصلہ عقل سے نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو فلسفی اور حکماء ضلالت میں مُبتلا نہ ہوتے اسی طرح پر قبور کے ساتھ جو تعلق ارواح کا ہوتا ہے۔ یہ ایک صداقت تو ہے۔ مگر اس کا پتہ دینا اس آنکھ کا کام نہیں۔ یہ کشفی آنکھ کا کام ہے کہ وہ دکھلاتی ہے۔ اگر محض عقل سے اس کا پتہ لگانا چاہو تو کوئی عقل کا پُتلا اتنا ہی بتلائے کہ رُوح کا وجود بھی ہے یا نہیں؟ ہزار اختلاف اس مسئلہ پر موجود ہیں اور ہزار فلاسفر دہریہ مزاج موجود ہیں جو مُنکر ہیں۔ اگر نری عقل کا

یہ کام تھا تو پھر اختلاف کا کیا کام؟ کیونکہ جب آنکھ کا کام دیکھنا ہے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ زید کی آنکھ تو سفید چیز کو دیکھے۔ اور بکر کی ویسی ہی آنکھ اُس سفید چیز کا ذائقہ بتلائے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ نری عقل رُوح کا وجود بھی یقینی طور پر نہیں بتلا سکتی۔ چہ جائیکہ اُس کی کیفیت اور تعلقات کا علم پیدا کر سکے۔ فلاسفر تو رُوح کو ایک سبز لکڑی کی طرح مانتے ہیں! اور رُوح فی الخارج اُن کے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں۔ یہ **تفاسیر** روح کے وجود اور اُس کے تعلق وغیرہ کی **چشمۂ نبوت** سے ملی ہیں۔ اور نرے عقل والے تو دعویٰ ہی نہیں کر سکتے۔ اگر کہو کہ بعض فلاسفروں نے کچھ لکھا ہے تو یاد رکھو کہ اُنہوں نے منقولی طور پر چشمۂ نبوت سے کچھ لیکر کہا ہے پس جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ رُوح کے متعلق علوم چشمۂ نبوت سے ملتے ہیں۔ تو یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اُسی چشم سے دیکھنا چاہیئے۔ اور کشفی آنکھ نے بتلایا ہے کہ اس تودۂ خاک سے رُوح کا ایک تعلق ہوتا ہے! اور السلام علیکم یا اھل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے پس جو آدمی ان قویٰ سے کام لے جن سے **کشف قبور** ہو سکتا ہے وہ اُن تعلقات کو دیکھ سکتا ہے۔

ہم ایک بات مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ ایک نمک کی ڈلی اور ایک مصری کی ڈلی رکھی ہو۔ اب عقل محض اُن پر کیا فتویٰ دے سکیگی۔ ہاں اگر ان کو چکھینگے تو جُدا گانہ مزوں سے معلوم ہو جاویگا کہ یہ نمک ہے اور وہ مصری ہے لیکن اگر **حس لسان** ہی نہیں تو نمکین اور شیریں کا فیصلہ کوئی کیا کریگا؟ پس ہمارا کام صرف دلائل سے سمجھا دینا ہے۔ آفتاب کے چڑھنے میں جیسے ایک اندھے کے انکار سے فرق نہیں آ سکتا اور ایک **مسلوب القوۃ** کے طریق استدلال سے فائدہ نہ اُٹھانے سے اس کا ابطال نہیں ہو سکتا۔ اِسی طرح پر اگر کوئی شخص **کشفی آنکھ** نہیں رکھتا تو وہ اُس تعلق ارواح کو کیونکر دیکھ سکتا ہے؟ پس اُس کے اِنکار سے محض اس لئے کہ وہ دیکھ نہیں سکتا اُس کا انکار جائز نہیں ہے ایسی باتوں کا پتہ نری عقل اور قیاس سے کچھ نہیں لگتا! اللہ تعالیٰ نے اسلئے اِنسان کو مختلف قویٰ دیئے ہیں۔ اگر ایک ہی سب کام دیتا تو پھر اس قدر قویٰ کے عطا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بعض کا تعلق آنکھ سے ہے اور بعض کا کان سے بعض زبان سے متعلق ہیں اور بعض ناک سے مختلف قسم کی **حسیں** انسان رکھتا ہے۔ قبور کے ساتھ تعلق ارواح کے دیکھنے کے لئے **کشفی قوت اور حس کی ضرورت** ہے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے تو وہ غلط کہتا ہے انبیاء علیہم السلام کی ایک کثیر تعداد کروڑہا اولیاء و صلحاء کا سلسلہ دنیا میں گذرا ہے! اور مجاہدات کرنیوالے بیشمار لوگ ہو گذرے ہیں۔ اور وہ سب اس امر کی زندہ شہادت ہیں۔ گو اُسکی اصلیت اور

تعلقات کی وجہ عقلی طور پر ہم معلوم کر سکیں یا نہ ۔ مگر نفس تعلق سے انکار نہیں ہو سکتا غرض کشفی دلائل ان ساری باتوں کا فیصلہ کئے دیتے ہیں ۔ کان اگر نہ دیکھ سکیں تو ان کا کیا قصور؟ وہ اور قوت کا کام ہے ہم اپنے **ذاتی تجربہ سے گواہ ہیں** کہ روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے انسان میت سے کلام کر سکتا ہے ۔ روح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کے لئے ایک مقام ملتا ہے میں پھر کہتا ہوں کہ یہ ایک ثابت شدہ **صداقت** ہے ۔ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اسکی گواہی موجود ہے یہ مسئلہ عام طور پر مسلّمہ مسئلہ ہے بجز اس فرقہ کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے ۔ اور یہ امر کہ کس جگہ تعلق ہے کشفی قوت خود ہی بتلا دیگی ۔ **جیالوجسٹ** (عالم علم طبقات الارض) بتلا دیتے ہیں کہ یہاں فلاں دھات ہے اور وہاں فلاں کان ہے ۔ دیکھو ان میں یہ ایک قوت ہوتی ہے جو فی الفور بتلا دیتی ہے ۔ پس یہ بات ایک سچی بات ہے کہ **ارواح کا تعلق قبور سے ضرور ہوتا ہے** ۔ یہاں تک کہ اہل کشف توجہ سے میت کے ساتھ کلام بھی کر سکتے ہیں ۔ اور اوہام اور اعتراضوں کا سلسلہ تو ایسا لمبا ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتا +

از اخبار الحکم ۳۱ جنوری ۱۸۹۹ء

کیا سفر میں روزہ رکھیں

حضرت اقدس سے دریافت کیا گیا کہ سفر کے لئے روزہ رکھنے کا کیا حکم آپ نے فرمایا کہ :-

" قرآن کریم سے تو یہی معلوم ہوتا کہ فمن کان منکم مریضًا او علیٰ سفر فعدة من ایام اخر یعنے مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے اس میں امر ہے یہ اللہ تعالےٰ نے نہیں فرمایا ۔ کہ جس کا اختیار ہو رکھ لے جس کا اختیار ہو نہ رکھے میرے خیال میں مسافر کو روزہ نہیں رکھنا چاہئے ۔ اور چونکہ عام طور پر اکثر لوگ رکھ لیتے ہیں اسلئے اگر کوئی تعامل سمجھ کر رکھ لے تو کوئی ہرج نہیں ۔ مگر عدة من ایام اخر کا پھر بھی لحاظ رکھنا چاہئے +

از اخبار الحکم ۱۲ - اپریل ۱۸۹۹ء

تقدیر

تقدیر دو قسم کی ہوتی ہے ۔ ایک کا نام **معلق** ہے اور دوسری کو **مُبرم** کہتے ہیں ۔ اگر کوئی تقدیر معلق ہو تو دُعا اور **صدقات** اس کو ٹلا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُس تقدیر کو بدل دیتا ہے ۔ اور مبرم ہونے کی صُورت میں وہ **صدقات** اور دُعا اُس تقدیر کے متعلق کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے ۔ ہاں وہ عبث اور فضول بھی نہیں رہتی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے وہ اُس دُعا اور صدقات کا اثر اور نتیجہ کسی دوسرے پیرائے

میں اُس کو پہنچا دیتا ہے بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کسی تقدیر میں ایک وقت تک توقف اور تاخیر ڈال دیتا ہے +

قضائے معلق اور مبرم کا ماخذ اور پتہ قرآن کریم سے ملتا ہے یہ الفاظ گو نہیں مثلاً قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ اُدعونی استجب لکم ترجمہ "دُعا مانگو میں قبول کرونگا" اب یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ دُعا قبول ہوسکتی ہے۔ اور دُعا سے عذاب ٹل جاتا ہے۔ اور ہزار ہا کیا کُل کام دُعا سے نکلتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالےٰ کا کُل چیزوں پر قادرانہ تصرف ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اُس کے پوشیدہ تصرفات کی لوگوں کو خواہ خبر ہو یا نہ ہو۔ مگر صدہا تجربہ کاروں کے وسیع تجربے اور ہزار ہا درد مندوں کی دُعا کے صریح نتیجے تبلا رہے ہیں۔ کہ اُس کا ایک پوشیدہ اور مخفی تصرف ہے وہ جو چاہتا ہے محو کرتا ہے اور جو چاہتا ہے اثبات کرتا ہے ہمارے لئے یہ امر ضروری نہیں کہ ہم اُسکی تہ تک پہنچیں اور اُسکی کُنہ اور کیفیت معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ جبکہ اللہ تعالےٰ جانتا ہے کہ ایک شئے ہونیوالی ہے اسلئے ہم کو جھگڑے اور مباحثے میں پڑنے کی ضرورت نہیں خدا تعالےٰ نے انسان کے قضا و قدر کو مشروط بھی کر رکھا ہے۔ جو توبہ خشوع خضوع سے ٹل سکتی ہیں۔ جب کسی قسم کی تکلیف اور مصیبت انسان کو پہنچتی ہے۔ تو وہ فطرتاً اور طبعاً اعمال حسنہ کی طرف رجوع کرتا ہے اپنے اندر ایک قلق اور کرب محسوس کرتا ہے۔ جو اُسے بیدار کرتا اور نیکیوں کی طرف کھینچے لئے جاتا ہے اور گناہ سے ہٹاتا ہے جس طرح پر ہم ادویات کے اثر کو تجربے کے ذریعے سے پالیتے ہیں۔ اِسی طرح پر ایک مضطرب الحال انسان جب خدا تعالےٰ کے آستانہ پر نہایت تذلل اور نیستی کے ساتھ گرتا ہے۔ اور ربّی ربّی کہکر اس کو پکارتا اور دُعائیں مانگتا ہے۔ تو وہ رویائے صالحہ یا الہام صحیحہ کے ذریعہ سے ایک **بشارت** اور **تسلی** پالیتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ کہ جب **صبر** اور **صدق** سے دُعا انتہا کو پہنچیگی تو وہ قبول ہوجاتی ہے۔ دُعا **صدقہ** اور **خیرات** سے عذاب کا ٹلنا ایسی ثابت شدہ صداقت ہے جس پر ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کا **اتفاق** ہے۔ اور کروڑ ہا صلحا اور اتقیا اور اولیاء اللہ کے ذاتی تجربے اس امر پر گواہ ہیں +

نماز کی حقیقت نماز کیا ہے؟ یہ ایک خاص دُعا ہے۔ مگر لوگ اسکو بادشاہوں کا ٹیکس سمجھتے ہیں۔ نادان اتنا نہیں جانتے کہ بھلا خدا تعالیٰ کو ان باتوں کی کیا حاجت ہے؟ اس کے غنائے ذاتی کو اسبات کی کیا حاجت ہے کہ انسان دُعا۔ تسبیح اور تہلیل میں مصروف ہے

بلکہ اس میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے کہ وہ اس طریق پر اپنے مطلب کو پہنچ جاتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ آج کل عبادت اور تقویٰ اور دینداری سے محبت نہیں ہے۔ اسکی وجہ ایک عام زہریلا اثر رسم کا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت سرد ہو رہی ہے! اور عبادت میں جس قسم کا مزا آنا چاہیئے وہ مزا نہیں آتا۔ دُنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جس میں لذت اور ایک خاص حظ اللہ تعالیٰ نے رکھا نہ ہو۔ جس طرح پر ایک مریض ایک عمدہ سے عمدہ خوش ذائقہ چیز کا مزہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اور وہ اُسے تلخ یا بالکل پھیکا سمجھتا ہے۔ اِسی طرح وہ لوگ جو عبادت الٰہی میں حظ اور لذت نہیں پاتے۔ اُن کو اپنی بیماری کا فکر کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جیسا میں نے ابھی کہا ہے دُنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں خدا تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی لذت نہ رکھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو عبادت کیلئے پیدا کیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس عبادت میں اُس کے لئے لذت اور سرور نہ ہو۔ لذت اور سرور تو ہے۔ مگر اُس سے حظ اُٹھانیوالا بھی تو ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اب انسان جبکہ عبادت ہی کیلئے پیدا ہوا ہے ضروری ہے کہ عبادت میں لذت اور سرور بھی درجہ غایت کا رکھا ہو۔ اسبات کو ہم اپنے روز مرہ کے مشاہدہ اور تجربے سے خوب سمجھ سکتے ہیں مثلاً دیکھو اناج اور تمام خوردنی اور نوشیدنی اشیاء انسان کے لئے پیدا کیئے ہیں تو کیا اُن سے وہ ایک لذت اور حظ نہیں پاتا ہے؟ کیا اس ذائقہ مزے اور احساس کے لئے اُسکے منہ میں زبان موجود نہیں۔ کیا وہ خوبصورت اشیاء دیکھ کر نباتات ہوں یا جمادات حیوانات ہوں یا انسان حظ نہیں پاتا؟ کیا دل خوش کُن اور سُریلی آوازوں سے اُس کے کان محظوظ نہیں ہوتے؟ پھر کیا کوئی دلیل اور بھی اس امر کے اثبات کے لئے مطلوب ہے کہ عبادت میں لذت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم نے عورت اور مرد کو جوڑا پیدا کیا۔ اور مرد کو رغبت دی ہے! اب اِس میں زبردستی نہیں کی بلکہ ایک لذت بھی دکھلائی ہے۔ اگر محض توالد و تناسل ہی مقصود بالذات ہوتا تو مطلب پورا نہ ہو سکتا۔ عورت اور مرد کی برہنگی کی حالت میں اُن کی غیرت قبول نہ کرتی۔ کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعلق پیدا کریں۔ مگر اُس میں اُن کے لئے ایک حظ ہے اور ایک لذت ہے۔ یہ حظ اور لذت اس درجہ تک پہنچی ہے۔ کہ بعض کوتاہ اندیش انسان اولاد کی بھی پروا اور خیال نہیں کرتے۔ بلکہ اُن کو صرف حظ ہی سے کام اور غرض ہے۔ خدا تعالیٰ کی علت غائی بندوں کا پیدا کرنا تھا۔ اور اس سبب کے لئے ایک تعلق عورت اور مرد میں قائم کیا۔ اور ضمناً اس میں ایک حظ

رکھدیا جو اکثر نادانوں کے لئے مقصود بالذات ہوگیا ہے۔ اِسی طرح سے خوب سمجھ لو کہ عبادت بھی کوئی بوجھ اور ٹیکس نہیں اس میں بھی ایک لذت اور سرور ہے۔ اور یہ لذت اور سرور دُنیا کی تمام لذتوں اور تمام حظوظ نفس سے بالاتر اور بلاتر ہے۔ جیسے عورت اور مرد کے باہمی تعلقات میں ایک لذت ہے اور اس سے وہی بہرہ مند ہوسکتا ہے جو مرد اپنے قوائے صحیحہ رکھتا ہے۔ ایک نامرد اور مخنث وہ حظ نہیں پاسکتا اور جیسے ایک مریض کسی عمدہ سے عمدہ خوش ذائقہ غذا کی لذت سے محروم ہے۔ اسی طرح پر ہاں ٹھیک ایسا ہی وہ کمبخت انسان ہے جو عبادت الٰہی سے لذت نہیں پاسکتا۔

عورت اور مرد کا جوڑا تو باطل اور عارضی جوڑا ہے میں کہتا ہوں **حقیقی ابدی** اور لذت مجسم جو جوڑ ہے۔ وہ **انسان** اور **خدا تعالیٰ** کا ہے۔ مجھے سخت اضطراب ہوتا اور کبھی کبھی یہ رنج میری جان کو کھانے لگتا ہے کہ ایک دن اگر کسی کو روٹی یا کھانے کا مزا نہ آئے طبیب کے پاس جاتا اور کیسی کیسی منتیں اور خوشامدیں کرتا۔ روپیہ خرچ کرتا دُکھ اُٹھاتا ہے کہ وہ مزا حاصل ہو۔ وہ نامراد جو اپنی بیوی سے لذت حاصل نہیں کر سکتا بعض اوقات گھبرا گھبرا کر خودکشی کے ارادے تک پہنچ جاتا اور اکثر موتیں اس قسم کی ہو جاتی ہیں۔ مگر آہ! وہ **مریض دل** وہ **نامراد** کیوں کوشش نہیں کرتا جس کو عبادت میں لذت نہیں آتی؟ اسکی جان کیوں غم سے **نڈھال** نہیں ہو جاتی دُنیا اور اُسکی خوشیوں کے لئے کیا کچھ کرتا ہے۔ مگر **ابدی** اور **حقیقی** راحتوں کی وہ پیاس اور تڑپ نہیں پاتا کس قدر بے نصیب ہے کیسا ہی محروم ہے! عارضی اور فانی لذتوں کے علاج تلاش کرتا ہے اور پا لیتا ہے۔ کیا ہوسکتا ہے کہ مستقل اور **ابدی لذت** کے علاج نہ ہوں؟ ہیں اور ضرور ہیں۔ مگر تلاش حق میں مستقل اور پویہ قدم درکار ہیں۔ قرآن کریم میں ایک موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے صالحین کی مثال **عورتوں** سے دی ہے اس میں بھی سر اور بھید ہے۔ ایمان لانے والوں کو مریم اور آسیہ سے مثال دی ہے۔ یعنے خدا تعالیٰ مشرکین میں سے مومنوں کو پیدا کرتا ہے۔ بہرحال عورتوں سے مثال دینے میں دراصل ایک لطیف راز کا اظہار ہے یعنے جس طرح عورت اور مرد کا باہم تعلق ہوتا ہے اسی طرح پر **عبودیت** اور **ربوبیت** کا رشتہ ہے۔ اگر عورت اور مرد کی باہم موافقت اور ایکدوسرے پر فریفتہ ہو تو وہ جوڑا ایک مبارک اور مفید ہوتا ہے۔ ورنہ نظام خانگی بگڑ جاتا ہے۔ اور مقصود بالذات حاصل نہیں ہوتا ہے۔ مرد اور جگہ خراب ہوتا ہے صدہا قسم کی بیماریاں لے آتے ہیں آتشک سے مجذوم ہو کر دُنیا میں ہی **محروم** ہو جاتے ہیں۔ اور اگر اولاد ہو بھی جاوے تو کئی **پُشت** تک یہ سلسلہ برابر چلا جاتا ہے۔ اور ادھر **عورت بیحیائی کرتی پھرتی ہے** اور عزت و آبرو کو ڈبو کر بھی سچی راحت حاصل نہیں کر سکتے۔ غرض اس جوڑے سے الگ ہو کر کس قدر بدنتائج اور فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح پر انسان

رُوحانی جوڑے سے الگ ہوکر مجذوم اور مخذول ہو جاتا ہے دُنیاوی جوڑے سے زیادہ رنج و مصائب کا نشانہ بنتا ہے جیسا کہ عورت اور مرد کے جوڑے سے ایک قسم کی **بقا** کے لئے حظ ہے اسیطرح عبودیت اور ربوبیت کے جوڑے میں ایک **ابدی بقا** کے لئے حظ موجود ہے **صُوفی** کہتے ہیں جس کو یہ حظ نصیب ہو جاوے وہ دُنیا و مافیہا کے تمام حظوظ سے بڑھ کر ترجیح رکھتا ہے۔ اگر ساری عمر میں ایکبار بھی اُسکو معلوم ہو جاوے تو اُسیمیں ہی فنا ہو جاوے لیکن مشکل تو یہ ہے کہ دُنیا میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے اِس راز کو نہیں سمجھا اور اُن کی نمازیں صرف ٹکریں ہیں۔ اور اوپرے دل کے ساتھ ایک قسم کی قبض اور تنگی سے صرف نشست و برخاست کے طور پر ہوتی ہے۔ مجھے اور بھی افسوس ہوتا ہے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ صرف اسلیئے نمازیں پڑھتے ہیں۔ کہ وہ دُنیا میں معتبر اور قابل عزت سمجھے جاویں اور پھر اس نماز سے یہ بات اُن کو حاصل ہو جاتی ہے۔ یعنے وہ نمازی اور پرہیزگار کہلاتے ہیں۔ پھر اُن کو کیوں یہ کہا جانیوالا غم نہیں لگتا کہ جب جھوٹ موٹ اور بے دلی کی نماز سے اُن کو یہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے تو کیوں ایک سچے **عابد** بننے سے اُن کو عزت نہ ملیگی اور کیسی عزت ملیگی +

غرض میں دیکھتا ہوں کہ لوگ نمازوں میں غافل اور سُست اسلیئے ہوتے ہیں کہ ان کو اُس لذت اور سرور سے اطلاع نہیں جو اللہ تعالے نے نماز کے اندر رکھا ہے۔ اور بڑی بھاری وجہ اسکی یہی ہے پھر شہروں اور گاؤں میں تو اور بھی سُستی اور غفلت ہوتی ہے سو پچاسواں حصہ بھی تو پوری مستعدی اور سچی محبت سے اپنے مولا حقیقی کے حضور سر نہیں جھکاتا پھر سوال یہی پیدا ہوتا ہے؟ کہ کیوں؟ اُن کو اس لذت کی اطلاع نہیں اور نہ کبھی اُنہوں نے اس مزے کو چکھا۔ اور مذاہب میں ایسے احکام نہیں ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ ہم اپنے کاموں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور مؤذن اذان دیدیتا ہے پھر وہ سننا بھی نہیں چاہتے۔ گویا اُن کے دِل کُڑھتے ہیں۔ یہ لوگ بہت ہی قابل رحم ہیں۔ بعض لوگ یہاں بھی ایسے ہیں کہ ان کی دُکانیں دیکھو تو مسجدوں کے نیچے ہیں مگر کبھی جا کر کھڑے بھی تو نہیں ہوتے پس میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خدا تعالے سے نہایت سوز اور ایک جوش کے ساتھ یہ دعا مانگنی چاہیئے کہ جس طرح اور پھلوں اور اشیاء کی طرح طرح کی لذتیں عطا کی ہیں **نماز** اور **عبادت** کا بھی ایکبار مزا چکھا دے کھایا ہوا یاد رہتا ہے۔ دیکھو۔ اگر کوئی شخص کسی خوبصورت کو ایک سرور کے ساتھ دیکھتا ہے تو وہ اُسے خوب یاد رہتا ہے۔ اور پھر اگر کسی بدشکل اور مکروہ ہیئت کو دیکھتا ہے تو اسکی ساری حالت بہ اعتبار اُس کے مجسم ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ ہاں۔ اگر کوئی تعلق نہ ہو تو کچھ یاد نہیں رہتا۔ اسی طرح بے نمازوں

کے نزدیک نماز ایک تاوان ہے کہ ناحق صبح اُٹھ کر سردی میں وضو کر کے خواب راحت چھوڑ کر کئی قسم کی آسائشوں کو کھو کر پڑھنی پڑتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اسے بیزاری ہے وہ اسکو سمجھ نہیں سکتا۔ اس لذت اور راحت سے جو نماز میں ہے اسکو اطلاع نہیں ہے پھر نماز میں لذت کیونکر حاصل ہو؟ میں دیکھتا ہوں کہ ایک شرابی اور نشہ باز انسان کو جب سرور نہیں آتا تو وہ پے در پے پیالے پیتا جاتا ہے یہاں تک کہ اسکو ایک قسم کا نشہ آجاتا ہے دانشمند اور بزرگ انسان اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ نماز پر دوام کرے اور پڑھتا جاوے یہاں تک کہ اسکو سرور آجاوے۔ اور جیسے شرابی کے ذہن میں ایک لذت ہوتی ہے جس کا حاصل کرنا اس کا مقصود بالذات ہوتا ہے۔ اسی طرح سے ذہن میں اور ساری طاقتوں کا رجحان نماز میں اُسے سرور کا حاصل کرنا ہو۔ اور پھر ایک خلوص اور جوش کے ساتھ کم از کم اس نشہ باز کے اضطراب اور قلق و کرب کی مانند ہی ایک دُعا پیدا ہو کہ وہ لذت حاصل ہو تو میں کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ یقیناً یقیناً وہ لذت حاصل ہو جاوے گی پھر نماز پڑھتے وقت اُن مفاد کا حاصل کرنا بھی ملحوظ ہو جو اُس سے ہوتے ہیں اور احسان پیش نظر رہے۔ ان الحسنات یذھبن السیئات ۔ نیکیاں بدیوں کو زائل کر دیتی ہیں پس ان حسنات کو اور لذات کو دل میں رکھ کر دُعا کرے کہ وہ نماز جو کہ صدیقوں اور محسنوں کی ہے وہ نصیب کرے یہ جو فرمایا ہے۔ ان الحسنات یذھبن السیئات یعنی نیکیاں یا نماز بدیوں کو دُور کرتی ہے یا دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ نماز فواحش اور بُرائیوں سے بچاتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ باوجود نماز پڑھنے کے پھر بدیاں کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ مگر نہ رُوح اور نہ راستی کے ساتھ وہ صرف رسم اور عادت کی طور پر وہ ٹکریں مارتے ہیں۔ اُن کی رُوح مُردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا نام حسنات نہیں رکھا اور یہاں جو حسنات کا لفظ رکھا الصلوٰۃ کا لفظ نہیں رکھا۔ باوجودیکہ معنے وہی ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تا نماز کی خوبی اور حُسن و جمال کی طرف اشارہ کرے۔ کہ وہ نماز بدیوں کو دور کرتی ہے جو اپنے اندر ایک سچائی کی رُوح رکھتی ہے۔ اور فیض کی تاثیر اس میں موجود ہے وہ نماز یقیناً یقیناً بُرائیوں کو دُور کرتی ہے نماز نشست و برخاست کا نام نہیں ہے نماز کا مغز اور روح وہ دُعا ہے جو ایک لذت اور سرور اپنے اندر رکھتی ہے۔ ارکان نماز دراصل رُوحانی نشست و برخاست کے ہیں۔ انسان کو خدا تعالیٰ کے رُو برُو کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ اور قیام بھی آداب خدمتگاران میں سے ہے۔ رکوع جو دوسرا حصہ ہے بتلاتا ہے کہ گویا تیاری ہے۔ کہ وہ تعمیل حکم کو کس قدر

گردن جھکاتا ہے اور سجدہ کمال آداب اور کمال تذلل اور نیستی کو جو عبادت کا مقصود ہے ظاہر کرتا ہے۔ یہ آداب اور طرق ہیں جو خدا تعالےٰ نے بطور یادداشت کے مقرر کر دیئے ہیں۔ اور جسم کو باطنی طریق سے حصہ دینے کی خاطر اُن کو مقرر کیا ہے علاوہ ازیں باطنی طریق کے اثبات کی خاطر ایک ظاہری طریق بھی رکھ دیا ہے۔ اب اگر ظاہری طریق میں (جو اندرونی اور باطنی طریق کا ایک عکس ہے) صرف نقّال کی طرح نقلیں اُتاری جاویں۔ اور اُسے ایک بارِ گراں سمجھ کر اُتار پھینکنے کی کوشش کیجاوے تو تم ہی بتاؤ۔ اس میں کیا لذت اور حظ آ سکتا ہے۔ اور جب تک **لذت** اور سرور نہ آئے اُس کی حقیقت کیونکر متحقق ہوگی۔ اور یہ اس وقت ہوگا۔ جب کہ رُوح بھی ہمہ **نیستی** اور **تذلل تام** ہو کر آستانۂ اُلوہیت پر گرے اور جو زبان بولتی ہے رُوح بھی بولے اُس وقت ایک سرور اور نور اور **تسکین** حاصل ہو جاتی ہے۔ میں اس کو اور کھول کر لکھنا چاہتا ہوں۔ کہ انسان جس قدر مراتب طے کر کے انسان ہوتا ہے۔ یعنے کہاں نطفہ۔ بلکہ اس سے بھی پہلے نطفہ کے اجزا یعنے مختلف قسم کی اغذیہ۔ اور اُن کی ساخت اور بناوٹ پھر نطفہ کے بعد مختلف مدارج کے بعد بچّہ۔ پھر جوان۔ بُوڑھا غرض ان تمام عالموں میں جو اُس پر مختلف اوقات میں گزرے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی ربُوبیت کا معترف ہو اور وہ نقشہ ہر آن اُس کے ذہن میں کھنچا رہے۔ تو بھی وہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ ربُوبیت کے مقابل میں اپنی عبُودیت کو ڈال دے۔ غرض مُدّعا یہ ہے کہ نماز میں لذّت اور سرور بھی عبُودیّت اور ربُوبیّت کے ایک تعلق سے پیدا ہوتا ہے۔ جب تک اپنے آپ کو عدم محض یا مشابہ بالعدم قرار دے کر جو ربُوبیّت کا ذاتی تقاضہ ہے نہ ڈال دے۔ اُس کا فیضان اور پرتو اُس پر نہیں پڑتا۔ اور اگر ایسا ہو تو پھر اعلےٰ درجہ کی لذّت حاصل ہوتی ہے جس سے بڑھ کر کوئی حظ نہیں ہے۔ اس مقام پر انسان کی رُوح جب ہمہ نیستی ہو جاتی ہے تو وہ خدا کی طرف ایک چشمہ کی طرح بہتی ہے۔ اور ماسوائے اللہ سے اُسے انقطاع تام ہو جاتا ہے اُس وقت خدا تعالےٰ کی محبّت اس پر گرتی ہے۔ اس **اتصال** کے وقت اُن دو جوشوں سے جو اُوپر کی طرف سے ربُوبیّت کا جوش اور نیچے کی طرف سے عبُودیت کا جوش ہوتا ہے۔ ایک خاص کیفیّت پیدا ہوتی ہے۔ اس کا نام صلوٰۃ ہے۔ پس یہی وہ صلوٰۃ ہے جو سیئات کو بھسم کر جاتی ہے۔ اور اپنی جگہ ایک نور اور چمک چھوڑ دیتی ہے جو سالک کو راستہ کے خطرات اور مشکلات کے وقت ایک منوّر شمع کا کام دیتی ہے اور ہر قسم کے خس و خاشاک اور ٹھوکر کے پتھروں اور خار و خس سے جو اُس کی راہ میں ہوتی ہیں آگاہ کر کے بچاتی ہے۔ اور یہی وہ حالت ہے جبکہ اِنَّ الصَّلوٰۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْی کا اطلاق اُس پر ہوتا ہے کیونکہ اُس کے

ہاتھ میں نہیں۔ اُس کے شمعدان دل میں ایک روشن چراغ رکھا ہؤا ہوتا ہے۔ اور یہ درجہ **کامل تذلل۔ کامل نیستی اور فروتنی** اور پوری اطاعت سے حاصل ہوتا ہے پھر گناہ کا خیال اُسے کیونکر آ سکتا ہے۔ اور انکار اس میں پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ فحشاء کی طرف اُسکی نظر اُٹھ ہی نہیں سکتی۔ غرض اسے ایسی لذّت ایسا سرور حاصل ہوتا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اسے کیونکر بیان کروں +

پھر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ یہ نماز جو اپنے اصلی معنوں میں نماز ہے دُعا سے حاصل ہوتی ہے۔ غیر اللہ سے سوال کرنا مومنانہ غیرت کے صریح اور سخت مخالف ہے۔ کیونکہ یہ مرتبہ دُعا کا اللہ ہی کے لئے ہے۔ جب تک انسان پورے طور پر حنیف ہو کر اللہ تعالےٰ ہی سے سوال نہ کرے اور اسی سے نہ مانگے۔ سچ سمجھو کہ حقیقی طور پر وہ سچّا **مسلمان** اور سچا مومن کہلانے کا مستحق نہیں۔ اسلام کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اُس کی تمام طاقتیں اندرُونی ہوں یا بیرُونی سب کی سب اللہ تعالےٰ ہی کے آستانہ پر گری ہوئی ہوں جس طرح پر ایک بڑا انجن بہت سی کلوں کو چلاتا ہے۔ پس اسی طور پر جب تک انسان اپنے ہر کام اور ہر حرکت و سکون کو اُسی انجن کی طاقت عظمیٰ کے ماتحت نہ کر لیوے وہ کیونکر اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا قایل ہو سکتا ہے اور اپنے آپ کو انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض کہتے وقت واقعی حنیف کہہ سکتا ہے؟ جیسے مُنہ سے کہتا ہے ویسے ہی ادھر کی طرف متوجہ ہو تو لاریب وہ مُسلم ہے وہ مومن اور حنیف ہے۔ لیکن جو شخص اللہ تعالےٰ کے سوا غیر اللہ سے سوال کرتا ہے اور اُدھر بھی جُھکتا ہے وہ یاد رکھے کہ بڑا ہی بدقسمت اور محروم ہے۔ کہ اُس پر وہ وقت آ جانے والا ہے کہ وہ زبانی اور نمائشی طور پر اللہ تعالےٰ کی طرف نہ جُھک سکے۔ ترکِ نماز کی عادت اور کسل کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کیونکہ جب انسان غیر اللہ کی طرف جھکتا ہے تو رُوح اور دل کی طاقتیں اس درخت کیطرح (جس کی شاخیں ابتداءً ایک طرف کر دیجاویں اور اس طرف جُھک کر پرورش پالیں) اُدھر ہی جُھکتا ہے۔ اور خُدا تعالےٰ کی طرف سے ایک سختی اور تشدد اُس کے دل میں پیدا ہو کر اُسے مُنجمد اور پتھر بنا دیتا ہے۔ جیسے وہ شاخیں پھر دوسری طرف مُڑ نہیں سکتا۔ اسی طرح پر دل اور رُوح دن بدن خدا تعالےٰ سے دُور ہوتی جاتی ہے۔ پس یہ بڑی خطرناک اور دل کو کپکپا دینے والی بات ہے۔ کہ انسان اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر دوسرے سے سوال کرے۔ اسی لئے نماز کا التزام اور پابندی بڑی ضروری چیز ہے۔ تاکہ اوّلاً وہ ایک عادت راسخہ کی طرح قائم ہو اور رجُوع الی اللہ کا خیال ہو پھر رفتہ رفتہ

وہ وقت خود آجاتا ہے جبکہ انقطاعِ کُلّی کی حالت میں انسان ایک نور اور ایک لذت کا وارث ہو جاتا ہے میں اس امر کو پھر تاکید سے کہتا ہوں افسوس ہے کہ مجھے وہ لفظ نہیں ملے جن میں غیر اللہ کیطرف رجوع کرنے کی بُرائیاں بیان کر سکوں۔ لوگوں کے پاس جاکر منت خوشامد کرتے ہیں۔ یہ بات خدا تعالےٰ کی غیرت کو جوش میں لاتی ہے کیونکہ یہ تو لوگوں کی نماز ہے پس وہ اس سے ہٹتا اور اسے دُور پھینکدیتا ہے۔ میں موٹے الفاظ میں اسکو بیان کرتا ہوں گو یہ امر اس طرح پر نہیں ہے مگر سمجھ میں خوب آسکتا ہے کہ جیسے ایک مردِ غیُور کی غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ وہ اپنی بیوی کو کسی غیر کے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہوئے دیکھ سکے اور جس طرح پر وہ مرد ایسی حالت میں اس نابکار عورت کو واجب القتل سمجھتا۔ بلکہ بسا اوقات ایسی وارداتیں ہو جاتی ہیں ایسا ہی جوش اور غیرت الوہیّت کا ہے عبودیت اور دُعا خاص اسی ذات کے مدِّمقابل ہیں وہ پسند نہیں کر سکتا۔ کہ کسی اور کو معبود قرار دیا جاوے یا پُکارا جاوے۔ پس خوب یاد رکھو! اور پھر یاد رکھو! کہ غیر اللہ کی طرف جُھکنا خدا سے کاٹنا ہے نماز اور توحید کچھ ہی کہو۔ کیونکہ توحید کے عملی اقرار کا نام ہی نماز ہے اس وقت بے برکت اور بیہُودہ ہوتی ہے۔ جب اسمیں نیستی اور تذلل کی رُوح اور حنیف دِل نہ ہو!!

سُنو! وہ دُعا جس کے لئے ادعونی استجب لکم فرمایا ہے۔ اسکے لئے یہی سچّی رُوح مطلوب ہے۔ اگر اس تضرع اور خشوع میں حقیقت کی رُوح نہیں تو وہ ٹیں ٹیں سے کم نہیں ہے پھر کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسباب کی رعایت ضروری نہیں ہے؟ یہ ایک غلط فہمی ہے شریعت نے اسباب کو منع نہیں کیا ہے اور سچ پوچھو تو کیا دُعا اسباب نہیں؟ یا اسباب دُعا نہیں؟ تلاشِ اسباب بجائے خود ایک دُعا ہے اور دُعا بجائے خود عظیم الشان اسباب کا چشمہ! انسان کی ظاہری بناوٹ اسکے دو ہاتھ دو پاؤں کی ساخت ایکدوسرے کی امداد کا ایک قدرتی رہنما ہے۔ جب یہ نظارہ خود انسان میں موجود ہے پھر کس قدر حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ وہ تعاونوا علی البر والتقوی کے معنے سمجھنے میں مشکلات کو دیکھے +

ہاں! میں کہتا ہوں کہ تلاشِ اسباب بھی بذریعہ دُعا کرو!!! امداد باہمی میں نہیں سمجھتا کہ جب میں تمہیں تمہارے جسم کے اندر اللہ تعالےٰ کا ایک قائم کردہ سلسلہ اور کامل رہنما سلسلہ دکھاتا ہوں تم اس سے انکار کرو۔ اللہ تعالےٰ نے اسباب کو اور بھی صاف کرنے اور وضاحت سے دنیا پر کھول دینے کیلئے انبیاء علیھم السلام کا ایک سلسلہ دنیا میں قائم کیا۔ اللہ تعالےٰ اس بات پر قادر تھا اور قادر ہے۔ کہ اگر وہ چاہے تو کسی قسم کی امداد کی ضرورت ان رسولوں کو باقی نہ رہنے دے۔ مگر پھر بھی ایک وقت اُن پر آجاتا ہے کہ وہ من انصاری الی اللہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کیا وہ ایک ٹکڑا گدا فقیر کی طرح بولتے ہیں؟ نہیں من انصاری الی اللہ کہنے کی بھی ایک شان ہوتی ہے۔ وہ دُنیا کو رعایتِ اسباب سکھانا چاہتے

ہیں۔ جو دُعا کا ایک شعبہ ہے ورنہ اللہ تعالیٰ پر انکو کامل ایمان اس کے وعدوں پر پُورا الیقین ہوتا ہے وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیٰوة الدنیا ایک یقینی اور حتمی وعدہ ہیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ بھلا اگر خدا کسی کے دل میں مدد کا خیال نہ ڈالے تو کوئی کیونکر مدد کر سکتا ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ حقیقی معاون و ناصر وہی پاک ذات ہے جس کا شان نعم المولیٰ ولنعم النصیر ونعم الوکیل ہے۔ دنیا اور دنیا کی مددیں ان لوگوں کے سامنے کالمیّت ہوتی ہیں۔ اور مُردہ کیڑے کے برابر بھی حقیقت نہیں رکھتی ہیں لیکن دنیا کو دُعا کا ایک موٹا طریق بتلانے کے لیئے وہ یہ راہ بھی اختیار کرتے ہیں حقیقت میں وہ اپنے کاروبار کا متولی خدا تعالیٰ ہی کو جانتے ہیں۔ اور یہ بات بالکل سچ ہے وھو یتولی الصالحین۔ اللہ تعالیٰ اُن کو مامُور کر دیتا ہے کہ وہ اپنے کاروبار کو دوسروں کے ذریعہ سے ظاہر کریں۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف مقامات پر مدد کا وعظ کرتے تھے۔ اسلئے کہ وقت نصرت الٰہی کا تھا اس کو تلاش کرتے تھے کہ وہ کس کے شامل حال ہوتی ہے۔ یہ ایک بڑی غور طلب بات ہے۔ در اصل مامور من اللہ لوگوں سے مدد نہیں مانگتا۔ بلکہ من انصاری الی اللہ کہہ کر وہ اُس نصرت اللہ کا استقبال کرنا چاہتا ہے اور ایک فرط شوق سے بیقرار دل کی طرح اسکی تلاش میں رہتا ہے۔ نادان اور کوتاہ اندیش لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگوں سے مدد مانگتا ہے۔ بلکہ اسی طرح پر اس شان میں وہ کسی دل کے لیئے جو اس نصرت کا موجب ہوتا ہے ایک برکت اور رحمت کا مُوجب ہوتا ہے۔ پس مامورِ من اللہ کی طلب امداد کا اصل سِر اور راز یہی ہے جو قیامت تک اسی طرح پر رہیگا۔ اشاعتِ دین میں مامُور من اللہ دوسروں سے مدد چاہتے ہیں۔ مگر کیوں؟ اپنے ادائے فرض کے لیئے تاکہ دلوں میں خدا تعالیٰ کی عظمت پیدا کرے۔ ورنہ یہ تو ایک ایسی بات ہے کہ قریب بہ کُفر پہنچ جاتی ہے۔ اگر غیر اللہ کو متولی قرار دیں اور ان نفوس قدسیہ سے ایسا امکان؟ محال مُطلق ہے مَیں نے ابھی کہا ہے کہ توحید تب ہی پوری ہوتی کہ کُل مرادوں کا معطی اور تمام امراض کا چارہ اور مدار اوہی ذات واحد ہو۔ لا الٰہ الا اللہ کے معنے یہی ہیں صوفیوں نے اسمیں الٰہ کے لفظ سے محبُوب۔ مقصود۔ معبود مُراد لی ہے +

بے شک اصل اور سچ یونہی ہے۔ جب تک انسان کامل طور پر توحید پر کاربند نہیں ہوتا۔ اسمیں اسلام کی محبت اور عظمت قائم نہیں ہوتی اور پھر میں اصلی ذکر کی طرف رجُوع کرکے کہتا ہوں کہ نماز کی لذت اور سرور اسے حاصل نہیں ہو سکتا۔ مدار اسی بات پر ہے کہ جب تک بُرے ارادے

ناپاک اور گندے منصوبے بھسم نہ ہوں انانیت اور شیخی دور ہو کر نیستی اور فروتنی نہ آئے خدا کا سچا بندہ نہیں کہلا سکتا۔ اور عبودیت کاملہ کے سکھانے کے لئے بہترین معلم اور افضل ترین ذریعہ نماز ہی ہے ✦

میں پھر تمہیں بتلاتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ سے سچا تعلق حقیقی ارتباط قائم کرنا چاہتے ہو تو نماز پر کاربند ہو جاؤ اور ایسے کاربند بنو کہ تمہارا جسم نہ تمہاری زبان بلکہ تمہاری روح کے ارادے اور جذبے سب کے سب ہمہ تن نماز ہو جائیں ✦

از اخبار الحکم ۱۲ مئی ۱۸۹۹ء

والدہ کی تعظیم پہلی حالت انسان کی نیکبختی کی ہے کہ والدہ کی عزت کرے۔ اویس قرنی کیلئے بسا اوقات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یمن کی طرف کو منہ کرکے کہا کرتے تھے کہ مجھے یمن کی طرف سے خدا کی خوشبو آتی ہے۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنی والدہ کی فرمانبرداری میں بہت مصروف رہتا ہے اور اسی وجہ سے میرے پاس بھی نہیں آسکتا۔ بظاہر یہ بات ایسی ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ مگر وہ اُنکی زیارت نہیں کر سکتے صرف اپنی والدہ کی خدمتگذاری اور فرمانبرداری میں پوری مصروفیت کی وجہ سے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہی آدمیوں کو السلام علیکم کی خصوصیت سے وصیت فرمائی یا اویس کو یا مسیح کو۔ یہ ایک عجیب بات ہے جو دوسرے لوگوں کو ایک خصوصیت کے ساتھ نہیں ملی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ ان سے ملنے کو گئے تو اویس نے فرمایا کہ والدہ کی خدمت میں مصروف رہتا ہوں۔ اور میرے اونٹوں کو فرشتے چرایا کرتے ہیں۔ ایک تو یہ لوگ ہیں جنہوں نے والدہ کی خدمت میں اس قدر سعی کی۔ اور پھر یہ قبولیت اور عزت پائی۔ ایک وہ ہیں جو پیسہ پیسہ کے لئے مقدمات کرتے ہیں اور والدہ کا نام ایسی بُری طرح لیتے ہیں۔ کہ رذیل قوموں چوہڑے چمار بھی کم لیتے ہونگے۔ ہماری تعلیم کیا ہے؟ صرف اللہ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک ہدایت کا بتلا دینا ہے۔ اگر کوئی میرے ساتھ تعلق ظاہر کرکے اسکو ماننا نہیں چاہتا تو وہ ہماری جماعت میں کیوں داخل ہوتا ہے؟ ایسے نمونے سے دوسروں کو ٹھوکر لگتی ہے اور وہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسے لوگ ہیں جو ماں باپ تک کی بھی عزت نہیں کرتے۔ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ مادر پدر آزاد کبھی خیر و برکت کا منہ نہ دیکھینگے۔ پس نیک نیتی کے ساتھ اور پوری اطاعت اور وفاداری کے رنگ میں خدا رسول کے فرمودہ پر عمل کرنے کو طیار ہو جاؤ بہتری اسی میں ہے ورنہ اختیار ہے ہمارا کام صرف نصیحت کرنا ہے ✦

عربی سیکھو انگریزی پڑھو!! میں یہ بھی اپنی جماعت کو نصیحت کرنی چاہتا ہوں کہ وہ عربی سیکھیں کیونکہ عربی کی تعلیم کے بدون قرآن کریم کا مزا نہیں آتا۔ پس ترجمہ پڑھنے کیلئے جو ضروری ہے مناسب ہے۔ کہ تھوڑا تھوڑا عربی زبان کو سیکھنے کی کوشش کریں آجکل تو آسان آسان طریق عربی

پڑھنے سے نکل آئے ہیں قرآن شریف کا پڑھنا جبکہ ہر مسلمان کا فرض ہے پھر اس کے کیا معنے ہیں کہ عربی زبان سیکھنے کی کوشش نہ کیجاوے اور ساری عمر انگریزی اور دوسری زبانوں کے حاصل کرنے میں کھو دیجاوے مگر یہ بات بھی یاد رکھو کہ چونکہ استحکام گورنمنٹ نے ایک قومی گورنمنٹ کی صُورت اختیار کر لی ہے۔ اسلئے قومی گورنمنٹ کی زبان بھی ایک قومیّت کا رنگ رکھتی ہے پس ضروری ہوا اپنے مطالب و اغراض کو حُکام کے پورے طور پر ذہن نشین کرنے کیلئے انگریزی پڑھو تا کہ تم گورنمنٹ کو فائدہ اور مدد پہنچا سکو +

پھر زبانوں کے تذکرے پر فرمایا کہ:۔ "فونوگراف کیا ہے؟ گویا مطبع ناطق ہے" +

تقریر } کوئی تکلیف نہیں پہنچتی جب تک آسمان پر فتویٰ نہ ہو اگرچہ تکالیف تو پیغمبروں کو بھی پہنچتی ہیں۔ مگر وہ از راہِ محبت کے ہوتی ہیں اور انمیں ایک قسم کی تعلیم مخفی ہوتی ہے جو ان مشکلات میں انبیاء علیہم السلام کا پاک گروہ اپنے طرز عمل اور چال چلن سے دیتا ہے +

اور بعض لوگوں پر دکھ کی مار ہوتی ہے۔ اور وہ انکی اپنی ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ پس آدمی کو لازم ہے کہ توبہ استغفار میں لگا رہے اور دیکھتا رہے کہ ایسا نہ ہو بداعمالیاں حد سے گذر جاویں۔ اور خدا تعالےٰ کے غضب کو کھینچ لاویں۔ جب خدا تعالیٰ کسی پر فضل کے ساتھ نگاہ کرتا ہے تو عام طور پر دلوں میں اسکی محبت کا القا کر دیتا ہے لیکن جس وقت انسان کا شر حد سے گذر جاتا ہے اس وقت آسمان پر اس کی مخالفت کا ارادہ ہوتے ہی اللہ تعالےٰ کے منشاء کے موافق لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں مگر جونہی وہ توبہ استغفار کے ساتھ خدا کے آستانہ پر گر کر پناہ لیتا ہے تو اندر ہی اندر ایک رحم پیدا ہو جاتا ہے۔ اور کسی کو پتہ بھی نہیں لگتا۔ کہ اسکی محبت کا بیج لوگوں کے دلوں میں بو دیا جاتا ہے غرض توبہ و استغفار کا ایسا مجرب نسخہ ہے کہ خطا نہیں جاتا +

از اخبار الحکم ۱۹ مئی ۱۸۹۹ء

اعتراض کہ آکر کیا بنایا؟ یہ کتاب جو لکھی گئی ہے جب شائع ہو گی تو ان لوگوں کو بھی پتہ لگ جاویگا جو بار بار اعتراض کرتے ہیں کہ آکر کیا بنایا؟ میں حیران ہو جاتا ہوں جب اس قسم کے اعتراض سنتا ہوں کیا پھونک مار کر کچھ بنا دیا جاتا؟ بھلا یہ تو بتلائیں کہ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس دعوت کی ان کے اعتقاد کے موافق کیا بنایا؟ مگر یہ لوگ دیکھینگے اور خدا تعالےٰ نمایاں طور پر دکھا دیگا کہ کیا بنایا ہے۔ کاش یہ لوگ موجودہ حالت وقت پر غور کرتے صدی میں سے سولہ سال گذر گئے ظلمت انتہا تک پہنچ گئی اور کوئی نہ آیا جو اصلاح کرتا۔ یہ لوگ ذرا بھی انصاف نہیں کرتے مجھ پر اعتراض کرتے کرتے خدا پر اعتراض جا کرتے ہیں۔ کیونکہ میں نے تو آکر کچھ بنایا نہیں؟ اور خدا نے بنانیوالا بھیجا نہیں۔ بلکہ باوجود اسکے کہ اور ضرورتیں اگر

چھوڑ بھی دیا تو ان نا عاقبت اندیش معترضوں کے موافق ایک گمراہ کرنیوالا بھی آگیا اور پھر بھی وہ اصل مہدی نہ آیا اور نہ خدا نے اُسے بھیجا۔ چودھویں صدی کو مبارک سمجھتے تھے پر کیا خاک مبارک نکلی جبکہ ایک دجّال آگیا!!! صدیق حسن اور عبدالحی جو دعویٰ کرنیوالے تھے وہ صدی کے سر پر ہی فوت ہوگئے ورنہ شاید وہی اُن لوگوں کا سہارا ہوتے لیکن خدا نے اپنے فضل سے دکھا دیا کہ یہ کام اُن کا نہ تھا بلکہ کسی اور کا +

مُجدّد جو آیا کرتا ہے وہ ضرورتِ وقت کے لحاظ سے آیا کرتا ہے نہ استنجے اور وضو کے مسائل بتلانے خدا جو مُدبّر اور حکیم خدا ہے کیا وہ نہیں دیکھتا کہ دنیا پر طبعیات اور فلسفہ کی زہریلی ہَوا چلی ہے جس نے ہزار ہا انسانوں کو ہلاک کر دیا ہے صلیب پرست عیسائیوں نے کس کس رنگ میں لکھو کھا روحوں کو خدا سے دُور پھینکدیا ہے تو پھر کیا اس وقت ایسے مجدّد کی ضرورت نہ تھی جو کسرِ صلیب کرے۔ اور دلائل و بیّنات سے دکھاوے کہ صلیبی مذہب میں حقانیت کا نور نہیں اور ایک لکڑی پر ایمان لاکر انسان نجات کا وارث نہیں ٹھہر سکتا۔ آئے دن پچاس پچاس ہزار اور ایک ایک لاکھ اشتہار چھاپ چھاپ کر یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں۔ اور ٹڈی دل کی طرح عورتیں۔ بچے۔ جوان۔ بوڑھے لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح اسلام پر حملہ کریں۔ اس وقت اسلام پر وہ حملہ ہوا ہے جس کی انتہا نہیں۔ ادھر خدا کا وعدہ کہ انا لہ لحافظون اور ادھر ان نا عاقبت اندیش معترضین کی یہ دانائی کہ اسلام میں حفاظتِ دین کیلئے معرفت کا نور لیکر کوئی نہیں آیا۔ بلکہ دجّال آیا ہے! افسوس! صد افسوس!! آہ! صد آہ!!!

یہی تو وقت تھا کہ خدا اپنی نصرت اور تائید کا روشن ہاتھ دکھاتا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اُس نے دکھایا اور وہ اپنی چمکار دکھائیگا۔ اور مخالفوں کو شرمندہ کرکے بتلادیگا۔ کہ آنیوالے نے آکر کیا بنایا +

از اخبار الحکم ۹ جون سنہ ۹۹ ۱۸ء

دُعا میں توقف کامیابی کا موجب ہوتا ہے

دُعا کے بعد جلدی جواب ملے تو عموماً اچھا نہیں ہوتا + توقف کامیابی کا موجب ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا بظاہر تلوّن بھی رحمت ہے۔

رشک کا مقام دعا ہے نہ کہ دولت کہ دنیا کی دولت سلطنت اور شوکت رشک کا مقام نہیں ہے مگر رشک کا مقام دُعا ہے +

اسلام صرف رسمی طور پر رہگیا ہے کہ یہ مُلک بہت ہی قابلِ رحم ہے اسلام صرف رسمی طور پر رہگیا ہے

خدا تعالےٰ نے بڑا احسان کیا ہے جو اپنا نذیر اس مُلک میں بھیجا۔ اگر کوئی حاملہ عورت مرجاتی ہے تو منڈوں کی طرح اسکی قبر کے گرد کملیں ٹھونکتے پھرتے ہیں۔ مُلّاں صاحب اس کام کیلئے عہد لیتے ہیں ان کا خیال ہے کہ کوئی کچھ کرلے مگر اُجرت دیدے۔ یہانتک کہ مکرر نکاح پڑھا دیتے ہیں +

مرید اور مُرشد کے تعلقات } مُرید و مُرشد کے تعلّقات ایسے ہوتے ہیں۔ کہ ماں باپ اولاد کو اتنا عزیز نہیں سمجھتے جتنا مرشد مرید کو جانتا ہے۔ ماں باپ جسمانی تربیت اور تعلیم کے لئے کوششیں کرتے ہیں۔ مگر مرشد مرید کی روحانی پیدائیش کا موجب ہوتا ہے۔ اور اسکی اندرونی تعلیم اور تربیت کا ذمہ وار ہوتا ہے۔ بشرطیکہ راستباز ہو۔ اگر ریاکار اور دھوکہ باز ہو تو وہ دشمن سے بھی بدتر ہوتا ہے +

از اخبار الحکم ۱۶ جون ۱۸۹۹ء

خدا بیند و بپوشد و ہمسایہ بیند و خروشد } خدا تعالیٰ کی ستّاری ایسی ہے کہ وہ اِنسان کے گُناہ اور خطاؤں کو دیکھتا ہے لیکن اپنی اِس صفت کے باعث اسکی غلط کاریوں کو اس وقت تک جب تک کہ وہ اعتدال کی حد سے نہ گذر جاوے ڈھانپتا ہے لیکن انسان کسی دوسرے کی غلطی دیکھتا بھی نہیں اور شور مچاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کم حوصلہ ہے اور خدا تعالےٰ کی ذات حلیم و کریم ہے ظالم اِنسان اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھتا ہے۔ اور کبھی کبھی خدا تعالےٰ کے حلم پر پوری اطلاع نہ رکھنے کے باعث بیباک ہو جاتا ہے۔ اس وقت ذو انتقام کی صفت کام کرتی ہے۔ اور پھر اسے پکڑ لیتی ہے۔ ہندو لوگ کہا کرتے ہیں کہ پرمیشر اور آت ہیں ویرہے یعنے خدا حد سے بڑھی ہوئی بات کو عزیز نہیں رکھتا۔ باایںہمہ بھی وہ ایسا رحیم کریم ہے کہ ایسی حالت میں بھی اگر انسان نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ آستانۂ الٰہی پر جا گرے تو وہ رحم کے ساتھ اس پر نظر کرتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالےٰ ہماری خطاؤں پر معاً نظر نہیں کرتا اور اپنی ستاری کے طفیل رسوا نہیں کرتا تو ہم کو بھی چاہیئے کہ ہر ایسی بات پر جو کسی دوسرے کی رُسوائی یا ذلت پر مبنی ہو فی الفور منہ نہ کھولیں +

غفلت کا علاج توبہ ہے } بعض لوگوں کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ ان کو ایسے اسباب پیش آجاتے ہیں مثلاً ملازمت یا کوئی اور وجہ کہ ان کی عمر کا ایک بڑا حصہّ ظلمانی حالت میں گذرتا ہے نہ پابندی نماز کی طرف توجہ کرتے ہیں نہ قال اللہ اور قال الرسول سُننے کا موقع ملتا ہے کتاب اللہ پر غور کرنے کا اُن کو خیال تک بھی نہیں آتا۔ ایسی صورت میں جب ایک زمانہ ظلمت کا گذر جاوے تو یہ خیالات راسخ ہو کر طبیعت ثانیہ کا رنگ پکڑ جاتے ہیں پس اس وقت اگر انسان توبہ اور استغفار کی طرف توجہ نہ کرے تو سمجھو کہ بڑا ہی بدقسمت ہے۔ غفلت اور سستی کا بہترین علاج استغفار سابقہ غفلتوں اور تقصیروں کی وجہ سے کوئی ابتلا بھی آجاوے تو راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر سجدے اور دُعائیں کرے اور خدا تعالےٰ کے حضور ایک سچی اور پاک تبدیلی کا وعدہ کرے +

اپنے دعوے کی صداقت پر ایک دلیل ہمارے دعوئی الہام و مکالمہ الٰہیہ کی اشاعت کو یوں تو بہت سال گذرے لیکن اگر براہین کی اشاعت سے بھی لیا جائے تو بیس سال ہو چکے ہمارے مخالف جو ہمکو جھوٹا اور اپنے دعوے میں مفتری قرار دیتے ہیں اُن سے کوئی سوال کرے کہ خدا تعالےٰ تو کسی ایسے مفتری کو جو اس پر الہام اور مکالمہ کا افترا کرے مُہلت نہیں دیتا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی فرمایا۔ کہ اگر تو بعض باتیں اپنی طرف سے کہتا تو ہم شاہ رگ سے پکڑ لیتے۔ پھر کسی اور کی کیا خصوصیت ہو سکتی ہے۔ اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ پر الہام کا افترا کرنے والا کبھی بھی مُہلت نہیں پا سکتا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر یہ ہمارا سلسلہ خدا تعالےٰ کا قائم کردہ نہیں ہے تو کسی قوم کی تاریخ سے ہم کو پتہ دو کہ خدائے تعالےٰ پر کسی نے افترا کیا ہو اور پھر اسے مہلت دیگئی ہو۔ ہمارے لئے تو یہ معیار صاف ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ۲۳ سال تک کا ایک دراز زمانہ ہے اُس صادق اور کامل نبی کے زمانہ سے قریباً ملتا ہؤا زمانہ اللہ تعالیٰ نے اب تک ہم کو دیا۔ کیونکہ براہین کی اشاعت پر بیس سال ہوئے جو نا عاقبت اندیش معترضوں کے نزدیک افترا کا پہلا زمانہ ہے۔ اب ہم تو ایک مُسلم صادق بلکہ جملہ صادقوں کے سرتاج صادق کے زمانہ سے ملتا ہؤا زمانہ پیش کرتے ہیں اور یہ ظالم اب تک بھی کہے جاتے ہیں کہ جھُوٹ ہے۔ افسوس ہماری تکذیب کے خیال میں یہ لوگ یہانتک اندھے ہو گئے ہیں کہ اُن کو یہ بھی نظر نہیں آتا کہ اس انکار کی زد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر کیسی پڑتی ہے۔ کیونکہ اگر بیس بائیس سال تک بھی خدا کسی مفتری کو مدد دے سکتا ہے تو پھر مجھے تو تعجب ہی آتا ہے نہیں بلکہ دل کانپ اُٹھتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر یہ کیا دلیل پیش کرینگے؟ ایک مسلمان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سچّے متبع کے منہ سے جب وہ اتنا دراز عرصہ تک مُدّعی کو مہلت پاتے ہوئے دیکھ لے کبھی یہ نہیں نکل سکتا کہ جھُوٹا اور کاذب بھی اس قدر عرصۂ دراز کی مُہلت پا لیتا ہے۔ اگر اور کوئی بھی نشان اور دلیل ایسے مُدّعی کی صداقت کی نہ ملے تب بھی ایک سچّے مسلمان کو حسُن ظن اور ایمانداری کے رُو سے لازم آتا ہے۔ کہ انکار نہ کرے کیونکہ اس کا زمانہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ کے زمانہ سے مشابہ ہو گیا ہے +

اگر کوئی عیسائی کہے کہ مفتری کو مُہلت مل سکتی ہے تو وہ اس امر کا ثبوت دے مگر مسلمان تو ایسا کہہ ہی نہیں سکتا۔ پس اب ہمارے مخالف بتلائیں کہ ایک کاذب دجال مفتری علے اللہ طرز استدلال نبوت میں شریک ہو سکتا ہے؟ ماننا پڑیگا کہ ہرگز نہیں۔ پھر وہ ہمارے دعوے کو سوچیں اور اس زمانہ پر غور کریں جو استدلال نبوت کا زمانہ ہے۔ غرض ہر پہلو میں بہت سی باتیں ہیں جو سوچنے والے

کو مل سکتی ہیں۔ اور ایک دُور اندیش ان سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے +

ازاخبار ۲۳ جون ۹۹ شہ ۱۸ء

رزق ابتلا و رزق اصطفا } انسان کی روحانی طاقتوں پر اس کے معبود کا بُرا اثر پڑتا ہے۔ دیکھو اگر کوئی ہندو آجاوے تو دور ہی سے اس سے غفلت کی بو آتی ہے کیوں؟ اسلئے کہ ان کا خود ساختہ معبود بھی تو ایسا ہی غافل ہے کہ جب تک ایک انگریز کے کھانے کی گھنٹی کی طرح گھنٹی نہ بجے وہ بیدار ہی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ رُوحانی زندگی سے جو معرفت اور شفا حاصل ہوتی ہے۔ اس سے یہ لوگ محروم رہتے ہیں۔ ورنہ جسمانی طور پر تو بڑے متمول اور آسودہ حال ہوتے ہیں +

اصل بات یہ ہے کہ رزق دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ابتلا کے طور پر دوسرے اصطفا کے طور پر۔ رزق ابتلا کے طور پر تو وہ رزق ہے جس کو اللہ سے کوئی واسطہ نہیں رہتا بلکہ یہ رزق انسان کو خدا سے دُور ڈالتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کو ہلاک کر دیتا ہے اسی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کر کے فرمایا ہے لا تلھکم اموالکم۔ تمہارے مال تم کو ہلاک نہ کر دیں۔ اور رزق اصطفا کے طور پر وہ ہوتا ہے جو خدا کے لئے ہو۔ ایسے لوگوں کا مُتولّی خدا ہو جاتا ہے۔ اور جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے وہ اسکو خدا ہی کا سمجھتے ہیں اور اپنے عمل سے ثابت کر دکھاتے ہیں صحابہ کی حالت کو دیکھو۔ جب امتحان کا وقت آیا تو جو کچھ کسی کے پاس تھا اللہ تعالےٰ کی راہ میں دیدیا۔ حضرت ابوبکر صدیق سب سے اوّل کمبل پہن کر آ گئے۔ پھر اس کمبل کی جزا بھی اللہ تعالےٰ نے کیا دی۔ کہ سب سے اوّل خلیفہ وہی ہوئے۔ غرض یہ ہے کہ اصلی خوبی۔ خیر اور رُوحانی لذت سے بہرہ ور ہونے کے لئے وہی مال کام آسکتا ہے جو خدا کی راہ میں خرچ کیا جائے +

انما الدنیا لعب و لھو } دنیا اور دُنیا کی خوشیوں کی حقیقت لہو و لعب سے زیادہ نہیں ۔ وہ عارضی اور چند روزہ ہیں ۔ اور ان خوشیوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان خدا سے دُور جا پڑتا ہے مگر خدا کی معرفت میں جو لذت ہے وہ ایک ایسی چیز ہے کہ جو نہ آنکھوں نے دیکھی اور نہ کانوں نے سُنی نہ کسی اور حس نے اس کو محسوس کیا ہے وہ ایک چیر کر نکل جانے والی چیز ہے ہر آن ایک نئی راحت اُس سے پیدا ہوتی ہے جو پہلے نہیں دیکھی ہوتی +

خدا تعالےٰ کے ساتھ انسان کا ایک خاص تعلق ہے۔ اہل عرفان لوگوں نے بشریت اور بیت کے جوڑہ پر بہت لطیف بحثیں کی ہیں۔ اگر بچے کا مُنہ پتھر سے لگائیں تو کیا کوئی دانشمند

خیال کر سکتا ہے کہ اُس پتھر میں سے دودھ نکل آئیگا اور بچہ سیر ہو جائیگا؟ ہرگز نہیں۔ اِسیطرح پر جب تک انسان خدا تعالیٰ کے آستانہ پر نہیں گرتا۔ اسکی رُوح ہمہ نیستی ہو کر ربُوبیت سے تعلق پیدا نہیں کرتی اور نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ عدم یا مشابہ بالعدم نہو کیونکہ ربُوبیت اسی کو چاہتی ہے اس وقت تک وہ رُوحانی دُودھ سے پرورش نہیں پا سکتا +

لہو میں کھانے پینے کی تمام لذّتیں شامل ہیں ان کا انجام دیکھو کہ بجز کثافت کے اور کیا ہے؟ زینت یسواری عمدہ مکانات پر فخر کرنا۔ یا حکومت و خاندان پر فخر کرنا یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ بالآخر اس سے ایک قسم کی حقارت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو رنج دیتی اور طبیعت کو افسردہ اور بیچین کر دیتی ہے +

لعب میں عورتوں کی محبّت بھی شامل ہے انسان عورت کے پاس جاتا ہے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ محبّت اور لذّت کثافت سے بدل جاتی ہے لیکن اگر یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک حقیقی عشق ہونے کے بعد ہو۔ تو پھر راحت پر راحت اور لذّت پر لذّت ملتی ہے یہانتک کہ معرفت حقّہ کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ ایک ابدی اور غیر فانی راحت میں داخل ہو جاتا ہے جہاں پاکیزگی اور طہارت کے سوا کچھ نہیں وہ خدا میں لذّت ہے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور اسے ہی پاؤ کہ حقیقی لذّت وہی ہے +

از اخبار الحکم ۳۰ جون سنہ ۱۸۹۹ء

حضرت اقدس کی تعلیم

اے عزیزاں نے خلوص صدق نکشاید راہے را
مُصفّا قطرہ باید کہ تا گوہر شود پیدا

اے میرے دوستو جو میرے سلسلۂ بیعت میں داخل ہو خدا ہمیں اور تمہیں ان باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے۔ آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر سے دیکھے گئے ہو اور ایک ابتلا کا وقت تم پر ہے اُسی سُنّت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے ہر ایک طرف سے کوشش ہوگی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سُننی پڑینگی۔ اور ہر ایک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دُکھ دیگا وہ خیال کریگا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے۔ اور کچھ آسمانی ابتلا بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ۔ سو تم اس وقت سُن رکھو کہ تمہارے فتحمند اور غالب ہو جانے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک منطق سے کام لو یا تمسخر کے مقابل تمسخر کی باتیں کرو۔ یا گالی کے مقابل پر گالی دو کیونکہ اگر تم نے یہی راہیں اختیار کیں تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہونگی۔

جن سے خدا تعالیٰ نفرت کرتا ہے اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے سو تم ایسا نہ کرو کہ اپنے پر دو لعنتیں جمع کر لو ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی بھی +

یقیناً یاد رکھو کہ لوگوں کی لعنت اگر خدا تعالیٰ کی لعنت کے ساتھ نہ ہو کچھ بھی چیز نہیں۔ اگر خدا ہمیں نابود نہ کرنا چاہے تو ہم کسی سے نابود نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر وہی ہمارا دشمن ہو جائے تو کوئی ہمیں پناہ نہیں دے سکتا ہم کیونکر خدا تعالیٰ کو راضی کریں اور کیونکر وہ ہمارے ساتھ ہو اس کا اس نے مجھے بار بار یہی جواب دیا کہ تقویٰ سے سو اے میرے پیارے بھائیو کوشش کرو تا متقی بن جاؤ۔ بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں۔ اور بغیر عمل کے کوئی عمل مقبول نہیں سو تقویٰ یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچ کر خدا تعالیٰ کی طرف قدم اُٹھاؤ اور پرہیزگاری کی پاک راہوں کی رعایت رکھو۔ سب سے اوّل اپنے دلوں میں انکسار اور صفائی اور اخلاص پیدا کرو اور سچ مچ دلوں کے حلیم اور سلیم اور غریب بن جاؤ۔ کہ ہر ایک خیر اور شر کا بیج پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ اگر تیرا دل شر سے خالی ہے تو تیری زبان بھی شر سے خالی ہوگی اور ایسا ہی تیری آنکھ اور تیرے سارے اعضا ہر ایک نور یا اندھیرا پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر رفتہ رفتہ تمام بدن پر محیط ہو جاتا ہے سو اپنے دلوں کو ہر دم ٹٹولتے رہو۔ اور جیسے پان کھانے والا اپنے پانوں کو پھیرتا رہتا ہے اور ردّی ٹکڑے کو کاٹتا ہے اور باہر پھینک دیتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اپنے دلوں کے مخفی خیالات اور مخفی عادات اور مخفی جذبات اور مخفی ملکات کو اپنی نظر کے سامنے پھیرتے رہو۔ اور جس خیال یا عادت یا ملکہ کو ردّی پاؤ اسکو کاٹ کر باہر پھینکو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سارے دل کو ناپاک کر دیوے اور پھر تم کاٹے جاؤ +

پھر بعد اس کے کوشش کرو اور نیز خدا تعالیٰ سے قوت اور ہمت مانگو کہ تمہارے دلوں کے پاک ارادے اور پاک خیالات اور پاک جذبات اور پاک خواہشیں تمہارے اعضا اور تمہارے تمام قویٰ کے ذریعہ سے ظہور پذیر اور تکمیل پذیر ہوں تا تمہاری نیکیاں کمال تک پہنچیں کیونکہ جو بات دل سے نکلے اور دل تک ہی محدود رہے وہ تمہیں کسی مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتی۔ خدا تعالیٰ کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ۔ اور اس کے جلال کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو اور یاد رکھو کہ قرآن کریم میں پانسو کے قریب حکم ہیں۔ اور اس نے تمہارے ہر ایک عضو اور ہر ایک قوت اور ہر ایک وضع اور ہر ایک حالت اور ہر ایک عمر اور ہر ایک مرتبہ فہم اور مرتبہ فطرت اور مرتبہ سلوک اور مرتبہ انفراد اور اجتماع کے لحاظ سے ایک نورانی دعوت تمہاری کی ہے سو تم اس دعوت کو

شکر کے ساتھ قبول کرو اور جس قدر کھانے تمہارے لئے طیار کئے گئے ہیں وہ سارے کھاؤ اور سب سے فائدہ حاصل کرو۔ جو شخص ان سب حکموں میں سے ایک کو بھی ٹالتا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ عدالت کے دن مواخذہ کے لائق ہوگا +

اگر نجات چاہتے ہو تو دین العجائز اختیار کرو۔ اور مسکینی سے قرآن کریم کا جُوا اپنی گردنوں پر اٹھاؤ کہ شریر ہلاک ہوگا۔ اور سرکش جہنم میں گرایا جائیگا جو غریبی سے گردن جھکاتا ہے وہ موت سے بچ جائیگا۔ دُنیا کی خوشحالی کی شرطوں سے خدا تعالیٰ کی عبادت مت کرو۔ کہ ایسے خیال کیلئے گڑھا در پیش ہے۔ بلکہ تم اسلئے اسکی پرستش کرو کہ پرستش ایک حق خالق کا تم پر ہے۔ چاہئے کہ پرستش ہی تمہاری زندگی ہو جائے۔ اور تمہاری نیکیوں کی فقط یہی غرض ہو کہ وہ محبوب حقیقی اور محسن حقیقی راضی ہو جائے۔ کیونکہ جو اس سے کمتر خیال ہے وہ ٹھوکر کی جگہ ہے +

خدا بڑی دولت ہے اس کے پانے کے لئے مصیبتوں کے لئے تیار ہو جاؤ۔ وہ بڑی مراد ہے اسکے حاصل کرنے کیلئے جانوں کو فدا کرو۔ عزیزو! خدائیتعالے کے حکموں کو بیقدری سے نہ دیکھو۔ موجودہ فلسفہ کی زہر تم پر اثر نہ کرے۔ ایک بچہ کی طرح بن کر اس کے حکموں کے نیچے چلو۔ نماز پڑھو نماز پڑھو کہ وہ تمام سعادتوں کی کنجی ہے۔ اور جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو ایسا نہ کر کہ گویا تو ایک رسم ادا کر رہا ہے۔ بلکہ نماز سے پہلے جیسے ظاہری وضو کرتے ہو ایسا ہی ایک باطنی وضو بھی کرو۔ اور اپنے اعضا کو غیر اللہ کے خیال سے دھو ڈالو تب ان دونوں وضوؤں کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ اور نماز میں بہت دُعا کرو۔ اور رونا اور گڑگڑانا اپنی عادت کر لو تا تم پر رحم کیا جائے +

سچائی اختیار کرو سچائی اختیار کرو کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ تمہارے دل کیسے ہیں کیا انسان اس کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے۔ کیا اس کے آگے بھی مکاریاں پیش جا سکتی ہیں نہایت بدبخت آدمی اپنے فاسقانہ افعال کو اس حد تک پہنچاتا ہے کہ گویا خدا نہیں تب وہ بہت جلد ہلاک کیا جاتا ہے۔ اور خدا تعالے کو اسکی کچھ پرواہ نہیں ہوتی +

عزیزو! اس دُنیا کی مجرد منطق ایک شیطان ہے۔ اور اس دُنیا کا خالی فلسفہ ایک ابلیس ہے جو ایمانی نور کو نہایت درجہ گھٹا دیتا ہے۔ اور بیباکیاں پیدا کرتا ہے۔ اور قریب قریب دہریت کے پہنچاتا ہے۔ سو تم اس سے اپنے تئیں بچاؤ اور ایسا دل پیدا کرو جو غریب اور مسکین ہو اور بغیر چون وچرا کے حکموں کے ماننے والے ہو جاؤ جیسا کہ بچہ اپنی والدہ کی باتوں کو مانتا ہے +

قرآن کریم کی تعلیمیں تقویٰ کے اعلیٰ درجہ تک پہنچانا چاہتی ہیں اُن کی طرف کان دھرو اور اُن کے موافق اپنے تئیں بناؤ۔ قرآن شریف انجیل کی طرح تمہیں صرف یہ نہیں کہتا کہ نامحرم عورتوں یا ایسوں کو جو عورتوں کی طرح محل شہوت ہوسکتے ہیں شہوت کی نظر سے مت دیکھو بلکہ اس کی کامل تعلیم کا یہ منشا ہے کہ تو بغیر ضرورت نامحرم کی طرف نظر مت اٹھا نہ شہوت سے اور نہ بغیر شہوت بلکہ چاہیئے کہ تو آنکھیں بند کر کے اپنے تئیں ٹھوکر سے بچائے تا تیری دلی پاکیزگی میں کچھ فرق نہ آئے سو تم اپنے مولیٰ کے اس حکم کو خوب یاد رکھو اور آنکھوں کے زنا سے اپنے تئیں بچاؤ۔ اور اس ذات کے غضب سے ڈرو جس کا غضب ایکدم میں ہلاک کر سکتا ہے قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے کہ تو اپنے کانوں کو بھی نامحرم عورتوں کے ذکر سے بچا اور ایسا ہی ہر ایک ناجائز ذکر سے۔

مجھے اس وقت اس نصیحت کی حاجت نہیں کہ تم خون نہ کرو کیونکہ بجز نہایت شریر آدمی کے کون ناحق کے خون کی طرف قدم اُٹھاتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ناانصافی پر ضد کر کے سچائی کا خون نہ کرو حق کو قبول کر لو۔ اگرچہ ایک بچہ سے اور اگر مخالف کی طرف حق پاؤ تو پھر فی الفور اپنی خشک منطق کو چھوڑ دو۔ سچ پر ٹھیر جاؤ اور سچی گواہی دو جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور یعنے بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹ سے بھی کہ وہ بت سے کم نہیں جو چیز قبلہ حق سے تمہارا مُنہ پھیرتی ہے وہی تمہاری راہ میں بت ہے سچی گواہی دو اگرچہ تمہارے باپوں یا بھائیوں یا دوستوں پر ہو چاہیئے کہ کوئی عداوت بھی تمہیں انصاف سے مانع نہ ہو۔

باہم بخل اور کینہ اور حسد اور بغض اور بے مہری چھوڑ دو اور ایک ہو جاؤ۔ قرآن شریف کے بڑے حکم دو ہی ہیں۔ ایک توحید و محبت و اطاعت باری عز اسمہٗ دوسرے ہمدردی اپنے بھائیوں اور اپنے بنی نوع کی اور ان حکموں کو اس نے تین درجہ پر منقسم کیا ہے جیسا کہ استعدادیں بھی تین ہی قسم کی ہیں۔ اور وہ آیت کریمہ یہ ہے۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربیٰ پہلے طور پر اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ تم اپنے خالق کے ساتھ اسکی اطاعت میں عدل کا طریق مرعی رکھو ظالم نہ بنو پس جیسا کہ درحقیقت بجز اسکے کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں کوئی بھی محبت کے لائق نہیں کوئی بھی توکل کے لائق نہیں کیونکہ بوجہ خالقیت اور قیومیت و ربوبیت خاصہ کے ہر ایک حق اُسی کا ہے اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ کسی کو اس کی پرستش میں اور اس کی محبت میں اور اسکی ربوبیت میں شریک مت کرو۔ اگر تم نے اس قدر کر لیا تو یہ عدل ہے جس کی رعایت تم پر فرض ہے۔

پھر اگر اس پر ترقی کرنا چاہو تو احسان کا درجہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تم اسکی عظمتوں کے ایسے قائل ہو جاؤ اور اس کے آگے اپنی پرستشوں میں ایسے متادب بن جاؤ۔ اور اسکی محبت میں ایسے کھوئے جاؤ کہ گویا تم نے اس کی عظمت اور جلال اور اس کے حسن لازوال کو دیکھ لیا ہے۔ بعد اسکے ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تمہاری پرستش اور تمہاری محبت اور تمہاری فرمانبرداری سے بالکل تکلف اور تصنع دُور ہو جائے۔ اور تم اس کو ایسے جگری تعلق سے یاد کرو کہ جیسے تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو اور تمہاری محبت اس سے ایسی ہو جائے کہ جیسے مثلاً بچہ اپنی پیاری ماں سے محبت رکھتا ہے +

اور دوسرے طور پر جو ہمدردی بنی نوع سے متعلق ہے۔ اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ اپنے بھائیوں اور بنی نوع سے عدل کرو۔ اور اپنے حقوق سے زیادہ ان سے کچھ تعرض نہ کرو۔ اور انصاف پر قائم رہو +

اور اگر اس درجہ سے ترقی کرنی چاہو تو اس سے آگے احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تُو اپنے بھائی کے بدی کے مقابل نیکی کرے۔ اور اس کے آزار کے عوض میں تو اسکو راحت پہنچاوے اور مُروّت اور احسان کے طور پر دستگیری کرے +

پھر بعد اسکے ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تو جس قدر اپنے بھائی سے نیکی کرے یا جس قدر بنی نوع کی خیر خواہی بجا لاوے۔ اس سے کوئی اور کسی قسم کا احسان منظور نہ ہو بلکہ طبعی طور پر بغیر پیش نہاد کسی غرض کے وہ تجھ سے صادر ہو جیسی شدت قرابت کے جوش سے ایک خویش دوسرے خویش سے ساتھ نیکی کرتا ہے۔ سو یہ اخلاقی ترقی کا آخری کمال ہے کہ ہمدردی خلائق میں کوئی نفسانی مطلب یا مدعا یا غرض درمیان نہ ہو بلکہ اخوت و قرابت انسانی کا جوش اس اعلیٰ درجہ پر نشو و نما پا جائے کہ خود بخود بغیر کسی تکلف کے اور بغیر پیش نہاد رکھنے کسی قسم کی شکر گذاری یا دُعا یا اور کسی قسم کی پاداش کے وہ نیکی فقط فطرتی جوش سے صادر ہو +

عزیزو اپنے سلسلہ کے بھائیوں سے جو مہری اس کتاب میں درج ہیں باستثنا اس شخص کے کہ بعد اس کے خدا تعالےٰ اس کو رد کر دیوے خاص طور سے محبت رکھو اور جب تک کسی کو نہ دیکھو کہ وہ اس سلسلہ سے کسی مخالفانہ فعل یا قول سے باہر ہو گیا تب تک اسکو اپنا ایک عضو سمجھو لیکن جو شخص مکاری سے زندگی بسر کرتا ہے اور اپنی بدعہدیوں یا کسی قسم کے جور و جفا سے اپنے کسی بھائی کو آزار پہنچاتا ہے یا دوسرا دوسرے حرکات مخالف عہد بیعت سے باز نہیں آتا وہ اپنی بدعملی کی وجہ سے اس سلسلہ سے

باہر ہے اسکی پروا نہ کرو +

چاہئیے کہ اسلام کی ساری تصویر تمہارے وجود میں نمودار ہو اور تمہاری پیشانیوں میں اثر سجود نظر آوے اور خدا تعالےٰ کی بزرگی تم میں قائم ہو۔ اگر قرآن اور حدیث کے مقابل پر ایک جہان عقلی دلائل کا دیکھو تو ہرگز اسکو قبول نہ کرو اور یقیناً سمجھو کہ عقل نے لغزش کھائی ہے توحید پر قائم ہو اور نماز کے پابند ہو جاؤ اور اپنے مولیٰ حقیقی کے حکموں کو سب سے مقدم رکھو اور اسلام کے لئے سارے دُکھ اُٹھالو ولا تموتن الا وانتم مسلمون +

از اخبار الحکم ۲۴ جولائی ۱۸۹۹ء

ایک مجسٹریٹ افسر جو کسی تقریب پر اگلے دن قادیان میں تشریف لائے حضرت اقدس امامنا مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان نے بھی اُن کی دعوت کی جبکہ مہمان کھانے کے واسطے جمع ہوئے تو دسترخوان کے بچھائے جانے سے پہلے حضرت اقدس نے اس مہمان کو اور دوسرے احباب کو مخاطب کر کے فرمایا +

گورنمنٹ اور ہم ہمارا سب کاروبار دینی ہے۔ اور دُنیا اور اس کے تعلقات اور تکلفات سے ہم بالکل جُدا ہیں۔ گویا ہم دُنیاداری کے لحاظ سے مثل مُردہ کے ہیں ہم محض دین کے ہیں اور ہمارا سب کارخانہ دینی ہے جیسا کہ اسلام میں ہمیشہ بزرگوں اور اماموں کا ہوتا آیا ہے اور ہمارا کوئی نیا طریق نہیں بلکہ لوگوں کے اُس اعتقادی طریق کو جو کہ ہر طرح سے ان کے لئے خطرناک ہے دُور کرنا اور اُن کے دلوں سے نکالنا ہمارا اصل منشا اور مقصود ہے مثلاً بعض نادان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ غیر قوموں کے لوگوں کی چیزیں چُرا لینا جائز ہے۔ اور کافروں کا مال ہمارے لئے حلال ہے۔ اور پھر اپنی ان نفسانی خواہشوں کی خاطر اس کے مطابق حدیثیں بھی گھڑ رکھی ہیں پھر وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ جو دوبارہ دُنیا میں آنیوالے ہیں تو ان کا کام لاٹھی مارنا اور خونریزیاں کرنا ہے۔ حالانکہ جبر سے کوئی دین دین نہیں ہوسکتا غرض اسی قسم کے خوفناک عقیدے اور غلط خیالات ان لوگوں کے دلوں میں پڑے ہوئے ہیں جنکو دُور کرنے کے واسطے اور پُرامن عقائد اُن کی جگہ قائم کرنے کے واسطے ہمارا سلسلہ ہے جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے کہ مصلحوں کی اور اولیاء اللہ کی اور نیک باتیں سکھانے والوں کی دُنیادار مخالفت کرتے ہیں ایسا ہی ہمارے ساتھ بھی ہوا ہے۔ اور مخالفوں نے غلط خبریں محض افترا اور جھوٹ کے ساتھ ہمارے برخلاف مشہور کیں یہانتک کہ ہم کو ضرر پہنچانے کے واسطے گورنمنٹ تک غلط رپورٹیں کیں کہ یہ مفسد آدمی ہیں۔ اور بغاوت کے ارادے رکھتے ہیں۔ اور ضرور تھا کہ یہ لوگ ایسا کرتے۔ کیونکہ نادانوں نے اپنے خیرخواہوں یعنی انبیاء اور اُن کے وارثین کے ساتھ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں ایسا ہی سلوک کیا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ نے انسان میں ایک

زیرکی رکھی ہے۔ اور گورنمنٹ کے کارکن ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں چنانچہ کپتان ڈگلس صاحب کی دانائی کی طرف خیال کرنا چاہیئے کہ جب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے میری نسبت کہا کہ یہ بادشاہ ہونے کا دعوے کرتے ہیں اور اشتہار اسکے سامنے پڑھا گیا تو اُس نے بڑی زیرکی سے پہچانا کہ یہ سب ان لوگوں کا افترا ہے۔ اور ہمارے مخالف کی کچھ بات پر توجہ نہ کی۔ کیونکہ اسمیں شک نہیں کہ ازالہ اوہام وغیرہ دوسری کُتب میں ہمارا لقب سلطان لکھا ہؤا ہے مگر یہ آسمانی سلطنت کی طرف اشارہ ہے اور دنیوی بادشاہوں سے ہمارا کچھ سروکار نہیں ایسا ہی ہمارا نام حَکَم عام بھی ہے جس کا ترجمہ اگر انگریزی میں کیا جائے تو گورنر جنرل ہوتا ہے۔ اور شروع سے یہ سب باتیں ہمارے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں میں موجود ہیں کہ آنیوالے مسیح کے یہ نام ہیں۔ یہ سب ہمارے خطاب کتابوں میں موجود ہیں اور ساتھ ہی انکی تشریح بھی موجود ہے۔ کہ یہ آسمانی سلطنتوں کی اصطلاحیں ہیں اور زمینی بادشاہوں سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ اگر ہم شر کو چاہنے والے ہوتے تو ہم جہاد وغیرہ سے لوگوں کو کیوں روکتے۔ اور درندگی سے ہم مخلوقات کو کیوں منع کرتے۔ غرض کپتان ڈگلس صاحب عقل ہے ان سب باتوں کو پا گیا اور پورے پورے انصاف سے کام لیا۔ اور دونوں فریق میں سے ذرہ بھی دوسرے فریق کی طرف نہیں جھکا اور ایسا نمونہ انصاف پروری اور دادرسی کا دکھلایا کہ ہم بدل خواہشمند ہیں کہ ہماری گورنمنٹ کے تمام معزز حکام ہمیشہ اسی اعلےٰ درجہ کے نمونہ انصاف کو دکھلاتے رہیں جو نوشیروانی انصاف کو بھی اپنے کامل انصاف کی وجہ سے ادنےٰ درجہ کا ٹھیراتا ہے۔ اور یہ کس طرح سے ہوسکتا ہے کہ کوئی اس گورنمنٹ کے پُرامن زمانہ کو بُرا خیال کرے۔ اور اس کی برخلاف منصوبہ بازی کی طرف اپنا ذہن لیجاوے حالانکہ یہ ہمارے دیکھنے کی باتیں ہیں کہ سکھوں کے زمانہ میں مسلمانوں کو کس قدر تکلیف ہوتی تھی صرف ایک گائے کے اتفاقاً ذبح کئے جانے پر سکھوں نے چھ سات ہزار آدمیوں کو تہ تیغ کر دیا تھا۔ اور نیکی کی راہ اس طرح پر مسدود تھی کہ ایک شخص مسمّی کلے شاہ اِس آرزو میں ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر دُعائیں مانگتا تھا کہ ایک دفعہ صحیح بخاری کی زیارت ہو جائے۔ اور دُعا کرتا کرتا رو پڑتا تھا۔ اور زمانہ کے حالات کی وجہ سے نااُمید ہو جاتا تھا۔ آج گورنمنٹ کے قدم کی برکت سے وہی صحیح بخاری چار پانچ روپے میں ملجاتی ہے۔ اور اس زمانہ میں لوگ اِس قدر دُور جا پڑے تھے کہ ایک مسلمان نے جس کا نام خدا بخش تھا اپنا نام خدا سنگھ رکھ لیا تھا۔ بلکہ اس گورنمنٹ کے ہم پر اس قدر احسان ہیں کہ اگر ہم یہاں سے نکل جائیں تو نہ ہمارا مکہ میں گذارا ہوسکتا ہے اور نہ قسطنطنیہ میں۔ تو پھر کس طرح سے ہوسکتا ہے کہ ہم اس کے برخلاف کوئی خیال اپنے دل میں رکھیں۔ اگر ہماری قوم کو خیال ہے کہ ہم گورنمنٹ کے برخلاف ہیں یا ہمارا مذہب غلط ہے تو ان کو چاہیئے کہ وہ ایک مجلس قائم کریں اسمیں ہماری باتوں کو ٹھنڈے دل

سے سُنیں۔ تا کہ اُن کی تسلّی ہو اور اُن کی غلط فہمیاں دُور ہوں جھوٹے کے مُنہ سے بدبُو آتی ہے۔ اور فراست والا اسکو پہچان جاتا ہے صادق کے کام سادگی اور یکرنگی سے ہوتے ہیں اور زمانے کے حالات اس کے مؤیّد ہوتے ہیں +

آجکل دیکھنا چاہئے کہ لوگ کس طرح عقائد حقّہ سے پھر گئے ہیں ۲۰ کروڑ کتاب اسلام کے خلاف شائع ہوئی اور کئی لاکھ آدمی عیسائی ہو گئے ہیں ہر ایک بات کیلئے ایک حد ہوتی ہے اور خشکسالی کے بعد جنگل کے حیوان بھی بارش کی اُمید میں آسمان کی طرف مُنہ اُٹھاتے ہیں۔ آج ۱۳۰۰ برس کی دُھوپ اور امساک باراں کے بعد آسمان سے بارش اُتری ہے۔ اب اس کو کوئی روک نہیں سکتا برسات کا جب وقت آگیا ہے تو کون ہے جو اس کو بند کرے۔ یہ ایسا وقت ہے کہ لوگوں کے دل حق سے بہت ہی دُور جا پڑے ہیں۔ ایسا کہ خود خدا پر بھی شک ہو گیا ہے۔ حالانکہ تمام اعمال کی طرف حرکت صرف ایمان سے ہوتی ہے مثلاً سم الفار کو اگر کوئی شخص طباشیر سمجھ لے تو بلا خوف و خطر کئی ماشوں تک کھا جاویگا۔ اگر یقین رکھتا ہو کہ یہ زہر قاتل ہے تو ہرگز اسکو مُنہ کے قریب بھی نہ لائیگا حقیقی نیکی کے واسطے یہ ضروری ہے کہ خدا کے وجود پر ایمان ہو۔ کیونکہ مجازی حکام کو یہ معلوم نہیں کہ کوئی گھر کے اندر کیا کرتا ہے۔ اور پس پردہ کسی کا کیا فعل ہے۔ اور اگرچہ کوئی زبان سے نیکی کا اقرار کرے۔ مگر اپنے دل کے اندر وہ جو کچھ رکھتا ہے اس کے لئے اسکو ہمارے مواخذہ کا خوف نہیں اور دُنیا کی حکومتوں میں سے کوئی ایسی نہیں جس کا خوف انسان کو رات میں اور دن میں اندھیرے میں اور اُجالے میں خلوت میں اور جلوت میں ویرانے میں اور آبادی میں گھر میں اور بازار میں ہر حالت میں یکساں ہو پس درستی اخلاق کے واسطے ایسی ہستی پر ایمان کا ہونا ضروری ہے جو ہر حال اور ہر وقت میں اس کے نگران اور اس کے اعمال اور افعال اور اس کے سینہ کے بھیدوں کی شاہد ہے کیونکہ در اصل نیک وہی ہے جس کا ظاہر اور باطن ایک ہو اور جس کا دل اور باہر ایک ہے وہ زمین پر فرشتہ کی طرح چلتا ہے دہریہ ایسی گورنمنٹ کے نیچے نہیں کہ وہ حسن اخلاق کو پا سکے تمام نتائج ایمان سے پیدا ہوتے ہیں چنانچہ سانپ کی سُوراخ کو پہچان کر کوئی اُنگلی اس میں نہیں ڈالتا جب ہم جانتے ہیں کہ ایک مقدار اسٹرکنیا کی قاتل ہے تو ہمارا اس کے قاتل ہونے پر ایمان ہے۔ اور اس ایمان کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم اسکو منہ نہیں لگائیں گے اور مرنے سے بچ جائیں گے۔ اور تقدیر یعنی دُنیا کے اندر تمام اشیا کا ایک اندازہ اور قانون کے ساتھ چلنا اور ٹھیرنا اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا کوئی مُقدر یعنی اندازہ باندھنے والا ضرور ہے گھڑی کو اگر کسی نے بالارادہ نہیں بنایا تو وہ کیوں اس قدر

ایک باقاعدہ نظام کے ساتھ اپنی حرکت کو قائم رکھ کر ہمارے واسطے فائدہ مند ہوتی ہے۔ ایسا ہی آسمان کی گھڑی کہ اُس کی ترتیب اور باقاعدہ اور باضابطہ انتظام یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ بالارادہ خاص مقصد اور مطلب اور فوائد کے واسطے بنائی گئی ہے۔ اس طرح انسان مصنوع سے صانع کو اور تقدیر سے مقدر کو پہچان سکتا ہے لیکن اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کے ثبوت کا ایک اور ذریعہ قائم کیا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ قبل از وقت اپنے برگزیدوں کو کسی تقدیر سے اطلاع دیدیتا ہے اور ان کو بتلا دیتا ہے کہ فلاں وقت اور فلاں دن میں میں نے فلاں امر کو مُقدّر کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ شخص جس کو خدا نے اس کام کے واسطے چنا ہُوا ہوتا ہے پہلے سے لوگوں کو اطلاع دیدیتا ہے کہ ایسا ہوگا اور پھر ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ اس نے کہا تھا اللہ تعالےٰ کی ہستی کے ثبوت کے واسطے یہ ایسی دلیل ہے کہ ہر ایک دہریہ اس موقع پر شرمندہ اور لاجواب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہزاروں ایسے نشانات عطا کئے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر لذیذ ایمان پیدا ہوتا ہے ہماری جماعت کے اس قدر لوگ اس جگہ موجود ہیں کون ہے جس نے کم از کم دو چار نشان نہیں دیکھے۔ اور اگر آپ چاہیں تو کئی سو آدمی کو باہر سے بُلوائیں اور اُن سے پوچھیں اس قدر احباب اور اخیار اور متقی اور صالح لوگ جو کہ ہر طرح سے عقل اور فراست رکھتے ہیں اور دنیوی طور پر اپنے معقول روزگاروں پر قائم ہیں۔ کیا ان کو تسلی نہیں ہوئی۔ کیا انہوں نے ایسی باتیں نہیں دیکھیں جن پر انسان کبھی قادر نہیں ہے۔ اگر ان سے سوال کیا جائے تو ہر ایک اپنے آپ کو اوّل درجہ کا گواہ قرار دیگا۔ کیا ممکن ہے کہ ایسے ہر طبقہ کے انسان جن میں عاقل اور فاضل اور طبیب اور ڈاکٹر اور سوداگر اور مشائخ سجادہ نشین اور وکیل اور معزز عہدہ دار ہیں بغیر پوری تسلّی پانے کے یہ اقرار کر سکتے ہیں کہ ہم نے اس قدر آسمانی نشان بچشم خود دیکھے اور جب کہ وہ لوگ واقعی طور پر ایسا اقرار کرتے ہیں جس کی تصدیق کے لئے ہر وقت شخص مکذّب کو اختیار ہے تو پھر سوچنا چاہئے کہ ان مجموعہ اقرارات کا طالب حق کے لئے اگر وہ فی الحقیقت طالب حق ہے کیا نتیجہ ہونا چاہئے کم سے کم ایک ناواقف اتنا تو ضرور سوچ سکتا ہے کہ اگر اس گروہ میں جو لوگ ہر طرح سے تعلیمیافتہ اور دانا اور فرسودہ روزگار اور بفضل الٰہی مالی حالتوں میں دوسروں کے محتاج نہیں ہیں۔ اگر انہوں نے پُورے طور پر میرے دعوے پر یقین حاصل نہیں کیا۔ اور پوری تسلی نہیں پائی تو کیوں وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر اور عزیزوں سے علیحدہ ہو کر غربت اور مسافری میں اس جگہ میرے پاس بسر کرتے ہیں۔ اور اپنی اپنی مقدرت کے موافق مالی امداد میں میرے سلسلہ کے لئے فدا اور دلدادہ ہیں +

ہر ایک بات کا وقت ہے بہار کا بھی وقت ہے اور برسات کا بھی وقت ہے اور کوئی نہیں جو خدا کے ارادے ٹال دے +

از اخبار الحکم ۱۰۔ اگست ۱۸۹۹ء

ایک ہندو[۱] گرو اور حضرت اقدس کا مکالمہ

حضرت اقدس۔ آپ کے ہاں جوگ کا طریق سناتن دھرم کے اصول پر ہے۔ یا آریہ سماج کے اصول پر +

سادھو۔ سناتن دھرم کے موافق +

حضرت اقدس۔ آریہ سماج ایک ایسا فرقہ ہے جس میں صرف کہنا ہے کرنا نہیں +

سادھو۔ بیشک یہ لوگ گرو کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اور یہانتک کہ دیانند کو بھی گرو کی حیثیت سے نہیں مانتے کہتے ہیں کہ وہ ایک راہ بتا گیا ہے اس پر چلنا چاہیئے +

حضرت اقدس۔ آپ کے جوگ کے لئے بڑی بڑی مشقتیں ہیں +

سادھو۔ جی ہاں +

حضرت اقدس۔ اس مشقت کے بعد کیا کوئی ایسی قوت اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے جس سے اس پریم کا نتیجہ لگجاوے جو اس ریاضت کرنیوالے کو خدا کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ محبت کا پتہ اور جو اس وقت تک نہیں ملتا جبتک کہ دونوں طرف سے کامل محبت کا اظہار نہو۔ ادھر سے محبت کے جوش میں ہر قسم کے دکھ اور تکلیف کو برداشت کرنیکے لئے طیار ہو اور ادھر سے یعنی پرمیشر کیطرف سے ایسا پرکاش (روشنی یا نور) اسکو ملے کہ وہ عام طور پر لوگوں میں متمیز ہو جاوے +

سادھو۔ ہاں کچھ بل اور طاقت آ ہی جاتا ہے +

حضرت اقدس۔ بھلا کوئی ایسی طاقت اور بل کی بات آپ سنائیں جو آپ کی سُنی ہوئی نہ ہو بلکہ دیکھی ہوئی ہو یعنی آپ کے گرو میں یا اُن کے گرو میں۔ کیونکہ بات یہ ہے کہ سُنی ہوئی بات کچھ ایسی مؤثر نہیں ہوتی خواہ وہ کتنی ہی صحیح کیوں نہو۔ قصے کہانی کے ذیل میں سمجھی جاتی ہے جیسے مثلاً کوئی کہے کہ ایک دیش ہے وہاں آدمی اُڑا کرتے ہیں۔ اب ہمکو اس کے ماننے میں ضرور تامل ہوگا۔ کیونکہ ہم نے نہ تو ایسے اُڑتے دیکھے ہیں اور نہ خود اُڑے ہیں پس قوت ایمان اور یقین کے بڑھانے کے لئے سُنی سُنائی باتیں فائدہ نہیں پہنچاتی ہیں بلکہ تازہ بتازہ جو سامنے دیکھی جاویں اور اس سے بھی بڑھ کر وہ جو خود انسان کی اپنی حالت پر وارد ہوں۔ پس میرے اس سوال سے یہ غرض ہے کہ آپ کوئی ایسی بات بتلائیں جو اس ریاضت کرنے والوں میں آپ نے دیکھی ہو یا سُنی ہو +

سادھو۔ ہاں ہمارے جو گرو تھے ان میں بعض بعض باتیں ایسی تھیں جو دوسرے کے مَن کی بات بُوجھ لیتے تھے اور پھر جو منہ سے کہہ دیتے تھے ہو جاتا تھا۔ اور جو اُن کے گرو تھے ان میں بھی بہت سی باتیں ایسی ہوتی تھیں۔ مگر ان کو دیکھا نہیں۔ تاہم دیکھنے کے برابر ہے۔ کیونکہ اُن کو مرے کوئی اسی برس کے قریب

[۱] یکم اگست ۱۸۹۹ء کو بعد مغرب ایک مشہور ہندو سادھو صاحب حضرت اقدس کی ملاقات کے لئے تشریف لائے اور حضور سے باتیں کرتے رہے۔ یہ اس گفتگو کا خلاصہ یا مفہوم ہے جس کو حافظ کی مدد سے ہمنے اپنے الفاظ میں قلمبند کیا ہے + ایڈیٹر الحکم +

ہوئے اور اُن کے دیکھنے والے ابھی موجود ہیں +

حضرت اقدس۔ آپ نے بھی کوئی ریاضتیں کی تھیں +

سادھو۔ جی ہاں میں نے بھی کی ہیں +

حضرت۔ کیا کیا +

سادھو۔ پہلے چلہ کشی کیا کرتے تھے۔ یہانتک کہ آٹھ مہینے کا ایک ہی چلہ تھا +

حضرت۔ اس میں کیا کھاتے تھے +

سادھو۔ پہلے چاولوں کا آٹا کھایا کرتے تھے پھر صرف پانی جو پکا کر رکھا ہؤا تھا۔ یعنی ایک گاگر کا نصف جب رہجاوے تو وہ رکھ لیا کرتے تھے اور اس میں سے سیر کچا صبح کو پی لیا کرتے تھے اور اُسی وقت پیشاب کر لیا کرتے تھے۔ اور پھر کچھ نہیں +

حضرت۔ کیا اس میں لوہا وغیرہ تو نہ ہوتا تھا؟

سادھو۔ نہیں +

حضرت اقدس۔ پھر کیا اُس ریاضت کی حالت میں آپ کو کچھ عجیب وغریب نظارے نظر آئے +

سادھو۔ ہاں کبھی روشنی نظر آتی تھی جو اندر ہو جاتی تھی۔ اور دُور دُور سے آتے جاتے آدمی نظر آجاتے تھے +

(اس کے بعد چند منٹ خاموشی رہی پھر اس مُہر سکوت کو سادھو صاحب نے اپنے اس ایک سوال سے توڑا (ایڈیٹر)

سادھو۔ کیا آپ پرمیشر کو اکار مانتے ہیں یا نراکار +

(حضرت مولوی نورالدین صاحب نے اس موقع پر بطور تشریح عرض کیا کہ مورتی کے قابل یا ایسا خدا کہ مورتی کی ضرورت نہ ہو) +

حضرت اقدس۔ ہم جس خدا کو مانتے ہیں اسکی عبادت اور پرستش کیلئے نہ تو ان مشقتوں اور ریاضتوں کی ضرورت ہے۔ اور نہ کسی مورتی کی حاجت ہے اور ہمارے مذہب میں خدا تعالے کو حاصل کرنے اور اسکی قدرت نمائیوں کے نظارے دیکھنے کیلئے ایسی تکالیف کے برداشت کرنے کی کچھ بھی حاجت نہیں۔ بلکہ وہ اپنے سچے پریمی بھگتوں کو آسان طریق سے جو ہمنے خود تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے بہت جلد ملتا ہے انسان اگر اسکی طرف ایک قدم اٹھاتا ہے تو وہ دو قدم اُٹھاتا ہے انسان اگر تیز چلتا ہے تو وہ دوڑ کر اس کے ہردے میں پرکاش کرتا ہے +

میرے نزدیک مورتی بنانے والوں نے خدا تعالے کی اس حکمت اور راز کو نہیں سمجھا جو اس نے اپنے آپ کو بظاہر ایک حالت غیب میں رکھا ہے خدا تعالیٰ کا غیب میں ہی ہونا انسان کے لئے تمام

تلاش اور جستجو اور کل تحقیقاتوں کی راہوں کو کھولتا ہے جس قدر علوم اور معارف انسان پر کھلے ہیں وہ گو موجود تھے اور ہیں لیکن ایک ایک وقت میں وہ غیب میں تھے انسان کی سعی اور کوشش کی قوت نے اپنی چمکار دکھائی اور گوہر مقصود کو پالیا جس طرح پر ایک عاشق صادق ہوتا ہے اس کے محبوب اور معشوق کی غیر حاضری اور آنکھوں سے بظاہر دُور ہونا اس کی محبت میں کچھ فرق نہیں ڈالتا۔ بلکہ وہ ظاہری ہجر اپنے اندر ایک قسم کی سوزش پیدا کر کے اُس پریم بھاؤ کو اور بھی ترقی دیتا ہے۔ اسی طرح پر مُورتی لے کر خدا کو تلاش کرنے والا کب سچی اور حقیقی محبت کا دعویدار بن سکتا ہے جب کہ مُورتی کے بدوں اُس کی توجہ کامل طور پر اُس پاک اور کامل حسن ہستی کی طرف نہیں پڑ سکتی۔ انسان اپنی محبت کا خود امتحان کرے۔ اگر اسکو اس سوختہ دل عاشق کیطرح چلتے پھرتے بیٹھتے اُٹھتے غرض ہر حالت میں بیداری کی ہو یا خواب کی اپنے محبُوب کا ہی چہرہ نظر آتا ہے اور کامل توجہ اسی طرف ہے تو سمجھ لے کہ واقعی مجھے خدا تعالےٰ سے ایک عشق ہے اور ضرور ضرور خدا تعالیٰ کا پرکاش اور پریم میرے اندر موجود ہے۔ لیکن اگر درمیانی امُور اور خارجی بندھن اور رُکاوٹیں اُس کی توجہ کو پھرا سکتی ہیں۔ اور ایک لحظہ کے لئے بھی وہ خیال اُس کے دل سے نکل سکتا ہے تو میں سچ کہتا ہوں کہ وہ خدا تعالےٰ کا عاشق نہیں اور اس سے محبت نہیں کرتا۔ اور اسی لئے وہ روشنی اور نور جو سچے عاشقوں کو ملتا ہے اُسے نہیں ملتا یہی وہ جگہ ہے جہاں آکر اکثر لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے اور خدا کا انکار کر بیٹھے ہیں۔ نادانوں نے اپنی محبت کا امتحان نہیں کیا اور اس کا وزن کئے بدوں ہی خدا پر بدظن ہو گئے ہیں۔ پس میرے خیال میں خدا تعالےٰ کا غیب میں رہنا انسان کی سعادت اور رُشد کو ترقی دینے کی خاطر ہے اور اسکی رُوحانی قوتوں کو صاف کر کے جلا دینے کے لئے تاکہ وہ نُور اس میں پرکاش ہو ہم جو بار بار اشتہار دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو تجربہ کے لئے بُلاتے ہیں بعض لوگ ہم کو دُکاندار کہتے ہیں کوئی کچھ بولتا ہے کوئی کچھ۔ غرض انکی بھانت بھانت کی بولیوں کو سُن کر جو ہر ملک میں جو اس دنیا پر آباد ہے۔ یُورپ امریکہ وغیرہ میں اشتہار دیتے ہیں اس کی غرض کیا ہے ہماری غرض بجز اسکے اور کچھ نہیں تاکہ لوگوں کو اُس خدا کی طرف رہنمائی کریں جسے ہم نے خود دیکھا ہے سُنی سُنائی بات اور قصہ کے رنگ میں ہم خدا کو دکھانا نہیں چاہتے بلکہ ہم اپنی ذات اور اپنے وجود کو پیش کر کے دنیا کو خدا تعالےٰ کا وجود منوانا چاہتے ہیں۔ یہ ایک سیدھی بات ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف جس قدر کوئی قدم اُٹھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس سے زیادہ سُرعت اور تیزی کے ساتھ اسکی طرف آتا ہے۔ دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک معزز آدمی کا منظور نظر عزیز اور واجب التعظیم سمجھا جاتا ہے تو کیا خدا تعالےٰ کا تقرب حاصل کرنیوالا

اپنے اندر اُن نشانات میں سے کچھ بھی حصّہ نہ لیگا جو خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور بے انتہا طاقتوں کا نمونہ ہوں +

یہ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی غیرت کبھی تقاضا نہیں کرتی کہ اسکو ایسی حالت میں چھوڑے کہ وہ ذلیل ہو کر پیسا جاوے نہیں بلکہ وہ خود وحدہٗ لاشریک ہے وہ اپنے اُس بندہ کو بھی ایک فرد اور وحدہٗ لاشریک بنا دیتا ہے دُنیا کے تختہ پر کوئی انسان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہر طرف سے اس پر حملے ہوتے ہیں اور ہر حملہ کرنیوالا اُس کی طاقت کے اندازہ سے بیخبر ہو کر جانتا ہے کہ میں اسے تباہ کر ڈالوں گا لیکن آخر اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اُس کا بچ نکلنا انسانی طاقت سے باہر کسی قوت کا کام ہے۔ کیونکہ اگر اُسے پہلے سے یہ علم ہوتا تو وہ حملہ بھی نہ کرتا پس وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے حضور ایک تقرب حاصل کرتے ہیں۔ اور دُنیا میں اس کے وجود اور ہستی پر ایک نشان ہوتے ہیں۔ بظاہر اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ہر ایک مخالف اپنے خیال میں یہ سمجھتا ہے کہ میرے مقابلہ میں یہ بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ ہر قسم کی تدبیر اور کوشش کے نتائج اسے یہیں تک پہنچاتے ہیں لیکن جب وہ اُس زد میں سے ایک عزت اور احترام کے ساتھ اور سلامتی سے نکلتا تھا تو ایکدم کیلئے تو اُسے حیران ہونا پڑتا ہے کہ اگر انسانی طاقت کا ہی کام تھا تو اس کا بچنا محال تھا لیکن اب اس کا صحیح سلامت رہنا انسان نہیں بلکہ خدا کا کام ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ مقربان بارگاہ الٰہی پر جو مخالفانہ حملے ہوتے ہیں وہ کیوں ہوتے ہیں معرفت اور گیان کے کوچہ سے بیخبر لوگ ایسی مخالفتوں کو ایک ذلت سمجھتے ہیں۔ مگر انکو کیا خبر ہوتی ہے کہ اس ذلت میں اُن کیلئے ایک عزت اور امتیاز نکلتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور ہستی پر ایک نشان ہوتا ہے۔ اسی لئے یہ وجود آیات اللہ کہلاتے ہیں +

غرض ہم جو اشتہار دے دے کر لوگوں کو بلاتے ہیں تو ہماری یہی آرزو ہے کہ اُن کو اس خدا کا پتہ دیں جسے ہم نے پایا اور دیکھا ہے۔ اور وہ اقرب راہ بتلائیں جس سے انسان جلد با خدا ہو جاتا ہے پس ہمارے خیال میں قصہ کہانی سے کوئی معرفت اور گیان ترقی نہیں پا سکتا جب تک کہ خود عملی حالت سے انسان نہ دیکھے۔ اور یہ بدوں اس راہ کے جو ہماری راہ ہے میسّر نہیں۔ اور اس راہ کے لئے ایسی صعوبتوں اور مشقتوں کی ضرورت نہیں یہاں دل بکار ہے خدا تعالیٰ کی نگاہ دل پر پڑتی ہے۔ اور جس دل میں محبت اور عشق ہو اُس کو مورتی سے کیا غرض؟ مورتی پوجا سے انسان کبھی صحیح اور یقینی نتائج پر پہنچ نہیں سکتا +

خدا تعالیٰ کی نگاہ انسان مخلص کے دل کے ایک نقطہ پر ہوتی ہے جسے وہ دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ اسکی خاطر وہ خوشی دل سے ہر صعوبت و مکروہ کو برداشت کر لیگا۔ یہ ضرور نہیں کہ کوئی بڑی بڑی

مشقتیں کرے اور دائم حاضر باش رہے ہم دیکھتے ہیں کہ خاکروب ہمارے مکان میں آکر بڑی تکلیف اُٹھاتا ہے اور جو کام وہ کرتا ہے ہمارا ایک بڑا معزز مخلص دوست وہ کام نہیں کرسکتا تو کیا ہم اپنے وفادار احباب کو بیقدر سمجھیں اور خاکروب کو معزز و مکرم خیال کریں بعض ہمارے ایسے بھی احباب ہیں جو مدتوں کے بعد تشریف لاتے ہیں۔ اور انھیں ہر وقت ہمارے پاس بیٹھنا میسر نہیں آتا مگر ہم خوب جانتے ہیں۔ کہ اُن کے دلوں کی بناوٹ ایسی ہے اور وہ اخلاص دمودت سے ایسے خمیر کئے ہیں کہ ایک وقت ہمارے بڑے بڑے کام آسکتے ہیں۔ نظام قدرت میں بھی ہم ایسا ہی دیکھتے ہیں کہ جتنا شرف بڑھ جاتا ہے محنت اور کام ہلکا ہو جاتا ہے۔ ایک مذکوری کو دیکھ لو انبار پروانوں کا اسے دیا جاتا ہے اور کیفیت کے اندر حکم ہے کہ تعمیل کرکے حاضر ہو برسات ہو دھوپ ہو جاڑا ہو دیہات کے راستے خراب ہوں کوئی عذر سنا نہیں جاتا اور تنخواہ پوچھو تو پانچ روپے۔ اور حکام بالا دست کا معاملہ اسکے بالکل برخلاف ہے۔ اس قانون سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کا قانون بھی اپنے برگزیدوں سے ایسا ہی ہے خطرناک ریاضتیں کرنا اور اعضا اور قوٰی کو مجاہدات میں بیکار کر دینا محض نکمی بات اور لاحاصل ہے۔ اسی لئے ہمارے ہادی کامل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لا رھبانیۃ فی الاسلام یعنی جب انسان کو صفت اسلام (گردن نہادن برحکم خدا و موافقت تامہ بمقادیر الٰہیہ) میسر آجاوے تو پھر رہبانیت یعنی ایسے مجاہدوں اور ریاضتوں کی کوئی ضرورت نہیں +

اس کے بعد سادھو صاحب تشریف لے گئے اور کھانا رکھا گیا حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے رہبانیت کو نہیں رکھا۔ اسلئے کہ وہ معرفت تامہ کا ذریعہ نہیں ہے +

از اخبار الحکم ۱۶ ستمبر ۱۸۹۹ء

ایمان بالغیب کی حقیقت

جاننا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ اور عالم مجازات اور دیگر امور مبدء اور معاد کے ماننے میں فلسفیوں کا طریقہ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ سے بہت مختلف ہے نبیوں کے طریق کا اصل اعظم یہ ہے کہ ایمان کا ثواب تب مترتب اور بارور ہوگا کہ جب غیب کی باتوں کو غیب ہی کی صورت میں قبول کیا جائے۔ اور ظاہری حواس کی کھلی کھلی شہادتیں یا دلائل ہندسیہ کے یقینی اور قطعی ثبوت طلب نہ کئے جائیں کیونکہ تمام و کمال مدار ثواب اور استحقاق قرب و توصل الٰہی کا تقوے پر ہے اور تقوے کی حقیقت وہی شخص اپنے اندر رکھتا ہے جو افراط آمیز تفتیشوں اور لمبے چوڑے انکاروں اور ہر ہر جزئی کی موشگافی سے اپنے تئیں بچاتا ہے

اور صرف دُور اندیشی کے طور سے ایک راہ کی سچائی کا دوسری راہوں پر غلبہ اور رُجحان دیکھ کر بحسن ظن قبُول کر لیتا ہے اِسی بات کا نام ایمان ہے اور اسی ایمان پر فیوض الٰہی کا دروازہ کھلتا ہے اور دُنیا و آخرت میں سعادتیں حاصل ہوتی ہیں۔ جب کوئی نیک بندہ ایمان پر محکم قدم مارتا ہے۔ اور پھر دُعا اور نماز اور فکر اور نظر سے اپنی حالت علمی میں ترقی چاہتا ہے تو خدا تعالےٰ خود اس کا مُتولّی ہو کر اور خود اس کا ہاتھ پکڑ کر درجہ ایمان سے درجہ عین الیقین تک اس کو پہنچا دیتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ بعد استقامت و مجاہدات و ریاضات و تزکیہ و تصفیہ نفس ملتا ہے پہلے نہیں اور جو شخص پہلے ہی تمام جُزئیات کی بکُلّی صفائی کرنا چاہتا ہے۔ اور قبل از صفائی اپنے بدعقائد اور بد اعمال کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا وہ اس ثواب اور اس راہ کے پانے سے محروم ہے کیونکہ ایمان اسی حد تک ایمان ہے جب تک وہ امور جن کو مانا گیا ہے کسی قدر پردہ غیب میں ہیں یعنی ایسی حالت پر واقعہ ہیں جو ابھی تک عقلی ثبوت نے اُن پر احاطہ تام نہیں کیا اور نہ کسی کشفی طور پر وہ نظر آئے بلکہ اُن کا ثبوت غلبہ ظن تک پہنچا ہے وبس +

یہ تو انبیاء کا سچّا فلسفہ ہے جس پر قدم مارنے سے کروڑ ہا بندگان خدا آسمانی برکتیں پا چکے ہیں۔ اور جس پر ٹھیک ٹھیک چلنے سے بیشمار خلق اللہ معرفت تامہ کے درجہ تک پہنچ چکے ہیں اور ہمیشہ پہنچتے ہیں۔ اور جن اعلیٰ درجہ کی نعمتوں کو شوخی اور جلدی سے فلسفی لوگوں نے ڈھونڈا اور نہ پایا وہ سب مراتب ان ایماندار بندوں کو بڑی آسانی سے مل گئے اور اُس سے بھی بڑھ کر اس میں معرفت تامہ کے درجہ تک پہنچ گئے کہ جو کسی فلسفی کے کانوں نے اس کو نہیں سُنا اور نہ اس کی آنکھ نے دیکھا اور نہ کبھی اس کے دل میں گذرا لیکن اس کے مقابلہ پر خشک فلاسفروں کا جھُوٹا اور مغشوش فلسفہ جس پر آجکل کے نوتعلیم یافتہ لوگ فریفتہ ہو رہے ہیں۔ اور جس کے بدنتائج کی بیخبری نے بہت سے سادہ لوحوں کو برباد کر دیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب تک کسی اصل یا فرع کا قطعی طور پر فیصلہ نہ ہو جائے۔ اور بکُلّی اس کا انکشاف ہو جائے تب تک اسکو ہرگز ماننا نہیں چاہئے۔ گویا خدا ہو یا کوئی اور چیز ہو ان میں سے اعلےٰ درجہ کے اور کامل فلاسفر جنہوں نے ان اصولوں کی سخت پابندی اختیار کی تھی۔ انہوں نے اپنا نام محققین رکھا جن کا دوسرا نام دہریّہ بھی ہے۔ ان کامل فلاسفروں کا بپابندی اپنے اصُول قدیمہ کے یہ مذہب رہا ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ کا وجود قطعی طور پر بذریعہ عقل ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہم نے اسکو بچشم خود دیکھا اسلئے ایسے خدا کا ماننا ایک امر مظنون اور مشتبہ کا مان لینا ہے جو اصُول متقرہ فلسفیہ سے بکُلّی بعید ہے سو انہوں نے پہلے ہی خدا تعالےٰ کو درمیان سے اُڑا دیا پھر فرشتوں کا یُوں فیصلہ کیا

کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کی طرح نظر نہیں آتے چلو یہ بھی درمیان سے اُٹھاؤ۔ پھر رُوحوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور یہ رائے ظاہر کی کہ ہم کوئی ثبوت قابل اطمینان اس بات پر نہیں دیکھتے کہ بعد مرنے کے رُوح باقی رہجاتی ہے نہ کوئی روح نظر آتی ہے۔ اور نہ واپس آکر کچھ اپنا قصہ سُناتی ہے بلکہ سب رُوحیں مفارقت بدن کے بعد خدا اور فرشتوں کی طرح بے اثر و بے نشان ہیں سو اُن کا بھی وجود ماننا خلاف دلیل و بُرہان ہے۔ ان سب فیصلوں کے بعد ان کی نظر عمیق نے تکالیف شرعیہ کی مشقت اور حلال و حرام کا ذوق اصُول فلسفہ کا سخت مخالف سمجھا اسلئے انہوں نے صاف صاف اپنی رائے ظاہر کردی کہ ماں اور بہن اور جورو میں فرق کرنا یا اور چیزوں میں سے بلا ثبوت ضرر طبّی بعض چیزوں کو حرام سمجھ لینا یہ سب بناوٹی باتیں ہیں جن پر کوئی فلسفی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ اِسی طرح انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ ننگا رہنے میں کوئی شناعت عقلی ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس میں طبّی قواعد کے رُو سے فوائد ہیں اسی طرح ان فلاسفروں کے اور بھی مسائل ہیں۔ اور خلاصہ ان کے مذہب کا یہی ہے کہ وہ بجز دلائل قطعیّہ عقلیّہ کے کسی چیز کو نہیں مانتے۔ اور ان کی فلسفیانہ نگاہ میں گو کیسی ہی کوئی بدعملی ہو جب تک اس میں کوئی طبّی ضرر یا دُنیوی بد انتظامی متصور نہ ہو تب تک اس کا ترک کرنا بیجا ہے مگر جو دوسرے درجہ کے فلاسفر ہیں انہوں نے لوگوں کے لعن طعن سے اندیشہ کرکے اپنی فلاسفری کے اصُولوں کو کچھ نرم کردیا ہے۔ اور قوم کے خوف اور ہم جنسوں کی شرم سے خدا اور عالم جزا اور دوسری کئی باتوں کو ظنّی طور پر تسلیم کر بیٹھے ہیں لیکن یہ اعلیٰ درجہ کے فلاسفر اُن کو سخت نالائق اور بدفہم اور غبی الطبع اور بُزدل اور اپنی سوسائٹی کے بدنام کنندہ خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے فلاسفر ہونے کا دعویٰ تو کیا لیکن اصُول فلسفہ پر جیسا کہ حق چلنے کا تھا نہیں چلے اسلئے اول درجہ کے فلاسفر اِس بات سے عار رکھتے ہیں۔ کہ ان ناقصوں کو فلاسفر کے باعزت لفظ سے مخاطب یا موسُوم کیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے کچھ کچھ تو فلسفہ کے طریقہ پر قدم مارا اور کچھ عام لوگوں کی ملامت لعنت سے ڈر کر نبیوں کے عقاید میں بھی (جو فلسفیوں کے منشاء کے موافق قطعی اور یقینی دلائل سے ثابت نہیں ہو سکتے) ٹانگ اُڑا دی اسلئے یہ لوگ ان کی نظر میں نیم حکیم ہیں حقیقی فلاسفر نہیں۔ ہاں ممکن بلکہ قرین قیاس ہے اور امید کیجاتی ہے کہ جیسے جیسے ایک سخت جوش قطعی اور یقینی اور نہایت واشگاف ثبوت عقلی طلب کرنے کا ان کے مُستعد اور ہونہار لوگوں کے دلوں میں آتا جائیگا ویسی ویسی وہ کسریں جو باقی رہ گئی ہیں۔ ان کے خیالات سے وہ سب نکلتی جائینگی اور عقاید اور اعمال میں پوری پوری مطابقت اپنے بڑے بھائیوں سے کرلیں گے تب وہ شیطانی اور

ظلماتی دو کالے بانی دُنیا کے برباد کرنے کے لئے ایک ہی ہو کر بھاگینگے اور اگر آئندہ ذرّیت میں فلسفہ نے ترقی کی تو وہ بجائے اس کے کہ حال کے فلسفیوں کی طرح یہ سوال کریں کہ اگر ملائک یا شیاطین کچھ چیز ہیں تو ہمیں دکھلاؤ یہ اعلیٰ درجہ کے سوالات کرینگے کہ اگر خدا اور اُس کی قُدرتیں کچھ چیز ہیں تو ہمیں ظاہر ظاہر بلا واسطہ اسباب دکھلاؤ اور اگر رُوحیں بعد مفارقت بدن باقی رہ جاتی ہیں۔ اور اُن کا وجود بھی کچھ چیز ہے تو وہ بھی ہمیں دکھلاؤ غرض جیسے جیسے ان نو آموزوں کے فلسفہ میں صیقل ہوتا جائیگا اعلیٰ سے اعلیٰ سوال ان کے دلوں میں پیدا ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ اوّل درجہ کے فلاسفروں سے ہاتھ جا ملائیں گے ابھی تو حال بھی کچّی اور خیال بھی کچّا ہے +

از اخبار الحکم ۲۳ ستمبر ۱۸۹۹ء

اسلام اور غیر مذہب والوں سے محبت

واضح ہو کہ تمام ناقص اور ادھوری انجیل کی نحوستیں ہیں کہ عیسائی لوگ حق اور حقیقت سے دُور جا پڑے ورنہ اگر ایک گہری نگاہ سے دیکھا جائے کہ محبت کیا چیز ہے۔ اور کس کس محل پر اس کو استعمال کرنا چاہئے اور بغض کیا چیز ہے اور کن کن مقامات میں برتنا چاہئے تو قرآن کریم کا سچا فلسفہ نہ صرف سمجھ ہی میں آتا ہے بلکہ رُوح کو اس سے معارف حقہ کی ایک کامل روشنی ملتی ہے +

اب جاننا چاہئے کہ محبت کوئی تصنع کا کام نہیں بلکہ انسانی قویٰ میں سے یہ بھی ایک قُوت ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ دل کا ایک چیز کو پسند کر کے اس کی طرف کھینچے جانا اور جیسا کہ ہر ایک چیز کے اصل خواص اس کے کمال کے وقت بدیہی طور پر محسوس ہوتے ہیں یہی محبت کا حال ہے کہ اس کے جوہر بھی اس وقت کھلے کھلے ظاہر ہوتے ہیں۔ کہ جب اتم اور اکمل درجہ پر پہنچ جائے اللہ تعالیٰ لے فرماتا ہے اشربوا فی قلوبھم العجل یعنی انہوں نے گوسالہ سے ایسی محبت کی کہ گویا ان کو گوسالہ شربت کی طرح پلا دیا گیا درحقیقت جو شخص کسی سے کامل محبت کرتا ہے تو گویا اُسے پی لیتا ہے یا کھا لیتا ہے۔ اور اس کے اخلاق اور اس کے چال چلن کے ساتھ رنگین ہو جاتا ہے اور جس قدر زیادہ محبت ہوتی ہے اسیقدر انسان بالطبع اپنے محبوب کی صفات کی طرف کھینچا جاتا ہے یہانتک کہ اُسی کا رُوپ ہو جاتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے یہی بھید ہے کہ جو شخص خُدا سے محبت کرتا ہے وہ ظلی طور پر بقدر اپنی استعداد کے اُس نور کو حاصل کر لیتا ہے جو خدا تعالیٰ کی ذات میں ہے پس جبکہ محبت کی حقیقت یہ ہے تو پھر کیونکر ایک سچی کتاب جو منجانب اللہ ہے

اجازت دے سکتی ہے کہ تم شیطان سے وہ محبت کرو کہ جو خدا سے کرنی چاہیئے اور شیطان کے جانشینوں سے وہ پیار کرو جو رحمٰن کے جانشینوں سے کرنا چاہیئے۔ افسوس کہ پہلے تو انجیل کے باطل ہونے پر ہمارے پاس یہی ایک دلیل تھی۔ کہ وہ ایک عاجز مشتِ خاک کو خدا بناتی ہے۔ اب یہ دوسری دلائل بھی پیدا ہو گئیں۔ کہ اُس کی دوسری تعلیمیں بھی گندی ہیں۔ کیا یہ پاک تعلیم ہو سکتی ہے کہ شیطان سے ایسی ہی محبت کرو جیسا خدا سے۔ اور اگر یہ عُذر کیا جائے کہ یسوع کے مُنہ سے سہواً یہ باتیں نکل گئیں۔ کیونکہ وہ الٰہیات کے فلسفہ سے ناواقف تھا تو یہ عُذر نکمّا اور فضُول ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ ایسا ہی ناواقف تھا تو کیوں اس نے قوم کے مصلح ہونے کا دعوٰی کیا۔ کیا وہ بچّہ تھا اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا۔ کہ محبّت کی حقیقت بالالتزام اس بات کو چاہتی ہے کہ انسان سچّے دل سے اپنے محبوب کے تمام شمائل اور اخلاق اور عبادات پسند کرے۔ اور ان میں فنا ہونے کیلئے بدل و جان ساعی ہو تا اپنے محبوب میں ہو کر وہ زندگی پاوے جو محبوب کو حاصل ہے۔ سچّی محبّت کرنے والا اپنے محبوب میں فنا ہو جاتا ہے۔ اپنے محبوب کے گریبان سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور ایسی تصویر اسکی اپنے اندر کھینچتا ہے کہ گویا اُسے پی جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہ اس میں ہو کر اور اس کے رنگ میں رنگین ہو کر اور اس کے ساتھ ہو کر لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ درحقیقت اُس کی محبّت میں کھویا گیا ہے *

محبّت ایک عربی لفظ ہے۔ اور معنی اس کے پُر ہو جانا ہے چنانچہ عرب میں یہ مثل مشہور ہے کہ **تحبب الحمار** اور جب یہ کہنا منظور ہوتا ہے کہ اونٹ کا پیٹ پانی سے بھر گیا تو کہتے ہیں شربت الابل حتی تحببت اور حَبّ دانہ کو کہتے ہیں وہ بھی اسی سے نکلا ہے جس سے یہ مطلب ہے کہ وہ پہلے دانہ کی کیفیت سے بھر گیا۔ اور اسی بنا پر احباب سونے کو بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ جو دوسرے سے بھر جائیگا وہ اپنے وجود کو کھو دیگا گویا سو جائیگا اور اپنے وجود کی کچھ حس اس کو باقی نہیں رہیگی پھر جبکہ محبّت کی یہ حقیقت ہے تو ایسی انجیل جس کی یہ تعلیم ہے کہ شیطان سے بھی محبت کرو۔ اور شیطانی گروہ سے بھی پیار کرو۔ دوسرے لفظوں میں اس کا ماحصل یہی نکلا کہ اُن کی بدکاری میں تم بھی شریک ہو جاؤ خوب تعلیم ہے۔ ایسی تعلیم کیونکر خدا تعالےٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے بلکہ وہ تو اِنسان کو شیطان بنانا چاہتی ہے۔ خدا انجیل کی اِس تعلیم سے ہر ایک کو بچاوے *

اگر یہ سوال ہو کہ جس حالت میں شیطان اور شیطانی رنگ و رُوپ والوں سے محبّت کرنا حرام ہے تو کس قسم کا خلق اُن سے برتنا چاہیئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کا پاک کلام قرآن شریف یہ ہدایت کرتا ہے کہ اُن پر کمال درجہ کی شفقت چاہیئے جیسا کہ ایک رحیم دل آدمی جذامیوں اور اندھوں

اور لولوں اور لنگڑوں وغیرہ دکھ والوں پر شفقت کرتا ہے اور شفقت اور محبت میں یہ فرق ہے کہ محب اپنے محبوب کے تمام قول اور فعل کو بنظر استحسان دیکھتا ہے اور رغبت رکھتا ہے کہ ایسے حالات اس میں بھی پیدا ہو جائیں۔ مگر مشفق شخص مشفق علیہ کے حالات بنظر خوف و عبرت دیکھتا ہے اور اندیشہ کرتا ہے کہ شاید وہ شخص اس تباہ حال میں ہلاک نہ ہو جائے اور حقیقی مشفق کی یہ علامت ہے کہ وہ شخص مشفق علیہ سے ہمیشہ نرمی سے پیش نہیں آتا۔ بلکہ اس کی نسبت محل اور موقع کے مناسب حال کارروائی کرتا ہے۔ اور کبھی نرمی اور کبھی درشتی سے پیش آتا ہے بعض وقت اسکو شربت پلاتا ہے۔ اور بعض اوقات ایک صادق ڈاکٹر کی طرح اس کا ہاتھ یا پیر کاٹنے میں اس کی زندگی دیکھتا ہے۔ اور بعض اوقات اسکے کسی عضو کو چیرتا ہے۔ اور بعض اوقات مرہم لگاتا ہے۔ اگر تم ایکدن ایک بڑے شفاخانہ میں جہاں صدہا بیمار اور ہر ایک قسم کے مریض آتے ہوں بیٹھ کر ایک حاذق تجربہ کار ڈاکٹر کی کارروائیوں کو مشاہدہ کرو تو امید ہے کہ مشفق کے معنے تمہاری سمجھ میں آجائیں گے سو تعلیم قرآنی ہمیں یہی سبق دیتی ہے کہ نیکوں اور ابرار اخیار سے محبت کرو۔ اور فاسقوں اور کافروں پر شفقت کرو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ عزیزٌ علیہ ما عنتم حریصٌ علیکم یعنی اے کافرو یہ نبی ایسا مشفق ہے جو تمہارے رنج کو دیکھ نہیں سکتا۔ اور نہایت درجہ خواہشمند ہے کہ تم ان بلاؤں سے نجات پاجاؤ پھر فرمایا ہے لعلك باخعٌ نفسك الا یکونوا مومنین۔ یعنی کیا تو اس غم سے ہلاک ہو جائیگا کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے مطلب یہ ہے کہ تیری شفقت اس حد تک پہنچ گئی ہے۔ کہ تو ان کے غم میں ہلاک ہونے کے قریب ہے پھر ایک مقام میں فرماتا ہے۔ تواصوا بالصبر و تواصوا بالمرحمۃ یعنی مومن وہی ہیں جو ایک دوسرے کو صبر اور مرحمت کی نصیحت کرتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ شدائد پر صبر کرو اور خدا کے بندوں پر شفقت کرو۔ اِس جگہ بھی مرحمت سے مراد شفقت ہے کیونکہ مرحمت کا لفظ زبان عرب میں شفقت کے معنوں پر مستعمل ہوتا ہے۔ قرآنی تعلیم کا اصل مطلب یہ ہے کہ محبت جس کی حقیقت محبوب کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے بجز خدا تعالےٰ اور صلحاء کے اور کسی سے جائز نہیں بلکہ سخت حرام ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ والذین امنوا اشدّ حُبًّا للہ اور فرماتا ہے یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصریٰ اولیاء پھر دوسرے مقام میں فرماتا ہے یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم یعنی یہود اور نصاریٰ سے محبت مت کرو۔ اور ہر ایک شخص جو صالح نہیں اس سے محبت مت کرو اِن آیتوں کو پڑھ کر نادان عیسائی دھوکا کھاتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو حکم ہے کہ عیسائی وغیرہ

بیدین فرقوں سے محبت نہ کریں لیکن نہیں سوچتے کہ ہر ایک لفظ اپنے محل پر استعمال ہوتا ہے جس چیز کا نام محبت ہے وہ فاسقوں اور کافروں سے اسی صورت میں بجالانا متصور ہے کہ جب ان کے کفر اور فسق سے کچھ حصہ لیلے نہایت سخت جاہل وہ شخص ہوگا جس نے یہ تعلیم دی کہ اپنے دین کے دشمنوں سے پیار کرو ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ پیار اور محبت اسی کا نام ہے کہ اس شخص کے قول اور فعل اور عادت اور خلق اور مذہب کو رضا کے رنگ میں دیکھیں اور اس پر خوش ہوں اور اس کا اثر اپنے دل پر ڈال لیں اور ایسا ہونا مومن سے کافر کی نسبت ہرگز ممکن نہیں ہاں مومن کافر پر شفقت کریگا۔ اور تمام دقائق ہمدردی بجالائیگا اور اس کی جسمانی اور روحانی بیماریوں کا غمگسار ہوگا جیسا کہ اللہ تعالے بار بار فرماتا ہے کہ بغیر لحاظ مذہب ملت کے تم لوگوں سے ہمدردی کرو بھوکوں کو کھلاؤ۔ غلاموں کو آزاد کرو۔ قرضداروں سے قرض ادا کرو اور زیر باروں کے بار اٹھاؤ اور بنی نوع سے ہمدردی کا حق ادا کرو۔ اور فرماتا ہے۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ۔ یعنی خدا تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ عدل کرو۔ اور عدل سے بڑھ کر یہ کہ احسان کرو جیسے بچہ سے اس کی والدہ یا کوئی اور شخص محض قرابت کے جوش سے کسی کی ہمدردی کرتا ہے۔ اور پھر فرماتا ہے لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین۔ یعنی نصاریٰ وغیرہ سے جو خدا نے محبت کرنے سے ممانعت فرمائی تو اس سے یہ نہ سمجھو کہ وہ نیکی اور احسان اور ہمدردی کرنے سے تمہیں منع کرتا ہے نہیں بلکہ جن لوگوں نے تمہارے قتل کرنے کے لئے لڑائیاں نہیں کیں اور تمہیں تمہارے وطنوں سے نہیں نکالا وہ اگرچہ عیسائی ہوں یا یہودی ہوں بیشک ان پر احسان کرو ان سے ہمدردی کرو انصاف کرو کہ خدا ایسے لوگوں سے پیار کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے۔ انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظالمون۔ یعنی خدا نے جو تمہیں ہمدردی اور دوستی سے منع کیا ہے تو صرف ان لوگوں کی نسبت جنہوں نے دینی لڑائیاں تم سے کیں اور تمہیں تمہارے وطنوں سے نکالا اور بس نہ کیا جب تک باہم مل کر تمہیں نکال نہ دیا سو ان کی دوستی حرام ہے۔ کیونکہ یہ دین کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اس جگہ یاد رکھنے کے لائق ایک نقطہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تولّی[1] عربی زبان میں دوستی کو کہتے ہیں جس کا دوسرا نام مودّت ہے۔ اور اصل حقیقت دوستی اور مودّت

[1] تولّی کی تاسیات پر دلالت کرتی ہے کہ تولّی میں ایک تکلف ہے جو مغائرت پر دلالت کرتا ہے مگر محبت میں ایک ذرہ مغائرت باقی نہیں رہتی

کی خیرخواہی اور ہمدردی ہے سو مومن نصاریٰ اور یہود اور ہنود سے دوستی اور ہمدردی اور خیرخواہی کر سکتا ہے احسان کر سکتا ہے۔ مگر ان سے محبت نہیں کر سکتا۔ یہ ایک باریک فرق ہے اس کو خوب یاد رکھو +

از اخبار الحکم ۱۰۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء

ایک عزّت کا خطاب آج مینی ۱۰ ستمبر ۱۸۹۹ء کو بروز دوشنبہ خواب میں دیکھا کہ بارش ہو رہی ہے آہستہ آہستہ مینہ برس رہا ہے۔ میں نے شاید خواب میں یہ کہا کہ "ہم تو ابھی دعا کرنے کو تھے کہ بارش ہو سو ہو گئی" میں نہیں جانتا کہ عنقریب بارش ہو جائے یا ہمارے الہام ۱۳ ستمبر ۱۸۹۹ء

ایک عزّت کا خطاب

ایک عزّت کا خطاب

لک خطاب العزّۃ

ایک بڑا نشان اس کے ساتھ ہوگا

کے متعلق خدا کی رحمت اور فتح و نصرت کی بارش ہماری جماعت پر ہو گی یا دونوں ہی ہو جاویں ہماری خواب سچی ہے اس کا ظہور ضرور ہو گا۔ دونوں میں سے ایک بات ضرور ہو گی یعنی یا تو خدا تعالیٰ کی مخلوق کے لئے باران رحمت کا دروازہ آسمان سے کھلیگا یا غیر معمولی کوئی نشان روحانی فتح اور نصرت کا ظاہر ہو گا۔ مگر نشان ہو گا نہ معمولی بات +

از اخبار الحکم ۱۷۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء

قرآن کا خدا جاننا چاہیئے کہ جس خدا کی طرف ہمیں قرآن شریف نے بلایا ہے اُس کی اُس نے یہ صفات لکھی ہیں:۔

ھو اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین ۝ الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر ۝ ھو اللّٰہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یسبح لہ ما فی السمٰوات والارض وھو العزیز الحکیم ۝ علی کل شئ قدیر ۝ رب العٰلمین ۝ الرحمٰن الرحیم ۝ مالک یوم الدین ۝ اجیب دعوۃ الداع الحیّ القیوم ۝ قل ھو اللّٰہ احد ۝ اللّٰہ الصمد ۝ لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد یعنی وہ خدا جو واحد لا شریک ہے جس کے سوا کوئی بھی

پرستش اور فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ یہ اسلئے فرمایا کہ اگر وہ لاشریک نہ ہو تو شاید اسکی طاقت پر دشمن کی طاقت غالب آجائے۔ اس صورت میں خدائی معرض خطرہ میں رہیگی۔ اور یہ جو فرمایا کہ اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ ایسا کامل خدا ہے جس کی صفات اور خوبیاں اور کمالات ایسے اعلےٰ اور بلند ہیں کہ اگر موجودات میں سے بوجہ صفات کاملہ کے ایک خدا انتخاب کرنا چاہیں یا دل میں عمدہ سے عمدہ اور اعلےٰ سے اعلےٰ خدا کی صفات فرض کر لیں تو وہ سب سے اعلےٰ جس سے بڑھ کر کوئی اعلےٰ نہیں ہو سکتا وہی خدا ہے جس کی پرستش میں ادنےٰ کو شریک کرنا ظلم ہے۔ پھر فرمایا کہ عالم الغیب ہے۔ یعنی اپنی ذات کو آپ ہی جانتا ہے۔ اُس کی ذات پر کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ ہم آفتاب و ماہتاب اور ہر ایک مخلوق کا سراپا دیکھ سکتے ہیں مگر خدا کا سراپا دیکھنے سے قاصر ہیں پھر فرمایا کہ وہ عالم الشہادۃ ہے یعنی کوئی چیز اس کی نظر سے پردہ میں نہیں ہے۔ یہ جائز نہیں کہ خدا کہلا کر پھر علم اشیاء سے غافل ہو۔ وہ اس عالم کے ذرہ ذرہ پر اپنی نظر رکھتا ہے لیکن انسان نہیں رکھ سکتا وہ جانتا ہے کہ کب اس نظام کو توڑ دیگا۔ اور قیامت برپا کر دیگا۔ اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ایسا کب ہوگا سو وہی خدا ہے جو ان تمام وقتوں کو جانتا ہے۔ پھر فرمایا ھو الرحمٰن یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور اُن کے اعمال سے پہلے محض اپنے لطف سے نہ کسی کے عمل کی پاداش میں اُن کے لئے سامان راحت میسّر کرتا ہے جیسا کہ آفتاب اور ماہتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے پہلے ہمارے لئے بنا دیا اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیّت ہے۔ اور اس کام کے لحاظ سے خدا تعالےٰ رحمٰن کہلاتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ الرّحیم یعنی وہ خدا نیک عملوں کی نیک تر جزا دیتا ہے کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ اور اس کام کے لحاظ سے رحیم کہلاتا ہے اور یہ صفت رحیمیّت کے نام سے موسوم ہے۔ اور پھر فرمایا مٰلک یوم الدّین یعنی وہ خدا ہر ایک کی جزا اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے اس کا کوئی ایسا کارپرداز نہیں جس کو اُس نے زمین و آسمان کی حکومت سونپ دی ہو اور آپ الگ ہو بیٹھا ہو اور آپ کچھ نہ کرتا ہو وہی کارپرداز سب کچھ جزا سزا دیتا ہو یا آیندہ دینے والا ہو اور پھر فرمایا کہ الملک القدّوس یعنی وہ خدا بادشاہ ہے۔ جس پر کوئی داغ عیب نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانی بادشاہت عیب سے خالی نہیں مگر مثلاً تمام رعیت جلا وطن ہو کر دوسرے ملک کی طرف بھاگ جاوے تو پھر بادشاہی قائم نہیں رہ سکتی۔ اگر مثلاً تمام رعیت قحط زدہ ہو جائے تو پھر خراج شاہی کہاں سے آئے۔ اور اگر رعیت کے لوگ اُس سے بحث شروع کر دیں کہ تجھ میں ہم سے زیادت کیا ہے تو وہ کونسی لیاقت اپنی ثابت کرے پس خدا تعالےٰ کی بادشاہی ایسی نہیں ہے وہ ایکدم میں تمام ملک کو فنا کر کے اور مخلوقات پیدا کر سکتا ہے۔ اگر وہ ایسا

خالق اور قادر نہ ہوتا تو پھر بجز ظلم کے اُسکی بادشاہت چل نہ سکتی۔ کیونکہ وہ دُنیا کو ایک مرتبہ معافی اور نجات دیکر ہی کو واپس لیتا تو اُس صورت میں اُس کی خدائی میں فرق آتا۔ اور دُنیا کے بادشاہوں کی طرح ایک داغدار بادشاہ ہوتا جو دُنیا کے لیئے قانون بناتے ہیں بات بات میں بگڑتے ہیں۔ اور اپنی خود غرضی کے وقتوں پر جب دیکھتے ہیں ظلم کے بغیر چارہ نہیں تو ظلم کو شیر مادر سمجھ لیتے ہیں مثلاً قانون شاہی جائز رکھتا ہے کہ ایک جہاز بچانے کیلئے ایک کشتی کے سوار دنکو تباہی میں ڈالدیا جائے اور ہلاک کیا جائے۔ مگر خدا کو تو یہ اضطرار پیش نہیں آنا چاہیئے۔ پس اگر خدا پورا قادر اور عدم سے پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو وہ یا تو کمزور راجوں کی طرح قدرت کی جگہ ظلم سے کام لیتا اور یا عادل بن کر خدائی کو ہی الوداع کہتا بلکہ خدا کا جہاز تمام قدرتوں کے ساتھ سچے انصاف پر چل رہا ہے۔ پھر فرمایا السّلام یعنی وہ خدا جو تمام عیبوں اور مصائب اور سختیوں سے محفوظ ہے بلکہ سلامتی دینے والا ہے اس کے معنے بھی ظاہر ہیں کیونکہ اگر وہ آپ ہی مصیبتوں میں پڑتا لوگوں کے ہاتھ سے مارا جاتا اور اپنے ارادوں میں ناکام رہتا تو پھر اس بدنمونہ کو دیکھ کر کس طرح دِل تسلّی پکڑتے کہ ایسا خدا ہمیں ضرر اور مصیبتوں سے چھڑا دیگا چنانچہ اللہ تعالےٰ باطل معبودوں کے بارہ میں فرماتا ہے۔ ان الذین تدعون من دون اللّٰہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ وان یسلبھم الذباب شیئًا لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب ما قدروا اللّٰہ حق قدرہٖ ان اللّٰہ لقوی عزیزہ الجزو نمبر ۱۷ سورہ حج۔ جن لوگوں کو تم خدا بنائے بیٹھے ہو وہ تو ایسے ہیں کہ اگر سب ملکر ایک مکھی پیدا کرنا چاہیں تو کبھی پیدا نہ کرسکیں اگرچہ ایکدوسرے کی مدد بھی کریں۔ بلکہ اگر مکھی کوئی اُنکی چیز چھین کر لیجائے تو اُنہیں طاقت نہیں ہوگی۔ کہ وہ مکھی سے چیز واپس لے سکیں اُن کے پرستار عقل کے کمزور اور وہ طاقت کے کمزور ہیں۔ کیا خدا ایسے ہُوا کرتے ہیں۔ خدا تو وہ ہے کہ سب قوتوں والوں سے زیادہ قوّت والا اور سب پر غالب آنیوالا ہے نہ اُسکو کوئی پکڑ سکے نہ مار سکے ایسی غلطیوں میں جو لوگ پڑتے ہیں وہ خدا کا قدر نہیں پہچانتے اور نہیں جانتے کہ خدا کیسا ہونا چاہیئے۔ اور پھر فرمایا کہ خدا امن کا بخشنے والا اور اپنے کمالات اور توحید پر دلائل قائم کرنیوالا ہے۔ یہ اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچّے خدا کا ماننے والا کسی مجلس میں شرمندہ نہیں ہوسکتا۔ اور نہ خدا کے سامنے شرمندہ ہوگا۔ کیونکہ اُس کے پاس زبردست دلائل ہوتے ہیں لیکن بناوٹی خدا کا ماننے والا بڑی مصیبت میں ہوتا ہے وہ بجائے دلائل بیان کرنے کے ہر ایک بیہودہ بات کو راز میں داخل کرتا ہے تا ہنسی نہ ہو اور ثابت شدہ غلطیوں کو چھپانا چاہتا ہے ✦

اور پھر فرمایا کہ المھیمن العزیز الجبار المتکبر یعنی وہ سب کا محافظ ہے اور سب پر غالب اور بگڑے ہوئے کاموں کا بنانے والا ہے۔ اور اُس کی ذات نہایت ہی مستغنی ہے اور فرمایا ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یعنی وہ ایسا خدا ہے کہ جسموں کا بھی پیدا کرنے والا اور رُوحوں کا بھی پیدا کرنے والا رحم میں تصویر کھینچنے والا تمام نیک نام جہاں تک خیال میں آسکیں سب اُسی کے نام ہیں۔ اور پھر فرمایا یسبح لہ ما فی السموات والارض وھو العزیز الحکیم۔ یعنی آسمان کے لوگ بھی اُس کے نام کو پاکی سے یاد کرتے ہیں اور زمین کے لوگ بھی! اس آیت میں اشارہ فرمایا۔ کہ آسمانی اجرام میں آبادی ہے۔ اور وہ لوگ پابند خدا کی ہدایتوں کے ہیں۔ اور پھر فرمایا علیٰ کل شیءٍ قدیر۔ یعنی خدا بڑا قادر ہے۔ یہ پرستاروں کے لیئے بڑی تسلی ہے۔ کیونکہ خدا اگر عاجز ہو اور قادر نہ ہو تو ایسے خُدا سے کیا اُمید رکھیں۔ اور پھر فرمایا کہ رب العلمین الرحمٰن الرحیم ملک یوم الدین اُجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ یعنی وہی خدا ہے جو تمام عالموں کو پرورش کرنے والا رحمٰن رحیم اور جزا کے دن کا آپ مالک ہے اس اختیار کو کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا ہر ایک پکارنے والے کی پکار کو سُننے والا اور جواب دینے والا یعنی دُعاؤں کا قبول کرنیوالا اور پھر فرمایا الحی القیوم یعنی ہمیشہ رہنے والا اور تمام جانوں کی جان اور سب کے وجود کا سہارا۔ یہ اسلیئے کہا۔ کہ وہ ازلی ابدی نہ ہو تو اسکی زندگی کے بارہ میں بھی دھڑکا رہیگا۔ کہ شاید ہم سے پہلے فوت نہ ہو جائے۔ اور پھر فرمایا۔ کہ وہ خدا اکیلا خدا ہے نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اُس کا بیٹا اور نہ کوئی اُس کے برابر اور نہ کوئی اُس کا ہمجنس +

اور یاد رہے کہ خدا تعالےٰ کی توحید کو صحیح طور پر ماننا اور اُس میں زیادت یا کمی نہ کرنا یہ وہ عدل ہے جو انسان اپنے مالک حقیقی کے حق میں بجالاتا ہے۔ یہ تمام حصّہ اخلاقی تعلیم کا ہے جو قرآن شریف کی تعلیم میں سے درج ہوا ہے اس میں اصول یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے تمام اخلاق کو افراط اور تفریط سے بچایا ہے۔ اور ہر ایک خُلق کو اس حالت میں خُلق کے نام سے موسوم کیا ہے کہ جب اپنے واقعی اور واجب حد سے کم و بیش نہ ہو۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نیکی حقیقی وہی چیز ہے جو دو حدوں کے وسط میں ہوتی ہے یعنی زیادتی اور کمی یا افراط اور تفریط کے درمیان ہوتی ہے۔ ہر ایک عادت جو وسط کی طرف کھینچے اور وسط پر قائم کرے وہی خلق فاضل کو پیدا کرتی ہے محل اور موقعہ کا پہچاننا ایک وسط ہے مثلاً اگر زمیندار اپنا تخم وقت سے پہلے بو دے یا وقت کے بعد دونوں صورتوں میں وہ وسط کو چھوڑتا ہے نیکی اور حق اور حکمت سب وسط میں ہے اور وسط موقعہ بینی میں ہے۔ یا یوں سمجھو کہ حق

وہ چیز ہے کہ ہمیشہ دو مقابل باطلوں کے وسط میں ہوتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ عین موقعہ کا التزام ہمیشہ انسان کو وسط میں رکھتا ہے۔ اور خدا شناسی کے بارہ میں وسط کی شناخت یہ ہے کہ خدا کی صفات کے بیان کرنے میں نہ تو نفی صفات کے پہلو کی طرف جُھک جائے۔ اور نہ خدا کو جسمانی چیزوں کا مُشابہ قرار دے یہی طریق قرآن کریم نے صفات باریتعالیٰ میں اختیار کیا ہے چنانچہ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ خدا دیکھتا سُنتا بولتا جانتا کلام کرتا ہے۔ اور پھر مخلوق کی مشابہت سے بچانے کیلئے یہ بھی فرماتا ہے کہ لیس کمثلہ شیء فلا تضربوا للہ الامثال یعنی خدا کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں اس کے لئے مخلوق سے مثالیں مت دو سو خدا کی ذات کو تشبیہ اور تنزیہ کے بین بین رکھنا یہی وسط ہے غرض اسلام کی تعلیم تمام میانہ روی کی تعلیم ہے سُورۃ الفاتحہ بھی میانہ روی کی ہدایت فرماتی ہے کیونکہ فرماتا ہے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین مغضوب علیہم سے وہ لوگ مراد ہیں جو خدا تعالیٰ کے مقابل پر قوت غضبی کو استعمال کرکے قوی سبعیہ کی پیروی کرتے ہیں اور ضالین سے وہ مُراد ہیں جو قوائے بہیمیہ کی پیروی کرتے ہیں اور میانہ طریق وہ ہے جو انعمت علیہم سے یاد فرمایا ہے +

غرض اس مبارک اُمّت کے لئے قرآن شریف میں وسط کی ہدایت ہے۔ توریت میں خدا تعالیٰ نے انتقامی امور پر زور دیا تھا اور انجیل میں عفو اور درگذر پر زور دیا تھا اور اس امّت کو موقعہ شناسی اور وسط کی تعلیم ملی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وکذالک جعلنکم امۃ وسطا یعنی ہم نے تم کو وسط پر عمل کرنے والی اُمّت بنایا ہے۔ اور وسط کی تعلیم تمہیں دی۔ سو مُبارک وہ جو وسط پر چلتے ہیں۔ خیر الامور اوسطھا +

ازاخبار الحکم ۱۰ فروری سنہ ۱۹۰۰ء

گورنمنٹ انگلشیہ کے حقوق اور مسلمانوں کے فرائض

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا بہت شکر کرنا چاہئے جس نے اُن کو ایک ایسا دین بخشا ہے جو علمی اور عملی طور پر ہر ایک قسم کی فساد اور مکروہ باتوں اور ہر ایک نوع کی قباحت سے پاک ہے۔ اگر انسان غور اور فکر سے دیکھے تو اسکو معلوم ہوگا کہ واقعی طور پر تمام محامد اور صفات کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور کوئی انسان یا مخلوق واقعی اور حقیقی طور پر حمد و ثنا کا مستحق نہیں ہے۔ اگر انسان بغیر کسی قسم کی غرض کی ملونی کے دیکھے تو اس پر بدیہی طور پر کُھل جاویگا۔ کہ کوئی شخص جو مستحق حمد قرار پاتا ہے وہ یا تو اسلئے مستحق ہو سکتا ہے کہ کسی ایسے زمانہ میں جبکہ کوئی وجود اور وجود کی خبر نہ تھی وہ اُس کا پیدا کرنے والا ہو

یا اس وجہ سے کہ ایسے زمانہ میں کہ کوئی وجود نہ تھا۔ اور نہ معلوم تھا کہ وجود اور بقاء وجود اور حفظ صحت اور قیام زندگی کے لئے کیا کیا اسباب ضروری ہیں۔ اُس نے وہ سب سامان مُہیا کیئے ہوں یا ایسے زمانہ میں کہ اُس پر بہت سی مصیبتیں آسکتی تھیں اُس نے رحم کیا ہو اور اُسکو محفوظ رکھا ہو اور یا اس وجہ سے مستحق تعریف ہو سکتا ہے کہ محنت کرنے والے کی محنت کو ضائع نہ کرے۔ اور محنت کرنے والوں کے حقوق پُورے طور پر ادا کرے۔ اگرچہ بظاہر اُجرت کرنیوالے کے حقوق کا دینا معاوضہ ہے لیکن ایسا شخص بھی محسن ہو سکتا ہے جو پورے طور پر حقوق دے۔ یہ صفات اعلےٰ درجے کی ہیں۔ جو کسی کو مستحق حمد وثنا بنا سکتی ہیں۔ اب غور کرکے دیکھ لو کہ حقیقی طور پر ان سب محامد کا مستحق صرف اللہ تعالےٰ ہی ہے جو کامل طور پر ان صفات سے متصف ہے۔ اور کسی میں یہ صفات نہیں ہیں ✦

اول دیکھو صفت خلق و پرورش۔ یہ صفت اگرچہ انسان گمان کر سکتا ہے کہ ماں باپ اور دیگر محسنوں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن اگر انسان زیادہ غور کرے تو اُسکو معلوم ہو جائیگا کہ ماں باپ اور دیگر محسنوں کے اغراض و مقاصد ہوتے ہیں جن کی بنا پر وہ احسان کرتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ مثلاً بچہ تندرست خوبصورت توانا پیدا ہو تو ماں باپ کو خوشی ہوتی ہے۔ اور اگر لڑکا ہو تو پھر یہ خوشی اور بھی بڑی ہوتی ہے شادیانے بجائے جاتے ہیں لیکن اگر لڑکی ہو تو گویا وہ گھر ماتم کدہ اور وہ دن سوگ کا دن ہو جاتا ہے۔ اور اپنے تئیں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں سمجھتے۔ بسا اوقات بعض نادان مختلف تدابیر سے لڑکیوں کو ہلاک کر دیتے یا اُن کی پرورش میں کم التفات کرتے ہیں۔ اور اگر بچہ لُنجہ۔ اندھا۔ اپاہج پیدا ہو۔ تو چاہتے ہیں کہ وہ مر جاوے۔ اور اکثر دفعہ تعجب نہیں کہ خود بھی وبال جان سمجھ کر مار دیں۔ میں نے پڑھا ہے کہ یونانی لوگ ایسے بچوں کو عمداً ہلاک کر دیتے تھے۔ بلکہ اُن کے ہاں شاہی قانون تھا کہ اگر کوئی ناکارہ بچہ اپاہج۔ اندھا وغیرہ پیدا ہو تو اُس کو عمداً مار دیا جاوے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ انسانی خیالات پرورش اور خبر گیری کے ساتھ ذاتی اور نفسانی اغراض ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ مگر اللہ تعالےٰ کی اس قدر مخلوق کی (جس کے تصور اور بیان سے وہم اور زبان قاصر ہے۔ اور جو زمین اور آسمان میں بھری پڑی ہے) خلق اور پرورش سے کوئی غرض ہرگز نہیں ہے۔ وہ والدین کی طرح خدمت اور رزق نہیں چاہتا بلکہ اُس نے مخلوق کو محض ربوبیت کے تقاضے سے پیدا کیا ہے۔ ہر ایک شخص مان لیگا کہ بوٹا لگانا پھر آبپاشی کرنا اور اُس کی خبر گیری رکھنا اور ثمردار درخت ہونے تک محفوظ رکھنا ایک بڑا احسان ہے۔ پس انسان اور اُسکی حالت اور غور و پرداخت پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ خدا تعالےٰ نے کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اس قدر انقلابات اور پیچیدگیوں کے تغیرات میں اُس کی

دستگیری فرمائی ہے +

دوسرا پہلو جو ابھی میں نے بیان کیا ہے کہ قبل از پیدائش وجود ایسے سامان ہوں کہ تمدنی زندگی اور قویٰ کے کام کے لئے پُورا پُورا سامان موجود ہو۔ دیکھو ہم ابھی پیدا بھی نہ ہُوئے تھے کہ سامان پہلے ہی پیدا کر دیا منور سُورج جواب چڑھا ہُوا ہے۔ اور جس کی وجہ سے عام روشنی پھیلی ہُوئی ہے اور دن چڑھا ہُوا ہے۔ اگر نہ ہوتا تو کیا ہم دیکھ سکتے تھے۔ یا روشنی کے ذریعہ جو فوائد اور منافع ہمیں پہنچ سکتے ہیں ہم کس ذریعہ سے حاصل کر سکتے۔ اگر سُورج اور چاند یا اور کسی قسم کی روشنی نہ ہوتی تو بینائی بیکار رہتی۔ اگرچہ آنکھوں میں ایک قوّت دیکھنے کی ہے۔ مگر وہ بیرُونی اور خارجی روشنی کے بدوں محض نکمی ہے۔ پس یہ کس قدر احسان ہے کہ قویٰ سے کام لینے کے لئے ان ضروری سامانوں کو پہلے سے مُہیّا کر دیا۔ اور پھر یہ کس قدر رحمت ہے کہ ایسے قویٰ دیئے ہیں۔ اور ان میں بالقوۃ استعدادات رکھدی ہیں جو انسان کی تکمیل اور وصول الی الغایۃ کے لئے ازبس ضروری ہیں۔

دماغ میں اعصاب میں عروق میں ایسے خواص رکھے ہیں کہ انسان اُن سے کام لیتا ہے اور اُن کی تکمیل کر سکتا ہے۔ اسلئے کہ قوتوں کی تکمیل کا سامان ساتھ ہی پیدا کر دیا ہے۔ یہ اندرونی نظام کا حال ہے۔ کہ ہر ایک قوّت اس منشا اور مفاد سے پوری مناسبت رکھتی ہے جس میں انسان کی فلاح ہے اور بیرونی طور پر بھی ایسا ہی انتظام رکھا ہے۔ کہ ہر شخص جس قسم کا حرفہ رکھتا ہے اُس کے مناسب حال ادوات و آلات قبل از وجود مُہیّا کر رکھے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی جوتہ بنانیوالا ہے تو اسکو چمڑا اور دھاگا نہ ملے تو وہ کہاں سے لائے اور کیونکر اپنے حرفہ کی تکمیل کرے۔ اسیطرح درزی کو اگر کپڑا نہ ملے تو کیونکر سئیے۔ اسی طرح ہر متنفس کا حال ہے۔ طبیب کیسا ہی حاذق اور عالم ہو لیکن اگر ادویہ نہ ہوں تو وہ کیا کر سکتا ہے۔ بڑی سوچ اور فکر سے ایک نسخہ لکھ کر دے گا۔ لیکن بازار میں دوا نہ ملے تو کیا کریگا۔ کس قدر فضل ہے کہ ایک طرف علم دیا ہے! اور دوسری طرف نباتات جمادات حیوانات جو مریضوں کے مناسب حال تھے پیدا کر دیئے ہیں۔ اور اُن میں قسم قسم کے خواص رکھے ہیں۔ جو ہر زمانہ میں نا اندیشیدہ ضروریات کے کام آسکتے ہیں۔ غرض خدا تعالیٰ نے کوئی چیز بھی غیر مفید پیدا نہیں کی۔ اور جس کے خواص محدود ہوں یہانتک کہ پسّو اور جوؤں تک بھی غیر مفید نہیں لکھا ہے کہ اگر کسی کا پیشاب بند ہو تو بعض وقت جُوں کو احلیل میں دینے سے پیشاب جاری ہو جاتا ہے انسان ان اشیاء کی مدد سے کہاں تک فائدہ اُٹھاتا ہے۔ کوئی تصوّر کر سکتا ہے؟ پھر چوتھی بات یادداشت محنت ہے اس کے لئے بھی خدا کا فضل درکار ہے۔ مثلاً انسان کس قدر محنت و مشقت سے

زراعت کرتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی مدد اُس کے ساتھ نہ ہو تو کیونکر اپنے گھر میں غلّہ لا سکے اسی کے فضل و کرم سے اپنے وقت پر ہر ایک چیز ہوتی ہے۔ چنانچہ اب قریب تھا کہ اس خشک سالی میں لوگ ہلاک ہو جاتے مگر خدا نے اپنے فضل سے بارش کر دی اور بہت سے حصّہ مخلوق کو سنبھال لیا۔ غرض اوّلاً و بالذّات اکمل اور اعلےٰ مستحق تعریف کا خدا تعالےٰ ہے۔ اسکے مقابلہ میں کسی دوسرے کا ذاتی طور پر کوئی بھی استحقاق نہیں اگر کسی دوسرے کو استحقاق تعریف کا ہے تو صرف طفیلی طور پر ہے۔ یہ بھی خدا تعالےٰ کا رحم ہے۔ کہ باوجود یکہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے مگر اُس نے طفیلی طور پر بعض کو اپنے محامد میں شریک کر لیا ہے جیسے اس سورۃ شریفہ میں بیان فرمایا ہے۔ قل اعوذ برب الناس ملک الناس الٰہ النّاس من شرّ الوسواس الخنّاس الذی یوسوس فی صدور النّاس من الجنۃ والناس۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے حقیقی مستحق حمد کے ساتھ عارضی مستحق حمد کا بھی اشارۃً ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ اسلئے کہ اخلاق فاضلہ کی تکمیل ہو۔ چنانچہ اس سورۃ میں تین قسم کے حق بیان فرمائے ہیں +

فرمایا تم پناہ مانگو اللہ کے پاس جو جامع جمیع صفات کاملہ کا ہے۔ اور جو ربّ ہے اور جو ملک ہے لوگوں کا۔ اور پھر جو معبود و مطلوب حقیقی ہے لوگوں کا۔ یہ سُورۃ اس قسم کی ہے کہ اس میں اصل توحید کو تو قائم رکھا ہے۔ مگر معاً یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ دوسرے لوگوں کے حقوق بھی ضائع نہ کریں جو ان اسماء کے مظہر ظلّی طور پر ہیں۔ ربّ کے لفظ میں اشارہ ہے۔ کہ گو حقیقی طور پر خدا ہی پرورش کرنیوالا اور تکمیل تک پہنچانیوالا ہے لیکن عارضی اور ظلّی طور پر دو اور بھی وجود ہیں جو ربُوبیت کے مظہر ہیں ایک جسمانی طور پر دوسرا رُوحانی طور پر۔ جسمانی طور پر والدین ہیں اور رُوحانی طور پر مُرشد اور ہادی ہے۔ دوسرے مقام پر تفصیل کے ساتھ بھی ذکر فرمایا ہے۔ وقضیٰ ربّک ان لا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احساناً یعنی خدا نے یہ چاہا ہے کہ کسی دوسرے کی بندگی نہ کرو اور والدین سے احسان کرو۔ حقیقت میں کیسی ربُوبیت ہے کہ انسان بچہ ہوتا ہے۔ اور کسی قسم کی طاقت نہیں رکھتا۔ اُس حالت میں ماں کیا کیا خدمات کرتی ہے اور والد اُس حالت میں ماں کی مُہمّات کا متکفّل ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ناتوان مخلوق کی خبرگیری کے لئے دو محل پیدا کر دیئے ہیں اور اپنی محبت کے انوار سے ایک پرتو محبت کا اُن میں ڈال دیا۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ماں باپ کی محبت عارضی ہے۔ اور خدا تعالےٰ کی محبت حقیقی ہے۔ اور جب تک قلوب میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس کا القاء نہ ہو کوئی فرد بشر خواہ دوست ہو یا کوئی برابر کے درجہ کا ہو یا کوئی حاکم ہو کسی سے محبت نہیں کر سکتا اور یہ خدا کی کمال ربوبیت کا راز ہے کہ ماں باپ بچوں سے ایسی محبت کرتے ہیں کہ اُنکے تکفّل میں ہر قسم کے دُکھ شرح صدر سے اُٹھاتے ہیں یہانتک کہ اُن کی زندگی کیلئے مرنے سے

بھی دریغ نہیں کرتے پس خدا تعالیٰ نے تکمیل اخلاق فاضلہ کیلئے رب الناس کے لفظ میں والدین اور مرشد کیطرف ایما فرمایا ہے تو کہ اس مجازی اور مشہود سلسلہ شکر گذاری میں پے لیجائیں اسی راز کے حل کی یہ کلید ہے کہ اس سورۃ شریف کو رب الناس سے شروع فرمایا ہے الٰہ الناس سے آغاز نہیں کیا۔ چونکہ مرشد روحانی تربیت خدا تعالیٰ کے منشاء کے موافق اسکی توفیق وہدایت سے کرتا ہے اسلیئے وہ بھی اسی میں شامل رہے پھر دوسرا ٹکڑہ اس میں ملك الناس ہے تم پناہ مانگو خدا کے پاس جو تمہارا بادشاہ ہے۔ یہ ایک اور اشارہ ہے۔ تا لوگوں کو متمدن دنیا کے اصول سے واقف کیا جاوے اور مہذب بنایا جاوے حقیقی طور پر تو اللہ تعالیٰ ہی بادشاہ ہے۔ مگر اس میں اشارہ ہے کہ ظلی طور پر دنیا میں بھی بادشاہ ہوتے ہیں۔ اور اسی لئے اس میں اشارۃً ملکِ وقت کے حقوق کی نگہداشت کی طرف بھی ایما ہے یہاں کافر اور مشرک اور موحد بادشاہ کسی قسم کی قید نہیں بلکہ عام طور پر ہے کسی مذہب کا بادشاہ ہو مذہب اور اعتقاد کے حصے جدا ہیں۔ قرآن میں جہاں جہاں خدا نے محسن کا ذکر فرمایا ہے۔ وہاں کوئی شرط نہیں لگائی کہ وہ مسلمان ہو اور موحد ہو اور فلاں سلسلہ کا ہو۔ بلکہ عام طور پر محسن کی نسبت فرمایا خواہ وہ کوئی مذہب رکھتا ہو هل جزاء الاحسان الا الاحسان کہ کیا احسان کا بدلا احسان کے سوا بھی ہو سکتا ہے +

اب ہم اپنی جماعت کو اور تمام سننے والوں کو بڑی صفائی اور وضاحت سے سناتے ہیں۔ کہ سلطنت انگریزی ہماری محسن ہے۔ اس نے ہم پر بڑے بڑے احسان کیئے ہیں جس کی عمر ۶۰ یا ۷۰ برس کی ہوگی۔ وہ خوب جانتا ہوگا۔ کہ ہم پر سکھوں کا ایک زمانہ گذرا ہے۔ اس وقت مسلمانوں پر جس قدر آفتیں تھیں وہ پوشیدہ نہیں ہیں اُن کو یاد کرکے بدن پر لرزہ پڑتا ہے اور دل کانپ اُٹھتا ہے۔ اُس وقت مسلمانوں کو عبادات اور فرائض مذہبی کی بجا آوری سے جو اُن کو جان سے عزیز تر ہیں روکا گیا تھا۔ بانگ نماز جو نماز کا مقدمہ ہے اس کو باواز بلند پکارنے سے روکا گیا تھا۔ اگر کبھی مؤذن کے منہ سے سہواً اللہ اکبر باواز بلند نکل جاتا تو اسکو مار دیا جاتا تھا۔ اسی طرح پر مسلمانوں کے حلال وحرام کے معاملہ میں بیجا تصرف کیا گیا تھا۔ ایک گائے کے مقدمہ میں ایک دفعہ پانچہزار غریب مسلمان قتل کئے گئے بٹالہ کا واقعہ ہے کہ ایک سید وہیں کا رہنے والا باہر سے دروازہ پر آیا۔ وہاں گائیوں کا ہجوم تھا۔ اس نے تلوار کی نوک سے ذرا ہٹایا اور ایک گائے کے چمڑے کو خفیف سی خراش پہنچ گئی وہ بیچارا پکڑ لیا گیا۔ اور اس امر پر زور دیا گیا کہ اس کو قتل کردیا جائے آخر بڑی سفارشوں کے بعد اُس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ مگر اب دیکھو کہ ہر قوم و مذہب کو کیسی آزادی ہے

ہم صرف مسلمانوں کا ذکر کرتے ہیں۔ فرائض مذہبی اور عبادات کے بجالانے میں سلطنت نے پوری آزادی دے رکھی ہے۔ اور کسی کے مال و جان و آبرو سے کوئی ناحق کا تعرض نہیں۔ برخلاف اُس پُرفتن وقت کے کہ ہر ایک شخص کیسا ہی اُس کا حساب پاک ہو اپنی جان و مال پر لرزتا رہتا تھا۔ اب اگر کوئی خود اپنا چلن خراب کرلے اور اپنی بے اندامی اور ارتکاب جرائم سے خود مستوجب عقوبت ٹھیر جائے تو اَور بات ہے یا خود ہی سوء اعتقاد اور غفلت کی وجہ سے عبادت میں کوتاہی کرے تو جُدا امر ہے لیکن گورنمنٹ کی طرف سے ہر طرح کی پُوری آزادی ہے۔ اس وقت جس قدر عابد بننا چاہو تو کوئی روک نہیں۔ گورنمنٹ خود معابد مذہبی کی حرمت کرتی ہے اور اُن کی مرمت وغیرہ پر ہزاروں روپیہ خرچ کر دیتی ہے سکھوں کے زمانہ میں اس کے خلاف یہ حال تھا کہ مسجدوں میں بھنگ گھٹتی تھی اور گھوڑے بندھتے تھے۔ جس کا نمونہ خود یہاں قادیان میں موجود ہے۔ اور پنجاب کے بڑے بڑے شہروں میں اِس کے نمونے ملینگے۔ لاہور میں آج تک کئی ایک مسجدیں سکھوں کے قبضہ میں ہیں آج اس کے مقابل میں گورنمنٹ انگلشیہ ان بزرگ مکانوں کی ہر قسم کی واجب عزت کرتی ہے اور مذہبی مکانات کی تکریم اپنے فرائض میں سے سمجھتی ہے جیسا کہ ان ہی دنوں حضور وائسرائے لارڈ کرزن صاحب بہادر بالقابہ نے دہلی کی جامع مسجد میں جُوتا پہن کر جانے کی مخالفت اپنی عملی حالت سے ثابت کر دی۔ اور قابلِ قدر نمونہ بادشاہانہ اخلاق فاضلہ کا دیا۔ اور اُن کی اُن تقریروں سے جو وقتاً فوقتاً اُنہوں نے مختلف موقعوں پر کی ہیں صاف معلوم ہو گیا ہے کہ وہ مذہبی مکانات کی کیسی عزت کرتے ہیں پھر دیکھو کہ گورنمنٹ نے کہیں منادات نہیں کی کہ کوئی باآواز بلند بانگ نہ دے یا روزہ نہ رکھے بلکہ انہوں نے ہر قسم کی تغذیہ کے سامان مہیا کیئے ہیں جن کا سکھوں کے ذلیل زمانہ میں نام و نشان تک نہ تھا۔ برف۔ سوڈا واٹر اور بسکٹ۔ ڈبل روٹی وغیرہ ہر قسم کی غذائیں بہم پہنچائیں۔ اور ہر قسم کی سہولت دی ہے۔ یہ ایک ضمنی امداد ہے۔ جو ان لوگوں سے ہمارے شعائر اسلام کو پہنچی ہے اب اگر کوئی خود روزہ نہ رکھے تو یہ اَور بات ہے! افسوس کی بات ہے کہ مسلمان خود شریعت کی توہین کرتے ہیں۔ چنانچہ دیکھو جنہوں نے ان دنوں روزے رکھے ہیں وہ کچھ دُبلے نہیں ہو گئے! اور بہتوں نے استخفاف کے ساتھ اس مہینہ کو گذارا ہے وہ کچھ موٹے نہیں ہو گئے۔ ان کا بھی وقت گذر گیا اور اُن کا بھی زمانہ گذر گیا۔ جاڑے کے روزے تھے صرف غذا کے اوقات کی ایک تبدیلی تھی سات آٹھ بجے نہ کھائی چار یا پانچ بجے کھا لی۔ باوجود اِس قدر رعایت کے پھر بھی بہتوں نے شعائر اللہ کی عظمت نہیں کی۔ اور خدا تعالے کے اِس واجب التکریم مہمان ماہ رمضان کو بڑی حقارت سے دیکھا

اِس قدر آسانی کے مہینوں میں رمضان کا آنا ایک قسم کا معیار تھا۔ اور مطیع و عاصی میں فرق کرنے کیلئے یہ روزے میزان کا حکم رکھتے تھے۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے آسانی تھی سلطنت نے ہر قسم کی آزادی دے رکھی ہے طرح طرح کے پھل اور غذائیں مُیسّر آتی ہیں کوئی آسائش و آرام کا سامان نہیں جو آج مُہیّا نہ ہوسکتا ہو۔ باایں ہمہ جو پروا نہیں کی گئی اس کی کیا وجہ ہے؟ اسکی کیا وجہ ہے کہ دلوں میں خدا پر ایمان نہیں رہا۔ افسوس خدا کا ایک ادنےٰ بھنگی کے برابر بھی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ گویا یہ خیال ہے کہ خدا سے کبھی واسطہ ہی نہ ہوگا۔ اور نہ اُس سے کبھی پالا پڑیگا۔ اور اسکی عدالت کے سامنے جانا ہی نہیں کاش منکر غور کریں اور سوچیں کہ کروڑوں سورجوں کی روشنی سے بھی بڑھ کر خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت ہیں افسوس کی جگہ ہے کہ ایک چھپر کو دیکھکر یقینی طور پر سمجھ لیا جاتا ہے کہ اسکا کوئی بنانیوالا ہے۔ مگر یہ کس قدر بدبختی ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کی بے انتہا مخلوق کو دیکھ کر بھی اس پر ایمان نہ ہو یا ایسا ایمان ہو جو نہ ہونے میں داخل ہے خدا تعالےٰ کی ہم پر بہت رحمتیں ہیں۔ ازانجملہ ایک یہ ہے کہ اُس نے ہم کو جلتے ہوئے تنور سے نکالا سکھوں کا زمانہ ایک آتشی تنور تھا۔ اور **انگریزوں** کا قدم رحمت و برکت کا قدم ہے میں نے سُنا ہے کہ جب اوّل ہی اوّل انگریز آئے تو ہوشیار پور میں کسی مؤذّن نے اُونچی اذان کہی چونکہ ابھی ابتدا تھی اور ہندوؤں اور سکھوں کا خیال تھا کہ یہ بھی اُونچی اذان کہنے سے روکیں گے۔ یا اُن کی طرح اگر گائے کو کسی سے زخم لگجاوے تو اُس کا ہاتھ کاٹیں گے۔ اِس اونچی اذان کہنے والے مؤذّن کو پکڑ لیا ایک بڑا ہجوم ہوگیا اور ڈپٹی کمشنر کے سامنے وہ لایا گیا۔ بڑے بڑے رئیس مہاجن جمع ہوئے اور کہا حضور ہمارے آٹے بھرشٹ ہوگئے۔ ہمارے برتن ناپاک ہوگئے۔ جب یہ باتیں اُس انگریز کو سُنائی گئیں تو اُسے بڑا تعجب ہوا کہ کیا بانگ میں ایسی خاصیت ہے کہ کھانے کی چیزیں ناپاک ہوجاتی ہیں۔ اُس نے سررشتہ دار سے کہا کہ جب تک تجربہ نہ کیا جاوے اِس مقدمہ کو نہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اُس نے مؤذّن کو حکم دیا۔ کہ تو پھر اُسی طرح بانگ دے۔ وہ ڈرا کہ شاید دوسرا جرم نہ ہو۔ مگر جب اُسکو تسلّی دیگئی اُس نے اُسیقدر زور سے بانگ دی صاحب بہادر نے کہا کہ ہمکو تو اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچا سررشتہ دار سے پوچھا کہ تم کو کوئی ضرر پہنچا۔ اُس نے بھی کہا کہ حقیقت میں کوئی ضرر نہیں۔ آخر اُس کو چھوڑ دیا گیا۔ اور کہا گیا جاؤ جس طرح چاہو بانگ دو۔ اللہ اکبر یہ کس قدر اللہ تعالےٰ کا احسان ہے پھر ایسے احسان پر اور ایسے انعام صریح پر بھی اگر کوئی دل گورنمنٹ انگریزی کا احسان محسوس نہیں کرتا وہ دل بڑا کافر نعمت اور نمکحرام اور سینہ سے چیر کر نکال دینے کے لائق ہے +

خود ہمارے اِس گاؤں میں جہاں ہماری مسجد ہے کارداروں کی جگہ تھی ہمارے بچپن کا زمانہ تھا۔

لیکن میں نے معتبر آدمیوں سے سُنا ہے کہ جب انگریزی دخل ہو گیا تو چند روز تک وہی قانون رہا۔ ایک کاردار آیا ہُوا تھا اس کے پاس ایک مسلمان سپاہی تھا وہ مسجد میں آیا اور مُؤذن کو کہا کہ بانگ دے اُس نے وہی گنگنا کر اذان دی سپاہی نے کہا۔ کہ کیا تم اسی طرح پر بانگ دیتے ہو۔ مُؤذن نے کہا ہاں اسی طرح دیتے ہیں سپاہی نے کہا۔ کہ نہیں کوٹھے پر چڑھ کر اونچی آواز سے اذان دے۔ اور جس قدر زور سے ممکن ہے دے وہ ڈرا آخر اُس نے زور سے بانگ دی۔ تمام ہندو اکٹھے ہو گئے اور مُلا کو پکڑ لیا وہ بیچارا بہت ڈرا اور گھبرایا۔ کہ کاردار مجھے پھانسی دیگا سپاہی نے کہا۔ کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ آخر سنگدل جھری مار برہمن اُس کو پکڑ کر کاردار کے پاس لے گئے۔ اور کہا کہ مہاراج اس نے ہم کو بھرشٹ کر دیا۔ کاردار تو جانتا تھا۔ کہ سلطنت تبدیل ہو گئی ہے۔ اور اب وہ سکھا شاہی نہیں رہی۔ مگر دبی زبان سے پُوچھا۔ کہ تُو نے اونچی آواز سے کیوں بانگ دی؟ سپاہی نے آگے بڑھ کر کہا۔ کہ اس نے نہیں میں نے بانگ دی۔ کاردار نے کہا کہ کمبختو کیوں شور ڈالتے ہو لاہور میں تو اب کھلے طور سے گائے ذبح ہوتی ہے تم ایک اذان کو روتے ہو۔ جاؤ چُپکے ہو کر بیٹھ رہو۔ الغرض یہ واقعی اور سچی بات ہے جو ہمارے دل سے نکلتی ہے۔ جس قوم نے ہم کو تحت الثرےٰ سے نکالا ہے اُس کا احسان ہم نہ مانیں یہ کس قدر ناشکری اور نمکحرامی ہے؟

اِس کے علاوہ بڑی جہالت پھیلی ہوئی تھی۔ ایک بُڈھے ملے شاہ نے بیان کیا۔ کہ میں نے اپنے اُستاد کو دیکھا ہے کہ وہ بڑے تضرّع سے دُعا کرتے تھے۔ کہ صحیح بُخاری کی ایک دفعہ زیارت ہو جائے اور بعض وقت اس خیال سے کہ کہاں ممکن ہے دُعا کرتے کرتے اُن کی ہچکیاں بندھ جاتی تھیں۔ اب وہی بُخاری دو چار روپیہ میں امرتسر اور لاہور سے ملتی ہے۔ ایک مولوی شیر محمد صاحب تھے کہیں دو چار ورق احیاء العلوم کے اُن کو ملگئے کتنی مُدت تک ہر نماز کے بعد نمازیوں کو بڑی خوشی اور فخر سے دکھایا کرتے تھے کہ یہ احیاء العلوم ہے اور تڑپتے تھے۔ کہ پوری کتاب کہیں سے ملجائے۔ اب جا بجا احیاء العلوم مطبوعہ موجود ہے۔ غرض انگریزی قدم کی برکت سے لوگوں کی دینی آنکھ بھی کُھل گئی ہے۔ اور خدا تعالےٰ خُوب جانتا ہے۔ کہ اسی سلطنت کے ذریعہ دین کی کس قدر اعانت ہوئی ہے۔ کہ کسی سلطنت میں ممکن ہی نہیں پریس کی برکت اور قسم قسم کے کاغذ کی ایجاد سے ہر قسم کی کتابیں تھوڑی قیمت پر میسّر آ سکتی ہیں۔ اور پھر ڈاکخانہ کے طفیل سے کہیں سے کہیں گھر بیٹھے بٹھائے پہنچ جاتی ہیں۔ اور یوں دین کی صداقتوں کی تبلیغ کی راہ کس قدر سہل اور صاف ہو گئی ہے۔ پھر منجملہ اور برکات کے جو تائیدِ دین میں اس گورنمنٹ کے عہد میں ملی ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ عقلی قوتوں اور ذہنی طاقتوں میں بڑی ترقی ہوئی ہے۔

اور چونکہ گورنمنٹ نے ہر ایک مذہب کو اُس کے مذہب کی اشاعت کی آزادی دی ہے اِسی طرح ہر لوگوں کو ہر ایک مذہب کے اصُول اور دلائل پڑھنے اور ان پر غور کرنے کا موقع ملگیا ہے! اسلام پر جب مختلف مذہب والوں نے حملے کیئے تو اہل اسلام کو اپنے مذہب کی تائید اور صداقت کیلئے اپنی مذہبی کتابوں پر غور کرنے کا موقع ملا اور اُن کی عقلی قوتوں میں ترقی ہوئی۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جیسے جسمانی قویٰ ریاضت کرنے سے بڑھتے ہیں ایسا ہی رُوحانی قویٰ بھی ریاضت سے نشوونما پاتے ہیں جیسا گھوڑا چابک سوار کے نیچے آکر درست ہوتا ہے اُسی طرح سے انگریزوں کے آنے سے مذہب کے اصُولوں پر غور کرنے کا موقع ملا اور تدبر کرنیوالوں کو استقامت اور استحکام مذہب حق میں زیادہ ملگیا اور جس جس موقع پر قرآن کریم کے مخالفوں نے انگشت رکھی ہے اس سے غور کرنیوالوں کو ایک گنج معارف کا ملا۔ اور اس آزادی کی وجہ سے علم کلام نے معتد بہ ترقی کی اور وہ مخصوصًا اس ملک میں ہوئی ہے۔ اب اگر رُوم یا شام کا رہنے والا خواہ وہ کیسا ہی عالم و فاضل کیوں نہو آجاوے تو وہ عیسائیوں کے یا آریوں کے اعتراضات کا کافی جواب نہ دے سکیگا۔ کیونکہ اس کو ایسی آزادی اور وسعت کے ساتھ مختلف مذاہب کے اصُولوں کے موازنہ کرنے کا موقع نہیں ملا غرض جیسے جسمانی طور پر گورنمنٹ انگلشیہ سے ملک میں امن ہؤا ایسے ہی رُوحانی امن بھی پوری طرح پھیلا چونکہ ہمارا تعلق دینی اور رُوحانی باتوں سے ہے! اسلیئے ہم زیادہ تر اُن امُور کا ذکر کریں گے جو فرائض مذہب کے ادا کرنے میں گورنمنٹ کی طرف سے ہم کو بطور احسان ملے ہیں۔ پس یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان پوری آزادی اور اطمینان کے ساتھ عبادات کو تب ہی بجا لاسکتا ہے۔ کہ اُس میں چار شرطیں موجود ہوں اور وہ یہ ہیں:

اوّل صحت اگر کوئی شخص ایسا ضعیف ہو کہ چارپائی سے اُٹھ نہ سکے وہ صوم و صلوٰۃ کا کیا پابند ہو سکتا ہے۔ اسی طرح پر حج زکوٰۃ وغیرہ بہت سے ضروری امور کی بجا آوری سے قاصر رہیگا۔ اب دیکھنا چاہیئے۔ کہ گورنمنٹ کی طفیل سے ہم کو صحت جسمانی کے بحال رکھنے کیلئے کس قدر سامان ملے ہیں۔ ہر بڑے شہر اور قصبہ میں کم از کم کوئی ہسپتال ضرور ہے جہاں مریضوں کا علاج نہایت دلسوزی اور ہمدردی سے کیا جاتا ہے! اور دوا غذا وغیرہ مفت دی جاتی ہیں۔ بعض بیماروں کو ہسپتال میں رکھ کر ایسے طور پر اُن کی نگہداشت اور غور و پرداخت کیجاتی ہے۔ کہ کوئی اپنے گھر میں بھی ایسی آسانی اور سہولت اور آرام کے ساتھ علاج نہیں کر سکتا:

حفظان صحت کا ایک الگ محکمہ بنا رکھا ہے جس پر کروڑہا روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے قصبات اور شہروں کی صفائی کے بڑے بڑے سامان بہم پہنچائے ہیں۔ گندے پانی اور مواد ردیہ مضر صحت کے

دفع کرنے کے لئے الگ انتظام ہیں۔ پھر ہر قسم کی سریع الاثر ادویات طیار کر کے بہت کم قیمت پر مہیا کیجاتی ہیں یہاں تک کہ ہر ایک آدمی چند دوائیں اپنے گھر میں رکھ کر بوقت ضرورت علاج کرا سکتا ہے + بڑے بڑے میڈیکل کالج جاری کر کے طبی تعلیم کو کثرت سے پھیلایا۔ یہانتک کہ دیہات میں بھی ڈاکٹر ملتے ہیں بعض خطرناک امراض جیسے چیچک ہیضہ۔ طاعون وغیرہ کے دفعیہ کے لئے الگ محکمے ہیں جو ابھی طاعون کے متعلق جس قدر کارروائی گورنمنٹ کی طرف سے عمل میں آئی ہے وہ بہت ہی کچھ شکر گذاری کے قابل ہے۔ غرض صحت کے لحاظ سے گورنمنٹ نے ہر قسم کی ضروری امداد دی ہے۔ اور اس طرح پر عبادت کے لئے پہلی اور ضروری شرط پورا کرنے کے واسطے بہت بڑی مدد دی ہے +

دوسری شرط ایمان ہے۔ اگر خدا تعالےٰ اور اُس کے احکام پر ایمان ہی نہ رہا اور اندر ہی اندر بے دینی اور الحاد کا جذام لگ گیا ہو پھر بھی تعمیل احکام الٰہی نہیں ہوتی۔ جیسے بہت لوگ کہتے ہیں

ایہہ جگ مٹھا تے اگلا کن ڈٹھا

افسوس ہے دو آدمیوں کی شہادت پر ایک مجرم کو پھانسی مل سکتی ہے۔ مگر باوجودیکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور بے انتہا ولیوں کی شہادت موجود ہے لیکن ابھی تک اس قسم کا الحاد ان لوگوں کے دلوں سے نہیں گیا۔ ہر زمانہ میں خدا تعالےٰ اپنے مقتدر نشانوں اور معجزات سے انا الموجود کہتا ہے مگر یہ کمبخت کان رکھتے ہوئے بھی نہیں سُنتے۔ غرض یہ شرط بھی بہت بڑی ضروری شرط ہے۔ اس کے لئے بھی ہمیں گورنمنٹ انگلشیہ کا شکرگذار ہونا چاہئے۔ کیونکہ ایمان و اعتقاد پختہ کرنے کیلئے عام تعلیم مذہبی کی ضرورت تھی۔ اور مذہبی تعلیم کا انحصار مذہبی کتابوں کی اشاعت سے وابستہ تھا۔ پریس ڈاکخانہ کی برکت سے ہر قسم کی مذہبی کتابیں مل سکتی ہیں۔ اور اخبارات کے ذریعہ تبادلِ خیالات کا موقع ملتا ہے۔ سعید الفطرت لوگوں کے لئے بڑا بھاری موقع حاصل ہے کہ ایمان و اعتقاد میں رسوخ حاصل کریں ان باتوں کے علاوہ جو ضروری اور اشد ضروری بات ایمان کے رسوخ کے لئے ہے وہ خدا تعالیٰ کے نشانات ہیں۔ جو اُس شخص کے ہاتھ پر سرزد ہوتے ہیں۔ جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر آتا ہے۔ اور اپنے طرزِ عمل سے گمشدہ صداقتوں اور معرفتوں کو زندہ کرتا ہے۔ سو خدا کا شکر کرنا چاہئیے۔ کہ اُس نے اس زمانہ میں جس کو پھر ایمان زندہ کرنے کے لئے مامور کیا۔ اور اسلئے بھیجا کہ تا لوگ قوت یقین میں ترقی کریں۔ وہ بھی اسی مبارک گورنمنٹ کے عہد میں آیا۔ وہ کون؟ وہی جو تم میں کھڑا ہوا بول رہا ہے۔ چونکہ یہ مسلّم بات ہے کہ جب تک پورے طور پر ایمان نہ ہو نیکی کے اعمال انسان علےٰ وجہ الاتم بجا نہیں لا سکتا۔ جس قدر کوئی پہلو یا کنگرہ ایمان کا گرا ہوا ہو اُسیقدر

اِنسان اعمال میں سُست اور کمزور ہوگا۔ اس بنا پر ولی وہ کہلاتا ہے جس کا ہر پہلو سالم ہو اور وہ کسی پہلو سے کمزور نہ ہو اُسکی عبادات اکمل و اتم طور پر صادر ہوتی ہیں۔ غرض دوسری شرط ایمان کی سلامتی ہے +

تیسری شرط اِنسان کے لئے طاقت مالی ہے مساجد کی تعمیر اور امور متعلّقہ اسلام کی بجا آوری مالی طاقت پر منحصر ہے۔ اس کے سوا تمدنی زندگی اور تمام اُمور کا اور خصوصًا مساجد کا اِنتظام بہت مشکل سے ہوتا ہے۔ اب اِس پہلو کے لحاظ سے گورنمنٹ انگلشیہ کو دیکھو۔ گورنمنٹ نے ہر قسم کی تجارت کو ترقی دی تعلیم پھیلا کر ملک کے باشندوں کو نوکریاں دیں۔ اور بڑے بڑے عہدے دیئے۔ سفر کے وسائل بہم پہنچا کر دوسرے ملکوں میں جاکر روپیہ کمالانے میں مدد دی۔ چنانچہ ڈاکٹر پلیڈر عدالتوں کے عہدہ دار سررشتۂ تعلیم وغیرہ بہت سے ذریعوں سے لوگ معقول روپیہ کماتے ہیں۔ اور تجارت کرنے والے سوداگر قسم قسم کے تجارتی مال ولایت اور دُور دراز ملکوں افریقہ اور آسٹریلیا وغیرہ میں جاکر مالامال ہو کر آتے ہیں۔ غرض روزگار عام کر دیا۔ اور روپیہ کمانے کے بہت سے ذریعے پیدا کر دیئے +

چوتھی شرط امن ہے۔ یہ امن کی شرط اِنسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ جب سے دُنیا پیدا ہُوئی ہے اُس کا اِنحصار علے الخصُوص سلطنت پر رکھا گیا ہے جس قدر سلطنت نیک نیّت اور اُس کا دِل کھوٹ سے پاک ہوگا اُسی قدر یہ شرط زیادہ صفائی سے پوری ہوگی۔ اب اِس زمانہ میں امن کی شرط اعلےٰ درجہ پر پُوری ہورہی ہے۔ مَیں خُوب یقین رکھتا ہوں کہ سکھوں کے زمانہ کے دن انگریزوں کے زمانہ کی راتوں سے بھی کم درجہ پر تھے۔ یہاں سے قریب ہی بُوٹر[1] ایک گاؤں ہے وہاں اگر کوئی عورت جایا کرتی تھی تو رو رو کر جایا کرتی تھی۔ کہ خدا جانے پھر واپس آنا ہوگا یا نہیں اب یہ حالت ہے کہ زمین کی انتہا تک چلا جاوے کسی قسم کا خطرہ نہیں سفر کے وسائل ایسے آسان کر دیئے ہیں۔ کہ ہر ایک قسم کا آرام حاصل ہے۔ گویا گھر کی طرح ریل میں بیٹھا ہُوا یا سویا ہُوا جہاں چاہے چلا جاوے مال و جان کی حفاظت کے لیئے پولیس کا وسیع صیغہ موجود ہے۔ حقوق کی حفاظت کے لیئے عدالتیں کھلی ہیں جہاں تک چاہے چلا جاوے۔ یہ کسقدر احسان ہیں جو ہماری عملی آزادی کا مُوجب ہوئے ہیں۔ پس اگر ایسی حالت میں جبکہ جسم و رُوح پر بے انتہا احسان ہو رہے ہیں ہم میں صلحکاری اور شکر گذاری کا مادہ پیدا نہیں ہوتا تو تعجب کی بات ہے؟ جو مخلوق کا شکر نہیں کرتا وہ خدا تعالےٰ کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔ وجہ کیا ہے؟ اسلیئے کہ وہ مخلوق بھی تو خدا ہی کا فرستادہ ہوتی ہے۔ اور

[1] قادیان سے یہ گاؤں ۲ میل ہوگا۔ جامی

خداہی کے ارادہ کے تحت میں چلتی ہے۔ الغرض یہ سب امور جو میں نے بیان کئے ہیں۔ ایک نیکدل انسان کو مجبور کر دیتے ہیں۔ کہ وہ ایسے محسن کا شکر گذار ہو یہی وجہ ہے کہ ہم بار بار اپنی تصنیفات میں اور اپنی تقریروں میں گورنمنٹ انگلشیہ کے احسانوں کا ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا دل واقعی اس کے احسانات کی لذت سے بھرا ہؤا ہے۔ احسان فراموش نادان اپنی منافقانہ فطرتوں پر قیاس کر کے ہمارے اس طریق عمل کو جو صدق اخلاص سے پیدا ہوتا ہے جھوٹی خوشامد پر حمل کرتے ہیں۔ اب میں پھر اصل بات کی طرف عود کر کے بتلانا چاہتا ہوں۔ کہ پہلے اس سورۃ میں خدا تعالےٰ نے ربّ النّاس فرمایا۔ پھر ملک النّاس آخر میں الٰہ النّاس فرمایا جو اصلی مقصود اور مطلوب انسان کا ہے۔ اِلٰہ کہتے ہیں معبود مقصود مطلوب کو لا الٰہ الّا اللّٰہ کے معنے یہی ہیں۔ کہ لا معبود لی ولا مقصود لی ولا مطلوب لی الّا اللّٰہ۔ یہی سچّی توحید ہے کہ ہر مدح و ستائش کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی کو ٹھیرایا جاوے۔ پھر فرمایا من شرّ الوسواس الخنّاس یعنی وسوسہ ڈالنے والے خنّاس کے شر سے پناہ مانگو خنّاس عربی میں سانپ کو کہتے ہیں جسے عبرانی میں نحاش کہتے ہیں۔ اسلئے کہ اس نے پہلے بھی بدی کی تھی۔ یہاں ابلیس یا شیطان نہیں فرمایا۔ تاکہ انسان کو اپنی ابتدا کی ابتلا یاد آوے۔ کہ کس طرح شیطان نے اُن کے والدین کو دھوکا دیا تھا۔ اُس وقت اُس کا نام خنّاس ہی رکھا گیا تھا۔ یہ ترتیب خدا نے اسلئے اختیار فرمائی ہے۔ تاکہ انسان کو پہلے واقعات پر آگاہ کرے۔ کہ جس طرح شیطان نے خدا کی اطاعت سے انسان کو فریب دے کر روگردان کیا۔ ویسے ہی وہ کسی وقت ملکِ وقت کی اطاعت سے بھی عاصی اور روگردان نہ کراوے۔ یوں انسان ہر وقت اپنے نفس کے ارادوں اور منصوبوں کی جانچ پرتال کرتا رہے۔ کہ مجھ میں ملک وقت کی اطاعت کس قدر ہے۔ اور کوشش کرتا رہے۔ اور خدا تعالےٰ سے دعا مانگتا رہے۔ کہ کسی خل سے شیطان سمیں داخل نہ ہو جائے۔ اب اس سورہ میں جو اطاعت کا حکم ہے وہ خدا تعالےٰ کی اطاعت کا حکم ہی ہے۔ کیونکہ اصلی اطاعت اُسی کی ہے مگر والدین مرشد ہادی اور بادشاہ وقت کی اطاعت کا بھی حکم ہے۔ کیونکہ ان کی اطاعت کا بھی حکم خداہی نے دیا ہے۔ اور اطاعت کا فائدہ یہ ہوگا کہ خنّاس کے قابو سے بچ جاؤ گے پس پناہ مانگو۔ کہ خنّاس کی وسوسہ اندازی کے شر سے محفوظ رہو۔ کیونکہ مومن ایک ہی سوراخ سے دو مرتبہ نہیں کاٹا جاتا۔ ایک بار جس راہ سے مصیبت آئے دوبارہ اس میں نہ پھنسو۔ پس اس سورہ میں صریح اشارہ ہے۔ کہ بادشاہ وقت کی اطاعت کرو۔ خنّاس میں خواص اسی طرح ودیعت رکھے گئے ہیں۔ جیسے خدا تعالےٰ نے درخت۔ پانی۔ آگ وغیرہ چیزوں اور عناصر میں خواص رکھے ہیں۔

عنصر کا لفظ اصل میں عن سِرّ ہے۔ عربی میں ص اور س کا بدل ہو جاتا ہے یعنی یہ چیز اسرار الٰہی میں سے ہے درحقیقت یہاں آکر انسان کی تحقیقات رُک جاتی ہے۔ غرض ہر ایک چیز خدا ہی کی طرف سے ہے۔ خواہ وہ بسائط کی قسم سے ہو خواہ مُرکبات کی قسم سے جبکہ یہ بات ہے کہ جیسے بادشاہوں کو بھیجکر اُس نے ہزارہا مشکلات سے ہم کو چھڑایا۔ اور ایسی تبدیلی بخشی کہ ایک آتشی تنور سے نکال کر ایسے باغ میں پہنچا دیا جہاں فرحت افزا پودے ہیں۔ اور ہر طرف ندیاں جاری ہیں۔ اور ٹھنڈی خوشگوار ہوائیں چل رہی ہیں۔ پھر کس قدر ناشکری ہوگی اگر کوئی اُس کے احسانات کو فراموش کردے خاص کر ہماری جماعت کو جس کو خدا نے بصیرت دی ہے۔ اور اُن میں نفاق نہیں ہے کیونکہ اُنہوں نے جس سے تعلق پیدا کیا ہے اُس میں نفاق نہیں۔ شکرگذاری کا بڑا عمدہ نمونہ بننا چاہئے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ میری جماعت میں نفاق نہیں ہے۔ اور میرے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں اُن کی فراست نے غلطی نہیں کی۔ اسلئے کہ میں درحقیقت وہی ہوں جس کے آنے کو ایمانی فراست نے ماننے پر متوجہ کیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ گواہ اور آگاہ ہے کہ میں وہی صادق اور امین اور موعود ہوں جس کا وعدہ لوگوں کو ہمارے سید و مولیٰ صادق و مصدوق صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے دیا گیا تھا۔ مگر جنہوں نے مجھ سے تعلق پیدا نہیں کیا وہ اس نعمت سے محروم ہیں۔ فراست گویا ایک کرامت ہے۔ یہ لفظ فراست بفتح الفا بھی ہے اور بکسر الفا بھی۔ زبر کے ساتھ اس کے معنے ہیں گھوڑے پر چڑھنا مومن فراست کے ساتھ اپنے نفس کا چابک سوار ہوتا ہے خدا کی طرف سے اُسکو نُور ملتا ہے جس سے وہ راہ پاتا ہے اسی لئے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اتقوا فراست المومن فانہ ینظر بنور اللّٰہ یعنی مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ نور اللہ سے دیکھتا ہے۔ غرض ہماری جماعت کی فراست حقّہ کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ اُنہوں نے خدا کے نور کو شناخت کیا۔ اِسی طرح میں امید رکھتا ہوں کہ ہماری جماعت عملی حالت میں ترقی کریگی۔ کیونکہ وہ منافق نہیں ہے اور وہ ہمارے مخالفوں کے اِس طرزِ عمل سے بالکُل پاک ہے کہ جب حکّام سے ملتے ہیں تو اُن کی تعریفیں کرتے ہیں۔ اور جب گھر میں آتے ہیں تو کافر بتلاتے ہیں +

سُنو اور یاد رکھو کہ خدا اِس طرزِ عمل کو پسند نہیں فرماتا تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو اور محض خدا کے لئے رکھتے ہو۔ نیکی کرنے والوں کے ساتھ نیکی کرو اور بدی کرنیوالوں کو معاف کرو۔ کوئی شخص صدیق نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ یک رنگ نہ ہو۔ جو منافقانہ چال چلتا ہے۔ اور دورنگی اختیار کرتا ہے وہ آخر پکڑا جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے دروغگورا حافظہ نباشد

اِس وقت میں ایک اور ضروری بات کہنا چاہتا ہوں ۔ اور وہ یہ ہے کہ سلاطین کو اکثر مُہمیں پیش آتی ہیں ۔ اور وہ بھی رعایا ہی کے بچاؤ اور حفاظت کے لئے ہوتی ہیں تم نے دیکھا ہے کہ ہماری گورنمنٹ کو سرحد پر کئی بار جنگ کرنی پڑی ہے ۔ گو سرحدی لوگ مسلمان ہیں مگر ہمارے نزدیک وہ حق پر نہیں ہیں ۔ اُن کا انگریزوں کے ساتھ جنگ کرنا کسی مذہبی حیثیت اور پہلو سے درُست نہیں ہے ۔ اور نہ وہ حقیقتہً مذہبی پہلو سے لڑتے ہیں ۔ کیا وہ بتلا سکتے ہیں کہ گورنمنٹ نے مسلمانوں کو آزادی نہیں دے رکھی ؟ بیشک دے رکھی ہے ۔ اور ایسی آزادی دے رکھی ہے جس کی نظیر کابل اور نواحِ کابل میں رہکر بھی نہیں ملسکتی ۔ امیر کے حالات اچھے سننے میں نہیں آتے ۔ ان سرحدی مجنونوں کے لڑنے کی کوئی وجہ بجز پیٹ کے نہیں ہے دس بیس روپے مِلجاویں تو وہ غازی اپن غرق ہو جاتا ہے ۔ یہ لوگ ظالم طبع ہیں جو اسلام کو بدنام کرتے ہیں اسلام بادشاہ وقت اور محسن کے حقوق قائم کرتا ہے ۔ یہ دنی الطبع لوگ اپنے پیٹ کی خاطر حدود اللہ کو توڑتے ہیں ۔ اور اُن کی رذالت اور سفاہت اور سفاکی کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایک روٹی کیلئے بآسانی ایک انسان کا خون کر دیتے ہیں ۔ ایسا ہی آج کل ہماری گورنمنٹ کو ٹرانسوال کی ایک چھوٹی سی جمہوری سلطنت کے ساتھ مقابلہ ہے ۔ وہ سلطنت پنجاب سے بڑی نہیں ہے ۔ اور یہ اسکی حماقت ہے ۔ کہ اس قدر بڑی سلطنت کے ساتھ مقابلہ شروع کیا ہے لیکن اس وقت جبکہ مقابلہ شروع ہو گیا ہے ہر ایک مسلمان کا حق ہے ۔ کہ انگریزوں کی کامیابی کے لئے دُعا کرے ۔ ہم کو ٹرانسوال سے کیا غرض جس کے ہم پر ہزاروں احسان ہیں ہمارا فرض ہے کہ اس کی خیر خواہی کریں ۔ ایک ہمسایہ کے اتنے حقوق ہیں کہ اسکی تکلیف سُن کر اس کا پتہ پانی ہو جاتا ہے تو کیا اب ہمارے دلوں کو سرکار انگلشیہ کے وفادار سپاہیوں کے مصائب پڑھ کر صدمہ نہیں پہنچتا میرے نزدیک وہ بڑا سیاہ دل ہے جسے گورنمنٹ کے دُکھ اپنے دُکھ معلوم نہیں ہوتے +

یاد رکھو جذام کئی قسم کے ہوتے ہیں ۔ ایک جذام جسم کو لگجاتا ہے ۔ جس کو کوڑھ کہتے ہیں ۔ اور ایک جذام رُوح کو لگجاتا ہے ہمارے یہاں ایک شخص بازار میں رہا کرتا تھا ۔ اگر کوئی مقدمہ کسی پر ہو جاتا تو پوچھا کرتا تھا کہ مقدمہ کی کیا صورت ہے ۔ اگر کسی نے کہدیا کہ وہ بری ہو گیا یا اچھی صورت ہے تو اُس پر آفت آجاتی اور چُپ ہو جاتا ۔ اگر کوئی کہدیتا کہ فرد قرار داد جرم لگ گئی تو بہت خوش ہوتا اور اُس کو پاس بٹھا کر سارا قصہ سُنتا ۔ غرض بعض آدمیوں کی فطرت میں بدنیتی کا مادہ ہوتا ہے ۔ کہ وہ بُری خبریں سُننا چاہتے ہیں ۔ اور کسی کی بُرائی پر خوش ہوتے ہیں کیونکہ

شیطان کی سیرت اُن کے اندر ہوتی ہے۔ پس بدخواہی کسی انسان کی بھی اچھی نہیں۔ چہ جائیکہ محسن کی ہو لہٰذا میں اپنی جماعت کو کہتا ہوں کہ وہ ایسے لوگوں کا نمونہ اختیار نہ کریں بلکہ پوری ہمدردی اور سچی خیرخواہی کے ساتھ برٹش گورنمنٹ کی کامیابی کے لئے دعا کریں۔ اور عملی طور پر بھی وفاداری کے نمونے دکھائیں ہم یہ باتیں کسی صلہ یا انعام کی خاطر نہیں کرتے ہم کو صلہ اور انعام اور دُنیوی خطابات سے کیا غرض ہماری نیات کو علیم خدا خوب جانتا ہے کہ ہمارا کام محض اُس کے لئے اور اُسی کے امر سے ہے۔ اُسی نے ہم کو تعلیم دی ہے۔ کہ محسن کا شکر کرو ہم اس شکر گذاری میں اپنے مولیٰ کریم کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور اُسی سے انعام کی اُمید رکھتے ہیں سو تم جو میری جماعت ہو اپنی محسن گورنمنٹ کی خوب قدر کرو۔ اب میں چاہتا ہوں۔ کہ ٹرانسوال کے جنگ کے لئے ہم دعا کریں"+

(اس کے بعد حضرت اقدس نے نہایت جوش اور خلوص کے ساتھ دعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے اور سب حاضرین نے جن کی تعداد ایکہزار سے متجاوز تھی دُعا کی + ایڈیٹر)

ازاخبار الحکم ۱۷ فروری سنہ ۱۹۰۰ء

اسلام اور فطرۃ

اِس مذہب کی خداشناسی نہایت صاف صاف اور انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ اگر تمام مذہبوں کی کتابیں نابود ہو کر اُنکے سالہے تعلیمی خیالات اور تصورات بھی محو ہو جائیں تب بھی وہ خدا جس کی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے آئینۂ قانونِ قدرت میں صاف صاف نظر آئیگا۔ اور اُس کی قُدرت اور حکمت سے بھری ہوئی صُورت ہر یک ذرہ میں چمکتی ہُوئی دِکھائی دیگی۔ غرض وہ خدا جس کا پتہ قرآن شریف بتلاتا ہے اپنی موجودات پر فقط قہری حکومت نہیں رکھتا بلکہ موافق آیہ کریمہ الست بربکم قالوا بلیٰ کے ہر یک ذرہ ذرہ اپنی طبیعت اور رُوحانیت سے اُس کا حکم بردار ہے اُس کی طرف جھکنے کے لئے ہر یک طبیعت میں ایک کشش پائی جاتی ہے اس کشش سے ایک ذرہ بھی خالی نہیں۔ اور یہ ایک بڑی دلیل اسبات پر ہے کہ وہ ہر یک چیز کا خالق ہے۔ کیونکہ نورِ قلب اسبات کو مانتا ہے کہ وہ کشش جو اس کی طرف جھکنے کیلئے تمام چیزوں میں پائی جاتی ہے وہ بلاشُبہ اُسی کی طرف سے ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف نے اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان من شیء الا یسبح بحمدہ یعنی ہر یک چیز اسکی پاکی اور اُس کے محامد بیان کر رہی ہے۔ اگر خدا ان چیزوں کا خالق نہیں تھا تو ان چیزوں میں خدا کی طرف کشش کیوں پائی جاتی ہے۔ ایک غور کرنے والا انسان ضرور اسبات کو قبول کرلیگا

کہ کسی مخفی تعلق کی وجہ سے یہ کشش ہے۔ پس اگر وہ تعلق خدا کا خالق ہونا نہیں تو کوئی آریہ وغیرہ اس بات کا جواب دیں کہ اُس تعلق کی وید وغیرہ میں کیا ماہیت لکھی ہے۔ اور اُس کا کیا نام ہے کیا یہی سچ ہے کہ خدا صرف زبردستی ہر یک چیز پر حکومت کر رہا ہے۔ اور ان چیزوں میں کوئی طبعی قوت اور شوق خدا تعالیٰ کی طرف جھکنے کا نہیں ہے۔ معاذ اللہ ہرگز ایسا نہیں بلکہ ایسا خیال کرنا نہ صرف حماقت بلکہ پہلے درجہ کی خباثت بھی ہے۔ مگر افسوس کہ آریوں کے وید نے خدا تعالیٰ کی خالقیت سے انکار کر کے اس روحانی تعلق کو قبول نہیں کیا جس پر طبعی اطاعت ہر یک چیز کی موقوف ہے اور چونکہ دقیق معرفت اور دقیق گیان سے وہ ہزاروں کوس دور تھے۔ لہٰذا یہ سچا فلسفہ اُن سے پوشیدہ رہا ہے کہ ضرور تمام اجسام اور ارواح کو ایک فطرتی تعلق اُس ذات قدیم سے پڑا ہوا ہے۔ اور خدا کی حکومت صرف بناوٹ اور زبردستی کی حکومت نہیں۔ بلکہ ہر یک چیز اپنی روح سے اُس کو سجدہ کر رہی ہے۔ کیونکہ ذرہ ذرہ اُس کے بے انتہا احسانوں میں مستغرق اور اُس کے ہاتھ سے نکلا ہوا ہے۔ مگر افسوس کہ تمام مخالف مذہب والوں نے خدائے تعالیٰ کے وسیع دریائے قدرت اور رحمت اور تقدس کو اپنی تنگدلی کی وجہ سے زبردستی روکنا چاہا ہے اور انہیں وجوہ سے اُن کے فرضی خداؤں پر کمزوری اور ناپاکی اور بناوٹ اور بیجا غضب اور بیجا حکومت کے طرح طرح کے داغ لگ گئے ہیں لیکن اسلام نے خدا تعالیٰ کی صفات کاملہ کی تیز رو دھاروں کو کہیں نہیں روکا۔ وہ آریوں کی طرح اس عقیدہ کی تعلیم نہیں دیتا۔ کہ زمین و آسمان کی روحیں اور ذرات اجسام اپنے اپنے وجود کے آپ ہی خدا ہیں۔ اور جس کا پرمیشر نام ہے وہ کسی نامعلوم سبب سے محض ایک راجہ کے طور پر اُن پر حکمران ہے۔ اور نہ عیسائی مذہب کی طرح یہ سکھاتا ہے کہ خدا نے انسان کی طرح ایک عورت کے پیٹ سے جنم لیا۔ اور نہ صرف نو مہینہ تک خون حیض کھا کر ایک گنہگار جسم سے جو بنت سبع اور تمر اور راحاب جیسی حرامکار عورتوں کے خمیر سے اپنی فطرت میں ابنیّت کا حصہ رکھتا تھا خون اور ہڈی اور گوشت کو حاصل کیا بلکہ بچپن کے زمانہ میں جو جو بیماریوں کی صعوبتیں ہیں جیسے خسرہ چیچک دانتوں کی تکالیف وغیرہ تکلیفیں وہ سب اُٹھائیں اور بہت سا حصہ عمر کا معمولی انسانوں کی طرح کھو کر آخر موت کے قریب پہنچ کر خدائی یاد آگئی۔ مگر چونکہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ تھا۔ اور خدائی طاقتیں ساتھ نہیں تھیں اسلئے دعوے کے ساتھ ہی پکڑا گیا۔ بلکہ اسلام ان سب نقصانوں اور ناپاک حالتوں سے خدائے حقیقی ذوالجلال کو منزّہ اور پاک سمجھتا ہے۔ اور اس وحشیانہ غضب سے بھی اُس کی ذات کو برتر قرار دیتا ہے۔ کہ جب تک کسی کے گلے میں پھانسی کا رسہ نہ ڈالے

تب تک اپنے بندوں کے بخشنے کے لیئے کوئی سبیل اُس کو یاد نہ آوے۔ اور خدا تعالےٰ کے وجود اور صفات کے بارے میں قرآن کریم یہ سچّی اور پاک اور کامل معرفت سکھاتا ہے کہ اُسکی قدرت اور رحمت اور عظمت اور تقدس بے انتہا ہے۔ اور یہ کہنا قرآنی تعلیم کے رُو سے سخت مکروہ گناہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی قدرتیں اور عظمتیں اور رحمتیں ایک حد پر جاکر ٹھہر جاتی ہیں۔ یا کسی موقع پر پُہنچکر اُس کا ضُعف اُسکے مانع آجاتا ہے۔ بلکہ اُس کی تمام قدرتیں اس مستحکم قاعدہ پر چل رہی ہیں کہ باستثنا اُن امور کے جو اُس کے تقدس اور کمال اور صفات کاملہ کے مخالف ہیں۔ یا اُس کے مواعید غیر مُتبدّلہ کے منافی ہیں۔ باقی جو چاہتا ہے کرسکتا ہے۔ مثلاً یہ نہیں کہہ سکتے کہ اپنی قدرت کاملہ سے اپنے تئیں ہلاک کرسکتا ہے۔ کیونکہ یہ بات اس کی صفت قدیم حیّ وقیُّوم ہونے کے مخالف ہے وجہ یہ کہ وہ پہلے ہی اپنے فعل اور قول میں ظاہر کرچکا ہے کہ وہ ازلی ابدی اور غیر فانی ہے۔ اور موت اُس پر جائز نہیں۔ ایسا ہی یہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ کسی عورت کے رحم میں داخل ہوتا اور خون حیض کھاتا اور قریباً نو ماہ پورے کرکے سیر ڈیڑھ سیر کے وزن پر عورتوں کی پیشاب گاہ سے روتا چلّاتا پیدا ہو جاتا ہے۔ اور پھر روٹی کھاتا اور پاخانہ جاتا اور پیشاب کرتا اور تمام دُکھ اُس فانی زندگی کے اُٹھاتا ہے اور آخر چند ساعت جان کندنی کا عذاب اُٹھا کر اِس جہان فانی سے رخصت ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تمام اُمور نقصان اور منقصت میں داخل ہیں۔ اور اُس کے جلال قدیم اور کمال تام کے برخلاف ہیں ÷

پھر یہ بھی جاننا چاہیئے۔ کہ چونکہ اسلامی عقیدہ میں درحقیقت خدا تعالےٰ تمام مخلوقات کا پیدا کرنیوالا ہی ہے۔ اور کیا ارواح اور کیا اجسام سب اُسی کے پیدا کردہ ہیں۔ اور اُسی کی قدرت سے ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ لہٰذا قرآنی عقیدہ یہی ہے۔ کہ جیسا کہ خدا تعالےٰ ہر ایک چیز کا خالق اور پیدا کنندہ ہے۔ اسی طرح وہ ہر ایک چیز کا واقعی اور حقیقی طور پر قیوم بھی ہے۔ یعنے ہر ایک چیز کا اُسی کے وجود کے ساتھ بقا ہے۔ اور اُس کا وجود ہر یک چیز کے لیئے بمنزلہ جان ہے۔ اور اگر اُس کا عدم فرض کرلیں تو ساتھ ہی ہر یک چیز کا عدم ہوگا۔ غرض ہر یک وجود کے بقا اور قیام کے لیئے اس کی معیّت لازم ہے۔ لیکن آریوں اور عیسائیوں کا یہ اعتقاد نہیں ہے۔ آریوں کا اسلیئے کہ وہ خدا تعالےٰ کو ارواح اور اجسام کا خالق نہیں جانتے۔ اور ہر یک چیز سے ایسا تعلق اُس کا نہیں مانتے جس سے ثابت ہو کہ ہر یک چیز اُسی کی قدرت اور ارادہ کا نتیجہ ہے۔ اور اُسی کی مشیّت کے لیئے بطور سایہ کے ہے۔ بلکہ ہر یک چیز کا وجود ایسے طور سے مستقبل خیال کرتے ہیں

جس سے سمجھا جاتا ہے کہ اُن کے زعم میں تمام چیزیں اپنے وجود میں مستقل طور پر قدیم اور انادی ہیں۔ پس جبکہ تمام موجود چیزیں اُن کے خیال میں خدا تعالیٰ کی قدرت سے نکلکر قدرت کے ساتھ قائم نہیں تو بلاشُبہ یہ سب چیزیں ہندوؤں کے پرمیشر سے ایسی بے تعلق ہیں کہ اگر ان کے پرمیشر کا مرنا بھی فرض کرلیں تب بھی رُوحوں اور جسموں کا کچھ بھی حرج نہیں۔ کیونکہ اُن کا پرمیشر صرف معمار کی طرح ہے۔ اور جس طرح اینٹ اور گارہ معمار کی ذاتی قدرت کے ساتھ قائم نہیں تا ہر یک حال میں اُس کے وجود کا تابع ہو۔ یہی حال ہندوؤں کے پرمیشر کی چیزوں کا ہے۔ سو جیسا کہ معمار کے مرجانے سے ضروری نہیں ہوتا کہ جس قدر اُس نے اپنی عمر میں عمارتیں بنائی ہوں وہ ساتھ ہی گرجائیں ایسا ہی یہ بھی ضرور نہیں کہ ہندوؤں کے پرمیشر کے مرجانے سے کچھ بھی صدمہ دوسری چیزوں کو پہنچے کیونکہ وہ اُن کا قیُّوم نہیں " اگر قیُّوم ہوتا تو ضرور اُن کا خالق بھی ہوتا۔ کیونکہ جو چیزیں پیدا ہونے میں خدا کی قوت کی محتاج نہیں وہ قائم رہنے میں بھی اُسکی قوت کے سہارے کی حاجت نہیں رکھتیں۔ اور عیسائیوں کے اعتقاد کی رُو سے بھی اُن کا مجسّم خُدا قیُّوم الاشیاء نہیں ہو سکتا کیونکہ قیُّوم ہونے کیلئے معیّت ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عیسائیوں کا خدا یسوع اب زمین پر نہیں کیونکہ اگر اب زمین پر ہوتا تو ضرور لوگوں کو نظر آتا جیسا کہ پلاطُوس کے عہد میں اُس کے مُلک میں موجود تھا۔ پس جبکہ وہ زمین پر موجود نہیں تو زمین کے لوگوں کا قیُّوم کیونکر ہوئے۔ ہاں آسمان سو وہ آسمانوں کا بھی قیُّوم نہیں کیونکہ اُس کا جسم تو صرف چھ سات بالشت کے قریب ہوگا پھر وہ سارے آسمانوں پر کیونکر موجود ہو سکتا ہے۔ تا اُن کا قیُّوم ہو۔ لیکن ہم لوگ جو خدا تعالےٰ کو رب العرش کہتے ہیں۔ تو اُس سے یہ مطلب نہیں کہ وہ جسمانی اور جسم ہے۔ اور عرش کا محتاج ہے۔ بلکہ عرش سے مُراد وہ مُقدس بلندی کی جگہ ہے جو اس جہان اور آنیوالے جہان سے برابر نسبت رکھتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کو عرش پر کہنا درحقیقت ان معنوں سے مترادف ہے۔ کہ وہ مالکُ التکوین ہے۔ اور جیسا ایک شخص اُونچی جگہ بیٹھ کر یا کسی نہایت اُونچے محل پر چڑھ کر یمین و یسار نظر رکھتا ہے ایسا ہی استعارہ کے طور پر خدائے تعالیٰ البلند سے بلند تخت پر تسلیم کیا گیا ہے جس کی نظر سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں نہ اِس عالم کی اور نہ اُس عالم کی۔ ہاں اس مقام کو عام سمجھوں کے لئے اُوپر کیطرف بیان کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جبکہ خدائے تعالےٰ حقیقت میں سب سے اُوپر ہے۔ اور ہر ایک چیز اُس کے پیروں پر گری ہوئی ہے تو اُوپر کی طرف سے اُسکی ذات کو مناسبت ہے مگر اُوپر کی طرف وہی ہے جس کے نیچے دونوں عالم واقع ہیں۔ اور وہ ایک انتہائی نقطہ کی طرح ہے جس کے نیچے سے دو عظیم الشان عالم کی دو

شاخیں نکلتی ہیں۔ اور ہر یک شاخ ہزارہا عالم پر مشتمل ہے۔ جن کا علم بجز اُس ذات کے کسی کو نہیں جو اُس نقطہ انتہائی پر مستوی ہے جس کا نام عرش ہے اسلئے ظاہری طور پر بھی وہ اعلےٰ سے اعلےٰ بلندی جو اُوپر کی سمت میں اُس انتہائی نقطہ میں متصوّر ہو جو دونوں عالم کے اُوپر ہے وہی عرش کے نام سے عند الشرع موسُوم ہے اور یہ بلندی باعتبار جامعیت ذات باری کی ہے تا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ وہ مبدء ہے ہر یک فیض کا اور مرجع ہے ہر یک چیز کا اور مسجود ہے ہر یک مخلوق کا اور سب سے اُونچا ہے۔ اور اپنی ذات میں اور صفات میں اور کمالات میں وراء الوریٰ ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ وہ ہر یک جگہ ہے جیسا کہ فرمایا اینما تولّوا فثمّ وجہ اللّٰہ جدھر مُنہ پھیرو اُدھر ہی خدا کا منہ ہے۔ اور فرماتا ہے۔ ھو معکم اینما کنتم یعنے جہاں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور فرماتا ہے۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ یعنی ہم انسان سے اُسکی رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہیں +

خطبہ عید اضحےٰ

از اخبار الحکم ۱۷۔ اپریل سنہ ۱۹۰۰ء

آج عید اضحےٰ کا دن ہے۔ اور یہ عید ایک ایسے مہینہ میں آتی ہے جس پر اسلامی مہینوں کا خاتمہ ہوتا ہے یعنی پھر محرم سے نیا سال شروع ہوتا ہے۔ یہ ایک سِر کی بات ہے کہ ایسے مہینہ میں عید کی گئی ہے جس پر اسلامی مہینہ کا یا زمانہ کا خاتمہ ہے۔ اور یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس کو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آنیوالے مسیح سے بہت مناسبت ہے۔ وہ مناسبت کیا ہے؟

ایک یہ کہ ہمارے نبی کریم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم آخر زمانہ کے نبی تھے اور آپ کا وجود باجود اور وقت یعنے گویا عید اضحےٰ کا وقت تھا چنانچہ یہ امر مسلمانوں کا بچّہ بچّہ بھی جانتا ہے کہ آپ نبی آخر الزمان تھے۔ اور یہ مہینہ بھی آخر الشہور ہے۔ اسلئے اس مہینہ کو آپ کی زندگی اور زمانہ سے مناسبت ہے +

دوسری مناسبت۔ چونکہ یہ مہینہ قربانی کا مہینہ کہلاتا ہے۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی حقیقی قربانیوں کا کامل نمونہ دکھانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ جیسے آپ لوگ بکری اُونٹ گائے۔ دُنبہ ذبح کرتے ہو۔ ایساہی وہ زمانہ گذرا ہے۔ کہ آج سے تیرہ سو سال پیشتر خدا تعالیٰ کی راہ میں انسان ذبح ہُوئے۔ حقیقی طور پر عید اضحیٰ وہی تھی۔ اور اسی میں ضحیٰ کی روشنی تھی۔ یہ قربانیاں اُس کا لُب نہیں پوست ہیں۔ رُوح نہیں جسم ہیں۔ اس سہولت اور آرام کے زمانہ میں نفسی خوشی سے عید ہوتی ہے۔ اور عید کی انتہا نفسی خوشی اور قسم قسم کے تعیشات قرار دیئے گئے ہیں۔ عورتیں اسی روز

تمام زیورات پہنتی ہیں عمدہ سے عمدہ کپڑے زیب تن کرتی ہیں مرد عمدہ پوشاکیں پہنتے ہیں۔ اور عمدہ سے عمدہ کھانے بہم پہنچاتے ہیں۔ اور یہ ایسا مسرت اور راحت کا دن سمجھا جاتا ہے۔ کہ بخیل سے بخیل انسان بھی آج گوشت کھاتا ہے خصوصاً کشمیریوں کے پیٹ تو بکروں کے مدفن ہو جاتے ہیں گو اور لوگ بھی کمی نہیں کرتے۔ الغرض ہر قسم کے کھیل کود لہو و لعب کا نام ...... عید سمجھا گیا ہے مگر افسوس ہے کہ حقیقت کی طرف مطلق توجہ نہیں کیجاتی۔ درحقیقت اس دن میں بڑا اسرّ یہ تھا کہ حضرت ابراہیم نے جس قربانی کا بیج بویا تھا اور مخفی طور پر بویا تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کو لہلہاتے کھیت کیطرح دکھلایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے ذبح کرنے میں خدا تعالےٰ کے حکم کی تعمیل میں دریغ نہ کیا اس میں مخفی طور پر یہی اشارہ تھا کہ انسان ہمہ تن خدا کا ہو جائے اور خدا کے حکم کے سامنے اسکی اپنی جان اپنی اولاد اپنے اقربا و اعزّا کا خون بھی خفیف نظر آوے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو ہر ایک پاک ہدایت کا کامل نمونہ تھے کیسی قربانی ہوئی۔ خونوں سے جنگل بھر گئے۔ گویا خون کی ندیاں نکلیں۔ باپوں نے اپنے بچوں کو بیٹوں نے اپنے باپوں کو قتل کیا۔ اور وہ خوش ہوتے تھے کہ اسلام اور خدا کی راہ میں قیمہ قیمہ اور ٹکڑے ٹکڑے بھی کئے جاویں تو اُن کی راحت ہے۔ مگر آج غور کر کے دیکھو کہ بجز ہنسی اور خوشی اور لہو و لعب کے رُوحانیت کا کونسا حصہ باقی ہے۔ یہ عید اضحےٰ پہلی عید سے بڑھ کر ہے۔ اور عام لوگ بھی اسکو بڑی عید تو کہتے ہیں۔ مگر سوچ کر بتلاؤ کہ عید کی وجہ سے کس قدر ہیں جو اپنے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور رُوحانیت سے حصہ لیتے ہیں۔ اور اُس روشنی اور نور کو لینے کی کوشش کرتے ہیں جو اس ضحی میں رکھا گیا ہے۔ عید رمضان اصل میں ایک مجاہدہ ہے۔ اور ذاتی مجاہدہ ہے۔ اور اس کا نام بذل الروح ہے مگر یہ عید جس کو بڑی عید کہتے ہیں۔ ایک عظیم الشان حقیقت اپنے اندر رکھتی ہے۔ اور جس پر افسوس کہ توجہ نہیں کی گئی۔ خدا تعالےٰ نے جس کے رحم کا ظہور کئی طرح پر ہوتا ہے اُمّتِ محمدیّہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایک بڑا بھاری رحم کیا ہے کہ اور اُمّتوں میں جس قدر باتیں پوست اور قشر کے رنگ میں تھیں۔ اُن کی حقیقت اس اُمّت مرحومہ کو دکھلائی ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں جو خدا تعالیٰ کی یہ چار صفات بیان ہوئی ہیں۔ کہ ربّ العٰلمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین۔ اگرچہ عام طور پر یہ صفات اس عالم پر تجلی کرتی ہیں لیکن ان کے اندر حقیقت میں پیشگوئیاں ہیں جن پر کہ لوگ بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں صفتوں کا نمونہ دکھایا۔ کیونکہ کوئی حقیقت

بغیر نمونہ کے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ ہم رب العلمین کی صفت نے کس طرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں نمونہ دکھایا آپ نے عین ضعف میں پرورش پائی۔ کوئی موقع مدرسہ مکتب کا نہ تھا۔ جہاں آپ اپنے روحانی اور ذہنی قویٰ کو نشوونما دے سکتے۔ کبھی کسی تعلیم یافتہ قوم سے ملنے کا موقع ہی نہ ملا نہ کسی حقانی صوفی تعلیم کا ہی موقع پایا۔ اور نہ فلسفہ کے باریک اور دقیق علوم کے حاصل کرنے کی فرصت ملی۔ پھر دیکھو کہ باوجود ایسے مواقع کے نہ ملنے کے قرآن شریف ایک ایسی نعمت آپ کو دی گئی جس کے علوم عالیہ اور حقہ کے سامنے کسی اور علم کی ہستی ہی کچھ نہیں جو انسان ذرا سی سمجھ اور فکر کے ساتھ قرآن کریم کو پڑھیگا اُس کو معلوم ہو جاویگا کہ دُنیا کے تمام فلسفے اور علوم اُس کے سامنے ہیچ ہیں۔ اور سب حکیم اور فلاسفر اس سے بہت پیچھے رہ گئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پیشتر دو عظیم الشان نبی گذرے ہیں ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام دوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مگر ان دونوں کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ ان میں سے کسی کی نسبت نبی اُمّی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا گیا۔ یہ تحدی اور دعویٰ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہوا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نورًا نھدی بہٖ من نشاء من عبادنا الی الاٰیتہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو گویا شاہزادوں کی طرح تعلیم پائی تھی۔ اور فرعون کی گود میں شاہانہ نشوونما پایا اُن کے لئے اتالیق مقرر کئے گئے۔ کیونکہ اُس زمانہ میں بھی اتالیق مقرر ہوتے تھے۔ اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نقرنہ ملتا تو گویا فرعون کے بعد گدی نشین آپ ہی تھے۔ اور اگر خدا کا فضل نہ ہوتا تو نعوذ باللہ آپ کو فرعون بھی بننا تھا +

یاد رہے کہ فرعون کا لفظ بُرا نہیں۔ اصل میں شاہان مصر کا یہ لقب تھا جس طرح پر قیصر و کسریٰ شاہان رُوم و ایران کا لقب تھا اور جس طرح پر آج زار رُوس اور سُلطان رُوم کا لقب ہے میرا مطلب اس بیان سے صرف یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ یہ دوسرا سلسلہ نہ شروع کر دیتا تو ضرور تھا کہ وہی تخت نشین ہوتے اور یہ بھی سچی بات ہے۔ کہ گو موسیٰ کی ماں کو بھی ایک درد اور دُکھ پہنچا تھا۔ کہ جیتی جان کو دریا میں ڈالا لیکن اُس کی راحت اور مسرت کی کیا انتہا ہو سکتی ہے۔ جبکہ خود خدا تعالےٰ نے موسیٰ کی واپسی کا اسکو وعدہ دیا تھا۔ الغرض موسیٰ کی تعلیم تو یُوں شاہانہ رنگ میں ہوئی +

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم بھی باقاعدہ ہُوئی۔ میرے پاس ایک یہُودی مُصنّف کی کتاب ہے اُس نے صاف اور واضح طور پر لکھا ہے۔ بلکہ مسیح کے اُستاد کا نام تک بتایا ہے۔ اور پھر زد بھی کی ہے کہ اُسی وقت سے توریت اور صحف انبیاء کے مضامین پسند آئے تھے اور جو کچھ انجیل میں ہے

صُحفِ انبیاءسے زائد نہیں۔ اُس نے بتلایا ہے کہ ایک مُدّت دراز تک وہ یہود کے شاگرد رہے تھے۔ مگر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت کسی یہودی نصاریٰ ہندی سے پُوچھو کہ آپ نے بھی کہیں تعلیم پائی تھی۔ تو وہ صاف کہیگا کہ ہرگز نہیں!!! کتنی بڑی ربُوبیّت کا مظہر ہے۔ انسان جب بچپن کی حالت سے آگے نکلتا ہے جو بلُوغ سے پہلے ہے تو عام طور پر مکتب میں بٹھا دیا جاتا ہے یہ پہلا قدم ہوتا ہے۔ مگر آپ کی زندگی کا پہلا قدم ہی گویا اعجاز تھا۔ چونکہ آپ کو خاتم الانبیاء ٹھیرایا تھا۔ اِسلئے آپکے وجُود میں حرکات و سکنات میں بھی اعجاز رکھ دیئے تھے آپکی طرز زندگی کہ ا۔ ب تک نہیں پڑھا اور قرآن جیسی بینظیر نعمت لائے اور ایسا عظیم الشان معجزہ اُمّت کو دیا۔ پہلے نبی آئے اور ایک خاص وقت تک دُنیا میں رہکر چلدیئے۔ اور دین بھی کالعدم ہوگیا اور خدا کو اُن کا محو کرنا ہی منظور تھا۔ مگر اس دین کے اظلال و آثار کا قیام منظور تھا۔ اور چُونکہ کوئی دین معجزات کے بدوں رہ نہیں سکتا ورنہ چند روز تک سماعی باتوں پر یقین رہتا ہے پھر کہدیتے ہیں۔ کہ ایسے جہان میں آتے اگلا کن ٹوٹھا اسلئے خدا نے چاہا کہ اسلام کے ساتھ زندہ معجزہ ہو کس قوت اور تحدّی اور تعیین سے بتایا گیا تھا۔ اور اس ذریعہ سے اسلام کا نُور ابد تک درخشاں رہے۔ چنانچہ اس زندہ نُور کی تصدیق کے لیئے اِس زمانہ میں ہی دیکھو کہ لیکھرام کے قتل ہونے سے پیشتر کہ وہ چھ سال کے اندر ہلاک ہو جاویگا غور کرو کہ وقت۔ مُدّت۔ صُورتِ موت کا بتادینا کیا انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔ اور پھر وہ اُسی طرح مارا گیا جیسا کہ دعویٰ کیا گیا تھا جب یہ پیشگوئی کی گئی تھوڑے ہی عرصہ میں کروڑ ہا انسانوں میں مشہور ہوگئی۔ ہندو مسلمان۔ عیسائی سکھ ہر قوم و مذہب کے لوگ اس سے واقف ہو گئے یہاں تک کہ عام بازاری لوگوں سے لیکر گورنمنٹ تک کو اطلاع ہوگئی۔ اور خود آریوں نے بڑے زور و شور کے ساتھ اس کو مشتہر کیا۔ اور جہاں لیکھرام خود جاتا اِس پیشگوئی کا ذکر کرتا اور شُہرت دیتا۔ اور جب پیشگوئی پُوری ہوئی تو ایک عام شور برپا ہوگیا یہاں تک کہ ہماری بھی خانہ تلاشی ہُوئی۔ تاکہ اس کی صداقت اور شہرت اس خاص ذریعہ سے اَور بھی ہو۔ اور یہ نشان ہمیشہ صفحۂ دہر پر ثبت رہے پھر مقدمات کے دوران میں سرکاری کاغذات و مثلوں میں اس پیشگوئی کے متعلّق بیانات اور کاغذات درج اور شامل ہُوئے الغرض ایسا عظیم الشان نشان ہے جس کی نظیر کوئی قوم دکھلا نہیں سکتی۔ کیا کسی انسانی طاقت اور فراست کا کام ہے۔ کہ وہ کسی کی نسبت چار دن کی خبر بھی دے کہ فلاں وقت پر فلاں موت سے مرجاویگا۔ مگر یہاں چھ سال پہلے وقت صُورتِ موت وغیرہ سے اطلاع دیگئی۔ حالانکہ وہ تیس برس کا ایک مضبوط جوان آدمی تھا۔ اور اُس نے بھی تو میری نسبت کہا تھا۔ کہ میں تین سال کے اندر ہیضہ سے

مرجاؤنگا۔ اور میں اس کی نسبت عمر میں بہت بڑا اور ضعیف اور قریباً دائم المریض تھا مگر خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھ کی چمکار دکھلائی اور اُسکو ہلاک کر کے اپنے سچے دین کی صداقت پر مُہر کر دی +

اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو آریہ کہلاتے ہیں اصلاً خدا کو پہچانتے ہی نہیں۔ پھر اُن میں خدا شناسی اور خدا بینی اور خدا نمائی کی قوت کیونکر پیدا ہو۔ اُن کا تو پہلا قدم ہی غلط ہے۔ اُن کے نزدیک تو مرنا جینا عورت یا مرد ہونا بکری یا بیل بننا یہ سب کچھ شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔ جب کہ یہ جنم اور اشیاء اعمال ہی کا نتیجہ ہیں تو پھر خدا کیا۔ اور اُس کے وجود کے اثبات کے لئے نئے نئے نشان اور معجزات کیا اور ان کی ضرورت ہی کیا رہی۔ ان کا مذہب ہے کہ خدا پیدا کرنے والا نہیں بلکہ صرف جوڑنے جاڑنے والا ہے جیسے معمار یا کمہار ہوتے ہیں۔ مادہ موجود تھا ارواح بھی اتفاق سے موجود تھیں پرمیشر نے جھٹ جوڑ جاڑ کر مخلوق بنالی۔ نعوذ باللہ۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ جب کہ ارواح اور ذرّات قدیم سے موجود ہیں تو اس پر کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ جوڑنا جاڑنا پرمیشر کے بدوں نہو۔ بلکہ طبعی طور پر دلیل تو یہ ملتی ہے کہ اشیاء کو طبعی طور پر تجاذب کی طرف میلان ہوتا ہے۔ اگر یہ تجاذب اور کشش نہ ہو تو نہ اینٹ بن سکے اور نہ مکان رہ سکے اور نہ کوئی اور چیز دنیا میں موجود بوجود رہ سکے۔ پس جبکہ آریہ لوگوں کے عقیدہ کے موافق رُوح اور مادّہ قدیم سے ہیں۔ اور طبعیات سے دلیل ملتی ہے کہ یہ تجاذب کا خاصہ تو ہم آریوں کو پرمیشر سے تو فراغت اور صفت ہو گئی۔ اب آریہ کے پاس پرمیشر کے ہونے کا کیا ثبوت اور نشان ہے۔ ایک طرف تو یہ ناپاکی ہے۔ کہ خدا ہی کا پتہ نہیں۔ چہ جائیکہ خدا بینی اور خدا نمائی کی راہیں بیان کر سکیں پھر یہ ظلم عظیم کہ ہر قسم کی چیزوں میں رُوحیں اعمال کا بدلہ پانے کیلئے آتی ہیں۔ کبھی سُور بنتے ہیں کبھی کُتّا کبھی بلی وغیرہ۔ اس پر سوال ہوتا ہے۔ اگر کسی کی ماں مرجاوے جبکہ وہ ابھی بچہ ہی ننھا اور اُس نے کسی دوسری جگہ پر جنم لیا۔ اور جب دونوں بلوغ کو پہنچے۔ اور باہم ناطہ رشتہ ہو کر بیاہ ہو گیا۔ اور ہمبستری ہو کر اولاد کا سلسلہ چلا۔ اس سے تو بڑی بے شرمی اور پرلے درجہ کی بیحیائی کی بُنیاد پڑی۔ اور نہایت قابلِ شرم مذہب یہ مذہب ٹھیر گیا۔ پرمیشر نے کوئی فہرست تو دی نہیں کہ اس قسم کے نشان سے ماں بہن شناخت ہو جائے گی۔ اور حق تو یہ تھا کہ وید کے ذمہ یہ فرض تھا کہ جہاں اس نے یہ پاکیزگی اور اخلاق کی جڑ کاٹنے والا مسئلہ ایجاد کیا تھا اگر اُسے کوئی سُوجھ اور سوچ بچار کی طاقت ہوتی تو ساتھ ہی علامات بھی بیان کر دیتا جس سے ایسے رشتوں سے اجتناب کرنے کی کلید آریوں کے ہاتھ میں آجاتی۔ مگر ضروری تھا۔ کہ وید کی تعلیم کی پیشانی پر

نقص کا داغ لگا رہنا تو کہ ہر زمانہ میں تدبّر کرنیوالے اس کے بطلان میں پے لیجا سکیں ایک طرف تو یہ حال کہ نانی اور نانی کی بھی پڑنانی تک کے رشتہ میں ناطہ نہیں کرتے اور ہم لوگوں میں جو چچا یا ماموں کی بیٹی سے رشتہ کرتے ہیں اس پر اعتراض کرتے ہیں مگر دوسری طرف آپ ماں بہن کے بیاہ لانے پر کوئی دلیل نہیں دیتے۔ یا تو ہزاروں کوس چلے گئے۔ یا ماں بہن کو بھی بیاہ لائے۔ کسی قوم میں ایسا اندھیر نہیں افسوس ان کے پرمیشر نے ان کو ناپاکی میں توڈالدیا اور پھر کوئی فہرست بھی نہ دی اور نہ بتایا کہ فلاں گدھے یا بیل سے کام نہ لینا یہ تیرے فلاں رشتہ دار ہیں۔ اور فلاں فلاں علامت والی عورت سے رشتہ نہ کرنا کہ وہ تیری حقیقی ماں یا دادی یا خالہ یا بہن یا بھتیجی جنم لے کر دوبارہ آئی ہے۔ اصل میں یہ لوگ تو معذور ہیں۔ یہ سارا ظلم تو پرمیشر کی گردن پر ہے۔ جس نے فہرست نہ دی +

پھر تیسری ناپاکی جو ویدوں کی تعلیم کا عرق اور گل سرسبد بتائی گئی ہے نیوگ ہے جس کی تفسیر یہ ہے کہ ایک عورت جیتے جاگتے خاوند کے رُوبرُو گیارہ آدمیوں سے ہمبستر ہو سکتی ہے۔ اگر مرد و عورت جوان ہوں اور چند سال شادی پر گذر جاویں اور اولاد نہ ہو تو دوسرے کا نطفہ لینے کے لئے عورت اس سے ہمبستر ہو اس لئے کہ بدوں اولاد کے سُرگ کا ملنا محال ہے۔ اور دیوث شوہر کو لازم ہے کہ بیرج داتا کے لئے عمدہ معجونات اور لطیف مقویات طیار کرائے تاکہ وہ تھک نہ جاوے اور کوئی ضُعف اُسے لاحق نہ ہو جاوئے۔ اور وید کی رُو سے بستر رضائی۔ اور چارپائی سب اُسی کی ہو اور غذا بھی اُسی کی کھاوے۔ اور نصف بچے بھی لے لیوے۔ سوچو یہ کیسا خاوند ہے کہ ایک کوٹھڑی میں آپ دیوث ہے اور دوسری کوٹھڑی میں اُسکی بیاہتا بیوی غیر مرد سے مُنہ کالا کرا رہی ہے۔ اور یہ اُن کی حرکات کی آوازیں سُنتا ہے اور دل میں خوش ہو رہا ہے۔ کہ اب اس پانی سے اُس کی اُمید کا کھیت ہرا بھرا ہو جائیگا۔ حیف ہے ایسے مذہب پر!! اے خدا یہ وہ ظلم! عزت و آبرو پر یہ ظلم!! وید جیسے مذہب کی اجازت دیتا ہے کہ ناپاک سے ناپاک آدمی بھی اُن کے ارتکاب سے شرم کرتے ہیں۔ دیانند نے لکھا ہے کہ یہ شبھ کرم یعنی مبارک کام بیچ میں ترک ہو گیا تھا۔ اب آریہ ورت کے آریہ جاری کریں کہ اس میں ثواب ملتا ہے ہم کو ضرورت نہیں کہ اسکو طول دیں۔ آریوں کی کُتب مذہبی اور معتقدات کو کوئی دیکھے اور خود اُن ہی بزرگوں سے پوچھ دیکھے۔ اُمید ہے کہ بڑے فخر سے اس فعل عجیب کی خوبیاں بیان کرینگے +

ان تمام تعلیمات و عقائد کی خوب چھان بین کر کے اسلام کی ضرورت اور عزت محسوس ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کے عظیم فضل کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اُس نے اسلام کو ایسے ناپاک عقیدوں سے

پاک رکھا اور اُس کی تعلیم کے ہر شعبہ میں کمال اور اعجاز کا جلوہ دکھایا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں قصاص پر بڑا زور تھا۔ کہ دانت کے بدلے دانت۔ کان کے بدلے کان۔ آنکھ کے بدلے آنکھ ہو اور مسیح علیہ السلام کی تعلیم میں اس بات پر زور تھا کہ بدی کا مقابلہ نہ کیا جاوے۔ اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسری بھی پھیر دے۔ کوئی ایک کوس بیگار لے جاوے تو دو کوس چلا جاوے۔ کُرتا مانگے تو چادر بھی دیدے وغیرہ وغیرہ اب ہم کو دکھلاؤ کہ کیا کوئی پادری ہمّت عمل بھی کرتا ہے۔ کوئی کسی پادری کے مُنہ پر طمانچہ مار کر تو دیکھ لے۔ یقیناً دوسرا گال پھیرنے کے بجائے کچہری میں گھسیٹ کر لیجائیگا۔ اور ہر قسم کے جھوٹے اور فریب سے سزا دلوانے کی فکر کریگا۔ مگر اسلام نے یہ تعلیم نہیں دی۔ بلکہ وہ پاک تعلیم دی جو دُنیا کی جان ہے! اور انسان فطرۃً اس پر عمل کرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا و من عفا و اصلح فاجرہ علی اللہ۔ یعنی بدی کی جزا اُسی قدر بدی ہے۔ لیکن اگر کوئی عفو کرے۔ مگر وہ عفو بے محل نہ ہو بلکہ اس عفو سے صلاح مقصود ہو تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ مثلاً اگر چور کو چھوڑ دیا جاوے تو وہ دلیر ہو کر ڈاکہ زنی کریگا! اس کو سزا ہی دینی چاہئے لیکن اگر دو نوکر ہوں اور ایک اُن میں سے ایسا ہو کہ ذرا سی چشم نمائی ہی اُسکو شرمندہ کر دیتی اور اُسکی اصلاح کا موجب ہوتی ہے۔ تو اُس کو سخت سزا مناسب نہیں۔ مگر دوسرا عمداً شرارت کرتا ہے اُسکو عفو کریں تو بگڑتا ہے اُسکو سزا ہی دی جاوے تو بتاؤ کہ مناسب حکم وہ ہے جو قرآن حکیم نے دیا ہے یا وہ جو انجیل پیش کرتی ہے؟ قانون قدرت کیا چاہتا ہے؟ وہ تقسیم اور رویت محل چاہتا ہے۔ یہ تعلیم کہ عفو سے اصلاح مدّنظر ہو ایسی تعلیم ہے جس کی نظیر نہیں اور اسی پر آخر متمدن انسان کو چلنا پڑتا ہے۔ اور یہی تعلیم ہے۔ جس پر عمل کرنے سے انسان میں قوت اجتہاد اور تدبر اور فراست بڑھتی ہے گویا یوں کہا گیا ہے۔ کہ ہر طرح کی شہادت سے دیکھو! اور فراست سے غور کرو۔ اگر عفو سے فائدہ ہو تو معاف کرو لیکن اگر خبیث اور شریر ہے تو پھر جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا پر عمل کرو۔ اسی طرح پر اسلام کی دوسری پاک تعلیمات ہیں جو ہر زمانہ میں روز روشن کی طرح ظاہر ہیں آفتاب پر بھی کسی وقت بادل آجاتا ہے۔ اور بظاہر ایک قسم کا دُھندلا سا نظر آتا ہے لیکن اسلام کا چہرہ اس سے بھی مصفا ہے عدم معرفت نے لوگوں کو اندھا کر دیا ہے۔ اور بغض کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اسلئے موتیا بند کی حالت سے بھی گئے گذرے ہیں پھر کیا فیصلہ کریں +

جس قدر مذہب دُنیا میں موجود ہیں سب کے سب بے برکت اور بے نُور اور مُردہ ہیں اور پاک تعلیم سے

نے بہرہ محض ہیں ہندوؤں نے مذہب کا وہ نمونہ دکھایا عیسائیوں نے یہ نمونہ دکھایا کہ ایک عاجز بندہ کو خدا بنا دیا جس نے یہودیوں جیسی تباہ حال قوم سے جو ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ کی مصداق تھی ماریں کھائیں اور آخر **صلیب** پر لٹکایا گیا۔ اور اُن کے عقیدہ کے موافق ملعون ہو کر ایلی ایلی لما سبقتانی کہتے ہوئے جان دیدی۔ غور تو کرو۔ کیا ایسی صفات والا کبھی خدا ہو سکتا ہے وہ تو خدا پرست بھی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ وہ خود خدا ہو۔ عیسائی دکھاتے ہیں کہ اُسکی وہ ساری رات کی پُرسوز دُعا محض بے اثر گئی۔ اس سے زیادہ بے برکتی کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے اور اس سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ وہ دوسروں کے لئے شفیع ہو سکتا ہے ہم کو یاد نہیں کہ دو گھنٹے بھی دُعا کے لیئے ملے ہوں اور وہ دُعا قبول نہ ہوئی ہو۔ **ابن اللہ بلکہ خود خدا** کا معاذ اللہ یہ حال ہے کہ ساری رات رو رو کر چلّا چلّا کر خود بھی دعا کرتا رہا۔ اور دوسروں سے بھی دُعا کراتا رہا۔ اور کہتا رہا۔ کہ اے خدا تیرے آگے کوئی چیز اَن ہونی نہیں۔ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ ٹل جائے۔ مگر وہ دُعا قبول ہی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی کہے کہ وہ کفارہ ہونے کے واسطے آئے تھے اسلیئے یہ دُعا قبول نہیں ہوئی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب اُن کو معلوم تھا کہ وہ کفّارہ کیلئے آئے ہیں۔ پھر اس قدر بُزدلی کے کیا معنے ہیں۔ اگر ایک افسر طاعون کی ڈیوٹی پر بھیجا جائے۔ اور وہ کہدے کہ یہاں خطرہ کا محل ہے مجھے فلاں جگہ بھیجدو تو کیا وہ احمق نہ سمجھا جائیگا جبکہ مسیح کو معلوم تھا کہ وہ صرف **کفارہ** ہی ہونے کو بھیجے گئے ہیں تو اس قدر لمبی دُعاؤں کی کیا ضرورت تھی؟ ابھی کیا کفارہ زیر تجویز امر تھا یا ایک مقرر شدہ امر تھا۔ غرض ایک داغ ہو دو داغ ہوں۔ جس پر بیشمار داغ ہوں کیا وہ خدا ہو سکتا ہے؟؟ خدا تو کیا وہ عظیم الشان انسان بھی نہیں ہو سکتا!!! یہودی بیچارے خود ضربت علیہم الذلۃ کے مصداق اُن کی وہ حالت تھی کہ صورت بیں حالش مپرس دُنیا پرستی کے سوا کچھ جانتے ہی نہیں ہمارے یہاں ایک اسرائیلی محمد سلیمان مسلمان ہوا ہے اس سے پُوچھو یہودیوں نے کھانے پینے کے سوا اور کوئی مقصود ہی نہیں رکھا۔ خدا کی قُدرت ہے۔ جب ضربت علیہم الذلۃ کی حالت آئی تو وہ افعال بھی آگئے جو ذِلّت کے جالب اور ذلت کے نتائج تھے۔ اگر وہ تائب ہو جاتے تو پھر ضربت کیونکر صادق آتا اس پیشگوئی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شامت اعمال اُن کے گلے کا ہار ہی رہیگی۔ مرد صالح کے ساتھ ذلت اور بے رزقی نہیں ہوتی۔ خدا کا نام عزیز ہے۔ خدا بین ہو کر زندگی بسر کرنیوالا ذلیل ہو نہیں سکتا یہودیوں کی زندگی اگر ناپاکیوں کا

مجموعہ نہ تھی تو پھر ضربت علیھم الذلّۃ کی مار اُن پر کیونکر پڑتی۔ اس پر خوب غور کرو۔ اسکے اندر یہ مخفی اسرار ہیں۔ اور پتہ ملتا ہے کہ یہودی قوم کے اطوار بگڑ جاوینگے +

اب ان مذاہب پر نظر ڈالکر صدق دل سے بتاؤ کہ کیا اسلام کے سوا کوئی اَور طریق ہے جس سے تمہارے دل ٹھنڈے ہو سکتے ہیں۔ کیا ضربت علیھم الذلّۃ کے مصداق یہودیوں سے کوئی روشنی اور نور پا سکتے ہو کیا ایسے عیسائی جو ایک عاجز کمزور۔ ناتواں نامراد انسان کو خدا بناتے ہیں کوئی کامیابی کسی کو دے سکتے ہیں۔ جس کی اپنی ساری رات کی دُعائیں اکارت اور بے سُود گئی ہوں۔ وہ دوسروں کی دُعاؤں پر کون سے ثمرات مُترتّب کرسکتا ہے۔ جو خود ایلی ایلی لما سبقتنی کہہ کر اقرار کرتا ہے کہ خدا نے اُسے چھوڑ دیا وہ دوسروں کو کب خدا سے ملا سکتا ہے!! دیکھو اور غور سے سُنو یہ صرف اسلام ہی ہے جو اپنے اندر برکات رکھتا ہے۔ اور انسان کو مایوس اور نامراد ہونے نہیں دیتا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں اُس کے برکات اور زندگی اور صداقت کے لئے نمونہ کے طور پر کھڑا ہوں!!! کوئی عیسائی نہیں جو یہ دکھا سکے کہ اُس کا کوئی تعلّق آسمان سے ہے وہ نشانات جو ایمان کے نشان ہیں اور مومن عیسائی کے لئے مقرر ہیں کہ اگر پہاڑ کو کہیں تو جگہ سے ٹل جاوے۔ اب پہاڑ تو پہاڑ کوئی عیسائی نہیں جو ایک اُلٹی ہُوئی جوتی کو سیدھی کر دکھائے۔ مگر میں نے اپنے پُرزور نشانوں سے دکھایا ہے اور صاف صاف دکھایا ہے کہ زندہ برکات اور زندہ نشانات صرف اسلام کیلئے ہیں۔ میں نے بیشمار اشتہار دیئے ہیں۔ اور ایک مرتبہ سولہ ہزار اشتہار شائع کیئے اب لوگونکے ہاتھ میں بعد اسکے کچھ نہیں کہ جھوٹے مُقدّمات کیئے اور قتل کے الزام دیئے اور اپنی طرف سے ہمارے ذلیل کرنے کے منصوبے گانٹھے مگر عزیز خدا کا بندہ ذلیل کیونکر ہو سکتا ہے۔ جس میں ان لوگوں نے ہماری ذلت چاہی اُسی ذلت سے ہمارے لئے عزّت نکلی وذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء دیکھو اگر کلارک کا مُقدّمہ نہ ہوتا تو ابراء کا الہام کیونکر پُورا ہوتا جو مقدمہ سے بھی پہلے سیکڑوں انسانوں میں شائع ہو چکا تھا۔ یہ اسلام ہی ہے جس کے ساتھ معجزات اور ثبوت ہیں اسلام دوسرے چراغ کا محتاج نہیں۔ بلکہ خود ہی چراغ ہے اور اس کے ثبوت ایسے اجلے بدیہات ہیں کہ ان کا نمونہ کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا غرض اسلام کی کوئی تعلیم

ایسی نہ ہوگی جس کا نمونہ موجود نہ ہو ئیں نے سورۃ الفاتحہ (جس کو ام الکتاب اور مثانی
بھی کہتے ہیں۔ اور جو قرآن شریف کی عکسی تصویر اور خلاصہ ہے) کے صفات اربعہ میں دکھانا چاہا ہے
کہ وہ چاروں نمونے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں موجُود ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے رسول کریم
صلے اللہ علیہ وسلم کے وجُود میں ان صفات اربعہ کا نمونہ دکھایا۔ گویا وہ صفات دعویٰ تھیں
اور رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا وجُود بطور دلیل کے ہے چنانچہ رُبوبیت کا آپ کے وجُود میں کیسا
ثبوت دیا کہ مکہ کے جنگلوں کا سرگردان اور دس برس تک حیران پھرنے والا جس کے لئے کوئی
راہ کھلی نظر نہ آتی تھی اُس کی تربیت کی کس کو خیال تھا کہ اسلام رُوئے زمین پر پھیلجائے گا
اور اُس کے ماننے والے ۹۰ کروڑ تک پہنچیں گے۔ مگر آج دیکھو کہ دُنیا کا کوئی آباد قطعہ ایسا
نہیں جہاں مسلمان نہیں۔ پھر الرحمٰن کی صفت کو دیکھو جس کا منشا یہ ہے کہ عمل کے بدُون
کامیابی اور ضرورتوں کے سامان بہم پہنچائے۔ کیسی رحمانیت تھی کہ آپ کے آنے سے پیشتر
ہی استعدادیں پیدا کردیں۔ عمر رضی اللہ عنہ بچوں کی طرح کھیلتا تھا ابو بکر رضی اللہ عنہ جو کافروں
کے گھر میں پیدا ہؤا تھا اور ایسا ہی اور بہت سے صحابہ آپ کے ساتھ ہو گئے۔ گویا اُن کو آپ کے
لیے رحمانیت الٰہی نے پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا۔ اور اس قدر اُمور رحمانیت کے اسلام کے ساتھ
ہیں۔ کہ ہم اُن کو مفصّل بیان بھی نہیں کر سکتے۔ اُمیّت رحمانیّت کو چاہتی ہے اور نبی کریم صلے اللہ
علیہ وسلم کی نسبت فرمایا۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً رحمانیت کا منشا
اِس ضرب المثل سے خوب ظاہر ہے۔ کرنے کرانے اور اُٹھانے والا ساتھ رے۔ اور یہ ظہور
اسلام کے ساتھ ہؤا اسلام گویا خدا کی گود میں بچہ ہے اس کا سارا کام کاج سنوارنے والا اور
اسکے سارے لوازم بہم پہنچانے والا خود خُدا ہے کسی مخلوق کا بار احسان اُس کی گردن پر نہیں۔
اسی طرح رحیم جو محنتوں کو ضائع نہ کرے اُس کے خلاف یہ ہے کہ محنت کرتا ہے۔ اور ناکام رہے
رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رحیمیت کا اظہار دیکھو کیسے واضح طور پر ہؤا کوئی لڑائی
ایسی نہیں جس میں فتح نہ پائی ہو تھوڑا کام کر کے بہت اجر پایا ہے بجلی کے کوندنے کی طرح فتوحات
چمکیں۔ فتوحات الشام۔ فتوحات المصری دیکھو صفحۂ تاریخ میں کوئی ایسا انسان نہیں جس نے
صحیح معنوں میں کامیابیاں پائی ہوں جیسے کامیابیاں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ملیں
پھر ملک یوم الدین جزا و سزا کا مالک اچھے کام کرنیوالوں کو جزا دیجاوے۔ اگرچہ کامل طور پر
یہ آخرت کے لیئے ہے۔ اور سب قومیں جزاء و سزا کو آخرت ہی پر ڈالتی ہیں۔ مگر خدا نے اس کا

نمونہ اسلام کے لئے اس دُنیا میں رکھا ابوبکر رضی اللہ عنہ جو دوپہر کی دُھوپ میں گھر بار مال ومتاع چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور جس نے ساری جائداد کو دیکھ کر کہدیا کہ برباد شد برباد شد سب سے انقطاع کر کے ساتھ ہی ہو لیا تھا اس نے یہ مزہ پایا کہ آپ کے بعد سب سے پہلا خلیفہ بلافصل یہی ہوا حضرت عمرؓ جو صدق اخلاص سے بھر گئے تھے اُنہوں نے یہ مزہ پایا۔ کہ اُن کے بعد خلیفہ ثانی ہوئے۔ غرض اسی طرح پر ہر ایک صحابی نے پُوری عزت پائی قیصر وکسرے کے اموال اور شاہزادیاں اُن کے ہاتھ آئیں لکھا ہے۔ ایک صحابی کسرے کے دربار میں گیا ملازمان کسرے نے سونے چاندی کی کُرسیاں بچھوا دیں اور اپنی شان وشوکت دکھائی اُس نے کہا کہ ہم اس مال کے ساتھ فریفتہ نہیں ہوئے۔ ہم کو تو وعدہ دیا گیا ہے کہ کسریٰ کے کڑے بھی ہمارے ہاتھ آجائیں گے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کڑے ایک صحابی کو پہنا دیئے۔ تاکہ وہ پیشگوئی پوری ہو ✦

مذہب اسلام چونکہ اعتدال پر واقع ہوا ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے تعلیم یہی دی ہے۔ اور **مغضوب** اور ضالین سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ایک سچا مسلمان نہ مغضوب ہو سکتا ہے نہ ضالین کے زمرہ میں شامل ہو سکتا ہے مغضوب وہ قوم ہے جس پر خدا تعالیٰ کا غضب بھڑکا۔ چونکہ وہ خود غضب کرنے والے تھے اسلئے خدا کے غضب کو کھینچ لائے۔ اور وہ یہودی ہیں اور ضال سے مُراد عیسائی ہیں ✦

غضب کی کیفیت قوت سبعی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور ضلالت بھی قوت سے پیدا ہوتی ہے وہمی قُوّت حد سے زیادہ محبت سے پیدا ہوتی ہے بیجا محبت والا انسان بہک جاتا ہے حبک الشئ یعمی ویصم اس کا مبدء اور منشاء قوت وہمی ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ چادر کو بیل سمجھتا ہے اور رسّی کو سانپ بناتا ہے یہی وجہ ہے کہ کسی شاعر نے اپنا معشوق ایسا قرار نہیں دیا جو دوسروں سے بڑھ کر نہ ہو ہر ایک کے واہمہ نے نئی تصویر ایجاد کی ✦

قوت سبعی میں جوش ہو کر انسان جادۂ اعتدال سے نکل جاتا ہے۔ چنانچہ غضب کی حالت میں درندہ کا جوش بڑھ جاتا ہے مثلاً کُتا پہلے آہستہ آہستہ بھونکتا ہے پھر کوٹھہ سر پر اُٹھا لیتا ہے آخر کار درندے طیش میں آکر نوچتے اور پھاڑ کھاتے ہیں یہُود نے بھی اسیطرح ظلم وتعدّی کی بُری عادتیں اختیار کیں۔ اور غضب کو حد تک پہنچا دیا۔ آخر خود مغضوب ہو گئے۔ قوت وہمی کا جب ستیلا ہوتا ہے تو انسان رسّی کو سانپ بناتا ہے۔ اور درخت کو ہاتھی بتلاتا ہے۔ اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ یہ قُوت عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے اسی اسلئے عیسائی مذہب

اور بُت پرستی کا بڑا سہارا عورتیں ہیں۔ غرض اسلام نے جادۂ اعتدال پر رہنے کی تعلیم دی جس کا نام الصراط المستقیم ہے ٭

مَیں اب چند فقرے عربی میں سُناؤں گا۔ کیونکہ مجھے خدا تعالےٰ نے مجمع میں کچھ عربی فقرے بولنے کا حکم دیا تھا۔ پہلے میں نے خیال کیا کہ شاید کوئی اور مجمع ہوگا جسمیں یہ خدا کی بات پُوری ہو مگر خدا تعالےٰ مولوی عبدالکریم صاحب کو جزائے خیر دے کہ اُنہوں نے تحریک کی۔ اور اس تحریک سے زبردست قوّت دل میں پیدا ہوئی۔ اور اُمید ہے کہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ اور نشان آج پُورا ہو ٭

حضرت اقدس نے یہ خطبہ یہاں تک فرمایا تھا اور قریب تھا کہ عربی خطبہ شروع کر دیتے کہ حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کیا کہ حضور! کچھ جماعت کے باہمی اتّفاق و محبّت پر بھی فرمایا جاوے۔ اس پر حضرت اقدس نے پھر مندرجہ ذیل تقریر کی[1]

مختصر تقریر باہمی خُلت و اخوت پر

جماعت کے باہم اتفاق و محبت پر میں پہلے بہت دفعہ کہہ چکا ہوں کہ تم باہم اتفاق رکھو اور اجتماع کرو۔ خدا تعالےٰ نے مسلمانوں کو یہی تعلیم دی تھی کہ تم وجُودِ واحد رکھو ورنہ ہَوا نکل جائیگی۔ نماز میں ایکدوسرے کے ساتھ جُڑ کر کھڑا ہونے کا حکم اسی لیئے ہے۔ کہ باہم اتحاد ہو برقی طاقت کی طرح ایک کی خیر دوسرے میں سرایت کریگی۔ اگر اختلاف ہو اور اتحاد نہ ہو تو بے نصیب رہو گے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپس میں محبت کرو اور ایک دوسرے کے لیئے غائبانہ دُعا کرو۔ اگر ایک شخص غائبانہ دُعا کرے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے لیئے بھی ایسا ہی ہو کیسی اعلیٰ درجہ کی بات ہے اگر انسان کی دُعا منظور نہ ہو تو فرشتہ کی تو منظور ہوتی ہے۔ مَیں نصیحت کرتا ہوں اور کہنا چاہتا ہوں کہ آپس میں اختلاف نہ ہو۔ مَیں دو ہی مسئلے لے کر آیا ہوں۔ اوّل خُدا کی توحید اختیار کرو۔ دوسرے آپس میں محبّت اور ہمدردی ظاہر کرو۔ وہ نمونہ دکھاؤ کہ غیروں کے لیئے کرامت ہو۔ یہی دلیل تھی جو صحابہ میں پیدا ہوئی تھی کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم۔ یاد رکھو تالیف ایک اعجاز ہے۔ یاد رکھو جب تک تم میں ہر ایک ایسا نہ ہو کہ جو اپنے لیئے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیئے پسند کرے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ وہ مصیبت اور بلا میں ہے اُس کا انجام اچھا نہیں۔ مَیں ایک کتاب بنانے والا ہوں اُسمیں ایسے تمام لوگ الگ کر دیئے جائیں گے جو اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ کسی بازیگر نے دس گز کی چھلانگ ماری ہے دوسرا اُس پر بحث کرنے بیٹھتا ہے اور اس طرح پر کینہ کا وجود پیدا ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو بعض کا جُدا ہونا مہدی کی علامت ہے اور کیا وہ علامت پُوری نہ ہوگی وہ ضرور ہوگی تم کیوں صبر نہیں کرتے

جماعت میں باہمی اتفاق و محبت کی ضرورت

[1] تاریخ تقریر و خطبہ ۱۱۔ اپریل سنہ ۱۹۰۰ء یوم عید اضحیٰ ٭

جیسے طبی مسئلہ ہے کہ جب تک بعض امراض کا قلع قمع نہ کیا جاوے مرض دفعہ نہیں ہوتا میرے وجود سے انشاء اللہ ایک صالح جماعت پیدا ہوگی باہمی عداوت کا سبب کیا ہے بخل ہے۔ رعونت ہے۔ خودپسندی ہے اور جذبات ہیں۔ میں نے بتلایا ہے۔ کہ میں عنقریب ایک کتاب لکھونگا اور ایسے تمام لوگوں کو جماعت سے الگ کر دونگا جو اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے۔ اور باہم محبت اور اخوت سے نہیں رہ سکتے جو ایسے ہیں وہ یاد رکھیں کہ وہ چندروزہ مہمان ہیں۔ جب تک کہ عمدہ نمونہ نہ دکھائیں میں کسی کے سبب سے اپنے اُوپر اعتراض لینا نہیں چاہتا۔ ایسا شخص جو میری جماعت میں ہو کر میرے منشاء کے موافق نہ ہو وہ خشک ٹہنی ہے اُس کو اگر باغبان کاٹے نہیں تو کیا کرے۔ خشک ٹہنی دوسری سبز شاخ کے ساتھ رہ کر پانی تو چوستی ہے مگر وہ اُس کو سرسبز نہیں کر سکتی۔ بلکہ وہ شاخ دوسری کو بھی لے بیٹھتی ہے۔ پس ڈرو میرے ساتھ وہ نہ رہے گا جو اپنا علاج نہ کرے گا۔ چونکہ یہ سب باتیں میں کتاب میں مفصل لکھوں گا۔ اس لئے اب میں چند عربی فقرے کہہ کر فرض ادا کرتا ہوں٭ +

دو انگریزوں کا قتل اور حضرت اقدس[1]

علاقہ پشاور میں ان دنوں کسی سفاک پٹھان نے دو بیگناہ انگریزوں کو قتل کر دیا ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے ایک مجمع میں فرمایا:-

یہ جو دو انگریزوں کو مار دیا ہے۔ یہ کیا **جہاد ہے**؟ ایسے نابکار لوگوں نے اسلام کو بدنام کر رکھا ہے چاہئے تو یہ تھا کہ اُن لوگوں کی ایسی خدمت کرتا اور ایسے عمدہ طور پر اُن سے برتاؤ کرتا کہ وہ اُس کے اخلاق اور حسن سلوک کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتے۔ مومن کا کام تو یہ ہے کہ اپنی نفسانیت کو کچل ڈالے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایک کافر سے لڑے۔ حضرت علیؓ نے اُس کو نیچے گرا لیا اور اُس کا پیٹ چاک کرنے کو تھے کہ اُس نے حضرت علی پر تھوکا حضرت علیؓ یہ دیکھ کر اُس کے سینہ پر سے اُتر آئے۔ وہ کافر حیران ہؤا اور پُوچھا کہ اے علیؓ! یہ کیا بات ہے آپ نے فرمایا کہ میرا جنگ تیرے ساتھ خدا کے واسطے تھا لیکن جب کہ تو نے میرے مُنہ پر تھُوکا تو میرے نفس کا بھی کچھ حصّہ مل گیا۔ اسلئے میں نے تجھے چھوڑ دیا حضرت علیؓ کے اس فعل کا اس پر بہت بڑا اثر ہؤا +

مَیں جب کبھی ان لوگوں کی بابت ایسی خبریں سُنتا ہوں تو مجھے سخت رنج ہوتا ہے کہ یہ لوگ قرآن کریم سے دُور جا پڑے ہیں۔ اور بیگناہ انسانوں کا قتل ثواب کا موجب سمجھتے ہیں +

بعض مولوی مجھے اسلئے دجّال کہتے ہیں کہ میں انگریزوں کے ساتھ محاربہ جائز نہیں رکھتا

٭ عربی تقریر خطبہ الہامیہ کے نام سے کتاب کی شکل میں علیحدہ شائع ...

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۱۴ تاریخ تقریر ۱۵۔ اپریل سنہ ۱۹۰۰ء

گورنمنٹ انگلشیہ کی برکات

مگر مجھے سخت افسوس ہے کہ یہ لوگ مولوی کہلا کر اسلام کو بدنام کر رہے ہیں کوئی اُن سے پوچھے کہ انگریزوں نے تمہارے ساتھ کیا برائی کی ہے اور کیا دکھ دیا ہے۔ شرم کی بات ہے کہ وہ قوم جس کے آنے سے ہم کو ہر قسم کی راحت اور آرام ملا جس نے آکر ہم کو سکھوں کے خونخوار پنجہ سے نجات دی۔ اور ہمارے مذہب کی اشاعت کے لیئے ہر قسم کے موقع اور سہولتیں دیں اُن کے احسان کا یہ شکر ہے کہ بیگناہ انگریزی افسروں کو قتل کر دیا جائے۔ میں تو صاف طور پر کہتا ہوں کہ وہ لوگ جو خونِ ناحق سے نہیں ڈرتے اور محسن کے حقوق ادا نہیں کرتے وہ خدا تعالےٰ کے حضور سخت جوابدہ ہیں۔ ان مولویوں کا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے جمہوری اتفاق سے اِس مسئلہ کو اچھی طرح شائع کریں۔ اور ناواقف اور جاہل لوگوں کو فہمائش کریں کہ گورنمنٹ برطانیہ کے زیرِ سایہ ہم امن اور آزادی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور اُس کے عطیات سے ممنونِ منّت اور مرہونِ احسان ہیں۔ اور یہ **مبارک** سلطنت نیکی اور ہدایت پھیلانے میں کامل مددگار ہے۔ پس اس کے خلاف محاربہ کے خیالات رکھنا سخت **بغاوت** ہے۔ اور یہ **قطعی حرام** ہے۔ وہ اپنے قلم اور زبان سے جاہلوں کو سمجھائیں اور اپنے دین کو بدنام کر کے دنیا کو ناحق کا ضرر نہ پہنچائیں ہم تو گورنمنٹ برطانیہ کو آسمانی برکت سمجھتے ہیں۔ اور اس کی قدر کرنا اپنا فرض +

افسوس ہے مولویوں نے خود تو اس کام کو کیا نہیں۔ اور ہم نے جب ان جاہلانہ خیالات کو دلوں سے مٹانا چاہا تو ہم کو دجّال کہا صرف اس واسطے کہ ہم محسن گورنمنٹ کے شکر گزار ہیں مگر اُن کی مخالفت ہمارا کیا بگاڑ سکتی تھی۔ ہم نے بیسیوں رسالے اِس مضمون کے عربی فارسی اُردو انگریزی میں شائع کیئے اور ہزاروں اشتہار مختلف بلاد و امصار میں تقسیم کر دیئے ہیں اسلیئے نہیں کہ گورنمنٹ سے ہم کوئی عزّت چاہتے ہیں۔ بلکہ خدا تعالےٰ خوب جانتا ہے کہ ہم اس کام کو اپنا ضروری فرض سمجھتے ہیں۔ اور اگر ہم کو اس خدمت کے بجالانے میں تکلیف بھی ہو تو ہم پرواہ نہیں کرتے۔ کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ احسان کی جزا احسان ہے۔ پس پوری اطاعت اور وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کی مسلمانوں کا فرض ہے +

نبی کے دل میں لوگوں کی کامل درجہ کی ہمدردی ہوتی ہے[۱]

نبی کا آنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ قوتِ قدسی ہوتی ہے۔ اور ان کے دل میں لوگوں کی ہمدردی نفع رسانی اور عام خیر خواہی کا بیتاب کرنے والا جوش ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی

---

[۱] الحکم جلد ۴ ۱۶ تاریخ تقریر اواخر اپریل سنہ ۱۹۰۰ء

نسبت خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مومنین یعنی کیا تو اپنی جان کو ہلاک کردے گا۔ اس خیال سے کہ وہ مومن نہیں ہوتے۔ اُس کے دو پہلو ہیں۔ ایک کافروں کی نسبت کہ وہ مسلمان کیوں نہیں ہوتے دوسرا مسلمانوں کی نسبت کہ اُن میں وہ اعلےٰ درجہ کی رُوحانی قوت کیوں نہیں پیدا ہوتی جو آپ چاہتے ہیں +

چونکہ ترقی تدریجاً ہوتی ہے۔ اسلئے صحابہ کی ترقیاں بھی تدریجی طور پر ہوئی تھیں۔ مگر انبیاء کے دِل کی بناوٹ بالکل ہمدردی ہی ہوتی ہے۔ اور پھر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تو جامع جمیع کمالات نبوّت تھے آپ میں یہ ہمدردی کمال درجہ پر تھی آپ صحابہ کو دیکھ کر چاہتے تھے کہ پوری ترقیات پر پہنچیں۔ لیکن یہ عروج ایک وقت پر مقدر تھا۔ آخر صحابہ نے وہ پایا جو دُنیا نے کبھی نہ پایا تھا۔ اور وہ دیکھا جو کسی نے نہ دیکھا تھا +

سارا مدار مجاہدہ پر ہے خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبلنا جو لوگ ہم میں ہو کر کوشش کرتے ہیں ہم اُن کے لئے اپنی تمام راہیں کھولدیتے ہیں مجاہدہ کے بدُوں کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نظر میں چور کو قطب بنا دیا دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور ایسی ہی باتوں نے لوگوں کو ہلاک کردیا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی کی جھاڑ پھونک سے کوئی بزرگ بن جاتا ہے +

جو لوگ خدا کے ساتھ جلدی کرتے ہیں وہ ہلاک ہوجاتے ہیں۔ دنیا میں ہر چیز کی ترقی تدریجی ہے۔ رُوحانی ترقی بھی اسی طرح ہوتی ہے۔ اور بدوں مجاہدہ کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور مجاہدہ بھی وہ جو خدا تعالےٰ میں ہو کر ہو۔ یہ نہیں کہ قرآن کریم کے خلاف خود ہی بیفائدہ ریاضتیں اور مجاہدہ جوگیوں کی طرح تجویز کر بیٹھے یہی کام ہے۔ جس کے لئے خدا نے مجھے مامور کیا ہے تاکہ میں دُنیا کو دکھلادوں کہ کس طرح پر انسان اللہ تعالےٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ قانون قدرت ہے نہ سب محروم رہتے ہیں۔ اور نہ سب ہدایت پاتے ہیں +

ایک جامع درس

یاد رکھو ہمدردی تین قسم کی ہے **اوّل** جسمانی **دوم** مالی **تیسری** قسم ہمدردی کی دُعاء ہے جس میں نہ صرف زر ہوتا ہے اور نہ زور لگانا پڑتا ہے۔ اور اسکا فیض بہت ہی وسیع ہے۔ کیونکہ جسمانی ہمدردی تو اُس صورت میں ہی انسان کرسکتا ہے جبکہ اُس میں طاقت بھی ہو مثلاً ایک ناتوان مجروح مسکین اگر کہیں پڑا تڑپتا ہو تو کوئی شخص جسمیں

خود طاقت و توانائی نہیں ہے کہ اُس کو اُٹھا کر مدد دے سکتا ہے اسی طرح پر اگر کوئی بے کس بے بس بے سروسامان انسان بھوک سے پریشان ہو تو جب تک مال نہ ہو اُس کی ہمدردی کیونکر ہوگی۔ مگر دُعا کے ساتھ ہمدردی ایک ایسی ہمدردی ہے کہ نہ اُس کے واسطے کسی مال کی ضرورت ہے۔ اور نہ کسی طاقت کی حاجت بلکہ جب تک انسان انسان ہے وہ دوسرے کیلئے دُعا کر سکتا ہے اور اُس کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس ہمدردی کا فیض بہت وسیع ہے اور اگر اس ہمدردی سے انسان کام نہ لے تو سمجھو کہ وہ بہت ہی بڑا بد نصیب ہے +

میں نے کہا ہے کہ مالی اور جسمانی ہمدردی میں انسان مجبور ہوتا ہے۔ مگر دُعا کے ساتھ ہمدردی میں مجبور نہیں ہوتا میرا تو یہ مذہب ہے کہ **دعا میں دشمنوں کو بھی باہر نہ رکھے**۔ جس قدر دعا وسیع ہوگی اسی قدر فائدہ دُعا کرنے والے کو ہوگا۔ اور دُعا میں جس قدر بخل کرے گا اُسی قدر اللہ تعالیٰ کے قرب سے دور ہوتا جائیگا۔ اور اصل تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے عطیہ کو جو بہت ہی وسیع ہے جو شخص محدود کرتا ہے۔ اُس کا ایمان بھی کمزور ہے +

دوسروں کے لئے دعا کرنے میں ایک عظیم الشان فائدہ یہ بھی ہے کہ عمر دراز ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں اور مفید وجود ہوتے ہیں۔ اُن کی عمر دراز ہوتی ہے جیسے کہ فرمایا۔ اما ما ینفع الناس فیمکث فے الارض اور دوسری قسم کی ہمدردیاں چونکہ محدود ہیں اس لئے خصوصیت کے ساتھ جو خیر جاری قرار دی جا سکتی ہے۔ وہ یہی دعا کی خیر جاری ہے۔ جب کہ خیر کا نفع کثرت سے ہے تو اس آیت کا فائدہ ہم سب سے زیادہ دعا کے ساتھ اُٹھا سکتے ہیں۔ اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ جو دُنیا میں خیر کا موجب ہوتا ہے۔ اُس کی عمر دراز ہوتی ہے۔ اور جو شر کا موجب ہوتا ہے وہ جلدی اُٹھا لیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں شیر سنگھ چڑیوں کو زندہ پکڑ کر آگ پر رکھا کرتا تھا وہ دو برس کے اندر ہی مارا گیا۔ پس انسان کو لازم ہے کہ وہ خیر الناس من ینفع الناس بننے کے واسطے سوچتا رہے۔ اور مطالعہ کرتا رہے +

جس طرح طبابت میں حیلہ کام آتا ہے۔ اسی طرح نفع رسانی اور خیر میں بھی حیلہ ہی کام دیتا ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ انسان ہر وقت اس تاک اور فکر میں لگا رہے کہ کس راہ سے دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے بعض آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ سائل کو دیکھ کر چڑ جاتے ہیں اور اگر کچھ مولویت کی رگ ہو تو اُس کو بجائے کچھ دینے کے سوال کے مسائل سمجھانے شروع

کر دیتے ہیں۔ اور اس پر اپنی مولویت کا رُعب بٹھا کر بعض اوقات سخت سُست بھی کہہ بیٹھتے ہیں افسوس ان لوگوں کو عقل نہیں اور سوچنے کا مادہ نہیں رکھتے جو ایک نیکدل اور سلیم الفطرت انسان کو ملتا ہے اتنا نہیں سوچتے کہ سائل اگر باوجود صحت کے سوال کرتا ہے۔ تو وہ خود گناہ کرتا ہے اس کو کچھ دیتے میں تو گناہ لازم نہیں آتا۔ بلکہ حدیث شریف میں لَوْ اَتَاکَ رَاکِباً کے الفاظ آئے ہیں یعنی خواہ سائل سوار ہو کر بھی آوے تو بھی کچھ دیدینا چاہئے۔ اور قرآن شریف میں واما السائل فلا تنھر کا ارشاد آیا ہے۔ کہ سائل کو مت جھڑک اس میں یہ کوئی صراحت نہیں کی گئی کہ فلاں قسم کے سائل کو مت جھڑک اور فلاں قسم کے سائل کو جھڑک پس یاد رکھو کہ سائل کو نہ جھڑکو کیونکہ اس سے ایک قسم کی بداخلاقی کا بیج بویا جاتا ہے اخلاق یہی چاہتا ہے کہ سائل پر جلدی ناراض نہ ہو۔ یہ شیطان کی خواہش ہے کہ وہ اس طریق سے تم کو نیکی سے محروم رکھے اور بدی کا وارث بناوے۔ غور کرو کہ ایک نیکی کرنے سے دوسری نیکی پیدا ہوتی ہے۔ اور اسی طرح پر ایک بدی دوسری بدی کا موجب ہو جاتی ہے۔ جیسے ایک چیز دوسری کو جذب کرتی ہے اسیطرح خدا تعالےٰ نے یہ تجاذب کا مسئلہ ہر فعل میں رکھا ہوا ہے۔ پس جب سائل سے نرمی کے ساتھ پیش آئیگا۔ اور اس طرح پر اخلاقی صدقہ دیدے گا۔ تو قبض دور ہو کر دوسری نیکی بھی کرلیگا اور اسکو کچھ دے بھی دیگا۔ اخلاق دوسری نیکیوں کی کلید ہے۔ جو لوگ اخلاق کی اصلاح نہیں کرتے وہ رفتہ رفتہ بےخبر ہو جاتے ہیں۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دُنیا میں ہر ایک چیز کام آتی ہے۔ زہر اور نجاست بھی کام آتی ہے اسٹرکنیا بھی کام آتا ہے اعصاب پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ مگر انسان جو اخلاق فاضلہ کو حاصل کر کے نفع رسان ہستی نہیں بنتا ایسا ہو جاتا ہے۔ کہ وہ کسی کام بھی نہیں آسکتا مردار حیوان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اُس کی تو کھال اور ہڈیاں بھی کام آجاتی ہیں۔ اس کی تو کھال بھی کام نہیں آتی۔ اور یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں انسان بل ھم اضل کا مصداق ہو جاتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ اخلاق کی درستی بہت ضروری چیز ہے کیونکہ **نیکیوں کی ماں اخلاق ہی ہے** +

خیر کا پہلا درجہ جہاں سے انسان قوت پاتا ہے اخلاق ہے دو لفظ ہیں ایک خَلق دوسرا خُلق۔ خَلق ظاہری پیدائش کا نام ہے اور خُلق باطنی پیدائش کا۔ جیسے ظاہر میں کوئی خوبصورت ہوتا ہے۔ اور کوئی بہت ہی بدصورت اسی طرح پر کوئی اندرونی پیدائش میں نہایت

حسین اور دلربا ہوتا ہے اور کوئی اندر سے مجذوم اور مبروص کی طرح مگر وہ لیکن ظاہری صورت چونکہ نظر آتی ہے۔ اسلئے ہر شخص دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے اور نہیں چاہتا کہ بدصورت اور بدوضع ہو۔ مگر چونکہ اس کو دیکھتا ہے۔ اسلئے اس کو پسند کرتا ہے۔ اور خلق کو چونکہ دیکھا نہیں اس لئے اُس کی خوبی سے نا آشنا ہو کر اُس کو نہیں چاہتا۔ ایک اندھے کے لئے خوبصورتی اور بدصورتی دونوں ایک ہی ہیں۔ اسی طرح ہر وہ انسان جس کی نظر اندرونہ تک نہیں پہنچتی اُس اندھے کی ہی مانند ہے +

خَلق تو ایک بدیہی بات ہے مگر خُلق ایک نظری مسئلہ ہے۔ اگر اخلاقی بدیاں اور اُن کی لعنت معلوم ہو تو حقیقت کھُلے +

غرض اخلاقی خوبصورتی ایک ایسی خوبصورتی ہے جس کو حقیقی خوبصورتی کہنا چاہئے۔ بہت تھوڑے ہیں جو اس کو پہچانتے ہیں۔ اخلاق نیکیوں کی کلید ہے جیسے باغ کے دروازہ پر قفل ہو دُور سے پھل پھول نظر آتے ہیں مگر اندر نہیں جا سکتے لیکن اگر قفل کھولدیا جائے تو اندر جا کر پوری حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ اور دل و دماغ میں ایک سرور اور تازگی آتی ہے اخلاق کا حاصل کرنا گویا اُس قفل کو کھول کے اندر داخل ہونا ہے +

کسی کو اخلاق کی کوئی قوت نہیں دی گئی۔ مگر اُس کو بہت سی نیکیوں کی توفیق ملی ہو۔ یہ امر ثبوت طلب ہے +

ترک اخلاق ہی بدی اور گناہ ہے۔ ایک شخص جو مثلاً زنا کرتا ہے اُس کو خبر نہیں کہ اس عورت کے خاوند کو کس قدر صدمہ عظیم پہنچتا ہے۔ اب اگر یہ اُس تکلیف اور صدمہ کو محسوس کر سکتا اور اُس کو اخلاقی حصہ حاصل ہوتا تو ایسے فعل شنیع کا مرتکب نہ ہوتا۔ اگر ایسے نابکار انسان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اِس فعل بد کے ارتکاب سے نوع انسان کے لئے کیسے کیسے خطرناک نتائج پیدا ہوتے ہیں تو ہٹ جاتا ایک شخص جو چوری کرتا ہے کمبخت ظالم اتنا بھی تو نہیں کرتا کہ رات کے کھانے کے واسطے ہی چھوڑ جائے۔ اکثر دیکھا گیا ہے۔ کہ ایک غریب کی کئی سالوں کی محنت کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ اور جو کچھ گھر میں پاتا ہے سب کا سب لے جاتا ہے۔ ایسی قبیح بدی کی اصل جڑھ کیا ہے؟ اخلاقی قوت کا نہ ہونا۔ اگر رحم ہوتا اور وہ یہ سمجھ سکتا کہ بچے بھوکھ سے بلبلائیں گے جن کی چیخوں سے دشمن کا بھی کلیجہ لرزتا ہے۔ اور یہ معلوم کر کے کہ رات سے بھوکے ہیں اور کھانے کو ایک سُوکھا ٹکڑا بھی نہیں ملا تو پتہ پانی ہو جاتا ہے۔ اب اگر ان حالتوں کو محسوس کرتا اور اخلاقی حالت سے اندھا نہ ہوتا تو

کیوں چوری کرتا۔ آئے دن اخبارات میں دردناک موتوں کی خبریں پڑھنے میں آتی ہیں کہ فلاں بچہ زیور کے لالچ سے مارا گیا فلاں جگہ کسی عورت کو قتل کر ڈالا۔ میں خود ایک مرتبہ اسیسر ہو کر گیا تھا۔ ایک شخص نے ۱۲ ریا ۱۳ میں ایک بچہ کا خون کیا تھا۔ اب سوچ کر دیکھو کہ اگر اخلاقی حالت درست ہوتو ایسی مصیبتیں کیوں آئیں؟ ممکن ہے کہ اپنے جیسے انسان پر مصیبت آئے اور یہ محسوس نہ کرے یاکلون کما یاکلون الانعام چارپایوں کی طرح کھاتے ہیں اس کے کئی پہلو ہیں +

اوّل چارپایہ کیفیّت اور کمیت میں فرق نہیں کرسکتا اور جو کچھ آگے آتا ہے اور جس قدر آتا ہے کھاتا ہے جیسے کُتّا اس قدر کھاتا ہے کہ آخر قے کرتا ہے +

دوسرا یہ کہ الانعام حلال اور حرام میں تمیز نہیں کرتے کہ یہ ہمسایہ کا کھیت ہے اِس میں نہ جاؤں ایسا ہی ہر ایک امر میں جو کھانے کی کمیت کے متعلق ہو تمیز نہیں کرتا۔ کُتّے کو پاکی ناپاکی کے متعلق اور اندازہ کے متعلق کوئی لحاظ نہیں اور پھر چارپایہ کو اعتدال نہیں +

یہ لوگ جو اخلاقی اصُولوں کو توڑتے ہیں اور پرواہ نہیں کرتے گو گویا انسان نہیں۔ پاک پلید کا تو یہ حال عرب میں مُردے کُتّے کھالیتے تھے۔ اب تک اکثر ممالک میں یہ حال ہے کہ چوہوں اور کُتّوں اور بلّیوں کو بڑے لذیذ کھانے سمجھ کر کھایا جاتا ہے۔ چوڑھے چمار مردارخوار قومیں یہاں بھی موجود ہیں +

پھر یتیموں کا مال کھانے میں کوئی تردّد و تامل نہیں جیسے یتیم کا گھاس گائے کے سامنے رکھدیا جاے بلا تردد کھالیگی۔ ایسا ہی اُن لوگوں کا حال ہے یہی معنی ہیں والنار مثوی لھم۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ غرض یاد رکھو کہ دو پہلو ہیں ایک عظمت الٰہی کا جو اس کے خلاف ہے وہ بھی اخلاق کے خلاف ہے۔ اور دوسرا شفقت علی خلق اللہ کا پس جو نوع انسان کے خلاف ہے آہ! بہت تھوڑے لوگ ہیں جو ان باتوں پر جو انسان کی زندگی کا اصل مقصد اور غرض ہیں غور کرتے ہیں +

بڑے بڑے صوفیوں سجادہ نشینوں نے اپنا کمال اس میں سمجھ رکھا ہے کہ بڑے لمبے چوڑے وظائف اور اذکار و اشغال خود ہی تجویز کر لیئے ہیں اور اُن میں پڑ کر اصل کو بھی کھو بیٹھے ہیں۔ پھر بڑے سے بڑا کام کیا تو یہ کرلیا کہ چلّہ کرتے ہیں۔ کچھ جو ساتھ لیجاتے ہیں ایک آدمی مقرر کر لیتے ہیں۔ جو ہر روز دُودھ یا اور کوئی چیز پہنچا آتا ہے۔ ایک تنگ و تاریک گندی سی کوٹھڑی یا غار ہوتی ہے اور اُسمیں پڑے رہتے ہیں۔ خدا جانے وہ اُسمیں کس طرح رہتے ہیں۔ پھر بُری بُری حالتوں میں باہر نکلتے ہیں۔ یہ اسلام رہگیا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان چلّہ کشیوں سے اسلام اور مسلمانوں یا عام لوگوں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے اور اُس سے اخلاق میں کیا ترقّی ہوتی ہے +

سب عزتوں سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ہے جس کا کُل اسلامی دنیا پر اثر ہے۔ آپ ہی کی غیرت نے پھر دنیا کو زندہ کیا عرب جس میں زنا شراب اور جنگ جوئی کے سوا کچھ رہا ہی نہ تھا اور حقوق العباد کا خون ہو چکا تھا ہمدردی اور خیرخواہی نوع انسان کا نام و نشان تک مٹ چکا تھا۔ اور نہ صرف حقوق العباد ہی تباہ ہو چکے تھے۔ بلکہ حقوق اللہ پر اس سے بھی زیادہ تاریکی چھا گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی صفات پتھروں۔ بوٹیوں اور ستاروں کو دیگئی تھی قسم قسم کا شرک پھیلا ہوا تھا عاجز انسان اور انسان کی شرمگاہوں تک کی پوجا دنیا میں ہو رہی تھی ایسی حالت مکروہ کا نقشہ اگر ذرا دیر کے لئے بھی ایک سلیم الفطرت انسان کے سامنے آجائے تو وہ ایک خطرناک **ظلمت اور ظلم و جور** کے بھیانک اور خوفناک نظارہ کو دیکھے گا۔ فالج ایک طرف گرتا ہے۔ مگر یہ فالج ایسا فالج تھا کہ دونوں طرف گرا تھا۔ فساد کامل دُنیا میں برپا ہو چکا تھا۔ نہ بحر میں امن و سلامتی تھی اور نہ بر پر سکون و راحت۔ اب اس تاریکی اور ہلاکت کے زمانہ میں ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں آپ نے آکر کیسے کامل طور پر اس میزان کے دونوں پہلو درست فرمائے۔ کہ حقوق اللہ اور حق العباد کو اپنے اصلی مرکز پر قائم کر دکھایا رسول اللہ صلے علیہ وسلم کے اخلاقی طاقت کا کمال اس وقت ذہن میں آسکتا ہے جبکہ اُس زمانہ کی حالت پر نگاہ کیجائے۔ مخالفوں نے آپ کو اور آپکے متبعین کو جس قدر تکالیف پہنچائیں۔ اور اُس کے بالمقابل آپ نے ایسی حالت میں جبکہ آپ کو پورا اقتدار اور اختیار حاصل تھا اُن سے جو کچھ سلوک کیا وہ آپکے علوشان کو ظاہر کرتا ہے۔ ابوجہل اور اُس کے دوسرے رفیقوں نے کونسی تکلیف تھی جو آپ کو اور آپکے جان نثار خادموں کو نہیں دی۔ غریب مسلمانوں اور عورتوں کو اونٹوں سے باندھ کر مخالف جہات میں دوڑایا۔ اور وہ چیری جاتی تھیں محض اس گناہ پر کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کی کیوں قائل ہوئیں۔ مگر آپ نے اس کے مقابل صبر و برداشت سے کام لیا۔ اور جب مکہ فتح ہوا تو لا تثریب علیکم الیوم کہہ کر معاف فرمایا۔ یہ کس قدر اخلاقی کمال ہے جو کسی دوسرے نبی میں نہیں پایا جاتا۔ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد۔ غرض بات یہ ہے کہ اخلاق فاضلہ حاصل کرو کہ نیکیوں کی کلید اخلاق ہی ہیں

عزیر نبی کی دوبارہ زندگی کا راز [۵۱]

مسیح علیہ السلام کی وفات کے منکر اپنی دلائل میں حضرت عزیر کی زندگی کا سوال پیش کرتے ہیں کہ وہ سو برس مرکر پھر زندہ ہوا + مگر یاد رہے کہ یہ احیاء بعد الاماتت ہے اور احیاء کی کئی قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ کوئی آدمی

مرنے کے بعد ایسے طور پر زندہ ہو جاوے کہ قبر پھٹ جاوے۔ اور وہ اپنا بوریا بدھنا اور بستر اُٹھا کر دُنیا میں آجاوے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ایک نئی زندگی بخشے۔ جیسے کہ اہل اللہ کو ایک دوسری زندگی دی جاتی ہے جس طرح پر ایک شخص نے خدا سے ڈر کر کہا تھا کہ میری راکھ اُڑا دی جاوے اس پر خدا تعالیٰ نے اُس کو زندہ کیا۔ یہ راکھ کا اِکٹھا کرنا بھی ایک جسمانی زندگی تھی مرنے کے بعد جو زندگی ملتی ہے وہاں تو راکھ کا اکٹھا کرنا نہیں ہے +

ہم کہتے ہیں کہ سب کچھ ہوا مگر اپنے گھر تو نہ آیا۔ مولوی صاحب نے کہا تھا کہ تسلی کے لئے ایک بات باقی ہے۔ کہ ہم تجھ کو لوگوں کے لئے نشان بنا دینگے میں نے کہا تھا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ لوگوں کے سمجھے ہوئے کے موافق نشان ہو۔ اور ایسا ہو کہ قبر پھٹ جاوے اور مُردہ نکل آوے۔ یہ غلط بات ہے +

بعض آدمی حجۃ اللہ آیات اللہ کہلاتے ہیں بعض وجود ہی نشان ہوتے ہیں بعض کے مرنے کے بعد نشان قائم رہتے ہیں +

یہ بیان کرنا ضروری تھا۔ کہ اس اعتراض کا منشا کیا ہے۔ جس راہ کو ہم نے اختیار کیا ہے۔ اُس کے خلاف ہے ہمارے مخالفوں کا مسیح کی نسبت تو یہ اعتقاد ہے کہ وہ زندہ ہی آسمان پر گئے اور زندہ ہی واپس آئیں گے۔ عزیر کے قصہ سے اس کو کیا تعلق اور کیا مشابہت ہے؟

یہ مشابہت تو تب ہوتی اگر معترض کا یہ مذہب ہوتا کہ مسیح علیہ السلام قبر پھاڑ کر نکلیں گے۔ جبکہ اُن کا یہ مذہب ہی نہیں تو پھر تعجب کی بات ہے کہ اس قصہ کو جو قیاس مع الفارق ہے کیوں پیش کرتے ہیں +

ان کے معتقدات میں تو یہ ہے کہ کوئی اور شخص مسیح کا ہمشکل بن کر پھانسی ملا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ اسی جسم سمیت اور اسی لباس میں آسمان پر اُٹھائے گئے۔ اور پھر یہ بھی تو نہیں بتلاتے کہ وہ آسمان پر بیٹھے کرتے کیا ہیں بہشت میں نجاری کا کام کرتے اور بہشتیوں کیلئے تخت بناتے ہیں۔ خیر ہم کو اس سے بحث نہیں ہے مگر جو نقشہ پیش کرتے ہیں اس کو عزیر کے قصہ سے کیا تعلق اور نسبت ہے؟

غرض اس سلسلہ میں یعنی مسیح کے قصہ میں عزیر کا قصہ داخل کرنا غلط بحث ہے ہمارا یہ مذہب ہے کہ عزیر کے قصہ کو مسیح کے آنے نہ آنے سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ ہاں اگر رنگ سوال اور ہو تو اور بات ہے یعنی عزیر کیونکر زندہ ہوا؟ ہم اس قسم کی حیات کے منکر ہیں۔ اور سارا

قرآن اوّل سے آخر تک مُنکر ہے +

اللہ تعالٰے نے جو تجویز بندوں کے لیئے رکھی ہے کہ خدا تعالٰے اُس کے فرشتوں اُسکی کتابوں وغیرہ پر ایمان رکھے کہ خاتمہ اس طرح پر ہوتا ہے کہ فرشتہ ملک الموت آکر قبض روح کر لیتا ہے اور پھر اَور واقعات پیش آتے ہیں مُنکر نکیر آتے ہیں اعمال آتے ہیں پھر کھڑکی نکالی جاتی ہے۔ پھر قرآن کریم کہتا ہے کہ موتٰی قیامت ہی کو اُٹھیں گے۔ یبعث اللّٰہ الموتٰی معالم میں لکھا ہے کہ رجُوع موتٰے نہیں ہوتا +

قرآن کریم کے دو حصّے ہیں کوئی بات قصّہ کے رنگ میں ہوتی ہے۔ اور بعض احکام ہدایت کے رنگ میں ہوتے ہیں +

بحیثیت ہدایت جو پیش کرتا ہے اس کا منشا ہے کہ مان لو۔ جیسے ان تصوموا خیر لکم +

ابصوم شترمرغ کی بیٹ کو کہتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں احکام میں صفائی ہوتی ہے جبکہ اسی ہدایت کے سلسلہ میں یہ فرمایا کہ ملک الموت آتا ہے۔ اور پھر رفع ہوتا ہے۔ اور حدیث میں اسکی تائید آئی ہے۔ ایک جگہ فرمایا ہے فیمسك التی قضی علیھا الموت یعنی جس نفس پر موت کا حکم دیدیتا ہے۔ اُسکو واپس نہیں آنے دیتا +

دیکھو یہ خدا کا کلام ہے قصّہ کے رنگ میں نہیں بلکہ ہدایت کے رنگ میں ہے +

جو لوگ قصص اور ہدایات میں تمیز نہیں کرتے اُن کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور قرآن کریم میں اختلاف ثابت کرنے کا موجب ہوتے ہیں۔ اور گویا اپنی عملی صُورت میں قرآن کریم کو ہاتھ سے دے بیٹھتے ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف کی نسبت تو خدا تعالٰے کا ارشاد ہے۔ لوکان من عند غیر اللّٰہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً۔ اور عدم اختلاف اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ٹھیرائی گئی ہے۔ لیکن نا عاقبت اندیش قصص اور ہدایات میں تمیز نہ کرنے کی وجہ سے اختلاف پیدا کر کے اُسکو من عند غیر اللّٰہ ٹھیراتے ہیں۔ افسوس اُن کی دانش پر!!! ان لوگوں سے پوچھنا چاہیئے کہ مقدم ہدایات ہیں یا قصص؟ اور اگر دونوں میں تناقض پیدا ہو تو مقدم کس کو رکھو گے؟ اللہ تعالٰے بار بار فرماتا ہے کہ جو مر جاتے ہیں وہ واپس نہیں آتے اور ترمذی میں حدیث موجود ہے۔ کہ ایک صحابی شہید ہوئے۔ اُنہوں نے عرض کی کہ یا الٰہی مجھے دُنیا میں پھر بھیجو تو۔ اللہ تعالٰے نے جواب دیا۔ قد سبقت القول منی حرام علی قریۃ

اھلکناھا انھم لا یرجعون +
اب قرآن کریم موجود ہے اِس کی شرح حدیث شریف میں صاف الفاظ میں موجود ہے
اس کے مقابلہ میں ایک خیالی اور فرضی کہانی کی کیا وقعت ہوسکتی ہے ؟؟؟
ہم پوچھتے ہیں کہ اس کے بعد کیا چاہتے ہو؟ ہم قرآن اور حدیث پیش کرتے ہیں۔ پھر عقل سلیم اور تجربہ بھی اس کا شاہد ہے ہماری طرف سے خود ساختہ بات ہوتی تو تم قصہ پیش کردیتے۔ مگر یہاں تو ہدایت اور اُس کی تائید میں حدیث پیش کیجاتی ہے اِس کے بعد اور کیا چاہیئے
فماذا بعد الحق الا الضلال +
قصّوں کے حقائق بتانے خدا تعالٰی کو ضروری نہیں اُن پر ایمان لاؤ اور اُن کی تفاسیر حوالہ بخدا کرو +
صوم کے لئے تو اعرابی بھی پوچھتے تھے ہر آیت میں حق ظاہر ہوتا ہے +
قصّوں میں یہ بات ضرور نہیں مثلاً اب یہ ضرور نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مخالف بُت پرستوں کے بُتوں کا حُلیہ بھی بتایا جاوے اِس قسم کے خیالات سوءِ ادبی پر مبنی ہوتے ہیں غرض یاد رکھو کہ قصص قرآنی میں بیہودہ چھیڑ چھاڑ درست نہیں ہے انسان پابند ہدایت نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ تصریح نہ ہو۔ خدا تعالٰے فرماتا ہے۔ کہ ہم نے ہدایتوں کو آسان کردیا ہے اِسی طرز پر اللہ تعالٰے نے یہ صراحت کی ہے کہ مردے واپس نہیں آتے +
ہمارے مخالفوں میں اگر دیانت اور خُدا ترسی ہو تو عزیر کا قصّہ بیان کرتے وقت ضرور ہے کہ وہ ان آیات کو بھی ساتھ رکھیں جن میں لکھا ہے کہ مردے واپس نہیں آتے۔ پھر ہم بطریق تنزل ایک اور جواب دیتے ہیں +
اسبات کو ہم نے بیان کردیا ہے۔ اور پھر کہتے ہیں کہ قصوں کے لئے اجمالی ایمان کافی ہے ہدایات میں چونکہ عملی رنگ لانا ضروری ہوتا ہے اِسلئے اُس کا سمجھنا ضروری ہے ماسوا اس کے یہ جو لکھا ہے کہ سو برس تک مُردہ رہے۔ اَمَاتَہٗ کے معنی اَنَامَ بھی آئے ہیں۔ اور قوت نامیہ اور حسیہ کے زوال پر بھی موت کا لفظ قرآن کریم میں بولا گیا ہے۔ بہر حال ہم سونے کے معنے بھی اصحاب کہف کے قصہ کی طرح کرسکتے ہیں اصحاب کہف اور عزیر کے قصّہ میں فرق اتنا ہے کہ اصحاب کہف کے قصہ میں ایک کتا ہے اور یہاں گدھا ہے اور نفس کتّے اور گدھے دونوں سے مشابہت رکھتا ہے۔ خدا نے یہودیوں کو گدھا بنایا ہے۔ اور کتّے سو بلعم کے

قصہ میں بیان فرمایا ہے معلوم ہوتا ہے کہ نفس پیچھا نہیں چھوڑتا جو بیہوش ہوتا ہے اُس کے ساتھ یا کُتا ہوگا یا گدھا +

غرض دوسرے طریق پر جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اَمَاتَ کے معنے اَنَام کرنے ہیں۔ اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ سو برس چھوڑ کر کوئی دو لاکھ برس تک سویا ہے ہماری بحث یہ ہے کہ رُوح ملک الموت لے جاوے پھر واپس دنیا میں نہیں آتی۔ سونے میں بھی قبض رُوح تو ہوتا ہے۔ مگر ملک الموت نہیں لیجاتا +

اور عرصہ دراز تک سوئے رہنا ایک ایسا امر ہے کہ اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہندوؤں کی کتابوں میں دم سادھنے (حبس دم کرنے) کی ترکیبیں لکھی ہوئی ہیں۔ اور جوگ ابھیاس کی منزلوں میں دم سادھنا بھی ہے۔ ابھی تھوڑا عرصہ گذرا ہے۔ کہ اخبارات میں لکھا تھا کہ ریل کی سڑک تیار ہوتی تھی تو ایک سادھو کی کٹیا نکلی۔ ایسا ہی اخبارات میں ایک لڑکے کی بیس سال تک سوئے رہنے کی خبر گشت کر رہی تھی۔ غرض یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔ کہ ایک آدمی سو سال تک سویا رہے۔ پھر یہ لفظ لم یتسنہ قابل غور ہے۔ اور موجودہ زمانہ کے تجربہ پر لحاظ کرنے کے بعد لم یتسنہ کی حقیقت سمجھ لینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ ایک ثقہ آدمی لکھتا ہے۔ کہ میں نے گوشت کھایا ہے جو میری پیدائش سے ۳۰ برس پہلے کا پکایا ہوا تھا ہوا نکال کر بند کر لیا گیا تھا +

اب ولایت یورپ اور امریکہ سے ہر روز ہزاروں لاکھوں بوتلوں میں لم یتسنہ کھانے پکے پکائے چلے آتے ہیں لم یتسنہ کا اثر تو ہندوؤں کے جوگ پر پڑتا ہے۔ اور آج کل کے علمی بلند پروازیوں کی حقیقت کھولتا ہے۔ کہ قرآن کریم میں پہلے سے درج ہے +

اصل بات یہ ہے کہ جیسے ہوا کے ایک خاص اثر سے کھانا مر جاتا ہے۔ اسی طرح انسان پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ اب اگر خاص ترکیب سے کھانے کو اُس ہوا کے اثر سے محفوظ رکھ کر زندہ رکھا جاتا ہے۔ تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے +

ممکن ہے کہ آیندہ کسی زمانہ میں یہ حقیقت بھی کھلجائے کہ انسان پر کھانے کی طرح عمل ہو سکتا ہے یہ علوم ہیں ان کے ماننے سے کوئی حرج لازم نہیں آتا +

آج کل کی تحقیقات اور علمی تجربوں نے ایسے موزے بنا لئے ہیں کہ انسان ان کو پہن کر دریا پر چل سکتا ہے۔ اور ایسے کوٹ ایجاد ہوگئے ہیں کہ آگ یا بندوق کی گولی اُن پر اپنا اثر نہیں کر سکتی

اسی طرح سے لم یتسنہ کی حقیقت جو قرآن کریم کے اندر مرکوز ہے علمی طور پر بھی ثابت ہو جاوے تو کیا تعجب ہے؟ ہوا کا اثر کھانے کو تباہ کرتا ہے۔ اور انسان کے لئے بھی ہوا کا بڑا تعلق ہے۔ ہوا کے دو حصے ہیں ایک قسم کی ہوا اندر جاتی ہے۔ تو اندر تازگی پیدا ہوتی ہے۔ دوسری دم کے ساتھ باہر آتی ہے جو جلی ہوئی متعفن ہوا ہوتی ہے۔ غرض اگر لم یتسنہ والی بات نکل آوے تو ہمارا تو کچھ بھی حرج نہیں بلکہ جس قدر علوم طبعی پھیلتے جاتے ہیں۔ اور پھیلیں گے اُسی قدر قرآن کریم کی عظمت اور خوبی ظاہر ہوگی +

ہم تو آئے دن دیکھتے ہیں کہ ولایت کے پکے ہوئے شوربے اور گوشت سینکڑوں بند ڈبوں میں آتے ہیں اور بگڑتے نہیں۔ ولایتی ادویات ہزاروں میل سے آتی ہیں اور مہینوں برسوں پڑی رہتی ہیں خراب نہیں ہوتیں۔ مجھے ایک شخص نے بتلایا کہ اگر انڈے کو سرسوں کے تیل میں رکھ چھوڑیں تو نہیں بگڑتا +

اس طرح پر ممکن ہے کہ انسان کے شباب اور طاقتوں پر بھی اثر پڑے بعض مسلمانوں نے بھی دم سادھنے کی کوشش کی ہے۔ خود میرے پاس ایک شخص آیا۔ اور اُس نے کہا کہ میں دن میں دو بار سانس لیتا ہوں یہ عملی شہادت ہے۔ کہ ہوا کو سڑنے میں دخل ہے اُس قسم کی ہوا سے جب بچا لیا جائے تو انسان کی عمر بڑھ جاوے تو حرج کیا ہے۔ اور عمر کا بڑھنا مان لیں تو کیا حرج ہے +

قاعدہ کی بات ہے کہ جس قدر حکمتیں ایجاد ہوتی ہیں یا تو طبعی طور پر خدا نے قاعدہ رکھا ہوا ہے یا عناصر کے نظام میں بات رکھی ہوتی ہے۔ کوئی محقق دیکھ کر بات نکال لیتا ہے ہم کو اس پر کوئی بحث نہیں ہے +

ہمارا تو مذہب یہ ہے کہ علوم طبعی جس قدر ترقی کرینگے اور عملی رنگ اختیار کرینگے قرآن کریم کی عظمت دنیا میں قائم ہوگی +

اسلام اور عیسائیت[1]

۲۱۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو لالہ کیسو داس صاحب تحصیلدار بٹالہ اتفاق سے قادیان میں وارد ہوئے۔ اور حضرت اقدس کی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ اور عرض کیا کہ مجھے فقراء سے ملنے کا بہت شوق ہے۔ اور اسی شوق کی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت اقدس نے فرمایا:۔

بیشک اگر آپ کے دل میں اہل دل لوگوں کے ساتھ محبت نہ ہوتی تو آپ ہمارے پاس کیوں آتے۔ اور ایک دنیادار کو کیا ضرورت پڑی ہے۔ کہ وہ ایک دنیا سے الگ گوشہ نشین کے پاس

[1] الحکم جلد ۳ نمبر ۳۸ تاریخ تقریر ۲۱۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء +

جائے مناسبت ایک ضروری شے ہے۔ اور اصل تو یہ ہے کہ جبکہ انسان ایک فنا ہونے والی ہستی ہے۔ اور موت کا کچھ بھی پتہ نہیں کہ کب آجائے۔ اور عمر ایک ناپائدار شے ہے پھر کس قدر ضروری ہے کہ اپنی صلاح اور فلاح کے فکر میں لگ جائے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ دُنیا اپنی دُھن میں ایسی لگی ہے کہ اُس کو آخرت کا کچھ فکر اور خیال ہی نہیں خدا تعالےٰ سے ایسے لاپروا ہو رہے ہیں۔ گویا وہ کوئی ہستی ہی نہیں ایسی حالت میں جبکہ دُنیا کی ایمانی حالت اس حد تک کمزور ہو چکی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے۔ تاکہ میں زندہ ایمان زندہ خدا پیدا کرنے کی راہ بتلاؤں جیسا کہ خدا تعالےٰ کا عام قانون ہے بہت لوگوں نے جو سعادت اور رُشد سے حصّہ نہ رکھتے تھے خدا ترسی اور انصاف سے بے بہرہ تھے مجھے جھوٹا اور مفتری کہا۔ اور ہر پہلو سے مجھے دُکھ دینے اور تکلیف پہنچانے کی کوشش کی۔ کُفر کے فتوے دئے کہ مسلمانوں کو بدظن کرنا چاہا۔ اور خلاف واقعہ امور کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کر کے اُسکو بھڑکانے کی کوشش کی جھوٹے مقدمات بنائے گالیاں دیں قتل کرنے کے منصوبے کیئے۔ غرض کونسا امر تھا جو اُنھوں نے نہیں کیا۔ مگر میرا خدا ہر وقت میرے ساتھ ہے۔ اُس نے مجھے اُن کی ہر شرارت سے پہلے اُن کے فتنہ اور اُس کے انجام کی خبر دی اور آخر وہی ہوا جو اُس نے ایک عرصہ پہلے مجھے بتلایا تھا۔ اور کچھ وہ لوگ بھی ہیں کہ جن کو اللہ تعالےٰ نے سعادت۔ خدا ترسی۔ اور نور ایمان سے حصّہ دیا ہے جنھوں نے مجھے پہچانا اور اس نور کے لینے کے واسطے میرے گرد جمع ہو گئے جو مجھے خدا تعالےٰ نے اپنی بصیرت اور معرفت بخشی ہے۔ اُن لوگوں میں بڑے بڑے عالم ہیں۔ گریجوایٹ ہیں وکیل اور ڈاکٹر ہیں معزز عُہدہ داران گورنمنٹ ہیں تاجر اور زمیندار ہیں۔ اور عام لوگ بھی ہیں ؁

افسوس تو یہ ہے کہ نااہل مخالف اتنا بھی تو نہیں کرتے کہ ایک حق بات جو ہم پیش کرتے ہیں۔ اُس کو آرام سے سُن ہی لیں۔ اُن میں ایسے اخلاق فاضلہ کہاں؟ ورنہ حق پرستی کا تقاضا تو یہ ہے ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش ۔۔۔ گر نوشت ست پند بر دیوار

اِس زمانہ میں مذہب کے نام سے بڑی نفرت ظاہر کی جاتی ہے۔ اور مذہب حقّہ کی طرف آنا تو گویا موت کے مُنہ میں جانا ہے۔ مذہب حق وہ ہے جس پر باطنی شریعت بھی شہادت دے اُٹھے مثلاً ہم اسلام کے اصول توحید کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی حقانی تعلیم ہے کیونکہ انسان کی فطرت میں توحید کی تعلیم ہے۔ اور نظارۂ قدرت بھی اس پر شہادت دیتا ہے۔

خداتعالےٰ نے مخلوق کو متفرق پیدا کر کے وحدت ہی کی طرف کھینچا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحدت ہی منظور تھی۔ پانی کا ایک قطرہ اگر چھوڑیں تو وہ گول ہوگا۔ چاند سُورج سب اجرام فلکی گول ہیں۔ اور کرویت وحدیت کو چاہتی ہے۔ ہم اِس وقت بے انتہا خداؤں کا ذکر چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ تو ہے ہی ایک بیہُودہ اور بے معنی اعتقاد اور بیشمار خدا ماننے سے ایمان اُٹھ جاتا ہے مگر ہم تثلیث کا ذکر کرتے ہیں۔ ہم نے جیسا کہ قدرت کے نظائر سے ثابت کیا ہے کہ خدا ایک ہی ہے۔ اِس طرح پر اگر خدا معاذ اللہ تین ہوتے جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں تو چاہیئے تھا کہ پانی آگ کے شُعلے اور زمین آسمان کے اجرام سب کے سب سہ گوشہ ہوتے۔ تاکہ تثلیث پر گواہی ہوتی اور نہ انسانی نور قلب کبھی تثلیث پر گواہی دیتا ہے۔ پادریوں سے پُوچھا ہے کہ جہاں انجیل نہیں گئی وہاں تثلیث کا سوال ہوگا یا توحید کا تو اُنہوں نے صاف اقرار کیا ہے کہ توحید کا۔ بلکہ ڈاکٹر فنڈر نے اپنی تصنیف میں یہ اقرار درج کر دیا ہے۔ اب ایسی کھُلی شہادت کے ہوتے۔ پھر میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ تثلیث کا عقیدہ کیوں پیش کر دیا جاتا ہے پھر یہ سہ گوشہ خدا بھی عجیب ہیں۔ ہر ایک کے کام الگ الگ ہیں گویا ہر ایک بجائے خود ناقص اور ناتمام ہے۔ اور ایک دوسرے کا متمم ہے +

اور مسیح جس کو خدا بنایا جاتا ہے اُس کا تو کچھ پوچھو ہی نہیں ساری عمر پکڑ دھکڑ میں گزری اور ابن آدم کو سر دھرنے کو جگہ ہی نہ ملی۔ اخلاق کا کوئی کامل نمونہ ہی موجود نہیں تعلیم ایسی اُدھوری اور غیر مکتفی کہ اُس پر عمل کر کے انسان بہت نیچے جا گرتا ہے +

وہ کسی دوسرے کو اقتدار اور عزّت کیا دے سکتا ہے جو اپنی بے لیسی کا خود شاکی ہے اور دُوسروں کی کیا سُن سکتا ہے جس کی اپنی ساری رات کی گریہ زاری اکارت گئی اور چلّا چلّا کر ایلی ایلی لما سبقتانی بھی کہا مگر شنوائی ہی نہ ہُوئی۔ اور پھر اس پر طرّہ یہ کہ آخر یہُودیوں نے پکڑ کر صلیب پر لٹکا دیا۔ اور اپنے اعتقاد کے موافق ملعُون قرار دیا خود عیسائیوں نے لعنتی مانا مگر یہ کہہ دیا کہ ہمارے لئے لعنتی ہوُا۔ حالانکہ لعنت ایک ایسی چیز ہے کہ انسان اس سے سیاہ باطن ہو جاتا ہے اور وہ خدا سے دُور اور خدا اُس سے دُور ہو جاتا ہے گویا خدا سے اُسکو کچھ تعلق ہی نہیں رہتا اسلئے ملعون شیطان کا نام بھی ہے + اب اس لعنت کو مان کر اور مسیح کو ملعون قرار دیکر عیسائیوں کے پاس کیا رہ جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے۔

لعنت نال سکھ نہیں رہندا

گلے پڑا ڈھول ہے جو یہ لوگ بجا رہے ہیں غرض اُن لوگوں کے عقائد کا کہاں تک ذکر کیا جاوے

حقیقت وہی ہے جو اسلام لے کر آیا۔ اور خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کیا کہ میں اس نور کو جو اسلام میں ملتا ہے اُن کو جو حقیقت کے جویاں ہوں دکھاؤں سچ یہی ہے کہ خُدا ہے اور ایک ہے اور میرا تو یہ مذہب ہے کہ اگر انجیل اور قرآن کریم اور تمام صُحف انبیاء بھی دُنیا میں نہ ہوتے تو بھی خدا تعالےٰ کی توحید ثابت تھی۔ کیونکہ اُس کے نقوش فطرت انسانی میں موجُود ہیں۔ خدا کے لئے بیٹا تجویز کرنا گویا خدا تعالےٰ کی موت کا یقین کرنا ہے۔ کیونکہ بیٹا تو اسلئے ہوتا ہے۔ کہ وہ یادگار رہو۔ اب اگر مسیح خدا کا بیٹا ہے تو پھر سوال ہوگا کہ کیا خدا کو مرنا ہے؟ مختصر یہ ہے کہ عیسائیوں نے اپنے عقائد میں نہ خدا کی عظمت کا لحاظ رکھا اور نہ قوائے انسانی کی قدر کی ہے۔ اور ایسی باتوں کو مان رکھا ہے کہ جن کے ساتھ آسمانی روشنی کی تائید نہیں ہے ایک بھی عیسائی ایسا نظر نہ آیا جو خوارق دکھا سکے اور اپنے ایمان کو اُن نشانات سے ثابت کر سکے جو مومنوں کے ہوتے ہیں یہ فضیلت اور فخر اسلام ہی کو ہے کہ ہر زمانہ میں تائیدی نشان اُس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور اس زمانہ کو بھی خدا نے محروم نہیں رکھا۔ مجھے اسی غرض کے لئے بھیجا ہے کہ اُن تائیدی نشانوں سے جو اسلام کا خاصہ ہے اس زمانہ میں اسلام کی صداقت دُنیا پر ظاہر کروں مبارک وہ جو ایک سلیم دل لیکر میرے پاس حق لینے کیلئے آتا ہے۔ اور پھر مبارک وہ جو حق دیکھے تو اُس کو قبول کرتا ہے +

حقیقی نفع رساں خدا کی ذات ہے[1]

دنیا میں لوگ حُکام یا دوسرے لوگوں سے کسی قسم کا کوئی نفع اُٹھانے کی ایک خیالی امید پر اُن کو خوش کرنے کے واسطے کس کس قسم کی خوشامد کرتے ہیں یہانتک کہ ادنےٰ ادنےٰ درجہ کے اردلیوں اور خدمتگاروں تک کو خوش کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ حاکم راضی اور خوش بھی ہو جاوے۔ تو اُس سے صرف چند روز تک یا کسی موقع مخصوص پر نفع پہنچنے کی امید ہو سکتی ہے۔ اس خیالی اُمید پر انسان اُس کے خدمتگاروں کی ایسی خوشامدیں کرتا ہے کہ میں تو ایسی خوشامدوں کے تصور سے بھی کانپ اُٹھتا ہوں۔ اور میرا دل ایک رنج سے بھر جاتا ہے کہ نادان انسان اپنے جیسے انسان کی ایک وہمی اور خیالی اُمید پر اس قدر خوشامد کرتا ہے۔ مگر اس مُعطیٔ حقیقی کی جس نے بدون کسی معاوضہ کے اور التجا کے اُس پر بے انتہا فضل کیئے ہیں ذرا بھی پروا نہیں کرتا۔ حالانکہ اگر وہ انسان اس کو نفع پہنچانا بھی چاہے تو کیا؟ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ کوئی نفع خدا تعالےٰ کے بدون پہنچ ہی نہیں سکتا۔ ممکن ہے اس سے پیشتر کہ وہ نفع اُٹھاوے نفع پہنچانے والا یا خود یہ اس دُنیا سے اُٹھ جاوے

یا کسی ایسے خطرناک مرض میں مبتلا ہو جاوے۔ کہ کوئی حظ اور فائدہ ذاتی اُس سے اُٹھا نہ سکے۔ غرض اصل بات یہی ہے۔ کہ جب تک اللہ تعالے کا فضل و کرم انسان کے شامل حال نہو انسان کسی سے کوئی فائدہ اُٹھا ہی نہیں سکتا۔ پھر جب کہ حقیقی نفع رسان اللہ تعالے ہی کی ذات ہے۔ پھر کس قدر بیحیائی ہے کہ انسان غیروں کے دروازہ پر ناک رگڑتا پھرے۔ ایک خدا ترس مومن کی غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ وہ اپنے جیسے انسان کی ایسی خوشامد کرے جو اُس کا حق نہیں ہے متقی کے لئے خود اللہ تعالے ہر ایک قسم کی راہیں نکال دیتا ہے اُس کو ایسی جگہ سے رزق ملتا ہے کہ کسی دوسرے کو علم بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالے خود اُس کا ولی اور مربی ہو جاتا ہے اللہ تعالے کے بندے جو دین کو دنیا پر مقدم کر لیتے ہیں۔ اُن کے ساتھ وہ رافت و محبت کرتا ہے۔ چنانچہ خود فرماتا ہے واللہ رؤف بالعباد +

خدا تعالے کے بندے کون ہوتے ہیں

یہ وہی لوگ ہیں جو اپنی زندگی کو جو اللہ تعالے نے اُن کو دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہی راہ میں وقف کر دیتے ہیں۔ اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا اپنے مال کو اُس کی راہ میں صرف کرنا اُس کا فضل اور اپنی سعادت سمجھتے ہیں مگر جو لوگ دُنیا کی املاک و جائداد کو اپنا مقصود بالذات بنا لیتے ہیں۔ وہ ایک خوابیدہ نظر سے دین کو دیکھتے ہیں۔ مگر حقیقی مومن اور صادق مسلمان کا یہ کام نہیں ہے۔ سچا اسلام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی ساری طاقتوں اور قوتوں کو ما دام الحیات وقف کر دے تا کہ وہ حیات طیبہ کا وارث ہو۔ چنانچہ خود اللہ تعالے اِس للّٰہی وقف کی طرف ایما کر کے فرماتا ہے۔ من اسلم وجھہ للہ فھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ اس جگہ اسلم وجھہ للہ کے معنے یہی ہیں۔ کہ ایک نیستی اور تذلل کا لباس پہن کر آستانۂ الوہیت پر گرے اور اپنی جان مال آبرو۔ غرض جو کچھ اُس کے پاس ہے خدا ہی

حصول دنیا میں مقصود بالذات دین ہو

کیلئے وقف کرے۔ اور دُنیا اور اسکی ساری چیزیں دین کی خادم بنا دے۔ کوئی یہ نہ سمجھ لیوے۔ کہ انسان دُنیا سے کچھ غرض اور واسطہ ہی نہ رکھے میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ اور نہ اللہ تعالے دنیا کے حصول سے منع کرتا ہے۔ بلکہ اسلام نے رہبانیت کو منع فرمایا ہے۔ یہ بُزدلوں کا کام ہے۔ مومن کے تعلقات دنیا کے ساتھ جس قدر وسیع ہوں۔ وہ اُس کے مراتب عالیہ کا موجب ہوتے ہیں۔ کیونکہ اُس کے نصب العین دین ہوتا ہے اور دُنیا اور اُس کا مال و جاہ دین کا خادم ہوتا ہے۔ پس اصل بات یہ ہے۔ کہ دُنیا مقصود بالذات

نہ ہو بلکہ حصول دنیا میں اصل غرض دین ہو اور ایسے طور پر دنیا کو حاصل کیا جاوے کہ وہ دین کی خادم ہو۔ جیسے انسان کسی جگہ سے دوسری جگہ جانے کے واسطے سفر کے لئے سواری یا اور زادِ راہ کو ساتھ لیتا ہے۔ تو اُس کی اصل غرض منزل مقصود پر پہنچنا ہوتا ہے۔ نہ خود سواری اور راستہ کی ضروریات۔ اسی طرح پر انسان دنیا کو حاصل کرے۔ مگر دین کا خادم سمجھ کر۔

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة

اللہ تعالےٰ نے جو یہ دُعا تعلیم فرمائی ہے کہ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة اس میں بھی دنیا کو مقدم کیا ہے لیکن کس دنیا کو۔ حسنة الدنیا کو جو آخرت میں حسنات کی موجب ہو جاوے۔ اس دعا کی تعلیم سے صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ مومن کو دنیا کے حصول میں حسنات الآخرة کا خیال رکھنا چاہئے۔ اور ساتھ ہی حسنة الدنیا کے لفظ میں اُن تمام بہترین ذرائع حصول دُنیا کا ذکر آگیا ہے جو ایک مومن مسلمان کو حصول دُنیا کے لئے اختیار کرنے چاہئیں دنیا کو ہر ایسے طریق سے حاصل کرو جس کے اختیار کرنے سے بھلائی اور خوبی ہی ہو۔ نہ وہ طریق کسی دوسرے بنی نوع انسان کی تکلیف رسانی کا موجب ہو نہ ہمجنسوں میں کسی عار و شرم کا باعث۔ ایسی دُنیا بیشک حسنة الآخرة کا موجب ہوگی۔ پس یاد رکھو کہ جو شخص خدا کے لئے زندگی وقف کر دیتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ وہ بے دست و پا ہو جاتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ دین اور للّٰہی وقف انسان کو ہوشیار اور چابک دست بنا دیتا ہے سُستی اور کسل اُس کے پاس نہیں آتا۔ حدیث میں عمارہ بن خزیمہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے میرے باپ کو فرمایا کہ تجھے کس چیز نے اپنی زمین میں درخت لگانے سے منع کیا تو میرے باپ نے جواب دیا۔ کہ میں بُڈھا ہوں کل مر جاؤں گا۔ پس اُس کو حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھ پر ضرور ہے کہ درخت لگاوے۔ پھر میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ خود میرے باپ کے ساتھ مل کر ہماری زمین میں درخت لگاتے تھے اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ عجز اور کسل سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ سُست نہ بنو۔ اللہ حصول دُنیا سے منع نہیں فرماتا۔ بلکہ حسنة الدنیا کی دُعا تعلیم فرماتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نہیں چاہتا کہ انسان بے دست و پا ہو کر بیٹھ رہے۔ بلکہ اس نے صاف فرمایا ہے۔ ولیس للانسان الا ما سعیٰ۔ اسلئے مومن کو چاہئے کہ وہ جد و جہد سے کام کرے۔ لیکن جس قدر مرتبہ تک مجھ سے ممکن ہے یہی کہوں گا۔ کہ دُنیا کو مقصود بالذّات نہ بنالو۔ دین کو مقصود بالذات ٹھیراؤ اور دُنیا اس کے لئے بطور خادم اور مرکب

ہوئے دولتمندوں سے بسا اوقات ایسے کام ہوتے ہیں۔ کہ غریبوں اور مفلسوں کو وہ موقعہ نہیں ملتا رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں خلیفہ اوّل نے جو بڑے ملک التجار تھے مسلمان ہو کر لانظیر مردگی اور آپ کو یہ مرتبہ ملا کہ صدیق کہلائے اور پہلے رفیق اور خلیفہ اوّل ہوئے +

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مسلمان ہونا

لکھا ہے جب آپ تجارت سے واپس آئے تھے۔ اور ابھی مکہ میں نہ پہنچے تھے۔ کہ راستہ میں ہی ایک شخص ملا۔ اُس سے پُوچھا کہ کوئی تازہ خبر سناؤ۔ اُس نے کہا کہ اَور تو کوئی تازہ خبر نہیں ہاں یہ بات ضرور ہے۔ کہ تمہارے دوست نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے۔ ابوبکرؓ نے وہیں کھڑے ہو کر کہا کہ اگر اُس نے یہ دعویٰ کیا ہے تو سچا ہے چنانچہ جب مکہ میں پہنچے تو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملے اور آپ سے دریافت کیا۔ کہ آپ نے واقعی پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں اُسی وقت مشرف باسلام ہو گئے +

اعجازؓ کی حاجت کیوں ہوتی ہے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو قبُول اسلام کے لئے کسی اعجاز کی ضرورت نہ پڑی۔ اعجاز بینی کے خواہشمند وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو تعارف ذاتی نہیں ہوتا۔ لیکن جس کو تعارف ذاتی ہو جاوے اُسے اعجاز کی ضرورت اور خواہش ہوتی ہی نہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے معجزہ نہیں مانگا۔ کیونکہ وہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات سے خوب واقف تھے اور خوب جانتے تھے کہ وہ راستباز اور امین ہے نہ جھوٹا اور مفتری نہیں جبکہ کسی انسان پر کبھی افترا نہیں کرتا تو اللہ تعالےٰ پر افترا کرنیکی کبھی جرأت نہیں کر سکتا پس یہ بات یاد رکھنی چاہئے۔ کہ نشان صرف اسلئے مانگا جاتا ہے کہ اسبات کے امکان کا اندیشہ گذرتا ہو کہ شاید جھوٹ ہی بولا ہو مگر جب یہ بات اچھی طرح پر معلوم ہو کہ مُدّعی صادق اور امین ہے پھر نشان بینی کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ یہ بھی یاد رہے کہ جو لوگ نشان دیکھنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اور اصرار کرتے ہیں ایسے لوگ راسخ الایمان نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ہر وقت خطرہ کے محل میں رہتے ہیں۔ ایمان بالغیب کے ثمرات اُن کو نہیں ملتے۔ کیونکہ ایمان بالغیب کے اندر ایک فعل نیکی کا حسن ظن بھی ہے جس سے وہ جلد باز نے نصیب رہتا ہے جو نشان دیکھنے کے لئے جلدی کرتا اور زور دیتا ہے۔ مسیح علیہ السلام کے حواریوں نے نزول مائدہ کے لئے زور دیا تو خدا تعالےٰ نے اُن کو زجر بھی کیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ ہم تو واقعی نازل کرینگے۔ لیکن بعد نزول مائدہ جو انکار کریگا۔ اُس پر سخت عذاب نازل ہو گا۔ قرآن شریف میں اس قصہ کے ذکر سے یہ فائدہ ہے کہ تا بتلایا جاوے کہ بہترین ایمان کونسا ہے۔ اور

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نشانات یوں تو اجلی بدیہات سے ہوتے ہیں لیکن اُن کے ساتھ ایک طرف اتمام حجت منظور ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف ابتلاء اُمت اسلئے بعض امور اُن میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے ساتھ ایک ابتلاء رکھتے ہیں۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ نشان مانگنے والے لوگ مستعجل اور حُسن ظن سے حصہ نہ رکھنے والے ہوتے ہیں اور اُن کی طبیعت میں ایک احتمال اور شک پیدا کرنے کا مادہ ہوتا ہے تب ہی تو وہ نشان مانگتے ہیں۔ اسلئے جب نشان دیکھتے ہیں تو پھر بیہودہ طور پر اُسکی تاویلیں کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ اور اُسکو کبھی سحر کہتے ہیں کبھی کچھ نام رکھتے ہیں۔ غرض وہ وہم پیدا کرنے والی طبیعت اُن کو امر حق سے دُور لیجاتی ہے۔ اسلئے میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم وہ ایمان پیدا کرو جو ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور صحابہ کا ایمان تھا رضی اللہ عنہم۔ کیونکہ اس میں حسن ظن اور صبر ہے۔ اور وہ بہت سے برکات اور ثمرات کا منتج ہے۔ اور نشان دیکھ کر ماننا اور ایمان لانا اپنے ایمان کو مشروط بنانا ہے یہ کمزور ہوتا ہے اور عموماً بارور نہیں ہوتا۔ ہاں جب انسان حُسن ظن کے ساتھ ایمان لاتا ہے۔ تو پھر اللہ تعالےٰ ایسے مومن کو وہ نشان دکھاتا ہے۔ جو اُس کے ازدیاد ایمان کا موجب اور انشراح صدر کا باعث ہوتے ہیں خود اُن کو نشان اور آیات اللہ بنا دیتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اقتراحی نشان کسی نبی نے نہیں دکھلائے۔ مومن صادق کو چاہیئے کہ کبھی اپنے ایمان کو نشان بینی پر مبنی نہ کرے +

مال اور دولت دین کا خادم ہو تو متقی کی ایک صفت ہے۔

میں پھر اصل بات کی طرف رجوع کرکے کہتا ہوں کہ دولتمند اور متموّل لوگ دین کی خدمت اچھی طرح کرسکتے ہیں۔ اسی لئے خدا تعالےٰ نے مما رزقنٰھم ینفقون متقیوں کی صفت کا ایک جزو قرار دیا ہے۔ یہاں مال کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ جو کچھ اللہ تعالےٰ نے کسی کو دیا ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے مقصود اس سے یہ ہے کہ انسان اپنے بنی نوع کا ہمدرد اور معاون بنے۔ اللہ تعالےٰ کی شریعت کا انحصار دو ہی باتوں پر ہے تعظیم لامر اللہ اور شفقت علےٰ خلق اللہ۔ پس مما رزقنٰھم ینفقون میں شفقت علےٰ خلق اللہ کی تعلیم ہے دینی خدمات کے لئے متموّل لوگوں کو بڑے بڑے مواقع ملجاتے ہیں۔ ایکدفعہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روپیہ کی ضرورت بتلائی۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر کا کل اثاث البیت لیکر حاضر ہو گئے۔ آپ نے پوچھا ابوبکر! گھر میں کیا چھوڑ آئے تو جواب میں کہا کہ اللہ اور رسُول کا نام چھوڑ آیا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نصف لے آئے آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا

عمرؓ! گھر میں کیا چھوڑ آئے تو جواب دیا کہ نصف۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے فعلوں میں جو فرق ہے وہی اُن کے مراتب میں فرق ہے +

دُنیا میں انسان مال سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ اسی واسطے علم تعبیر الرؤیا میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص دیکھے کہ اس نے جگر نکال کر کسی کو دیا ہے تو اس سے مراد مال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقی اتقا اور ایمان کے حصول کے لئے فرمایا لن تنالوا البرّ حتّٰی تنفقوا ممّا تحبّون۔ حقیقی نیکی کو ہرگز نہ پاؤ گے جب تک کہ تم عزیز ترین چیز خرچ نہ کرو گے۔ کیونکہ مخلوق الٰہی کے ساتھ ہمدردی اور سلوک کا ایک بڑا حصہ مال کے خرچ کرنے کی ضرورت بتلاتا ہے اور ابنائے جنس اور مخلوق الٰہی کی ہمدردی ایک ایسی شے ہے جو ایمان کا دوسرا جزو ہے۔ جس کے بدوں ایمان کامل اور راسخ نہیں ہوتا۔ جب تک انسان ایثار نہ کرے دوسرے کو نفع کیونکر پہنچا سکتا ہے دوسرے کی نفع رسانی اور ہمدردی کے لئے ایثار ضروری شے ہے۔ اور اس آیت میں لن تنالوا البرّ حتّٰی تنفقوا ممّا تحبّون میں اسی ایثار کی تعلیم اور ہدایت فرمائی گئی ہے +

پس مال کا اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کرنا بھی انسان کی سعادت اور تقویٰ شعاری کا معیار اور محک ہے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں للّٰہی وقف کا معیار اور محک وہ تھا جو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ضرورت بیان کی اور وہ کُل اثاث البیت لے کر حاضر ہو گئے +

انبیاء علیہم السّلام کو ضرورتیں کیوں لاحق ہوتی ہیں ؟

میں یہاں ایک ضروری امر بیان کرنا چاہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کو ضرورتیں کیوں لاحق ہوتی ہیں ؟ اللہ تعالےٰ اسباب پر قادر ہے۔ کہ اُن کو کوئی ضرورت پیش نہ آوے مگر یہ ضرورتیں اس لئے لاحق ہوتی ہیں۔ تاکہ للّٰہی وقف کے نمونے مثال کے طور پر قائم ہوں۔ اور ابوبکرؓ کی زندگی کا وقف ثابت ہو اور دُنیا میں خدائے مقتدر کی ہستی پر ایمان پیدا ہو اور ایسے للّٰہی وقف کرنیوالے دُنیا کے لئے بطور آیات اللہ کے ٹھیریں۔ اور اُس مخفی محبت اور لذت پر دُنیا کو اطلاع ملے جس کے سامنے مال و دولت جیسی محبوب و مرغوب شے بھی آسانی اور خوشی کے ساتھ قربان ہو سکتی ہے! اور پھر مال و دولت کے خرچ کے بعد للّٰہی وقف کو مکمل کرنے کے واسطے وہ قوت اور شجاعت ملے کہ انسان جان جیسی شے کو بھی خدا تعالےٰ کی راہ میں دینے میں دریغ نہ کرے +

غرض انبیاء علیہم السلام کی ضرورتوں کی اصل غرض دُنیا کی جھوٹھی محبتوں اور فانی چیزوں سے مُنہ موڑنے کی تعلیم دینے ! اللہ تعالےٰ کی ہستی پر لذیذ ایمان پیدا کرنے اور ابنائے جنس کی بہتری اور خیر خواہی کیلئے ایثار کی قوت پیدا کرنے کیواسطے ہوتی ہے۔ ورنہ یہ پاک گروہ خزائن السّمٰوات والارض کے مالک کی نظر میں چلتا ہے۔ اُن کو کسی چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے؟ یہ وہ ضرورتیں تعلیم کو کامل اور انسان کے اخلاق اور ایمان کے رسُوخ کے لئے پیش آتی ہیں +

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ میں ایک نکتہ معرفت

مفسر کہتے ہیں کہ یقین سے مراد موت ہے۔ مگر موت رُوحانی مُراد ہے۔ اور یہ ظاہری بات ہے کہ اُس کا منقصُود بالذّات کیا ہو؟ جس کی تلاش کرنے کے لئے یہاں ایما اور اشارہ ہے +

مگر میں کہتا ہوں کہ وہ رُوحانی موت ہو یا تمہاری زندگی خُدا ہی کی راہ میں وقف ہو۔ مومن کو لازم ہے کہ اُس وقت تک عبادت سے نہ تھکے اور سُست نہ ہو جب تک یہ جھوٹی زندگی ہے بھسم نہ ہو جاوے۔ اور اس کی جگہ نئی زندگی جو ابدی اور راحت بخش زندگی اُس کا سلسلہ شروع نہ ہو جاوے۔ اور جبتک اسی عارضی حیات دنیا کی سوزش اور جلن دور ہو کر ایمان میں ایک لذت اور رُوح میں ایک سکینت اور استراحت پیدا نہ ہو یقیناً سمجھو کہ جب تک انسان اس حالت تک نہ پہنچے ایمان کامل اور ٹھیک نہیں ہوتا۔ اسی واسطے اللہ تعالےٰ نے یہاں فرمایا ہے کہ تو عبادت کرتا رہ جب تک کہ تجھے یقین کامل کا مرتبہ حاصل نہ ہو اور تمام حجاب اور ظلمانی پردے دُور ہو کر یہ سمجھ میں آجاوے کہ اب میں وہ نہیں ہوں جو پہلے تھا بلکہ اب تو نیا ملک نئی زمین نیا آسمان ہے۔ اور میں بھی کوئی نئی مخلوق ہوں۔ یہ حیاتِ ثانی وہی ہے جس کو صوفی **بقا** کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جب انسان اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالےٰ کی رُوح کا نفخ اُس میں ہوتا ہے۔ ملائکہ کا اُس پر نزول ہوتا ہے۔ یہی وہ راز تھا جس پر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا۔ کہ اگر کوئی چاہے کہ مُردہ میّت کو زمین پر چلتا ہُوا دیکھے تو وہ ابوبکر کو دیکھے۔ اور ابوبکر کا درجہ اُس کے ظاہری اعمال سے ہی نہیں بلکہ اس بات سے ہے جو اُس کے دل میں ہے +

ایمان ایک راز ہے

یاد رکھو ایمان ایک راز ہوتا ہے جو مومن اور اللہ تعالےٰ کے درمیان ہوتا ہے۔ اور جس کو مخلوق میں سے اُس مومن کے سوا دوسرا نہیں جان سکتا! ۱؎

عند ظن عبدی بی کی حقیقت یہی ہے۔ بعض اوقات وہ لوگ جو علوم حقّہ اور معارف الٰہیہ

سے بہرہ ور نہیں ہوتے کسی مومن کے ان تعلقات کے عدم علم کی وجہ سے جو اللہ تعالےٰ کے ساتھ اُس کو ہوتے ہیں۔ اُس کی بعض حالتوں مثلاً معاملات رزق و معاش پر حیرت اور تعجب ظاہر کرتے ہیں اور کبھی یہ تعجب اُن کو بدظنی اور گمراہی تک لے جاتا ہے۔ اسلئے کہ اُن کی نظر اپنے ہی محدود اسباب تک ہوتی ہے۔ اور وہ اس راز اور سر سے جو اللہ تعالےٰ کے ساتھ وہ رکھتا ہے ناواقف ہوتے ہیں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ ہمارے دوست اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے اس راز کو ایسا بنائیں جو صحابہ کرام کا تھا۔

وقف زندگی غرض یہ ہے کہ انسان کو ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں اپنی زندگی کو وقف کرے۔ میں نے بعض اخبارات میں پڑھا ہے کہ فلاں آریہ نے اپنی زندگی آریہ سماج کے لئے وقف کردی ہے اور فلاں پادری نے اپنی عمر مشن کو دیدی ہے مجھے حیرت آتی ہے۔ کہ کیوں مسلمان اسلام کی خدمت کے لئے اور خدا کی راہ میں اپنی زندگی کو وقف نہیں کرتے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ پر نظر کرکے دیکھیں تو اُن کو معلوم ہو کہ کس طرح اسلام کی زندگی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کی جاتی تھیں۔

یاد رکھو یہ خسارہ کا سودا نہیں ہے بلکہ بے قیاس نفع کا سودا ہے کاش مسلمانوں کو معلوم ہوتا اور اس تجارت کے مفاد اور منافع پر اُن کو اطلاع ملتی۔ جو خدا کے لئے اُس کے دین کی خاطر اپنی زندگی وقف کرتا ہے کیا وہ اپنی زندگی کھوتا ہے؟ ہرگز نہیں فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ اس للّٰہی وقف کا اجر اُن کا رب دینے والا ہے۔ یہ وقف ہر قسم کے ہموم وغموم سے نجات و رہائی بخشنے والا ہے۔

مجھے تو تعجب ہوتا ہے کہ جبکہ ہر ایک انسان بالطبع راحت اور آسائش چاہتا ہے اور ہموم و غموم اور کرب و افکار سے خواستگار نجات ہے پھر کیا وجہ ہے۔ کہ جب اُس کو ایک مجرب نسخہ اس مرض کا پیش کیا جاوے تو اُس پر توجہ ہی نہ کرے۔ کیا للّٰہی وقف کا نسخہ ۱۳۰۰ برس سے مجرب ثابت نہیں ہوا؟ کیا صحابہ کرام اسی وقف کی وجہ سے حیات طیبہ کے وارث اور ابدی زندگی کے مستحق نہیں ٹھیرے؟ پھر اب کونسی وجہ ہے کہ اس نسخہ کی تاثیر سے فائدہ اُٹھانے میں دریغ کیا جاوے۔

بات یہی ہے۔ کہ لوگ اس حقیقت سے ناآشنا اور اس لذت سے جو اس وقف کے بعد ملتی ہے۔ ناواقف محض ہیں ورنہ اگر ایک شمہ بھی اس لذت اور سرور سے اُن کو ملجاوے تو بے انتہا تمناؤں کے ساتھ وہ اس میدان میں آئیں۔

اپنا ذاتی تجربہ اور وصیّت میں خود جو اِس راہ کا پُورا تجربہ کار ہوں اور محض اللہ تعالے کے فضل اور فیض سے میں نے اس راحت اور لذّت سے حظ اُٹھایا ہے یہی آرزو رکھتا ہوں کہ اللہ تعالے کی راہ میں زندگی وقف کرنے کے لئے اگر مر کے پھر زندہ ہوں اور پھر مروں اور زندہ ہوں تو ہر بار میرا شوق ایک لذّت کے ساتھ بڑھتا ہی جاوے +

پس میں چونکہ خود تجربہ کار ہوں اور تجربہ کر چکا ہوں اور اس وقف کے لئے اللہ تعالے نے مجھے وہ جوش عطا فرمایا ہے کہ اگر مجھے یہ بھی کہہ دیا جاوے کہ اس وقف میں کوئی ثواب اور فائدہ نہیں ہے بلکہ تکلیف اور دُکھ ہوگا تب بھی میں اسلام کی خدمت سے رُک نہیں سکتا۔ اسلئے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنی جماعت کو وصیّت کروں اور یہ بات پہنچا دوں آئندہ ہر ایک کا اختیار ہے کہ وہ اُسے سُنے یا نہ سُنے کہ اگر کوئی نجات چاہتا ہے اور حیات طیبہ اور ابدی زندگی کا طلبگار ہے تو وہ اللہ کے لئے اپنی زندگی وقف کرے اور ہر ایک اس کوشش اور فکر میں لگجاوے کہ وہ اُس درجہ اور مرتبہ کو حاصل کرے کہ کہہ سکے کہ میری زندگی میری موت میری قُربانیاں میری نمازیں اللہ ہی کیلئے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم کی طرح اُسکی رُوح بول اُٹھے اسلمت لرب العلمین. جب تک انسان خدا میں کھویا نہیں جاتا خدا میں ہو کر نہیں مرتا وہ نئی زندگی پا نہیں سکتا +

پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو تم دیکھتے ہو کہ خدا کے لئے زندگی کا وقف میں اپنی زندگی کی اصل اور غرض سمجھتا ہوں پھر تم اپنے اندر دیکھو کہ تم میں سے کتنے ہیں جو میرے اِس فعل کو خدا کے لئے پسند کرتے اور خدا کے لئے زندگی وقف کرنے کو عزیز رکھتے ہیں +

ولقد ذرأنا لجھنم کثیرًا من الجنّ والانس آہ اِنسان اگر اللہ تعالے کے لئے زندگی وقف نہیں کرتا تو وہ یاد رکھے کہ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالے نے جہنّم کو پیدا کیا ہے۔ اِس آیت سے یہ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ بعض خام خیال کوتاہ فہم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ ہر ایک آدمی کو جہنم میں ضرور جانا ہوگا۔ یہ غلط ہے ہاں اسمیں شک نہیں کہ تھوڑے ہیں جو جہنّم کی سزا سے بالکُل محفُوظ ہیں۔ اور یہ تعجب کی بات نہیں خدا تعالے فرماتا

قلیل من عبادی الشکور +

جہنم کیا ہے اب سمجھنا چاہیئے کہ جہنم کیا چیز ہے؟ ایک جہنم تو وہ ہے۔ جس کا مرنے کے بعد وعدہ دیا ہے۔ اور دوسری یہ زندگی بھی اگر خدا تعالے کے لئے نہ ہو تو جہنم ہی ہے۔ اللہ تعالے ایسے انسان کا تکلیف سے

بچانے اور آرام دینے کے لئے مُتولّی نہیں ہوتا۔ یہ خیال مت کرو کہ کوئی ظاہری دولت یا حکومت یا مال و عزت اولاد کی کثرت کسی شخص کے لئے کوئی راحت یا اطمینان اور سکینت کا موجب ہو جاتی ہے اور وہ دم نقد بہشت میں ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں وہ اطمینان اور وہ تسلی اور وہ تسکین جو بہشت کے انعامات میں سے ہے ان باتوں سے نہیں ملتی۔ وہ خدا ہی میں زندہ رہنے اور مرنے سے مل سکتی ہے جس کے لئے انبیاء علیہم السلام خصوصاً ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کی یہی وصیت تھی۔ کہ لا تموتن الا وانتم مسلمون +

لذات دُنیا تو ایک قسم کی ناپاک حرص پیدا کر کے طلب اور پیاس کو بڑھا دیتی ہیں استسقا کے مریض کی طرح پیاس نہیں بجھتی۔ یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ پس یہ بیجا آرزوؤں اور حسرتوں کی آگ بھی منجملہ اُسی جہنم کی آگ کے ہے۔ جو انسان کے دِل کو راحت اور قرار نہیں لینے دیتی بلکہ ایک تذبذب اور اضطراب میں غلطاں پیچاں رکھتی ہے۔ اسلئے میرے دوستوں کی نظر سے یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ انسان مال و دولت یا زن و فرزند کی محبت کے جوش اور نشہ میں ایسا دیوانہ اور از خود رفتہ نہ ہو جاوے کہ اُس میں اور خدا تعالےٰ میں ایک حجاب پیدا ہو جاوے مال اور اولاد اسی لئے تو فتنہ کہلاتی ہے۔ ان سے بھی انسان کے لئے ایک دوزخ طیار ہوتا ہے اور جب وہ ان سے الگ کیا جاتا ہے تو سخت بےچینی اور گھبراہٹ ظاہر کرتا ہے اور اس طرح پر یہ بات کہ نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ منقولی رنگ میں نہیں رہتا بلکہ معقولی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پس یہ آگ جو انسانی دل کو جلا کر کباب کر دیتی اور ایک جلے ہوئے کوئلہ سے بھی سیاہ اور تاریک بنا دیتی ہے۔ یہ وہی غیر اللہ کی محبت ہے +

دو چیزوں کے باہم تعلق اور رگڑ سے ایک حرارت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح پر انسان کی محبت اور دُنیا اور دُنیا کی چیزوں کی محبت کے رگڑ سے الٰہی محبت جل جاتی ہے۔ اور دل تاریک ہو کر خُدا سے دُور ہو جاتا اور ہر قسم کی بیقراری کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن جب کہ دُنیا کی چیزوں سے جو تعلق ہو وہ خدا میں ہو کر ایک تعلق ہو اور اُن کی محبت خدا کی محبت میں ہو کر ہو اُس وقت باہمی رگڑ سے غیر اللہ کی محبت جل جاتی ہے۔ اور اُس کی جگہ ایک روشنی اور نور بھر دیا جاتا ہے۔ پھر خدا کی رضا اُسکی رضا اور اُسکی رضا خدا کا منشا ہو جاتی ہے۔ اِس حالت پر پہنچ کر خدا کی محبت اُس کے لئے بمنزلہ جان ہو تی ہے۔ اور جس طرح زندگی کے واسطے لوازم زندگی ہیں اُس کی زندگی کے واسطے صرف خدا اور خدا ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں

کہ اُسکی خوشی اور راحت خدا ہی میں ہوتی ہے پھر دُنیا داروں کے نزدیک اگر اسے کوئی رنج اور کرب پہنچے تو پہنچے لیکن اصل یہی بات ہے کہ اُس ہم وغم میں بھی وہ اطمینان اور سکینت سے الٰہی لذت لیتا ہے جو کسی دُنیا دار کی نظر کے بڑے سے بڑے فارغ البال کو بھی نصیب نہیں +

برخلاف اس کے جو کچھ حالت انسان کی ہے وہ جہنم ہے گویا خدا تعالےٰ کے سوا زندگی بسر کرنا یہ بھی جہنم ہے +

پھر حدیث شریف سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ تپ بھی حرارت جہنم ہی ہے۔ امراض اور مصائب جو مختلف قسم کے انسان کو لاحق حال ہوتے ہیں۔ یہ بھی جہنم ہی کا نمونہ ہیں۔ اور یہ اسلئے کہ تا دوسرے عالم پر گواہ ہوں۔ اور جزاء و سزا کے مسئلہ کی حقیقت پر دلیل ہوں۔ اور کفارہ کے لغو مسئلہ کی تردید کریں۔ مثلاً جذام ہی کو دیکھو کہ اعضاً گر گئے ہیں۔ اور رقیق مادہ اعضا سے جاری ہے آواز بیٹھ گئی ہے ایک تو یہ بجائے خود جہنم ہے۔ پھر لوگ نفرت کرتے ہیں اور چھوڑ جاتے ہیں عزیز سے عزیز بیوی فرزند ماں باپ تک کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ بعض اور خطرناک امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں پتھریاں ہو جاتی ہیں۔ اندر پیٹ میں رسولیاں ہو جاتی ہیں۔ یہ ساری بلائیں اس لئے انسان پر آتی ہیں کہ وہ خدا سے دُور ہو کر زندگی بسر کرتا ہے۔ اور اُس کے حضور شوخی اور گستاخی کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی باتوں کی عزت اور پرواہ نہیں کرتا ہے اُس وقت ایک جہنم پیدا ہو جاتا ہے +

رجوع الے المقصد الاصلے

اب میں پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے جہنم کے لئے اکثر انسانوں اور جنوں کو پیدا کیا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ وہ جہنم اُنہوں نے خود ہی بنا لیا ہے۔ اُن کو جنت کی طرف بلایا جاتا ہے۔ پاک دل پاکیزگی سے باتیں سنتا ہے اور ناپاک خیال انسان اپنی کورانہ عقل پر عمل کر لیتا ہے پس آخرت کا جہنم یہی ہوگا اور دُنیا کے جہنم سے بھی مخلصی اور رہائی نہ ہوگی۔ کیونکہ دنیا کا جہنم تو اس جہنم کے لئے بطور دلیل اور ثبوت کے ہے + تا اہل پلید لوگ سچی اور حق و حکمت کی بات سُن ہی نہیں سکتے۔ اور جب کبھی کوئی بات معرفت اور حکمت کی اُن کے سامنے پیش کیجاوے تو وہ اُس پر توجہ نہیں کرتے بلکہ لاپروائی سے ٹال دیتے ہیں +

اس میں شک نہیں کہ وہ لوگ جو حق کہیں وہ بھی تھوڑے ہیں محض اللہ تعالےٰ کے لئے کسی کو حق کہنے والے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ گویا ہے ہی نہیں۔ علے العموم واعظ وعظ کہتے ہیں لیکن اُن کی اصل غرض اور مقصود صرف یہ ہوتا ہے۔ کہ لوگوں سے کچھ وصول کریں اور دنیا کماویں یہ غرض جب اُس کی باتوں کے ساتھ ملتی ہے تو حقانیت اور للہیّت کو اپنی تاریکی میں چھپا لیتی ہے۔ اور وہ لذّت اور معرفت کی خوشبو جو کلام الٰہی کے سُننے سے دل و دماغ میں پہنچتی اور رُوح کو معطّر کردیتی ہے وہ خود غرضی اور دُنیا پرستی کے تعفن میں دب کر رہ جاتی ہے۔ اور اُسی مجلس وعظ میں اکثر لوگ کہہ اُٹھتے ہیں۔ میاں یہ ساری باتیں ٹکڑا کمانے کی ہیں +

اس میں شک نہیں کہ اکثر لوگوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ذریعہ معاش قرار دے لیا ہے۔ لیکن ہر ایک ایسا نہیں ہے +

ایسے پاک دل انسان بھی ہوتے ہیں جو صرف اسلئے خدا اور اُس کے رسُول صلے اللہ علیہ وسلم کی باتیں لوگوں تک پہنچاتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے وہ مامور ہیں۔ اور اسکو فرض سمجھتے ہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں۔ کہ اس طرح پر اللہ تعالےٰ کی رضا کو حاصل کریں وعظ کا منصب ایک اعلےٰ درجہ کا منصب ہے، اور وہ گویا شان نبوّت اپنے اندر رکھتا ہے بشرطیکہ خدا ترسی کو کام میں لایا جاوے +

وعظ کہنے والا اپنے اندر خاص قسم کی اصلاح کا موقعہ پا لیتا ہے۔ کیونکہ لوگوں کے سامنے یہ ضروری ہوتا ہے کہ کم از کم اپنے عمل سے بھی اُن باتوں کو کرکے دکھاوے جو وہ کہتا ہے +

بہرحال اگر ایک آدمی اپنی ہی غرض و منشا کے لئے کوئی بھلی بات کہے تو اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس سے اسلئے اعراض کیا جاوے۔ کہ وہ اپنی کسی ذاتی غرض کی بنا پر کہہ رہا ہے۔ وہ بات جو کہتا ہے وہ تو بجائے خود ایک عُمدہ بات ہے۔ نیکدل انسان کو لازم ہے کہ وہ اُس بات پر غور کرے جو وہ کہہ رہا ہے یہ ضروری نہیں کہ اُن اغراض و مقاصد پر بحث کرتا پھرے جن کو ملحوظ رکھکر واعظ کہہ رہا ہے۔ سعدی نے کیا خوب کہا ہے ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش ۔۔۔ گر نوشت است پند بر دیوار

یہ بالکل سچی بات ہے کہ قول کی طرف دیکھو۔ قائل کی طرف مت خیال کرو۔ اس طرح پر انسان سچائی کے لینے سے محروم رہ سکتا ہے۔ اور اندر ہی اندر ایک عجب و نخوت کا بیج پرورش پا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اگر صرف سچائی اور صداقت کا طالب ہے تو پھر دوسروں کی عیب شماری

سے اُس کو کیا غرض +

واعظ اپنے لئے کوئی ایک بات نکال لے مگر تم کو اس سے کیا غرض تمہارا مقصود اصلی تو طلبِ حق ہو +

اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ بے موقع ۔ بے محل ۔ بے ربط بات شروع کر دیتے ہیں ۔ اور پند و نصیحت کرتے وقت امُور مقتضائے وقت کا ذکر نہیں کرتے اور نہ اُن امراض کا لحاظ رکھتے ہیں جن میں مخاطب مُبتلا ہوتے ہیں ۔ بلکہ اپنے سوال کو ہی مختلف پیرایوں میں بیان کرتے ہیں +

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طرز بیان کو اگر غور سے دیکھتے تو اُن کو وعظ کہنے کا بھی ڈھنگ آجاتا ۔ ایک شخص رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے اور پُوچھتا ہے ۔ کہ سب سے بہتر نیکی کونسی ہے ۔ آپ اُس کو جواب دیتے ہیں ۔ کہ سخاوت دوسرا آکر یہی سوال کرتا ہے اُس کو جواب ملتا ہے ماں باپ کی خدمت تیسرا آتا ہے اُسکو جواب کچھ اور ملتا ہے ۔ سوال ایک ہی ہوتا ہے جواب مختلف ۔ اکثر لوگوں نے یہاں پہنچ کر ٹھوکر کھائی ہے ۔ اور عیسائیوں نے بھی ایسی حدیثوں پر بڑے بڑے اعتراض کئے ہیں ۔ مگر احمقوں نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس مفید اور مبارک طرز جواب پر غور نہیں کی +

اِس میں سِرّ یہی تھا کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جس قسم کا مریض آتا تھا اُس کے حسب حال نسخۂ شفا بتلا دیتے تھے جس میں مثلاً بُخل کی عادت تھی اُس کے لئے بہترین نیکی یہی ہو سکتی تھی کہ اُس کو ترک کرے جو ماں باپ کی خدمت نہیں کرتا تھا ۔ بلکہ اُن سے سختی کے ساتھ پیش آتا تھا اُس کو اسی قسم کی تعلیم کی ضرورت تھی کہ وہ ماں باپ کی خدمت کرے +

طبیب کے لئے جیسا ضروری ہے کہ تشخیص عمدہ طور پر کرے اسی طرح ہر واعظ کے منصب کا یہ فرض ہے کہ وعظ و پند سے پہلے اُن لوگوں کے امراض کو مد نظر رکھے جن میں وہ مبتلا ہیں ۔ مگر مشکل تو یہی ہے کہ یہ فراست اور یہ معرفت حقانی واعظ کے سوا دوسرے کو ملتی ہی کم ہے ۔ اور یہی وجہ ہے کہ مُلک میں باوصفیکہ سینکڑوں ہزاروں واعظ پھرتے ہیں لیکن عملی حالت مُلک کی دن بدن پستی کی طرف جا رہی ہے ہر قسم کی اعتقادی ایمانی اخلاقی غلطیاں اور کمزوریاں اپنا اثر کرتی جاتی ہیں ۔ اسلئے کہ وعظوں میں حقانیت نہیں روح نہیں ۔ یہ سب کچھ ہے ۔ مگر میں اس وقت اپنے دوستوں کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ چونکہ اُنہوں

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے دلوں میں طلب حق کی پیاس کو محسوس کیا ہے وہ راستی اور صداقت کے لینے میں مضائقہ نہ کریں۔ گو واعظ مختلف رنگوں اور پیرایوں میں اپنا سوال ہی پیش کرے۔ مگر تم کو نہیں چاہئے۔ کہ صرف اس اکو جہ سے اصل حکمت کو چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ جو اُن کے سوال کو سنکر اُن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ بھی تو غلطی پر ہے۔ کیا کسی لعل اور گوہر نایاب کو محض اس لئے پھینک دیا جاسکتا ہے کہ وہ کسی بدبودار اور میلی کچیلی ٹلی (دھجی کپڑے کی) میں بندھا ہوا ہے؟ ہرگز نہیں اس کے سوا اگر واعظ سوال کرتا ہے۔ تو کیا تمھیں خبر نہیں کہ تمھیں تو یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ اور سائل خواہ گھوڑے پر ہی سوار ہو کر آیا ہے پھر بھی واجب نہیں کہ اُسکو رد کیا جاوے تیرے لئے یہ حکم ہے کہ تو اُسکو جھڑک نہیں ہاں خدا نے اُسکو بھی حکم دیا ہے کہ وہ سوال نہ کرے وہ اپنی خلاف ورزی کی خود سزا پالیگا لیکن تمہیں یہ مناسب نہیں کہ تم خدا تعالےٰ کے ایک واجب العزت حکم کی نافرمانی کرو۔ غرض اُس کو کچھ دیدینا چاہئے۔ اگر پاس ہو اور اگر پاس کچھ نہیں تو نرم الفاظ سے اُس کو سمجھا دو + فساد اس سے شروع ہوتا ہے کہ انسان ظنون فاسدہ اور شکوک سے کام لینا شروع کرے۔ اگر نیک ظن کرے تو پھر کچھ دینے کی توفیق بھی ملجاتی ہے۔ جب پہلی ہی منزل پر خطا کی تو پھر منزل مقصود پر پہنچنا مشکل ہے بدظنی بہت بُری چیز ہے انسان کو بہت سی نیکیوں سے محروم کر دیتی ہے۔ اور پھر بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ انسان خدا پر بدظنی شروع کر دیتا ہے +

اپنے تائیدی نشانوں پر گفتگو[1]

اگر بدظنی کا مرض نہ بڑھ گیا ہوتا تو بتلاؤ کہ اُن مولویوں کو جنہوں نے میری تکفیر اور ایذا دہی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اور کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ کونسی وجُوہ کُفر کی اور میری تکذیب کی نظر آئی تھیں۔ میں نے پکار پکار کر اور خدا تعالےٰ کی قسمیں کھا کھا کر کہا۔ کہ میں مسلمان ہوں قرآن کریم کو خاتم الکتب اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتا ہوں۔ اور اسلام کو ایک زندہ مذہب اور حقیقی نجات کا ذریعہ قرار دیتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کی مقادیر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتا ہوں۔ اُسی قبلہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتا ہوں۔ رمضان کے پُورے روزے رکھتا ہوں۔ پھر وہ کونسی نرالی بات تھی جو اُنہوں نے میرے کُفر کے لئے ضروری سمجھی صریح ظلم ہے۔ وہ اپنے گندے اعمال اور زندگی کو نہیں

[1] الحکم جلد ۴ ۳۵

دیکھتے۔ وہ زمین اور آسمان پر غور اور تدبر کرکے یہ نہیں سمجھ سکتے کہ ان مصنوعات کا خالق ہے۔ **لیکھرام** کے **نشان** سے **مولویوں** نے کیا فائدہ اُٹھایا؟ پھر **آتھم** کی پیشگوئی سے کیا فائدہ حاصل کیا؟ اللہ اللہ کیسی صاف نکلی بلکہ اُس کو مشکوک کرنے کی سعی کی حالانکہ اس میں اگر کوئی الزام باقی ہے تو آتھم پر جس نے اپنی خاموشی اور ہمارے مطالبات کے جواب نہ دینے سے اُس کی سچائی پر مُہر کر دی۔ جب کہ اُس میں صریح شرط موجود تھی۔ پھر ایک قانونی طبیعت کا آدمی بھی اس کے دو ہی معنے کریگا۔ ایک یہ کہ اگر شرط کی رعایت کرے تو بچ رہے ورنہ مر جاوے۔ پھر بچ جانے کی صورت میں **مومن** کو چاہیئے تھا۔ کہ وہ اس امر کو تنقیح طلب قرار دیتا کہ آیا اُس نے رعایت کی یا نہیں؟

یاد رکھو یہاں تو صریح اور صاف شرط موجود تھی کہ **بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے** لیکن بعض انذاری پیشگوئیاں ایسی بھی ہوتی ہیں۔ کہ بظاہر اُن میں کوئی شرط نہیں ہوتی۔ اور حقیقت میں وہ مشروط ہوتی ہیں **یونس** نبی کا قصہ صاف موجود ہے تفسیروں میں دیکھو۔ کیا لکھا ہوا ہے باوصفیکہ ایک ایسی نظیر قرآن شریف اور تمام کتب سابقہ میں موجود ہے لیکن ہمارے معاملہ میں اسی بدظنی کی وجہ سے اللہ تعالے کے ایک مقررہ قانون کی بھی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ اُس میں صریح شرط موجود ہے۔ اور اُس کا زندہ رہنا اور بچ جانا اس امر کی دلیل ہے۔ کہ اُس نے اس شرط سے فائدہ اُٹھایا۔

اس شرط سے فائدہ اُٹھانے کے ہمارے پاس تو اس سے بھی بڑھ کر دلائل ہیں جو ایک موٹی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ ہماری طرف سے متواتر اشتہار پر اشتہار جاری ہوئے اور اُس کو دعوت کی گئی۔ کہ تم قسم کھاؤ اور اگر جھوٹی قسم کی پاداش میں ایک سال کے اندر ہلاک نہ ہو جاؤ تو میں اپنے آپ کو جھوٹا قرار دونگا۔ اور اس قسم کے لئے **چار ہزار روپے** تک انعام بھی دینا چاہا۔ اور یہ بھی ثابت کرکے دکھلا دیا۔ کہ **بائبل** سے ایسی قسم کا کھانا گناہ نہیں بلکہ انکار کرنا گناہ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر ہم جھوٹے ہیں تو ہم پر نالش کرو۔ پادریوں نے بھی اُس کو اُکسایا اور ترغیب دی۔ کہ تم نالش کرو۔ لیکن اس قدر کوششوں پر بھی وہ میدان میں نہ آیا۔ اور اپنی خاموشی اور اسلام پر نکتہ چینی اور اُس کے خلاف تحریروں کی اشاعت سے رُک کر اُس نے بتلا دیا کہ حقیقت میں پیشگوئی کے موافق اُس نے شرط سے فائدہ اُٹھایا۔

پیشگوئی میں شرط کا موجود ہونا خود ایک پیشگوئی ہے۔ اگر اس نے شرط سے فائدہ نہیں اُٹھانا تھا تو اس کو مشروط کرنے کے معنی ہی کیا ہوئے +

اب ایک متدین اور خدا ترس کو چاہیئے کہ سوچے کہ آتھم نے رجوع الی الحق کی شرط سے فائدہ اُٹھایا ہے یا نہیں اور قسم کھانا اگر خلاف شرع تھا تو کلارک اور پریداس وغیرہ عیسائیوں نے قسم کھائی تھی یا نہیں۔ علاوہ ازیں ہم نے تو ثابت کر کے دکھا دیا تھا کہ فیصلہ صحیحہ کے لئے قسم کھانا عیسائی پر واجب ہے +

غرض یہ پیشگوئی مشروط تھی۔ وہ سراسیمہ رہا۔ شہر بشہر پھرتا رہا۔ اگر اُس کو اپنے خداوند مسیح پر پورا یقین اور بھروسہ ہوتا تو پھر اسقدر گھبراہٹ کے کیا معنے؟ لیکن ساتھ ہی جب اُس نے اخفاء حق کیا اور ایک دنیا کو گمراہ کرنا چاہا۔ کیونکہ اخفاء حق بعض ناقصوں کی راہ میں ٹھوکر کا پتھر ہو سکتا تھا تو اللہ تعالےٰ نے اپنے صادق وعدہ کے موافق ہمارے آخری اشتہار سے سات مہینے کے اندر اُس کو دنیا سے اُٹھا لیا۔ اور جس موت سے وہ ڈرتا اور بھاگتا پھرتا تھا اُس نے اُس کو آ لیا +

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آتھم کے معاملہ میں لوگوں کو کیا مشکل پیش آسکتی ہے۔ اس قدر قوی قرائن موجود ہیں اور پھر انکار!!! قرائن قویّہ سے تو عدالتیں مجرموں کو پھانسی دے دیتی ہیں غرض یہ آتھم کا ایک بڑا نشان تھا اور براہین احمدیہ میں اس فتنہ کی طرف اور واضح لفظوں میں الہام درج ہو چکا ہے +

پھر جلسہ مذاہب کا نشان ایک بڑا نشان ہے۔ خواجہ کمال الدین صاحب اور بہت سے دوست اُس بات کے گواہ ہیں اور وہ قسم کھا کر بتلا سکتے ہیں۔ کہ قبل از وقت اُن کو بتلا دیا گیا تھا اور اشتہار چھاپ کر شائع کر دیا گیا تھا کہ ہمارا مضمون بالا رہا۔ اور ٹھیک اسی الہام کے موافق یہ نشان ہزارہا انسانوں کے رُوبرو پُورا ہؤا اور اُردو انگریزی اخبارات نے متفق اللفظ ہو کر اقرار کیا کہ ہمارا مضمون سب سے بڑھ کر رہا +

پھر جو مقدمہ ہم پر اقدام قتل عمد کا قائم ہؤا جس میں ڈاکٹر کلارک جیسے لوگ شامل تھے اور مولوی محمد حسین نے بھی جا کر گواہی دی۔ اور رام بھجدت وکیل مشہور آریہ بھی پیروی مقدمہ کے لئے آیا۔ کئی سو آدمی اس امر کے گواہ موجود ہیں۔ کہ کس طرح پر قبل از وقت اس مقدمہ کی ساری کیفیت اور صورت سے اطلاع دیدی گئی۔ اور آخر بریّت کی بھی اطلاع دیدی

جو اللہ تعالےٰ نے ابراء (بے قصور ٹھیرانا) کے الہام سے خبر دی تھی +

یہ خدا کے غیب کی باتیں ہیں۔ کیا انسانی طاقت میں ہے کہ اس طرح پر پیشگوئی کر سکے اور ایسے وقت میں کہ ابھی مقدمہ کا نام ونشان بھی نہیں اُس کا سارا نقشہ کھینچ کر دکھلایا جاوے +

پھر لیکھرام کا نشان ایک شمشیر برہنہ کی طرح تھا پانچسال پیشتر بذریعۂ اشتہارات فریقین کی طرف سے یہ پیشگوئی شائع کی گئی۔ اور خود لیکھرام جہاں جاتا اس پیشگوئی کو سناتا اس میں کوئی شرط نہ تھی۔ اور وہ صاف تھی۔ اگر وہ زندہ رہتا۔ تو بیشک قیامت برپا ہوجاتی۔ لیکن یہ تب ہوتا اگر خدا تعالےٰ کی باتیں نہ ہوتیں۔ بیشک پھر انجام رسوائی کے ساتھ ہوتا۔ کیا محمد حسین چُپ رہتا؟ اب بھی جب کہ یہ نشان پُورا ہوگیا۔ اور لاکھوں انسانوں نے اس پیشگوئی کی صداقت کو تسلیم کرلیا وہ کہتا ہے کہ جماعت کے کسی آدمی نے قتل کردیا ہوگا۔ افسوس یہ لوگ اِتنا نہیں سمجھتے کہ وہ مُرید کیسا خوش اعتقاد ہوگا جو ایسے پیر پر بھی اعتقاد رکھ سکتا ہے جو اُسے قتل کی ترغیب دے۔ اور اپنی پیشگوئیوں کو اپنی صداقت کا معیار قائم کرے۔ اور پھر اُن کے پُورا کرنے کے لئے مُریدوں کو ناجائز وسائل اختیار کرنے کی تعلیم دے؟ شرم ہے ایسے خیالات پر +

جو لوگ اِس قسم کا خیال رکھتے ہیں وہ گویا ہماری **نیک نہاد انصاف** پرور اور ہوشیار **گورنمنٹ** کو بھی بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ گورنمنٹ نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکھرام کے قتل کے متعلق اُس نے پُوری سرگرمی سے تحقیقات کی لیکن **ہمارا اور ہماری جماعت کا دامن اس خون سے بالکل پاک صاف ثابت ہُوا**۔ افسوس یہ لوگ اِتنا نہیں سمجھتے کہ کیا لیکھرام نے میرے کسی باپ یا دادا کو قتل کردیا تھا؟ اُس نے میری ذات کو کسی قسم کی کوئی تکلیف اور ایذا نہیں دی ہاں اُس نے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر وہ گستاخانہ حملے کئے اور وہ بے ادبیاں کیں کہ میرا دل کانپ اُٹھا اور میرا جگر پارہ پارہ ہوگیا۔ میں نے اُسکی بے ادبیوں اور شوخیوں کو ٹکڑے ہوئے ہوئے دل کے ساتھ خدا کے حضور پیش کیا۔ اُس نے ان شوخیوں اور گستاخیوں کے عوض میں اُسکی نسبت مجھے یہ پیشگوئی عطا فرمائی۔ پھر اسی پیشگوئی میں اُس کی موت وقت موت صورت موت وغیرہ اُمور کو بخوبی بتلایا گیا تھا۔ ہاتھ کا نشان بنایا جاتا۔ اور **بتر س از**

تیغ بُرّان محمدؐ کہنا یہ سب ہُو بہُو واضح طور پر درج ہیں۔ اب کوئی بتلاوے۔ کہ کیا اُس وقت جبکہ وہ ابھی چوبیس ۲۴ پچیس ۲۵ برس کا نوجوان تھا۔ پانچ سال پیشتر اِس قسم کی اِطلاع دینا اِنسانی منصُوبہ اور دخل ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے اِنسانی طاقت انسانی فہم و فراست سے بالاتر اور بالاتر ہے +

اَب بتلاؤ کہ کیا یہ نشانات اپنی صداقت اور ثبُوت میں کسی اور خارجی دلیل کے محتاج ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ معجزات میں سے ایک ہی کافی ہے۔ چنانچہ جب اُن سے معجزہ مانگا گیا ہے تو یہی کہتے رہے کہ یُونس نبی کے نشان کے سوا اور کوئی نشان نہ دیا جاویگا +

مَیں نے پہلے بتلا دیا ہے کہ جو لوگ اندرُونی حالات سے واقف ہوتے ہیں اُن کے لئے نشانات کی بڑی ضرورت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالےٰ صرف رحم کر کے اُن کے مزید اطمینان اور اپنی ہستی منوانے کیلئے نشانات ظاہر فرماتا ہے۔ مجھ کو تعجب پر تعجب اور حیرت پر حیرت ہوتی ہے۔ کہ لوگ اولیاء اللہ کے مُعجزات کے قائل ہیں۔ اور ایسے ایسے خوارق اُن کے بیان کرتے ہیں جن کے لیئے نہ کوئی دلیل ہے نہ عقلی یا نقلی ثبوت ہے۔ اور وہ بطور کتھا اور کہانی کے اُن کے زمانہ کے بہت عرصہ بعد لوگوں میں مشہور ہوئے ہیں۔ مثلاً شیعہ ہی سے اگر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے معجزات مانگو تو وہ اس قدر بیان کرینگے۔ کہ گنتے گنتے تھک جائیں۔ مگر جب ثبوت مانگیں تو کچھ بھی نہیں۔ سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے خوارق بکثرت بیان کیئے جاتے ہیں۔ مگر اُن کی کسی کتاب میں منقُول نہیں ہیں۔ اب لوگ خُدا سے ڈریں۔ اور سوچ کر جواب دیں کہ جو باتیں صدہا سال بعد لکھی گئی ہیں اُن کی تو تصدیق کیجاتی ہے۔ لیکن جو آنکھوں سے دیکھے گئے ہیں۔ اُن کی تکذیب کیجاتی ہے۔ **افسوس** یہ لوگ اتنا بھی تو نہیں سوچتے کہ خبر معائنہ کے برابر نہیں ہوتی۔ سُنی ہُوئی بات کسی واقعہ صحیحہ کی برابری نہیں کر سکتی۔ اب میرے نشانات دیکھ کر جو ان نشانوں کی تکذیب کیجاتی ہے یہ میری تکذیب نہیں۔ یہ واقعات صحیحہ کی تکذیب ہی نہیں بلکہ یہ اللہ تعالےٰ کی تکذیب ہے۔ یہ یاد رکھو کہ یہ مصیبت اسلیئے آئی ہے کہ تقویٰ اور طہارت اُٹھ گیا اور قانون آلٰہی یہی ہے کہ جب اللہ تعالےٰ کا خوف اور خشیت اُٹھ جاتی ہے اور دلوں میں رقّت اور رُوح میں گداز ش نہیں رہتی اُس وقت **منذر نشان** پیدا ہوتے ہیں۔ یہ مقام تو ڈر کا تھا۔ مگر افسوس ان لوگوں نے اندھے اور بہرے ہو کر اُن نشانات آلٰہیہ کو (جو تضرع اور ابتہال پیدا کر سکتے تھے ایمان میں

ایک نئی زندگی بخش سکتے تھے) چھوڑ دیا۔ اور صم بکم ہو کر گذر گئے۔ ایسے لوگوں کیلئے ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر خدا کا فتویٰ لگ چکا ہے صم بکم عمی فھم لا یرجعون +

ہماری جماعت کا فرض

مگر ہماری جماعت کا جس نے مجھے پہچانا ہے فرض ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے اُن نشانات کو باسی نہ ہونے دے اِس سے قوت یقین پیدا ہوتی ہے + اِسلئے ہماری جماعت کو چاہئیے کہ وہ اُن نشانات کو پوشیدہ نہ رکھے اور جن نے دیکھے ہیں وہ اُن کو بتلاوے جو غائب ہیں تا کہ بُرائیوں سے بچیں اور خدا پر تازہ ایمان پیدا کریں۔ اور اُن نشانات کو مع براہین سے سجا سجا کر پیش کریں۔ یاد رکھو خدا کے لئے دلائل اور براہین کو جو غور سے نہیں دیکھتے وہ اندھے ہوتے ہیں اور حق کو دیکھ نہیں سکتے! اور اُن کے سُننے کے کان نہیں ہوتے۔ یہ لوگ چار پائے بلکہ اُن سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔ اور خدا اُن کی زندگی کا متکفل نہیں ہوتا خدا تعالےٰ متقی اور مومن کی زندگی کا ذمہ دار ہے ھو یتولی الصلحین اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے دُور اور چوپایوں کے مشابہ ہیں اُن کی زندگی کا کفیل نہیں بھلا بتلاؤ تو سہی کہ کوئی آدمی ذبح ہوتے ہوئے بکروں کے سر پر بھی بیٹھ کر روتا ہے؟ پھر جو لوگ بکروں سے بھی گئے گذرے ہیں اُن کی زندگی کی کیا پروا ہو سکتی ہے +

جانوروں کی زندگی دیکھ لو کہ محنتیں اُن سے لیجاتی ہیں اور اُن کو ذبح کیا جاتا ہے بس جو انسان خدا تعالےٰ سے قطع تعلق کرتا ہے۔ اُسکی زندگی کی ضمانت نہیں رہتی چنانچہ فرمایا قل مایعبؤا بکم ربی لولا دعاؤکم یعنی اگر تم اللہ کو نہ پکارو تو میرا ربّ تمہاری پروا ہی کیا رکھتا ہے +

یاد رکھو جو دنیا کے لئے خدا کی عبادت کرتے ہیں یا اُس سے تعلق نہیں رکھتے اللہ تعالےٰ اُن کی کچھ پرواہ نہیں رکھتا + (بقیہ تقریر دیکھو صفحہ ۱۸۹ سطر آخری)

مسیح آکر جنگ نہیں کریگا۔[1]

۲۷۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء کی صبح کو حضرت اقدس علیہ السلام حسب معمول سیر کو تشریف لے گئے۔ راہ میں فرمانے لگے۔ کہ بہت دفعہ ایسا اتفاق ہوتا ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم ایک بات بتلاتے ہیں میں اُس کو سُنتا ہوں مگر آپ کی صُورت نہیں دیکھتا ہوں غرض یہ ایک حالت ہوتی ہے۔ جو بین الکشف والالہام ہوتی ہے رات کو آپ نے مسیح موعود کے متعلق یہ فرمایا ہے یضع الحرب ویصالح الناس یعنی ایک طرف تو جنگ جدال اور حرب کو اُٹھا دیگا۔ دوسری طرف اندرونی طور پر مصالحت کرا دے گا۔

[1] الحکم جلد ۴ عنبر ۔ تاریخ تقریر ۲۷۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء +

گویا مسیح موعود کے لئے دو نشان ہونگے۔ اوّل بیرُونی نشان کہ حرب ہوگی دوسرا اندرُونی نشان کہ باہم مصالحت ہو جائیگی۔ پھر اس کے بعد فرمایا۔ سلمان منا اهل البیت۔ سلمان یعنے دو صلحین۔ اور پھر فرمایا علیٰ مشرب الحسن۔ یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ میں بھی دو ہی صلحیں تھیں ایک صلح تو انہوں نے حضرت معاویہ کے ساتھ کر لی اور دوسری صحابہ کی باہم صلح کرادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسیح موعود حسنی المشرب ہے۔ اور حجج الکرامہ میں نواب صدیق الحسن خان نے لکھا بھی ہے کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ مہدی حسنی ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ "حسن کا دودھ پیئے گا"۔ پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ جو لوگ کہتے ہیں۔ کہ مہدی آپ کی آل میں سے ہوگا یہ مسئلہ اس الہام سے حل ہوگیا۔ اور مسیح موعود کا جو مہدی بھی ہے کام بھی معلوم ہوگیا۔ پس وہ جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ آتے ہی تلوار چلائیگا اور کافروں کو قتل کریگا جھوٹے ہیں اصل بات یہی ہے جو اس الہام میں بتلائی گئی ہے کہ وہ دو صلحوں کا وارث ہوگا یعنی بیرُونی طور پر بھی صلح کریگا اور اندرُونی طور پر بھی مصالحت ہی کرادے گا۔ اور آل کا لفظ اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آل چونکہ وارث ہی ہوتے ہیں اسلئے انبیاء علیہم السلام کے وارث یا آل وہ لوگ ہوتے ہیں جو اُن کے علوم کے رُوحانی وارث ہوں اسی واسطے کہا گیا ہے۔ کہ کُل تقی ونقی الی +

اس کے بعد پھر مولوی جمال الدین صاحب کن سید والے نے قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر پوچھی ماکفر سلیمٰن الآیہ۔ ایڈیٹر

ماکفر سلیمٰن کی تفسیر

اس کے جواب میں حضرت اقدس نے فرمایا۔ کہ بعض نابکار قومیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو بُت پرست کہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اُن کی تردید کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف واقعات پر بحث کرتا ہے۔ اور قرآن کُل دُنیا کی صداقتوں کا مجموعہ ہے۔ اور سب دین کی کتابوں کا فخر ہے جیسے فرمایا ہے فیھا کتب قیمۃ۔ اور یتلوا علیھم صحفا مطھرۃ پس قرآن کریم کے معنے کرتے وقت خارجی قصوں کو نہ لیں بلکہ واقعات کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ مثلاً قرآن کریم نے جو سُورۃ فاتحہ کو الحمد للہ رب العلمین۔ الرحمٰن الرحیم۔ مالک یوم الدین اسماء سے شروع کیا تو اس میں کیا راز تھا۔ چونکہ بعض قومیں اللہ تعالیٰ کی ہستی پھر اُسکی صفات رب۔ رحیم۔ مالک یوم الدین سے مُنکر تھیں اس لیئے اس طرز کو لیا۔ یہ یاد رکھو کہ جس نے قرآن کریم کے الفاظ اور فقرات کو جو قانونی ہیں ہاتھ میں نہیں لیا۔ اُس نے قرآن کریم کا قدر نہیں سمجھا + اب دیکھو یہاں خالق العلمین نہیں فرمایا۔ بلکہ رب العلمین فرمایا۔ اسلیئے کہ بعض

یہاں یہ بھی فرمایا کہ رب العلمین اسلیئے بھی فرمایا تاکہ ثابت کرے کہ وہ بسائط اور عالم امر کا بھی رب ہے کیونکہ بسیط چیزیں امر سے ہیں اور مرکب خلق سے۔ منہ

قومیں ربوبیت کی منکر ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم کو جو کچھ ملتا ہے ہمارے عملوں کے سبب سے ہی ملتا ہے مثلاً اگر دودھ ملتا ہے تو اگر ہم کوئی گناہ کر کے گائے یا بھینس وغیرہ کے جون میں نہ جاتے تو دودھ ہی نہ ہوتا اور خلق چونکہ قطع برید کرنے کا نام ہے۔ اسلئے اس موقع پر رب العلمین کو جو اس سے افضل تر ہے بیان فرمایا۔ اسی طرح پر رحمانیت۔ رحیمیت کے منکر دنیا میں موجود ہیں +

غرض قرآن کریم مذاہب باطلہ کے عقائد فاسدہ کو مدنظر رکھ کر ایک سلسلہ شروع فرماتا ہے۔ اسی طرح پر اس قصہ میں حضرت سلیمٰن علیہ السلام کی بریت منظور ہے! ور ان کو اس نا پاک الزام سے بری کرنا مقصود ہے جو ان پر لگایا جاتا ہے کہ وہ بُت پرست تھے خدا نے فرمایا۔ ما کفر سلیمٰن سلیمان نے کفر نہیں کیا +

خیانت اور ریا[۱] خیانت اور ریاکاری دو ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی رفتار بہت ہی سست اور دھیمی ہے +

اگر کسی زاہد کو فاسق کہدیا جاوے تو اُسے ایک لذت آجائیگی اس واسطے کہ وہ راز جو اُس کے اور اُس کے محبوب و مولیٰ کے درمیان ہے وہ مخفی معلوم دیگا۔ صوفی کہتے ہیں کہ خالص مومن جب کہ عین عبادت میں مصروف ہو۔ اور وہ اپنے آپ کو پوشیدہ کر کے کسی حجرہ یا کوٹھڑی کے دروازے بند کر کے بیٹھا ہو ایسی حالت میں اگر کوئی شخص اُس پر چلا جاوے تو وہ اسطرح شرمندہ ہوجاویگا جیسے ایک بدکار اپنی بدکاری کو چھپاتا ہے جیسے کہ اس قسم کے مومن کو کسی کے فاسق کہنے سے ایک لذت آتی ہے۔ اسی طرح پر دیانت دار کو کسی کے بددیانت کہنے سے جوش میں نہیں آنا چاہیئے +

ہاں انبیاء میں ایک قسم کا استثنیٰ ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اپنی عبادت اور افعال کو چھپائیں تو دُنیا ہلاک ہوجاوے۔ مثلاً اگر نبی نے نماز پڑھ لی ہو۔ اور کوئی کہے کہ دیکھو اُس نے نماز نہیں پڑھی تو اُس کو چپ رہنا مناسب نہیں ہوتا اُس کو بتلانا پڑتا ہے کہ تم غلط کہتے ہو میں نے نماز پڑھ لی ہے۔ اسلیئے کہ اگر وہ نہ کہے تو دوسرے لوگ دھوکہ میں پڑ کر ہلاک ہو سکتے ہیں۔ بس نبیوں کو ضرور ہوتا ہے کہ وہ اپنی عبادات کا ایک حصہ ظاہر طور پر کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو دکھانا مقصود ہوتا ہے تا کہ اُن کو سکھا دیں یہ ریا نہیں ہوتی +

اگر کوئی کہے کہ خضر نے ایسے کام کیوں کیئے جن میں شریعت کی خلاف ورزی کا مظنہ تھا؟

[۱] الحکم جلد ۴ ۴۱ تاریخ تقریر ۱۵ نومبر ۱۹۰۰ء +

تو اس کا جواب یہ ہے کہ خضر صاحب شریعت نہ تھا ولی تھا انبیاء علیہم السلام کے لئے دونوں حصے ہوتے ہیں۔ اسلئے ان کو سراً و علانیۃً نیکی کرنے کا حکم ہوتا ہے +

ایک شیعہ صاحب سے مخاطبہ

میری حیثیت ایک معمولی مولوی کی حیثیت نہیں ہے بلکہ میری حیثیت سنن انبیاء کی سی حیثیت ہے۔ مجھے ایک **سماوی آدمی** مانو پھر یہ سارے جھگڑے اور تمام نزاعیں جو مسلمانوں میں پڑی ہوئی ہیں ایک دم میں طے ہو سکتی ہیں جو خدا کی طرف سے **مامور** ہو کر حکم بن کر آیا ہے جو معنی قرآن شریف کے وہ کریگا وہی صحیح ہونگے اور جس حدیث کو وہ صحیح قرار دے گا وہی صحیح حدیث ہو گی +

ورنہ شیعہ سُنی کے جھگڑے آج تک دیکھو کب طے ہونے میں آتے ہیں شیعہ اگر تبرا کرتے ہیں تو بعض ایسے بھی ہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہ کی نسبت کہتے ہیں ؎

برخلافت دلش بسے مائل لیک بوبکر شد درمیاں حائل

مگر میں کہتا ہوں کہ جب تک یہ اپنا طریق چھوڑ کر مجھ میں ہو کر نہیں دیکھتے۔ یہ حق پر ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ اگر ان لوگوں کو اور یقین نہیں تو اتنا تو ہونا چاہیئے کہ آخر مرنا ہے۔ اور مرنے کے بعد گند سے تو کبھی نجات نہیں ہو سکتی۔ سب و شتم جب ایک شریف آدمی کے نزدیک پسندیدہ چیز نہیں ہے تو پھر خدائے قدوس کے حضور عبادت کب ہو سکتی ہے؟ اِسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ میرے پاس آؤ میری سُنو تاکہ تمہیں حق نظر آوے میں تو سارا ہی چولا اُتارنا چاہتا ہوں۔ سچی توبہ کر کے مومن بن جاؤ۔ پھر جس امام کے تم منتظر ہو۔ میں کہتا ہوں **وہ مَیں ہوں**۔ اس کا ثبوت مجھ سے لو اسلئے میں نے اُس خلیفہ بلا فصل کے سوال کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ میں ایسے گندے سوال کو کیا کروں انہیں گندوں کو نکالنے کے واسطے تو خدا نے مجھے بھیجا ہے +

دیکھو سُنی اُن کی حدیثوں کو لغو ٹھیراتے ہیں۔ یہ اپنی حدیثوں کو مرفوع متصل اور آئمہ سے مروی قرار دیتے ہیں ہم کہتے ہیں یہ سب جھگڑے فضول ہیں۔ اب مُردہ باتوں کو چھوڑو اور ایک **زندہ امام** کو شناخت کرو کہ تمہیں زندگی کی رُوح ملے۔ اگر تمہیں خدا کی تلاش ہے تو اُس کو ڈھونڈو جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہے۔ جو کوئی شخص خبث کو نہیں چھوڑتا۔ تو کیا ہم اندھے ہیں منافق کے دل کی بدبو نہیں سونگھتے ہم انسان کو فوراً تاڑ جاتے ہیں کہ اس کی بات اِس بنا پر ہے۔ پس یاد رکھو +

خدا نے یہی راہ پسند کی ہے جو میں بتاتا ہوں۔ اور یہ قرب اُسی نے نکالی ہے۔

دیکھو جو ریل جیسی آرام دہ سواری کو چھوڑ کر ایک لنگڑے مریل ٹٹو پر سوار ہوتا ہے وہ منزل پر پہنچ سکتا ہے؟ افسوس یہ لوگ خدا کی باتوں کو چھوڑ کر زید بکر کی باتوں پر مرتے ہیں ان سے پوچھو کہ وہ حدیثیں کس نے دی ہیں +

میں تو بار بار یہی کہتا ہوں کہ ہمارا طریق تو یہ ہے کہ نئے سر سے مسلمان بنو پھر اللہ تعالےٰ اصل حقیقت خود کھول دیگا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر وہ امام جن کے ساتھ یہ اس قدر محبت کا غلو کرتے ہیں زندہ ہوں تو ان سے سخت بیزاری ظاہر کریں +

جب ہم ایسے لوگوں سے اعراض کرتے ہیں تو پھر کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا اعتراض کیا جس کا جواب نہ آیا۔ اور پھر بعض اوقات اشتہار دیتے پھرتے ہیں۔ مگر ہم ایسی باتوں کی کیا پرواہ کر سکتے ہیں ہم کو تو وہ کرنا ہے جو ہمارا کام ہے +

اسلئے یاد رکھو کہ پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑو۔ **اب نئی خلافت لو۔ ایک زندہ علی** تم میں موجود ہے اُس کو چھوڑتے ہو اور **مُردہ علی** کی تلاش کرتے ہو +

۵۱ تمدنی اور اتحادی حالت قائم رکھنے کے واسطے ایک امام چاہیئے

۳۰۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء کو حسب معمول حضرت اقدس امام ہمام علیہ الصلوٰۃ سیر کو تشریف لے گئے۔ راستہ میں آپ نے فرمایا۔ کہ میرے دعوے کا فہم کلید ہے نبوت اور قرآن شریف کی جو شخص میرے دعوے کو سمجھ لیگا نبوت کی حقیقت اور قرآن شریف کے فہم پر اُس کو اطلاع دیجاویگی اور جو میرے دعویٰ کو نہیں سمجھتا اُس کو قرآن شریف پر اور رسالت پر پورا یقین نہیں ہوسکتا +

پھر فرمایا قرآن شریف میں جو یہ آیت آئی ہے۔ النظر الی الابل کیف خلقت یہ آیت نبوت اور امامت کے مسئلہ کو حل کرنے کے واسطے بڑی معاون ہے۔ اونٹ کے عربی زبان میں ہزار کے قریب نام ہیں۔ اور پھر اُن ناموں میں سے ابل کے لفظ کو جو لیا گیا ہے اس میں کیا سر ہے؟ کیوں الی الجمل بھی تو ہوسکتا تھا؟

اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ جمل ایک اُونٹ کو کہتے ہیں۔ اور ابل اسم جمع ہے یہاں اللہ تعالےٰ کو چونکہ تمدنی اور اجتماعی حالت کا دکھانا مقصود تھا اور جمل میں جو ایک اُونٹ پر بولا جاتا ہے۔ یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا تھا۔ اسلئے ابل کے لفظ کو پسند فرمایا۔ اونٹوں میں ایکدوسرے کی پیروی اور اطاعت کی قوت رکھی ہے۔ دیکھو اونٹوں کی ایک لمبی قطار ہوتی ہے۔ اور وہ کس طرح پر اُس اُونٹ کے

۵۱ الحکم جلد ۴ نمبر ۲۴ ۔ تاریخ تقریر ۳۰۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء +

پیچھے ایک خاص انداز اور رفتار سے چلتے ہیں۔ اور وہ اُونٹ جو سب سے پہلے بطور امام اور پیشرو کے ہوتا ہے وہ ہوتا ہے جو بڑا تجربہ کار اور راستہ سے واقف ہو پھر سب اُونٹ ایک دوسرے کے پیچھے برابر رفتار سے چلتے ہیں۔ اور اُن میں سے کسی کے دل میں برابر چلنے کی ہوس پیدا نہیں ہوتی جو دوسر جانوروں میں ہے جیسے گھوڑے وغیرہ میں گویا اُونٹ کی سرشت میں اتباع امام کا مسئلہ ایک مانا ہوا مسئلہ ہے اسلئے اللہ تعالےٰ نے انظر الی الابل کہہ کر اُس مجموعی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے جب کہ اُونٹ ایک قطار میں جا رہے ہوں۔ اسی طرح پر ضروری ہے کہ تمدنی اور اتحادی حالت کو قائم رکھنے کے واسطے ایک امام ہو +

پھر یہ بھی یاد رہے۔ کہ یہ قطار سفر کے وقت ہوتی ہے۔ پس دنیا کے سفر کو قطع کرنے کے واسطے جب تک ایک امام نہ ہو انسان بھٹک بھٹک کر ہلاک ہو جاوے +

پھر اونٹ زیادہ بارکش اور زیادہ چلنے والا ہے اس سے صبر و برداشت کا سبق ملتا ہے + پھر اُونٹ کا خاصہ ہے کہ وہ لمبے سفروں میں کئی کئی دنوں کا پانی جمع رکھتا ہے۔ غافل نہیں ہوتا پس مومن کو بھی ہر وقت اپنے سفر کے لئے طیار اور محتاط رہنا چاہیئے۔ اور بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ فان خیر الزاد التقوی انظر کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیکھنا بچوں کی طرح دیکھنا نہیں ہے بلکہ اس سے اتباع کا سبق ملتا ہے۔ کہ جس طرح پر اُونٹ میں تمدنی اور اتحادی حالت کو دکھایا گیا ہے۔ اور اُن میں اتباع امام کی قوت ہے۔ اسی طرح پر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اتباع امام اپنا شعار بناوے۔ کیونکہ اُونٹ جو اُس کے خادم ہیں اُن میں بھی یہ مادہ موجود ہے + کیف خلقت میں اُن فوائد جامع کی طرف اشارہ ہے جو ابل کی مجموعی حالت سے پہنچتے ہیں +

پھر آپ نے مختلف باتوں کے سلسلہ میں فرمایا۔ کہ:۔

مسئلہ تناسخ تناسخ کا مسئلہ اللہ تعالےٰ کی سخت توہین کا باعث ہے اور اخلاقی قوتوں کو خاک میں ملا دینے والا ہے۔ کیونکہ جب یہ مان لیا گیا کہ دُنیا میں جو کچھ ملتا ہے وہ ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے تو پھر یہ بھی ساتھ ہی ماننا پڑیگا کہ معاذ اللہ خدا بالکل معطل پڑا ہوُا ہے۔ کیونکہ خلق کے متعلق یہ مان لیا گیا ہے کہ وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ اور ایک ذرہ کا بھی وہ خالق نہیں۔ ادھر یہ مانا گیا کہ دُنیا میں جو کچھ ملتا ہے اپنے عمل سے ملتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص ایسے بُرے عمل نہ کرے کہ وہ گائے یا بھینس کی جُون میں جاوے یا بھیڑ بکری بنے تو پھر دودھ ہی نہ ملے۔ اور اسی طرح پر کچھ بھی نہیں مل سکتا۔ پھر ایسا خدا جو نہ کچھ پیدا کرتا ہے۔ اور نہ کسی کو کچھ دیتا ہے وہ

ایک معطل خدا نہ ہوا تو اور کیا ہوا۔ پھر اس تناسخ کے مسئلہ سے اخلاقی قوتوں پر بہ بڑی زد پڑتی ہے کہ انسان میں جو غیرت کی قوت رکھی گئی ہے اُس کا ستیاناس ہوتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی ایسی فہرست وید نے نہیں دی۔ کہ فلاں شخص فلاں جُون میں چلا گیا ہے تو یہ کیوں ممکن نہیں کہ ایک آدمی کسی وقت اور کسی جون میں اپنی ماں بہن سے بھی شادی کر کے بچے پیدا کرے یا باپ گھوڑا بن جاوے اور بیٹا اُس پر سوار ہو کر چابکوں سے اُسکی خبر لے۔ غرض کہ یہ مسئلہ بہت ہی بُرے اور ناپاک نتیجوں کے پیدا کرنے والا ہے۔ تناسخ ہی کیا کم تھا جو آریوں نے نیوگ بھی ویدوں میں سے نکال لیا +

حوّا کا آدم کی پسلی سے پیدا ہونا [۵۱]

حضرت حوّا کی پسلی سے بنائے جانے پر ایک روز آپ نے سیر میں فرمایا۔ کہ حوا پسلی ہی سے بنائی گئی ہیں۔ ہم اللہ تعالےٰ کی قدرت پر ایمان لاتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی کہے کہ پھر ہماری پسلی نہ ہوتی تو میں کہتا ہوں کہ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔ اللہ تعالےٰ کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ میں اگر خدا تعالےٰ کو قادر اور عظیم الشان نہ دیکھتا تو یہ دُعاؤں کی قبولیت کے نمونے جو دیکھتا ہوں نظر نہ آتے۔ دیکھو کپتان ڈگلس کے سامنے جو مقدمہ تھا اُس میں کس کا تصرف تھا۔ ڈاکٹر کلارک جیسا آدمی جو مذہبی حیثیت سے ایک اثر ڈالنے والا آدمی تھا پھر اُس کے ساتھ آریوں کی طرف سے پنڈت رام بھجدت وکیل شریک ہوا۔ اور مولوی محمد حسین جیسا دشمن بطور گواہ پیش ہوا۔ اور خود عبدالحمید کا یہ بیان کہ مجھے قتل کے لئے ضرور بھیجا تھا۔ اور پھر اُس کا یہ بیان امرتسر میں ہوا۔ ڈپٹی کمشنر کے سامنے بھی اُس نے یہی کہا اب یہ کس کا کام تھا۔ کہ اُس نے کپتان ڈگلس کے دل میں ڈالا۔ کہ عبدالحمید کے بیان پر شبہ کرے۔ اور اصل حقیقت کے معلوم کرنے کے واسطے دوبارہ پولیس کے سپرد کرے۔ غرض جو کچھ اِس مقدمہ میں ہوا اُس سے صاف طور پر اللہ تعالےٰ کی قدرت اور اُس کے تصرف کا پتہ لگتا ہے۔ میرا مطلب اس مقدمہ کے بیان سے صرف یہ ہے کہ یہ بڑی نادانی اور گناہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کو اُسی پیمانہ سے ناپیں جس سے ایک عاجز انسان زید بکر کو ناپا جاتا ہے +

پس یہ کہنا کہ آدم علیہ السلام کی پسلی نکال لی تھی۔ اور حوا اُس پسلی سے بنی تو پھر پسلی کہاں سے آگئی سخت نادانی اور اللہ تعالےٰ کے حضور سوء ادبی ہے +

یاد رکھو یورپی فلسفہ ضلالت سے بھرا ہوا ہے۔ یہ انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ ایسا ہی یہ کہنا کہ انسان پر کوئی ایسا وقت نہیں آیا کہ اُسے مٹی سے پیدا کیا ہو درست نہیں ہے

[۵۱] الحکم جلد ۴ نمبر ۴۴۔ تاریخ تقریر شروع سنہ ۱۹۰۰ء +

نوعی قدم کا میں ہرگز ہرگز قائل نہیں ہوں۔ ہاں یہ میں مانتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ ہمیشہ سے خالق ہے کئی بار دُنیا معدوم ہوئی اور پھر از سر نو کر دی۔ یہ کوئی تعجّب کی بات نہیں ہے۔ جبکہ ایک مر جاتا ہے تو یہ کیوں جائز نہیں کہ ایک وقت آوے کہ سب مر جاویں قیامت کبریٰ کے تو ہندو اور یونانی بھی قائل ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالےٰ کو محدود القویٰ ہستی سمجھتے ہیں وہ ما قدروا اللّٰہ حق قدرہٖ میں داخل ہیں جو ایک حد تک ہی خدا کو مانتے ہیں۔ یہ نیچریّت کا شعبہ ہے +

قرآن کریم تو صاف بتلاتا ہے ان ربک فعال لما یرید اور انما امرہٗ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون ! اللہ تعالےٰ کی ان ہی قدرتوں اور فوق الفوق طاقتوں نے میرے دل میں دُعا کے لئے ایک جوش ڈال رکھا ہے +

دُعا کی حقیقت | دُعا بڑی چیز ہے افسوس! لوگ نہیں سمجھتے کہ وہ کیا ہے؟ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر دُعا جس طرز اور حالت پر مانگی جاوے ضرور قبول ہو جانی چاہئیے۔ اسلئے جب وہ کوئی دُعا مانگتے ہیں۔ اور پھر وہ اپنے دل میں جمائی ہُوئی صورت کے موافق اُس کو پُورا ہوتے نہیں دیکھتے تو مایُوس اور نا اُمید ہو کر اللہ تعالےٰ پر بدظن ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ مومن کی یہ شان ہونی چاہئیے کہ اگر بظاہر اُسے اپنی دُعا میں مُراد حاصل نہ ہو تب بھی نا اُمید نہ ہو۔ کیونکہ رحمت الٰہی نے اس دُعا کو اُس کے حق میں مفید نہیں قرار دیا۔ دیکھو بچّہ اگر ایک آگ کے انگارہ کو پکڑنا چاہے تو ماں دوڑ کر اُس کو پکڑے گی۔ بلکہ اگر بچہ کی اُس نادانی پر ایک تھپڑ بھی لگا دے تو کوئی تعجب نہیں اسی طرح مجھے تو ایک لذّت اور سرور آ جاتا ہے۔ جب میں اس فلسفۂ دُعا پر غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ علیم و خبیر خدا جانتا ہے کہ کونسی دُعا مفید ہے +

مجھے بارہا افسوس آتا ہے جب لوگ دُعا کے لئے خطوط بھیجتے ہیں۔ اور ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ اگر ہمارے لئے یہ دُعا قبول نہ ہُوئی تو ہم جھوٹا سمجھ لیں گے آہ! یہ لوگ آدابِ دُعا سے کیسے بیخبر ہیں نہیں جانتے کہ دُعا کرنے والے اور کرانے والے کے لئے کیسی شرائط ہیں اس سے پہلے کہ دُعا کیجاوے بدظنی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے ماننے کا احسان جتانا چاہتے ہیں اور نہ ماننے اور تکذیب کی دھمکی دیتے ہیں۔ ایسا خط پڑھ کر مجھے بدبُو آ جاتی ہے۔ اور مجھے خیال آتا ہے۔ کہ اس سے بہتر تھا کہ یہ دُعا کے لئے خط ہی نہ لکھتا +

میں نے کئی بار اس مسئلہ کو بیان کیا ہے۔ اور پھر مختصر طور پر سمجھاتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے دوستانہ مُعاملہ کرنا چاہتا ہے۔ دوستوں میں ایک سلسلہ تبادلہ کا رہتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ

اور اُس کے بدن میں بھی اُسی رنگ کا ایک سلسلہ ہوتا ہے +

اللہ تعالےٰ کے نزدیک مبادلہ یہ ہے کہ جیسے وہ اپنے بندے کی ہزار ہا دُعاؤں کو سُنتا اور مانتا ہے۔ اُس کے عیبوں پر پردہ پوشی کرتا ہے باوجودیکہ وہ ایک ذلیل سے ذلیل ہستی ہے لیکن اُس پر فضل و رحم کرتا ہے۔ اسی طرح اُس کا حق ہے کہ یہ خدا کی بھی مان لے یعنی اگر کسی دُعا میں اپنے منشا اور مُراد کے موافق ناکام رہے تو خدا پر بدظن نہ ہو بلکہ اپنی اس نامرادی کو کسی غلطی کا نتیجہ قرار دے کر اللہ تعالےٰ کی رضا پر انشراح صدر کے ساتھ راضی ہو جاوے۔ اور سمجھ لے کہ میرا مولےٰ یہی چاہتا ہے اسی کی طرف اللہ تعالےٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ ولنبلونکم بشیءٍ مّن الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات الآیہ خوف سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈر ہی ڈر ہے انجام اچھا ہے اسی سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے +

پھر الجوع فقر و فاقہ تنگ کرتا ہے بعض وقت ایک کُرتہ پھٹ جاوے تو دوسرے کی توفیق نہیں ملتی +

جوع کا لفظ رکھ کر عطش کا لفظ چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ یہ جُوع میں داخل ہے +

نقص من الاموال بعض وقت ایسا ہوتا ہے۔ کہ چور لیجاتے ہیں اور اتنا بھی نہیں چھوڑ جاتے کہ صبح کی روٹی کھا سکیں۔ سوچو کس قدر تکلیف اور آفت کا سامنا ہوتا ہے +

پھر جانوں کا نقصان ہے بچے مرنے لگجاتے ہیں (خدا محفوظ ہی رکھے آمین) یہاں تک کہ ایک بھی نہیں رہتا۔ جانوں کے نقصان میں یہ بات داخل ہے کہ خود تو زندہ رہے۔ اور عزیز و متعلقین مرتے جاویں۔ کس قدر صدمہ ایسے وقت پر ہوتا ہے +

ہمارا تعلق اپنے دوستوں سے اس قدر ہے کہ جس قدر دوست ہیں۔ اور اُن کے اہل و عیال ہیں۔ گویا ہمارے ہی ہیں کسی عزیز کے جُدا ہو جانے سے اس قدر رنج ہوتا ہے کہ جیسا کسی کو اپنے عزیز سے عزیز اولاد کے مرجانے کا ہوتا ہے +

ثمرات میں اولاد بھی داخل ہے اور محنتوں کے بعد آخر کی کامیابیاں بھی مُراد ہیں اُن کے ضائع ہونے سے بھی سخت صدمہ ہوتا ہے امتحان دینے والے اگر کبھی فیل ہو جاتے ہیں تو بارہا دیکھا گیا ہے۔ کہ وہ خودکُشیاں کر لیتے ہیں ایوب بیگ کی بیماری کی ترقی امتحان میں فیل ہو جانے سے ہی ہوئی۔ پہلے تو اچھا خاصہ تندرست تھا +

غرض اس قسم کے ابتلا جن پر آئیں پھر اللہ تعالےٰ اُن کو بشارت دیتا ہے وبشر الصابرین الآیہ۔

یعنی ایسے موقع پر جہد کے ساتھ برداشت کرنے والوں کو خوشخبری اور بشارت ہے۔ کہ جب اُن کو کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یاد رکھو کہ خدا کا خاص بندہ اور مُقرب تب ہی ہوتا ہے۔ کہ ہر مصیبت پر خدا ہی کو مقدم رکھے۔ غرض ایک وہ حصہ ہوتا ہے جس میں خدا اپنی منوانا چاہتا ہے +

دُعا کے معنے تو یہی ہیں کہ انسان خواہش ظاہر کرتا ہے کہ یُوں ہو۔ پس کبھی مولیٰ کریم کی خواہش مقدم ہونی چاہئے۔ اور کبھی اللہ کریم اپنے بندہ کی خواہش کو پُورا کرتا ہے +

دوسرا محل معاوضہ کا یہ ہے کہ ادعونی استجب لکم اس میں تناقض نہیں ہے۔ جب جہات مختلف ہوں تو تناقض نہیں رہا کرتا۔ اس محل پر اللہ تعالےٰ اپنے بندہ کی مانتا ہے +

یہ خوب یاد رکھو کہ انسان کی دُعا اُس وقت قبول ہوتی ہے۔ جب کہ وہ اللہ تعالےٰ کے لئے غفلت فسق و فجور کو چھوڑ دے۔ جس قدر قرب الٰہی انسان حاصل کریگا۔ اُسی قدر قبولیت دُعا کے ثمرات سے حصہ لیگا۔ اسی لئے فرمایا ہے کہ واذا سئلك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلهم یرشدون۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے۔ کہ وانی لهم من مکان بعید یعنی جو مجھ سے دور ہو اُسکی دُعا کیونکر سُنوں۔ یہ گویا عام قانون قدرت کے نظارہ سے ایک سبق دیا ہے۔ یہ نہیں کہ خدا سُن نہیں سکتا۔ وہ تو دل کے مخفی در مخفی ارادوں اور اُن ارادوں سے بھی واقف ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ مگر یہاں انسان کو قرب الٰہی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کہ جیسے دُور کی آواز سُنائی نہیں دیتی۔ اسی طرح پر جو شخص غفلت اور فسق و فجور میں مبتلا رہکر مجھ سے دُور ہوتا جاتا ہے جس قدر وہ دُور ہوتا ہے۔ اُسی قدر حجاب اور فاصلہ اُسکی دُعاؤں کی قبولیت میں ہوتا جاتا ہے +

کیا سچ کہا ہے ع

پیدا است ندا را کہ بلند است جنابت

جیسے میں نے ابھی کہا گو خدا عالم الغیب ہے۔ لیکن یہ قانون قدرت ہے کہ تقویٰ کے بغیر کچھ نہیں ہوتا +

نادان انسان بعض وقت عدم قبول دُعا سے مُرتد ہو جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے۔ کہ نوافل سے مومن میرا مقرب ہو جاتا ہے +

نوافل فرائض کی کمی کو پورا کرتے ہیں - ایک فرائض ہوتے ہیں۔ دوسرے نوافل۔ یعنی ایک تو وہ احکام ہیں جو بطور حق واجب کے ہیں اور نوافل وہ ہیں جو زائد از فرائض ہیں۔ اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو نوافل سے پوری ہو جاوے +

لوگوں نے نوافل صرف نماز ہی کے نوافل سمجھے ہوئے ہیں نہیں یہ بات نہیں ہے ہر فعل کے ساتھ نوافل ہوتے ہیں +

انسان زکوٰۃ دیتا ہے۔ تو کبھی زکوٰۃ کے سوا بھی دے۔ رمضان میں روزے رکھتا ہے کبھی اُس کے سوا بھی رکھے۔ قرض لے تو کچھ ساتھ زائد دے۔ کیونکہ اُس نے مروّت کی ہے + نوافل متمم فرائض ہوتے ہیں۔ نفل کے وقت دل میں ایک خشوع اور خوف ہوتا ہے کہ فرائض میں جو قصور ہُوا ہے۔ وہ اب پورا ہو جائے یہی وہ راز ہے۔ جو نوافل کو قربِ الٰہی کے ساتھ بہت بڑا تعلق ہے۔ گویا خشوع اور تذلّل اور انقطاع کی حالت اُس میں پیدا ہوتی ہے اور اسی لئے تقرب کی وجہ ہیں ایام بیض کے روزے۔ شوال کے چھ روزے۔ یہ سب نوافل ہیں +

پس یاد رکھو کہ خدا سے محبت تام نفل ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ پھر میں ایسے مقرب اور مومن بندوں کی نظر ہو جاتا ہوں یعنی جہاں میرا منشا ہوتا ہے وہیں اُن کی نظر پڑتی ہے +

صادق موت کا بھروسہ نہیں رکھتا اور خدا سے غافل نہیں ہوتا +

اُن کے کان ہو جاتا ہوں یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جہاں اللہ کی یا اُس کے رسُول کی یا اُس کی کتاب کی تحقیر اور ذلّت ہوتی ہے وہاں سے بیزار اور ناراض ہو کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ سُن نہیں سکتے۔ اور کوئی ایسی بات جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور حکم کے خلاف ہو نہیں سُنتے + اور ایسی مجلسوں میں نہیں بیٹھتے ایسا ہی فسق و فجور کی باتیں اور سماع کے ناپاک نظاروں اور آوازوں سے پرہیز کرتے ہیں نامحرم کی آواز سُنکر بُرے خیالات کا پیدا ہونا زنا الاذُن ہے اسی لئے اسلام نے پردہ کی رسم رکھی ہے +

انجیل کی تعلیم کا قرآن کی تعلیم سے مقابلہ

مسیح کا یہ کہنا کہ زنا کی نظر سے نہ دیکھ کوئی کامل تعلیم نہیں ہے

اس کے مقابلہ میں کامل تعلیم یہ ہے جو مبادی گناہ سے بچاتی ہے قل للمومنین یغضوا من ابصارھم یعنی کسی نظر سے بھی نہ دیکھیں۔ کیونکہ دل اپنے اختیار میں نہیں ہے

یہ کیسی کامل تعلیم ہے +

پھر فرماتا ہے کہ ہو جاتا ہوں اُس کے ہاتھ۔ بعض وقت انسان ہاتھوں سے بہت بےرحمی کرتا ہے خدا فرماتا ہے۔ کہ مومن کے ہاتھ بیجا طور پر اعتدال سے نہیں بڑھتے وہ نامحرم کو ہاتھ نہیں لگاتے پھر فرماتا ہے کہ اُسکی زبان ہو جاتا ہوں اسی پر اشارہ ہے ما ینطق عن الھویٰ اِسی لئے رسول صلعم نے جو فرمایا وہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد تھا اور آپکے ہاتھ کے لئے فرمایا ما رمیت اذ رمیت ولٰکن اللہ رمیٰ غرض نفل کے ذریعہ انسان بہت بڑا درجہ اور قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اولیاء اللہ کے زُمرہ میں داخل ہو جاتا ہے پھر من عادالی ولیا فقد بارزنی بالحرب جو میرے ولی کا دشمن ہو میں اُس کو کہتا ہوں کہ اب میری لڑائی کے لئے طیار رہو جا۔ حدیث میں آیا ہے کہ خدا شیرنی کی طرح جس کا بچہ کوئی اُٹھا لیجاوے اُس پر جھپٹتا ہے +

غرض انسان کو چاہئیے کہ وہ اِس مقام کے حاصل کرنے کیلئے ہمیشہ سعی کرتا رہے۔ موت کا کوئی وقت معلوم نہیں ہے کہ کب آجاوے۔ مومن کو مناسب ہے کہ وہ کبھی غافل نہ ہو اور خدا تعالےٰ سے ڈرتا رہے +

مخلص دوستوں کو ہمارے پاس رہنا چاہئیے۔ کیونکہ زندگی کا اعتبار نہیں

ڈاکٹر محمد اسمٰعیلخان صاحب مخلص دوست کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

ڈاکٹر صاحب ہمارے دوست دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کے ساتھ ہم کو کوئی حجاب نہیں اور دوسرے وہ جن کو ہم سے حجاب ہے اسلئے اُن کے دل کا اثر ہم پر پڑتا ہے اور ہم کو اُن سے حجاب رہتا ہے (ربنا لا تجعلنا منھم۔ آمین) جن لوگوں سے ہم کو کوئی حجاب نہیں ہے اُن میں سے ایک آپ بھی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ ہمارے وہ دوست جن کو ہم سے کچھ حجاب باقی نہیں رہا وہ ہمارے پاس رہیں۔ کیونکہ موت کا کچھ اعتبار نہیں ہے ہم سب کے سب عمر کی ایک تیز رفتار گاڑی پر سوار ہیں اور مختلف مقامات کے ٹکٹ ہمارے پاس ہیں کوئی دس برس کی منزل پر اُتر جاتا ہے۔ کوئی بیس کوئی تیس اور بہت ہی کم ۸۰ برس کی منزل پر۔ جب کہ یہ حال ہے تو پھر کیسا بدنصیب وہ انسان ہے کہ وہ اس وقت کی جو اُس کو دیا گیا ہے کچھ قدر نہ کرے اور اُس کو ضائع کر دے +

انسان کی زاہدانہ زندگی کا بڑا معیار نمازہے

انسان کی زاہدانہ زندگی کا بڑا

سلہ الحکم جلد ۴ نمبر ۴۶ ۔ تاریخ تقریر ۲۲ دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء +

بھاری معیار نماز ہے۔ وہ شخص جو خدا کے حضور نماز میں گریاں رہتا ہے امن میں رہتا ہے جیسے ایک بچہ اپنی ماں کی گود میں چیخ چیخ کر روتا ہے اور اپنی ماں کی محبت اور شفقت کو محسوس کرتا ہے اسطرح پر نماز میں تضرع اور ابتہال کے ساتھ خدا کے حضور گڑگڑانے والا اپنے آپ کو ربوبیت کی عطوفت کی گود میں ڈال دیتا ہے۔ یاد رکھو اُس نے ایمان کا حظ نہیں اُٹھایا جس نے نماز میں لذّت نہیں پائی نماز صرف ٹکّروں کا نام نہیں ہے بعض لوگ نماز کو تو دو چار چونچیں لگا کر جیسے مُرغی ٹھونگیں مارتی ہے ختم کرتے ہیں۔ اور پھر لمبی چوڑی دُعا شروع کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ وقت جو اللہ تعالےٰ کے حضور عرض کرنے کے لئے ملا تھا اُس کو صرف ایک رسم اور عادت کے طور پر جلد جلد ختم کرنے میں گذار دیتے ہیں۔ اور حضورِ الٰہی سے نکل کر دُعا مانگتے ہیں نماز میں دعا مانگو۔ نماز کو دُعا کا ایک وسیلہ اور ذریعہ سمجھو +

فاتحہ ۔ فتح کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ مومن کو مومن اور کافر کو کافر بنا دیتی ہے یعنی دونوں میں ایک امتیاز پیدا کر دیتی ہے۔ اور دل کو کھولتی سینہ میں ایک انشراح پیدا کرتی ہے اسلئے سورۂ فاتحہ کو بہت پڑھنا چاہئے۔ اور اس دُعا پر خوب غور کرنا ضروری ہے۔ انسان کو واجب ہے کہ وہ ایک سائل کامل اور محتاج مطلق کی صُورت بنا وے۔ اور جیسے ایک فقیر اور سائل نہایت عاجزی سے کبھی اپنی شکل سے اور کبھی آواز سے دوسرے کو رحم دلاتا ہے۔ اسی طرح سے چاہئے کہ پُوری تضرع اور ابتہال کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے حضور عرض حال کرے +

بس جب تک نماز میں تضرّع سے کام نہ لے اور دُعا کے لئے نماز کو ذریعہ قرار نہ دے نماز میں لذّت کہاں۔ یہ ضروری بات نہیں ہے کہ دُعائیں عربی زبان ہی میں کی جاویں۔ چونکہ اصل غرض نماز کی تضرع اور ابتہال ہے۔ اسلئے چاہئے کہ اپنی مادری زبان ہی میں کرے۔ انسان کو اپنی مادری زبان سے ایک خاص اُنس ہوتا ہے۔ اور وہ پھر اُس پر قادر ہوتا ہے دوسری زبان سے خواہ اُس میں کس قدر بھی دخل ہو اور مُہلت کامل ہو ایک قسم کی اجنبیت باقی رہتی ہے۔ اس لئے چاہئے کہ اپنی مادری زبان ہی میں دُعائیں مانگے +

کسی کو کیا معلوم ہے کہ ظہر کے بعد عصر کے وقت تک زندہ رہے۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ یک دفعہ ہی دوران خون بند ہو کر جان نکل جاتی ہے۔ بعض دفعہ چنگے بھلے آدمی مرجاتے ہیں۔ وزیر محمد حسن خان صاحب ہوا خوری کر کے آئے تھے۔ اور خوشی خوشی زینہ پر چڑھنے لگے۔ ایک دو زینہ چڑھے ہونگے کہ چکّر آیا بیٹھ گئے۔ نوکر نے کہا کہ میں سہارا دوں۔ کہا نہیں پھر دو تین زینہ چڑھے

پھر چکر آیا۔ اور اسی چکر کے ساتھ جان نکل گئی۔ ایسا ہی غلام محی الدین کونسل کشمیر کا ممبر یکدفعہ ہی مر گیا۔ غرض موت کے آجانے کا ہم کو کوئی وقت معلوم نہیں کہ کس وقت آجاوے۔ اسی لئے ضروری ہے۔ کہ اس سے بیفکر نہ ہوں پس دُنیا کی غمخواری ایک بڑی چیز ہے جو سکرات الموت میں سُرخرو رکھتی ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے ان زلزلۃ الساعۃ شئ عظیم۔ ساعت سے مُراد قیامت بھی ہوگی۔ ہم کو اس سے اِنکار نہیں۔ مگر اس میں سکرات الموت ہی مُراد ہے۔ کیونکہ انقطاع تام کا وقت ہوتا ہے۔ انسان اپنے محبوبات اور مرغوبات سے یکدفعہ الگ ہوتا ہے۔ اور ایک عجیب قسم کا زلزلہ اُس پر طاری ہوتا ہے۔ گویا اندر ہی اندر وہ ایک شکنجہ میں ہوتا ہے۔ اسلئے انسان کی تمام تر سعادت بھی ہے۔ کہ وہ موت کا خیال رکھے۔ اور دُنیا اور اُس کی چیزیں اُس کی ایسی محبوبات نہ ہوں جو اس آخری ساعت میں علیحدگی کے وقت اُس کی تکالیف کا موجب ہوں دُنیا اور اُسکی چیزوں کے متعلق ایک شاعر نے کہا ہے ؎

ایں ہمہ در گشتنت آہنگ　　گاہ بصُلح کشند و گاہ بجنگ

قرآن کریم نے اس مضمون کو اس آیت میں ادا کر دیا ہے +

انما اموالکم و اولادکم فتنہ کی تشریح

انما اموالکم و اولادکم فتنہ اموالکم میں عورتیں داخل ہیں عورت چونکہ پردہ میں رہتی ہے۔ اسلئے اُس کا نام بھی پردہ ہی میں رکھا ہے۔ اور اسلئے بھی کہ عورتوں کو انسان مال خرچ کرکے لاتا ہے۔ مال کا لفظ مائل سے لیا گیا ہے یعنی جس کی طرف طبعاً توجہ اور رغبت کرتا ہے عورت کی طرف بھی چونکہ طبعاً توجہ کرتا ہے۔ اسلئے اُس کو مال میں داخل فرمایا ہے۔ مال کا لفظ اسلئے رکھا۔ تاکہ عام محبوبات پر حاوی ہو۔ ورنہ اگر صرف نساء کا لفظ ہوتا تو اولاد اور عورت دو چیزیں قرار دی جاتیں۔ اور اگر محبوبات کی تفصیل کی جاتی تو پھر دس جزو میں بھی ختم نہوتا محض مال سے مُراد کلما یمیل الیہ القلب ہے۔ اولاد کا ذکر اسلئے کیا ہے۔ کہ انسان اولاد کو جگر کا ٹکڑا اور اپنا وارث سمجھتا ہے + مختصر بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اور انسان کے محبوبات میں ضد ہے دونوں باتیں یکجا جمع نہیں ہو سکتیں +

اپنی بیویوں سے نیک سلوک کرو

اس سے یہ مت سمجھو کہ پھر عورتیں ایسی چیزیں ہیں کہ اُن کو بہت ذلیل اور حقیر قرار دیا جاوے نہیں نہیں ہمارے ہادی کامل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیرکم خیرکم لاھلہ تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جس کا اپنے

اہل کے ساتھ عمدہ سلوک ہو بیوی کے ساتھ جس کا عمدہ چال چلن اور معاشرت اچھی نہیں وہ نیک کہاں دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی تب کر سکتا ہے جب وہ اپنی بیوی کے ساتھ عمدہ سلوک کرتا ہو اور عمدہ معاشرت رکھتا ہو۔ نہ یہ کہ ہر ادنیٰ بات پر زدوکوب کرے۔ ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ بعض وقت ایک غصہ میں بھرا ہوا انسان بیوی سے ادنیٰ سی بات پر ناراض ہو کر اُس کو مارتا ہے اور کسی نازک مقام پر چوٹ لگی ہے اور بیوی مر گئی ہے۔ اسلئے اُن کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ عاشروھن بالمعروف ہاں اگر وہ بیجا کام کرے تو تنبیہ ضروری چیز ہے +

انسان کو چاہیئے کہ عورتوں کے دل میں یہ بات جما دے کہ وہ کوئی ایسا کام جو دین اور ملت کے خلاف ہو کبھی بھی پسند نہیں کر سکتا۔ اور ساتھ ہی وہ ایسا جابر اور ستم شعار نہیں کہ اس کی کسی غلطی پر بھی چشم پوشی نہیں کر سکتا +

خاوند عورت کے لیئے اللہ تعالیٰ کا مظہر ہوتا ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ پس مرد میں جلالی اور جمالی دونوں رنگ موجود ہونے چاہئیں۔ اگر خاوند عورت کو کہے کہ تو اینٹوں کا ڈھیر ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ رکھ دے تو اُس کا حق نہیں ہے کہ اعتراض کرے ایساہی قرآن کریم اور حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مرید کے ساتھ ہر مرشد کا تعلق ایسا ہونا چاہئے جیسا عورت کا تعلق مرد سے ہو مرشد کے کسی حکم کا انکار نہ کرے۔ اور اُسکی دلیل نہ پوچھے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم فرمایا ہے کہ منعم علیہم کی راہ کے مقید رہیں۔ انسان چونکہ طبعاً آزادی کو چاہتا ہے پس حکم کر دیا کہ اس راہ کو اختیار کرے۔ تجربہ کار ڈاکٹر اگر غلطی بھی کرے تو جاہل کے علاج سے بہتر ہے +

ایک جاہل کے پاس اگر اعلیٰ درجہ کے تیز اوزار ہیں لیکن ہاتھ حاذق ڈاکٹر کا نہ ہو تو وہ اوزار کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں کسی نے کہا ہے ؎

اگر دستِ سلیمانی نباشد — چہ خاصیت دہد نقشِ سلیمانی

پس قرآن کریم ایک تیز ہتھیار ہے لیکن اس کے استعمال کے لئے اعلیٰ درجہ کے ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی تائیدات سے فیضیافتہ ہو +

یہ ضروری بات ہے کہ دل پاک ہو لیکن ہر جگہ یہ دولت میسّر نہیں آسکتی تھی اسلئے اللہ تعالیٰ نے

نبیوں کو پیدا کیا۔ مگر ہر شخص نبی نہیں ہوتا اور وہ تعداد کم ہے۔ آدم ہی ایک ہے جو نطفہ کے بغیر پیدا ہوا ہے اسی طرح پر میرا الہام ہے اردت ان استخلف فخلقت آدم یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اسکو کسی کی بیعت اور مریدی کی ضرورت نہ ہو گی بلکہ جیسے آدم کو خدا نے اپنے جمالی اور جلالی ہاتھ سے پیدا کیا ہے یہ خلیفۃ اللہ بھی اُسی کے ہاتھ کا تربیت یافتہ اور اُسی کے ہاتھ پر بیعت کرنیوالا ہو گا۔ اسی لیئے اللہ تعالےٰ نے مجھ کو ان سلسلوں سے الگ رکھا جو منہاج نبوت کے خلاف ہیں۔ اب جبکہ یہ حال ہے کہ دل کی پاکیزگی کا حاصل کرنا ضروری ہے اور یہ حاصل نہیں ہو سکتی جب تک منہاج نبوت پر آئے ہوئے پاک انسان کی صحبت میں نہ بیٹھے۔ اسکی صحبت کی توفیق نہیں ملسکتی جب تک اولاً انسان یہ یقین نہ کرلے کہ وہ ایک مرنے والی ہستی ہے۔ یہی ایک بات ہے جو اسکو صادق کی صحبت کی توفیق عطا فرماوے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالےٰ کسی بندہ کے لئے نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں ایک واعظ پیدا کرتا ہے سب سے بڑھ کر واعظ موت ہے کہ وہ کونوا مع الصادقین کی حقیقت کو سمجھ لے ✦

صحابہ کرام کی حالت کو دیکھو کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کے لئے کیا کچھ دکھیا جو کچھ اُنھوں نے کیا اُسی طرح پر ہماری جماعت کو لازم ہے کہ وہی رنگ اپنے اندر پیدا کریں بدوں اس کے کہ وہ اس اصلی مطلب کو جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں نہیں پا سکتے۔ کیا ہماری جماعت کو زیادہ حاجتیں اور ضرورتیں لگی ہوئی ہیں جو صحابہ کو نہ تھیں؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے اور آپ کی باتیں سُننے کے واسطے کیسے حریص تھے ✦

اللہ تعالےٰ نے اس جماعت کو جو مسیح موعود کے ساتھ ہے یہ درجہ عطا فرمایا ہے کہ وہ صحابہ کی جماعت سے ملنے والی ہے وآخرین منھم لما یلحقوا بھم مفسرین نے مان لیا ہے کہ یہ مسیح موعود والی جماعت ہے۔ اور یہ گویا صحابہ ہی کی جماعت ہو گی۔ اور وہ مسیح موعود کے ساتھ نہیں درحقیقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہی ساتھ ہیں۔ کیونکہ مسیح موعود آپ ہی کے ایک جمال میں آئیگا۔ اور تکمیل تبلیغ اشاعت کے کام کے لئے مامور ہو گا۔ اس لئے ہمیشہ دل غم میں ڈوبا رہتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ ہماری جماعت کو بھی صحابہ کے انعامات سے بہرہ ور کرے۔ اُن میں وہ صدق و وفا وہ اخلاص اور اطاعت پیدا ہو جو صحابہ میں تھی۔ یہ خدا کے سوا کسی سے

رہنے والے نہوں متقی ہوں۔ کیونکہ خدا کی محبت متقی کے ساتھ ہوتی ہے ۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ؎ +

؎ بقیہ تقریر کے لئے دیکھو صفحہ ۱۷۱ کتاب ہذا +

؎۵۲ ہر نبی اور مامور کے وقت دو فرقے (ایک سعید دوسرا شقی) ہوتے ہیں

دیکھو! میں محض للہ مختصر طور پر چند باتیں سُناتا ہوں میری طبیعت اچھی نہیں اور زیادہ باتوں کی حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالےٰ نے نیک اور پاک فطرت عطا فرمائی ہے اور جن کی اِستعدادیں عمدہ ہیں وہ بہت باتوں کے محتاج نہیں ہوتے۔ اور ایک اشارہ ہی سے اصل مقصد اور مطلب کو سمجھ لیتے اور بات کو پا لیتے ہیں۔ ہاں جو لوگ اچھی فطرت اور عمدہ استعداد نہیں رکھتے اور اللہ تعالےٰ کی ذات اور قدرت پر اعتقاد نہیں رکھتے۔ وہ تو اپنی ہی اغراض کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ ایسی سستی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں کہ اگر سب انبیاء علیہم السلام اکٹھے ہو کر ایک ہی وعظ کے ممبر پر چڑھ کر نصیحت کریں انہیں تب بھی کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ یہی وہ سِرّ ہے کہ ہر نبی اور مامُور کے وقت دو فرقے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جس کا نام سعید رکھا ہے۔ اور دوسرا وہ جو شقی کہلاتا ہے۔ دونوں فرقے وعظ و نصیحت کے لحاظ سے یکساں طور پر انبیاء علیہم السّلام کے سامنے تھے۔ اور اس پاک گروہ نے کبھی کسی سے بُخل نہیں کیا پُورے طور پر حق نصیحت ادا کیا جیسے سعیدوں کے لئے ویسے ہی اشقیا کے لئے مگر سعید قوم کان رکھتی تھی جس سے اُس نے سُنا۔ آنکھیں رکھتی تھی جس سے دیکھا۔ دِل رکھتی تھی جس سے سمجھا۔ مگر اشقیا کا گروہ ایک ایسی قوم تھی جس کے کان نہ تھے جو سُنتی۔ اور نہ آنکھیں تھیں جس سے دیکھتی نہ دل تھے جس سے سمجھی۔ اِسی لئے وہ محروم رہی +

مکّہ کی مٹّی ایک ہی تھی جس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اُبوجہل پیدا ہوئے۔ مکّہ وہی مکّہ جہاں اب کروڑوں انسان ہر طبقہ اور درجہ کے دُنیا کے ہر حصّہ سے جمع ہوتے ہیں۔ اسی سرزمین سے یہ دونوں انسان پیدا ہوئے جن میں سے اوّل الذکر اپنی سعادت اور رُشد کی وجہ سے ہدایت پا کر صدیقوں کا کمال پا گیا۔ اور دوسرا شرارت جہالت بیجا عداوت اور حق کی مخالفت میں شہرت یافتہ ہے +

یاد رکھو کمال دو ہی قسم کے ہوتے ہیں ایک رحمانی دوسرا شیطانی۔ رحمانی کمال کے آدمی آسمان پر ایک شہرت اور عزت پاتے ہیں۔ اِسی طرح شیطانی کمال کے آدمی شیاطین کی ذرّیت میں شہرت رکھتے ہیں +

؎۵۲ الحکم جلد ۵ نمبر ۱ تاریخ تقریر ۲۸ دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء

غرض ایک ہی جگہ دونوں تھے پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کچھ فرق نہیں کیا۔ جو کچھ حکم اللہ تعالےٰ نے دیا وہ سب کا سب یکساں طور پر سب کو پہنچا دیا۔ مگر بد نصیب بد قسمت محروم رہ گئے۔ اور سعید ہدایت پا کر کامل ہو گئے۔ ابوجہل اور اُس کے ساتھیوں نے بیسیوں نشان دیکھے اور انوار و برکاتِ الٰہیہ کو مشاہدہ کیا مگر اُن کو کچھ بھی فائدہ نہ ہوا۔

اب ڈرنے کا مقام ہے

کہ وہ کیا چیز تھی جس نے ابوجہل کو محروم رکھا؟ اُس نے ایک عظیم الشان نبی کا زمانہ پایا جس کیلئے نبی ترستے گئے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک ہر ایک کی تمنا تھی۔ مگر انہیں وہ زمانہ نہ ملا۔ اس بدبخت نے وہ زمانہ پایا جو تمام زمانوں سے مبارک تھا۔ مگر کچھ فائدہ نہ اُٹھایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ اور خوف کا مقام ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والی آنکھ نہ ہو اُسکے سُننے والا کان ہو اور اُس کے سمجھنے والا دل نہ ہو کوئی شخص کسی نبی اور مامور کی باتوں سے کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا میں پھر کہتا ہوں کہ اصل یہی ہے کہ سرشت میں دو حصّے ہوتے ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جن کے قوے عمدہ ہیں۔ اور وہ سعادت اور رُشد کے پا جانے کے لئے استعدادوں سے یُوں بھرے ہوئے ہوتے ہیں جیسے ایک عطر کا شیشہ لبریز ہوتا ہے۔ تیل اور بتّی سب کچھ موجود ہوتا ہے صرف ایک ذراسی آگ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور وہ ایک ادنےٰ سی تحریک اور رگڑ سے روشن ہو اُٹھتی ہے +

ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ تھا جس کی فطرت میں سعادت کا تیل اور بتی پہلے سے موجود تھی۔ اسلئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم نے اس کو فی الفور متاثر کر کے روشن کر دیا۔ اس نے آپ سے کوئی بحث نہیں کی۔ کوئی نشان اور معجزہ نہ مانگا معاً سُنکر صرف اتنا ہی پُوچھا کہ کیا آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جب رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تو بول اُٹھے۔ کہ آپ سب گواہ رہیں میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں +

یہ تجربہ کیا گیا ہے کہ سوال کرنے والے بہت کم ہدایت پاتے ہیں۔ ہاں حُسنِ ظن اور صبر سے کام لینے والے ہدایت سے پُورے طور پر حصہ لیتے ہیں۔ اس کا نمونہ ابوبکرؓ اور ابُوجہل دونوں موجود ہیں۔ ابوبکر نے جھگڑا نہ کیا اور نشان نہ مانگے۔ مگر اُس کو وہ دیا گیا جو نشان مانگنے والوں کو نہ ملا۔ اس نے نشان پر نشان دیکھے اور خود ایک عظیم الشان نشان بنا۔ ابوجہل نے حجت کی اور مخالفت اور جہالت سے باز نہ آیا۔ اُس نے نشان پر نشان دیکھے مگر دیکھ نہ سکا آخر خود دوسروں کیلئے نشان ہوکر مخالفت ہی میں ہلاک ہُوا۔ اس سے صاف پتہ لگتا ہے۔ کہ جبکہ

فطرت میں نور ایمان ہے انہیں زیادہ گوئی کی ضرورت نہیں وہ ایک ہی بات سے مطلب پر پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے دل میں ایک روشنی ہوتی ہے وہ معاً آواز کے سُنتے ہی مُنوّر ہو جاتے ہیں۔ اور وہ الٰہی قوت جو اُن کے اندر ہوتی ہے اُس آواز کو سُنکر جوش میں آجاتی ہے اور نشو ونما پاتی ہے جن میں یہ قوت نہیں ہوتی وہ محروم رہکر ہلاک ہو جاتے ہیں یہی طریق شروع سے چلا آیا ہے۔ اب ہر شخص کو خوف کرنا چاہئیے کہ اگر کسی زمانہ میں اصلاح کے لئے مامور پیدا ہوتا ہے تو جو لوگ اپنے اندر اس مامور کے لئے قبولیت اور ایمان کا رنگ پاتے ہیں وہ مبارک ہیں لیکن جو اپنے دل میں قبض پاتا ہے اور دل ماننے کی طرف رجوع نہیں کرتا اُس کو ڈرنا چاہئیے۔ کہ یہ انجام بد کے آثار ہیں اور محرومی کے اسباب +

یقیناً سمجھ لو اور یہ ایک راز کی بات ہے کہ جو حق کے قرائن و دلائل دیکھ کر نہیں مانتا اور حُسن ظن اور صبر سے کام نہیں لیتا اور تلاش رد میں رہتا ہے عُمدہ سے عمدہ نشان اور قوی سے قوی دلائل اُسکے پیش کئے جاتے ہیں۔ مگر وہ اُن کو دیکھ کر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ ردّ کی فکر میں لگجاتا ہے تو اُس کو ڈرنا چاہئیے۔ کہ یہ اشقیا والی عادت ہے امر بالمعروف اور نھی عن المنکر سے اس جماعت نے کبھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ جب اُنھوں نے اللہ تعالےٰ کا پیام سُنا اور مامور من اللہ کی آواز اُن کے کان میں پہنچی وہ مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ذکر معکوس اور بُخل و بیجا عداوت کی وجہ سے اُس کی تردید کی فکر میں لگ گئے پھر اسی پر بس نہیں کی انسان چونکہ ترقی کرتا ہے دوستی ہو یا دشمنی۔ آخر بڑے بڑے مقابلوں اور ناپاک منصوبوں تک نوبت پہنچ کر ہلاکت کی گھڑی آجاتی ہے +

ایسا ہی حال پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہُوا۔ ایک گروہ نے ایمان میں وہ ترقی کی۔ کہ بکریوں کی طرح خدا کے حکم پاکر ذبح ہو گئے اور کچھ پرواہ نہیں کی بیوی بچوں کا کیا حال ہوگا۔ اُن کو کچھ ایسی شراب محبّت پلائی گئی کہ لاپرواہ ہو کر جانیں دیدیں۔ یہ تصرف اُس نظارہ کے وقت معلوم ہوتا ہے۔ کہ کس طرح پر اُنھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی +

یہ مت خیال کرو۔ کہ صرف بیعت کر لینے سے ہی خدا راضی ہو جاتا ہے۔ یہ تو صرف پوست ہے مغز تو اُس کے اندر ہے اکثر قانون قدرت یہی ہے کہ ایک چھلکا ہوتا ہے۔ اور مغز اُس کے اندر ہوتا ہے چھلکا کوئی کام کی چیز نہیں ہے مغز ہی لیا جاتا ہے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اُن میں مغز رہتا ہی نہیں۔ اور مرغی کے ہوائی انڈوں کی طرح جن میں نہ زردی ہوتی ہے اور

نہ سفیدی جو کسی کام نہیں آسکتے اور ردّی کی طرح پھینک دیئے جاتے ہیں۔ ہاں ایک دو منٹ تک کسی بچہ کے کھیل کا ذریعہ ہو تو ہو۔ اسی طرح پر وہ انسان جو بیعت اور ایمان کا دعوےٰ کرتا ہے اگر وہ اُن دونوں باتوں کا مغز اپنے اندر نہیں رکھتا تو اُسے ڈرنا چاہیئے کہ ایک وقت آتا ہے کہ وہ اُس ہُوائی انڈے کی طرح ذراسی چوٹ سے چکنا چور ہو کر پھینک دیا جاویگا +

اسی طرح جو بیعت اور ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اُسکو ٹٹولنا چاہیئے کہ کیا میں چھلکا ہی ہوں یا مغز؟ جب تک مغز پیدا نہو ایمان محبت۔ اطاعت بیعت اعتقاد مریدی اسلام کا مُدعی سچا مدعی نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ یہ سچی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور مغز کے سوا چھلکا کی کچھ بھی قیمت نہیں۔ خوب یاد رکھو کہ معلوم نہیں موت کس وقت آجاوے لیکن یہ یقینی امر ہے کہ مرنا ضرور ہے پس نرے دعوے پر ہرگز کفایت نہ کرو اور خوش نہ ہو جاؤ۔ وہ ہرگز ہرگز فائدہ رساں چیز نہیں۔ جب تک انسان اپنے آپ پر بہت موتیں وارد نہ کرے اور بہت سی تبدیلیوں اور انقلابات میں ہو کر نہ نکلے وہ انسانیت کے اصل مقصد کو پا نہیں سکتا +

انسان اصل میں اُنسان سے لیا گیا ہے یعنی جس میں دو حقیقی اُنس ہوں ایک اللہ تعالےٰ سے دوسرا بنی نوع کی ہمدردی سے۔ جب یہ دونوں اُنس اس میں پیدا ہو جاویں اس وقت انسان کہلاتا ہے اور یہی وہ بات ہے جو انسانیت کا مغز کہلاتی ہے اور اسی مقام پر انسان اولوالالباب کہلاتا ہے۔ جب تک یہ نہیں کچھ بھی نہیں ہزار دعویٰ کرو اور دکھاؤ مگر اللہ تعالےٰ کے نزدیک اُس کے نبی اور فرشتوں کے نزدیک ہیچ ہے +

پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام انسان نمونہ کے محتاج ہوتے ہیں اور وہ نمونہ انبیاء علیہم السلام کا وجود ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس بات پر قادر تھا کہ درختوں پر کلام الٰہی لکھا جاتا۔ مگر اُس نے جو پیغمبروں کو بھیجا اور اُن کی معرفت کلام الٰہی نازل فرمایا۔ اُس میں سِرّ یہ تھا کہ تا انسان جلوہ الوہیت کو دیکھے جو پیغمبروں میں ہو کر ظاہر ہوتا ہے پیغمبر الوہیت کے مظہر اور خدا نما ہوتے ہیں۔ پھر سچا مسلمان اور معتقد وہ ہوتا ہے جو پیغمبروں کا مظہر ہے صحابہ کرام نے اس راز کو خوب سمجھ لیا تھا اور وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ایسے گم ہوئے اور کھوئے گئے۔ کہ ان کے وجود میں اور کچھ باقی رہا ہی نہیں تھا جو کوئی اُن کو دیکھتا تھا اُن کو محویت کے عالم میں پاتا تھا۔ پس یاد رکھو کہ اس زمانہ میں بھی جب تک وہ محویت اور وہ اطاعت میں گمشدگی پیدا نہو گی جو صحابہ کرام میں پیدا ہوئی تھی

مریدوں معتقدوں میں داخل ہونے کا دعویٰ تب ہی سچا اور بجا ہوگا اور یہ بات اچھی طرح پر اپنے ذہن نشین کر لو کہ جب تک یہ نہ ہو کہ اللہ تعالےٰ تم میں سکونت کرے۔ اور خدا تعالےٰ کے آثار تم میں ظاہر ہوں اُس وقت تک شیطانی حکومت عمل و دخل موجود ہے +

شیطان۔ جھوٹ ظلم۔ جذبات خون۔ طول امل ریا اور تکبر کی طرف بُلاتا ہے اور دعوت کرتا ہے اس کے بالمقابل اخلاق فاضلہ صبر محویت فنا فی اللہ۔ اخلاص ایمان فلاح یہ اللہ تعالےٰ کی دعوتیں ہیں انسان ان دونو تجاذب میں پڑا ہوا ہے پھر جس کی فطرت نیک ہے اور سعادت کا مادہ اُس میں رکھا ہوا ہے۔ وہ شیطان کی ہزاروں دعوتوں اور جذبات کے ہوتے ہوئے بھی اس فطرت رشید سعادت اور سلامت روی کے مادہ کی برکت سے اللہ تعالےٰ کی ہی طرف دوڑتا ہے اور خدا ہی میں اپنی راحت تسلی اور اطمینان کو پاتا ہے۔ مگر ہر چیز کے لئے نشان ضرور ہوتے ہیں جب تک اس میں وہ نشان نہ پائے جائیں وہ معتبر نہیں ہو سکتی دیکھو دواؤں کی طبیب شناخت کر لیتا ہے۔ بنفشہ۔ خیار شنبر ترنجبین اگر وہ صفات نہ پائے جائیں جو ایک بڑے تجربہ کے بعد اُن میں متحقق ہوئے ہیں تو طبیب اُن کو ردّی کی طرح پھینک دیتا ہے۔ اسی طرح پر ایمان کے نشانات ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو بار بار اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ یہ سچی بات ہے کہ جب ایمان انسان کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ تو اُس کے ساتھ ہی اللہ تعالےٰ کی عظمت یعنی جلال۔ تقدس۔ کبریائی۔ قدرت اور سب سے بڑھ کر لا الٰہ الا اللہ کا حقیقی مفہوم داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُسکے اندر سکونت اختیار کرتا ہے۔ اور شیطانی زندگی پر ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور گناہ کی فطرت مر جاتی ہے اُس وقت ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے۔ اور وہ رُوحانی زندگی ہوتی ہے۔ یا یہ کہو کہ آسمانی پیدائش کا پہلا دن وہ ہوتا ہے جب شیطانی زندگی پر موت وارد ہوتی ہے اور رُوحانی زندگی کا تولد ہوتا ہے جیسے بچہ کا تولد ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے سورۃ الفاتحہ میں اسی تولد کیطرف ایما فرمایا ہے۔ الحمد للہ رب العٰلمین الرحمٰن الرحیم۔ مالک یوم الدین یہ چاروں صفات اللہ تعالےٰ کی بیان کی گئی ہیں۔ یعنی وہ خدا جس میں تمام محامد پائے جاتے ہیں۔ کوئی خوبی سوچ اور خیال میں نہیں آسکتی جو اللہ تعالےٰ میں نہ پائی جاتی ہو بلکہ انسان کبھی بھی اُن محامد اور خوبیوں کو جو اللہ کریم میں پائی جاتی ہیں کبھی بھی شمار

نہیں کر سکتا۔ جو خدا اسلام نے دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہی کامل اور سچا خدا ہے۔ اور اسی لئے قرآن کو الحمد للہ سے شروع فرمایا ہے۔ دوسری قوموں اور کتابوں نے جس خدا کی طرف دُنیا کو دعوت کی ہے وہ کوئی نہ کوئی عیب اپنے اندر رکھتے ہیں کسی کے ہاتھ نہیں کسی کے کان نہیں کوئی گونگا ہے کوئی کچھ غرض کوئی نہ کوئی عیب اور روگ موجود ہے مثلاً عیسائیوں نے جس کو خدا بنا رکھا ہے سوچنے والا انسان سوچ سکتا ہے کہ اگر یہ ۱۹۰۰ برس کی مدت اُن کے اس خیالی ڈھکوسلہ پر نہ گذر گئی ہوتی تو کچھ بھی اُن کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ اب صرف ایک بیہودہ بات کہ ۱۹۰۰ برس سے یہ مذہب چلا آتا ہے کوئی دلیل مسیح کی خدائی کی نہیں ہے۔ مسیح کو خدا بنانے والوں کو باوجود اس فلسفہ دانی کے شرم آجاتی۔ اگر سوچتے کہ کیا کبھی عورت کے پیٹ سے معمولی طور پر پیشاب کی راہ پیدا ہونے والا ضعیف ناتوان بچہ جو کھانے پینے کا محتاج پاخانہ اور پیشاب کی حاجتوں کا پابند تمام انسانی حوائج کا اسیر اور محتاج ہو خدا ہو سکتا ہے؟ صرف اتنی ہی بات ہے کہ پرانی بات ہو کر اُنھوں نے قائم مقام دلیل کے بنالی ہے۔ جیسے ہندوؤں کے خیال میں گنگا کے پانی میں ست اور برکت خیالی طور پر رکھی ہوئی ہے۔ حالانکہ وہ ایک معمولی دریا ہے جس میں مینڈک کچھوے اسی طرح موجود ہیں جیسے اور دریاؤں میں۔ اور اُس میں مُردوں کی ہڈیاں ڈالی جاتی ہیں۔ اب اگر ایک ہندو سے اس کی دلیل پوچھیں تو وہ یہی کہیگا۔ کہ میرے دل میں دلیل ہے بیان نہیں کر سکتا۔ ایسا ہی نادان آریوں نے جو پرمیشر دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ ایک مستری اور کاریگر سے بڑھ کر نہیں۔ کیونکہ بجز جوڑنے جاڑنے کے خالقیت کے اعلےٰ جوہر سے وہ بے بہرہ ہے روح اور ذرات عالم پر اس کا کوئی تصرف نہیں۔ کیونکہ اُس نے اُن کو پیدا ہی نہیں کیا وہ کبھی اپنے بندوں کو نجات نہیں دے سکتا۔ کیونکہ پھر سارا کارخانہ ہی بگڑتا ہے۔ اور ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ وہ اپنے کسی مخلص بندہ کی دُعا ہی نہیں سُن سکتا۔ اور نہ کسی کو وہ اپنے فضل سے کچھ دے سکتا ہے کیونکہ جو کچھ وہ کسی کو دیتا ہے۔ اُس کے ہی کرموں کا پھل ہوتا ہے۔ غرض ہر قوم اور کتاب نے جیسا خدا پیش کیا ہے اُس کو دیکھ کر شرم آجاتی ہے۔ یہ فضیلت اور فخر اسلام ہی کو ہے کہ اس کا ماننے والا کبھی شرمندہ نہیں ہو سکتا۔ اُس نے کامل خدا کا پلہ پکڑا ہے اور کامل ہی کے حضور جائیگا*

*یہ محض اللہ تعالےٰ کا احسان اور فضل ہے پھر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے

عظیم الشان احسان فرمایا۔ اگر آپ کا وجود باجود دنیا میں نہ آتا تو رام رام کہنے والوں کی طرح بہت سے جھوٹے اور بیہودہ اینٹ پتھر وغیرہ معبود بنائے جاتے۔ اللہ تعالےٰ کا بے انتہا شکر ہے کہ نبی معصوم صلے اللہ وسلم آیا اور بت پرستوں سے اس نے نجات دی یہی وہ راز ہے کہ یہ درجہ صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اُن احسانوں کے معاوضہ میں ملا۔ کہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ؏

اِدھر ہندوؤں نے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کو خدا بنا رکھا تھا اُس وقت کی حالت سے کوئی نہیں بتلا سکتا کہ موحد فرقہ کہاں رہتا تھا۔ اس سے اللہ تعالےٰ اور اُس کے تقاضے کا پتہ لگتا ہے کہ کیونکر تاریکی کے وقت اُس کی غیرت ہدایت کا تقاضا کرتی ہے۔ ہندو رام رام اور عیسائی ربنا الیسوع ربنا الیسوع پکارتے تھے کوئی ایسا نہ تھا جو خدا کا نام لیتا۔ کروڑوں پردوں میں اللہ تعالےٰ کا جلالی اسم مخفی تھا۔ اللہ جلشانہ نے جب احسان کرنا چاہا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ آپ کا نام محمدؐ تھا جس کے معنی ہیں نہایت ہی تعریف کیا گیا جو باب تفعیل سے آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی اُسی قدر قابل تعریف ٹھیرتا ہے جس قدر کام کرتا ہے۔ پہلے نبی خاص قوموں کے لئے آتے تھے۔ اور ایک نقص یہ تھا کہ ایک عظیم الشان اصلاح کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ مثلاً حضرت مسیح جب آئے تو وہ صرف بنی اسرائیل ہی کی گم شدہ بھیڑوں کو اکٹھا کرنے کے واسطے آئے۔ اور یہودیوں کے پاس اُس وقت توریت موجود تھی وہی توریت کی تعلیمات عملدرآمد کے لئے کافی سمجھی گئی تھیں۔ اور یہودی توریت کے احکام اور تعلیمات کے قائل اور اُن پر قائم تھے۔ ہاں بعض اخلاقی کمزوریاں تھیں جو اُن میں پیدا ہو گئی تھیں۔ اور یہ صاف بات ہے کہ صرف اخلاقی کمزوریوں کا دور کرنا اُن نقصانات کو بتلا دینا یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ایک معمولی درجہ کا آدمی بھی ایسا کر سکتا ہے۔ اور اخلاقی واعظ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسیح کا نام محمدؐ نہ رکھا گیا کیوں؟ کہ اُن کی خدمات الٰہی اعلےٰ درجہ کی نہ تھیں اور اسی طرح پر موسیٰ علیہ السلام جب آئے۔ گو وہ ایک شریعت لے کر آئے۔ مگر اُن کا بڑا کام بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا ہی تھا۔ حالانکہ وہ قوم چار سو برس کی تلخیوں اور مصیبتوں کی وجہ سے بجائے خود اسبات پر آمادہ اور طیار تھی۔ کہ کوئی ایسی تحریک ہو تو وہاں سے نکل کھڑے ہوں۔ مادہ طیار تھا صرف تحریک اور محرک کی ضرورت تھی۔ انسان جب

کسی بیگار یا بیجا مشقت میں پکڑا جاوے تو وہ خود اُس سے نجات پانی چاہتا ہے۔ اور نکلنے کی خواہش کرتا ہے پس جب بنی اسرائیل فرعون کی غلامی میں پریشان ہو رہے تھے۔ اور اندر ہی اندر وہ اُس سے رہائی پانے کی فکر میں تھے اُس وقت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کی طرف سے مامور ہو کر جب اُنھیں کہا کہ میں تم کو فرعون کی غلامی سے نجات دلاؤنگا تو وہ سب طیار ہو گئے۔ بنی اسرائیل کے حالات اور واقعات کو بنظر غور دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اُن کی اصل غرض موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی کیا تھی۔ بڑی بھاری غرض یہی تھی کہ وہ فرعون کی غلامی سے نکلیں۔ چنانچہ رُوحانی اور خدا پرستی کے متعلق وہ ہمیشہ ٹھوکر کھاتے رہے اور بیجا گستاخیوں اور شوخیوں سے کام لیتے رہے یہاں تک کہ لن نؤمن لك حتّٰی نرى الله جهرة اذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون جیسے کلمات کہنے اور ذرا سی غیر حاضری میں گوسالہ پرستی کرنے سے باز نہ آئے۔ اور بات بات میں ضد اور اعتراض سے کام لیتے۔ اُن کے حالات پر پوری نظر کے بعد صاف معلوم دیتا ہے کہ وہ صرف فرعون کی غلامی سے ہی آزاد ہونا چاہتے تھے خود اپنے آپ میں رہبری اور سرداری کی قوت نہ رکھتے تھے اسلئے موسیٰ علیہ السلام کی بات سُنتے ہی طیار ہو گئے۔ چونکہ بہت تنگ آچکے تھے اور مرتا کیا نہ کرتا اپنی سُرخروئی اُنھوں نے اسی میں سمجھی حضرت موسیٰ کے ساتھ نکل پڑے لیکن آخر موسیٰ کی کامیابیوں کی راہ میں ٹھوکر کا پتھر بنے غرض حضرت موسیٰ کو بہت محنت و مشقت کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ قوم زندان غلامی میں گرفتار تھی۔ اور طیار تھی کہ کوئی آئے تو اُسے قبول کرلیں ایسی حالت میں کئی لاکھ آدمیوں نے ایکدن میں قبول کرلیا۔ اور اُنھوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دکھایا کہ وہ کیسی قوم ہے۔ اور موسیٰ کی تعلیم سے اُنھوں نے کیا فائدہ اُٹھایا ہے۔ پس یہاں تک کہ اُن کو مصر سے نکال لیا کوئی بڑا کام نہ تھا۔ اصلاح کا زمانہ جب آیا اور موسیٰ نے جب چاہا کہ اُن کو خدا پرست قوم بنا کر وعدہ کی سرزمین میں داخل کریں وہ اُن کی شوخیوں اور گستاخیوں اور اندرونی بداعمالیوں میں گذرا یہاں تک کہ خود حضرت موسیٰ بھی اُس سرزمین میں داخل نہ ہو سکے۔ اس لئے اُن کا نام بھی محمد نہ ہوسکا غرض جہانتک غور کرتے جاؤ۔ یہ پتہ ملیگا کہ کوئی نبی اس مبارک نام کا مستحق نہ تھا یہانتک کہ ہمارے نبی کریمؐ کا زمانہ آگیا۔ وہ ایک خارستان تھا جس میں نبی کریمؐ نے قدم رکھا۔ اور ظلمت کی انتہا ہو چکی تھی میرا مذہب یہ ہے۔ کہ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو الگ کیا جاتا اور کل نبی جو اُس وقت تک گذر چکے تھے سب اکٹھے ہو کر وہ کام اور وہ اصلاح

کرنا چاہتے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کی ہرگز نہ کر سکتے۔ اُن میں وہ دل وہ قوت نہ تھی جو ہمارے نبیؐ کو ملی تھی۔ اگر کوئی کہے کہ یہ نبیوں کی معاذ اللہ سوء ادبی ہے تو وہ نادان مجھ پر افترا کریگا۔ میں نبیوں کی عزت و حرمت کرنا اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہوں لیکن نبی کریم صلعم کی فضیلت کُل انبیاء عم پر میرے ایمان کا جزو اعظم اور میرے رگ و ریشہ میں ملی ہوئی بات ہے۔ یہ میرے اختیار میں نہیں کہ اس کو نکال دوں بدنصیب اور آنکھ نہ رکھنے والا مخالف جو چاہے سو کہے ہمارے نبی کریم صلعم نے وہ کام کیا ہے جو نہ الگ الگ اور نہ مل مل کر کسی سے ہو سکتا تھا۔ اور یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ +

رسول اللہ صلعم کے واقعات پیش آمدہ کی اگر معرفت ہو اور اس بات پر پوری اطلاع ملے کہ اُس وقت دُنیا کی کیا حالت تھی۔ اور آپ نے آکر کیا کیا۔ تو انسان وجد میں آکر اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ کہہ اُٹھتا ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں یہ خیالی اور فرضی بات نہیں ہے قرآن شریف اور دنیا کی تاریخ اس امر کی پوری شہادت دیتی ہے کہ نبی کریمؐ نے کیا کیا ورنہ وہ کیا بات تھی جو آپ کے لئے مخصوصاً فرمایا گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کسی دوسرے نبی کے لئے یہ صدا نہیں آئی۔ پوری کامیابی پوری تعریف کے ساتھ یہی ایک انسان دُنیا میں آیا جو محمدؐ کہلایا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ +

عادت اللہ اسی طرح پر ہے زمانہ ترقی کرتا ہے آخر وہ زمانہ آگیا جو خاتم النبیین کا زمانہ تھا جو ایک ہی شخص تھا جس نے یہ کہا يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا کہنے کو تو یہ چند لفظ ہیں اور ایک اندھا کہہ سکتا ہے۔ کہ معمولی بات ہے مگر جو دل رکھتا ہے وہ سمجھتا ہے اور جو کان رکھتا ہے وہ سُنتا ہے جو آنکھیں رکھتا وہ دیکھتا ہے کہ یہ الفاظ معمولی الفاظ نہیں ہیں مَیں کہتا ہوں کہ اگر یہ معمولی لفظ تھے تو بتلاؤ کہ موسیٰ علیہ السلام کو یا مسیح علیہ السلام یا کسی نبی کو بھی یہ طاقت کیوں نہ ہوئی کہ وہ یہ لفظ کہدیتا۔ اصل یہی ہے۔ جس کو یہ قوت یہ منصب نہیں ملا وہ کیونکر کہہ سکتا ہے +

میں پھر کہتا ہوں کہ کسی نبیؑ کو یہ شوکت یہ جلال نہ ملا جو ہمارے نبی کریمؐ کو ملا بکری کو اگر ہر روز گوشت کھلاؤ تو وہ گوشت کھانے سے شیر نہ بن سکیگی شیر کا بچہ ہی شیر ہوگا۔ پس یاد رکھو یہی بات سچ ہے کہ اس نام کا مستحق اور واقعی حقدار ایک تھا جو محمدؐ کہلایا۔ یہ داد الٰہی ہے جس کے

دِل و دماغ میں چاہیے یہ قوتیں رکھ دیتی ہے۔ اور خدا خوب جانتا ہے۔ کہ ان قوتوں کا محل اور موقع کون ہے ہر ایک کا کام نہیں کہ اس راز کو سمجھ سکے اور ہر ایک کے مُنہ میں وہ زبان نہیں جو یہ کہہ سکے کہ

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا

جب تک روح القدس کی خاص تائید نہو یہ کام نہیں نکل سکتا۔ رسول اللہؐ میں وہ ساری قوتیں اور طاقتیں رکھی گئی تھیں جو محمد بنا دیتی ہیں تاکہ وہ بالقوہ باتیں بالفعل میں بھی آجاویں۔ اس لئے آپؐ نے یہ دعویٰ کیا کہ انی رسول اللہ الیکم جمیعاً ایک قوم کے ساتھ جو مشقت کرنی پڑتی ہے تو کس قدر مشکلات پیش آتی ہیں۔ ایک خدمتگار شریر ہو تو اُس کا درست کرنا مشکل ہو جاتا ہے آخر تنگ اور عاجز آکر اُس کو بھی نکال دیتا ہے لیکن وہ کس قدر قابل تعریف ہوگا جو اُسے درست کرلے اور پھر وہ تو بڑا ہی مرد میدان ہے جو اپنی قوم کو درست کرسکے حالانکہ یہ بھی کوئی بڑی بات نہیں۔ مگر وہ جو مختلف **قوموں** کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا۔ سوچو تو سہی کس قدر **کامل** اور زبردست قویٰ کا مالک ہوگا۔ مختلف طبیعت کے لوگ۔ مختلف عمروں۔ مختلف ملکوں۔ مختلف خیال۔ مختلف قویٰ کی مخلوق کو ایک ہی تعلیم کے نیچے رکھنا اور پھر اُن سب کی تربیت کرکے دکھلا دینا اور وہ تربیت بھی کوئی جسمانی نہیں بلکہ **روحانی تربیت** خدا آشناسی اور معرفت کی باریک سے باریک باتوں اور اسرار سے پورا واقف بنا دینا اور نری تعلیم ہی نہیں بلکہ عامل بھی بنا دینا یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ دُنیا کے لئے اجتماع بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان میں ذاتی مفاد اور دُنیوی لالچ کی ایک تحریک ہوتی ہے۔ مگر کوئی یہ بتلائے۔ کہ محض اللہ کے لئے پھر ایسے وقت میں کہ اُس جلالی نام سے کُل دُنیا ناواقف ہو۔ اور پھر ایسی حالت میں کہ اُس کا اقرار کرنا دُنیا کی تمام مصیبتوں کو اپنے سر پر اُٹھالینا ہو۔ کون کسی کے پاس آسکتا ہے؟ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف بُلانے والے میں عظیم الشان **قوت جذب** کی نہ ہو کہ بے اختیار ہو ہو کر دل اس طرف کھنچ آویں اور وہ تمام تکلیفیں اور بلائیں اُن کے لئے محسوس اللذات اور مُدرک الحلاوت ہو جاویں اب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کی طرف غور کرو تو پھر کیسا روشن طور پر معلوم ہوگا۔ کہ آپ ہی اس قابل تھے کہ محمدؐ نام سے موسوم ہوتے۔ اور اس دعوے کو جیسا کہ زبان سے کیا گیا تھا۔ کہ انی رسول اللہ الیکم جمیعاً اپنے عمل سے بھی کرکے دکھاتے چنانچہ وہ وقت

آ گیا۔ کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔ اِس میں اِس امر کی طرف صریح اشارہ ہے۔ کہ آپ اُس وقت دُنیا میں آئے جب دین اللہ کو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اور عالمگیر تاریکی پھیلی ہُوئی تھی۔ اور گئے اُس وقت کہ جب کہ اُس نظارہ کو دیکھ لیا۔ کہ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا جب تک اُس کو پورا نہ کر لیا نہ تھکے نہ ماندہ ہُوئے۔ مخالفوں کی مخالفتیں اعدا کی سازشیں اور منصوبے قتل کرنے کے مشورے قوم کی تکلیفیں آپ کے حوصلہ اور ہمّت کے سامنے سب ہیچ اور بیکار تھیں۔ اور کوئی چیز ایسی نہ تھی جو اپنے کام سے ایک لمحہ کے لئے بھی روک سکتی! اللہ تعالےٰ نے آپ کو اُس وقت تک زندہ رکھا جب تک کہ آپ نے وہ کام نہ کر لیا جس کے واسطے آئے تھے۔ یہ بھی ایک سِرّ ہے کہ خدا کی طرف سے آنے والے جھوٹوں کی طرح نہیں آتے۔ اسی طرح پر آپ کی صدق نبوّت پر آپ کی زندگی سب سے بڑا نشان ہے کوئی ہے جو اس پر نظر کرے! آپ کو دُنیا میں ایسے وقت پر بھیجا کہ دُنیا میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور اُس وقت تک آپ کو زندہ رکھا کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ کی آواز آپ کو نہ آ گئی۔ اور فوجوں کی فوجیں اسلام میں داخل ہوتی ہوئیں آپ نے نہ دیکھ لیں۔ غرض اسی قسم کی بہت سی وجوہ ہیں جن سے آپ کا نام محمد رکھا گیا۔

احمد و محمد

پھر آپ کا ایک اور نام بھی رکھا گیا وہ احمد ہے چنانچہ حضرت مسیح نے اِسی نام کی پیشگوئی کی تھی۔ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ یعنی میرے بعد ایک نبی آئیگا جس کی بشارت دیتا ہوں۔ اور اُس کا نام احمد ہو گا۔ یہ بات کی طرف اشارہ تھا کہ جو اللہ تعالیٰ کی حد سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو۔ اس لفظ سے صاف پایا جاتا ہے۔ اور سچّی بات بھی یہی ہے کہ کوئی اُسی کی تعریف کرتا ہے جس سے کچھ لیتا ہے! اور جس قدر زیادہ لیتا ہے اُسی قدر زیادہ تعریف کرتا ہے۔ اگر کسی کو ایک روپیہ دیا جائے تو اُسی قدر تعریف کریگا اور جس کو ہزار روپیہ دیا جاوے وہ اُسی انداز سے کریگا۔ غرض اس سے واضح طور پر پایا جاتا ہے کہ رسُول اللہ صلعم نے سب سے زیادہ خدا کا فضل پایا ہے۔ دراصل اس نام میں ایک پیشگوئی ہے۔ کہ یہ بہت ہی بڑے فضلوں کا وارث اور مالک ہو گا پھر آپکے مبارک ناموں میں ایک سِرّ یہ ہے کہ محمد اور احمد جو دو نام ہیں اُن میں دو جُدا جُدا

کمال ہیں محمدؐ کا نام جلال اور کبریائی کو چاہتا ہے جو نہایت درجہ تعریف کیا گیا ہے۔ اور اسمیں ایک معشوقانہ رنگ ہے کیونکہ معشوق کی تعریف کیجاتی ہے پس اس میں جلالی رنگ ہونا ضروری ہے مگر احمد کا نام اپنے اندر عاشقانہ رنگ رکھتا ہے۔ کیونکہ تعریف کرنا عاشق کا کام ہے۔ وہ اپنے محبوب و معشوق کی تعریف کرتا رہتا ہے۔ اسلئے جیسے محمدؐ محبوبانہ شان میں جلال اور کبریائی کو چاہتا اسی طرح پر احمد عاشقانہ شان میں ہو کر غربت اور انکساری کو چاہتا ہے اس میں ایک سر یہ تھا کہ آپ کی زندگی کی تقسیم دو حصوں پر کردیگئی۔ ایک تو مکی زندگی جو ۱۳ برس کے زمانہ کی ہے۔ اور دوسری وہ زندگی ہے جو مدنی زندگی ہے اور وہ دس برس کی ہے۔ مکہ کی زندگی میں اسم احمد کی تجلی تھی اُس وقت آپ کی دن رات خدا تعالیٰ کے حضور گریہ و بکا اور طلب استعانت اور دُعا میں گذرتی تھی۔ اگر کوئی شخص آپ کی اس زندگی کے بسر اوقات پر پوری اطلاع رکھتا ہو تو اُسے معلوم ہو جائیگا۔ کہ جو تضرع اور زاری آپ نے اس مکی زندگی میں کی ہے وہ کبھی کسی عاشق نے اپنے محبوب و معشوق کی تلاش میں کبھی نہیں کی۔ اور نہ کرسکیگا۔ پھر آپ کی تضرع اپنے لئے نہ تھی۔ بلکہ یہ تضرّع دُنیا کی حالت کی بُوری و افقیت کی وجہ سے تھی۔ خدا پرستی کا نام و نشان چونکہ مٹ چکا تھا۔ اور آپ کی رُوح اور خمیر میں اللہ تعالےٰ میں ایمان رکھ کر ایک لذت اور سرور آ چکا تھا اور فطرتاً دُنیا کو اس لذت اور محبت سے سرشار کرنا چاہتے تھے۔ ادھر دنیا کی حالت کو دیکھتے تھے تو اُن کی استعدادیں اور فطرتیں عجیب طرز پر واقع ہو چکی تھیں۔ اور بڑے مشکلات اور مصائب کا سامنا تھا غرض دُنیا کی اس حالت پر آپ گریہ و زاری کرتے تھے۔ اور یہاں تک کرتے تھے کہ قریب تھا کہ جان نکل جاتی۔ اسی کی طرف اشارہ کرکے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے لعلك باخع نفسك ان لا یکونوا مومنین۔ یہ آپ کی متضرّعانہ زندگی تھی۔ اور اسم احمد کا ظہور تھا۔ اُس وقت آپ ایک عظیم الشان توجہ میں پڑے ہوئے تھے۔ اس توجہ کا ظہور مدنی زندگی اور اسم محمدؐ کی تجلی کے وقت ہؤا۔ جیسا کہ اس آیت سے پتہ لگتا ہے۔ واستفتحوا وخاب کل جبار عنید ۔

یہ سُنّت اللہ ہے۔ کہ مامُور من اللہ ستائے جاتے ہیں مشکل پر مشکل اُن کے سامنے آتی ہے۔ نہ اسلئے کہ وہ ہلاک ہو جائیں بلکہ اسلئے کہ نصرت الٰہی کو جذب کریں یہی وجہ تھی کہ آپ کی مکی زندگی کا زمانہ مدنی زندگی کے بالمقابل دراز ہے چنانچہ مکہ میں ۱۳ برس گذرے

اور مدینہ میں دس برس جیسا کہ اس آیت سے پایا جاتا ہے۔ ہر نبی اور مامور من اللہ کے ساتھ یہی حال ہوا ہے کہ اوائل میں دُکھ دیا گیا ہے۔ مکار۔ فریبی۔ دوکاندار اور کیا کیا کہا گیا ہے کوئی بُرا نام نہیں ہوتا جو اُن کا نہیں رکھا جاتا وہ نبی اور مامور ہر ایک بات کی برداشت کرتے اور ہر دُکھ کو سہہ لیتے ہیں لیکن جب انتہا ہو جاتی ہے۔ تو پھر بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لئے دوسری **قوّت** ظہور پکڑتی ہے۔ اِسی طرح پر رسُول اللہ صلعم کو ہر قسم کا دُکھ دیا گیا ہے۔ اور ہر قسم کا بُرا نام آپ کا رکھا گیا ہے۔ آخر آپ کی توجّہ نے زور مارا۔ اور وہ انتہا تک پہنچی۔ جیسا استفتحوا سے پایا جاتا ہے۔ اور نتیجہ یہ ہوُا وخاب کل جبّار عنید تمام شریروں اور شرارتوں کے منصُوبے کرنے والوں کا خاتمہ ہوگیا۔ یہ توجّہ مخالفوں کی شرارتوں کے انتہا پر ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر اوّل ہی ہو تو پھر خاتمہ ہو جاتا! مکّی زندگی میں حضرت احدیّت کے حضُور گرتا اور چلاتا تھا اور وہ اُس حالت تک پہنچ چُکا تھا۔ کہ دیکھنے والوں اور سُننے والوں کے بدن پر لرزہ پڑ جاتا ہے۔ مگر آخر مدنی زندگی کے جلال کو دیکھو کہ وہ جو شرارتوں میں سرگرم اور قتل اور اخراج کے منصُوبوں میں مصرُوف رہتے تھے سب کے سب ہلاک ہُوئے۔ اور باقیوں کو اُسکے حضور عاجزی اور منت کے ساتھ اپنی خطاؤں کا اقرار کرکے معافی مانگنی پڑی حضرت **عمر** رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے دیکھو کس قدر فائدہ پہنچا۔ ایک زمانہ میں یہ ایمان نہ لائے تھے اور چار برس کا توقف ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ خوب مصلحت سمجھتا ہے۔ کہ اس میں کیا سرّ تھا۔ **ابوجہل** نے تلاش کی کہ کوئی ایسا شخص تلاش کیا جاوے جو رسُول اللہ صلعم کو قتل کردے اُس وقت حضرت **عمر** بڑے بہادر اور دلیر مشہور تھے اور شوکت رکھتے تھے اُنھوں نے آپس میں مشورہ کرکے رسول اللہ صلعم کے قتل کا بیڑا اُٹھایا اور معاہدہ پر حضرت عمرؓ اور ابوجہل کے دستخط ہو گئے۔ اور قرار پایا کہ اگر عمرؓ قتل کر آ دیں تو اس قدر روپیہ دیا جاوے۔

؎ اللہ تعالےٰ کی قدرت ہے کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ جو ایک وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ دوسرے وقت وہی عمر رضی اللہ عنہ اسلام میں ہو کر شہید ہوتے ہیں۔ وہ کیا عجیب زمانہ تھا!!! غرض اُس وقت یہ معاہدہ ہوُا کہ میں قتل کرتا ہوں اِس تحریر کے بعد آپ کی تلاش اور تجسّس میں لگے۔ راتوں کو پھرتے تھے کہ کہیں تنہا ملجائیں تو قتل کردوں۔ لوگوں سے دریافت کیا کہ آپ تنہا کہاں ہوتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ نصف رات گذرنے کے بعد خانہ کعبہ میں جا کر نماز پڑھا کرتے ہیں حضرت عمرؓ یہ سُنکر بہت ہی خوش ہوئے

؎ الحکم جلد ۵ نمبر ۳

چنانچہ خانہ کعبہ میں آکر چھپ رہے جب تھوڑی دیر گذری تو جنگل سے لا الٰہ الا اللہ کی آواز آتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی آواز تھی۔ اس آواز کو سُن کر اور یہ معلوم کر کے کہ وہ ادھر ہی کو آرہی ہے۔ حضرت عمر اور بھی احتیاط کر کے چھپے۔ اور یہ ارادہ کر لیا کہ جب سجدہ میں جائیں گے تو تلوار مار کر سر مبارک تن سے جُدا کر دوں گا۔ آپ نے آتے ہی نماز شروع کر دی پھر اُس کے آگے کے واقعات خود حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ میں اس قدر رو رو کر دُعائیں کیں کہ مجھ پر لرزہ پڑنے لگا یہاں تک کہ آنحضرت نے یہ بھی کہا کہ سجد لک رُوحی وجنانی یعنی اے میرے مولیٰ میری رُوح اور میرے دل نے بھی تجھے سجدہ کیا حضرت عمر کہتے ہیں کہ اُن دُعاؤں کو سُن سُن کر جگر پاش پاش ہوتا تھا۔ آخر میرے ہاتھ سے ہیبت حق کی وجہ سے تلوار گر پڑی۔ میں نے آنحضرتؐ کی اس حالت سے سمجھ لیا کہ یہ سچا ہے اور ضرور کامیاب ہو جائیگا مگر نفس امّارہ بُرا ہوتا ہے جب آپ نماز پڑھ کر نکلے میں پیچھے پیچھے ہو لیا۔ پاؤں کی آہٹ جو آپ کو معلوم ہوئی رات اندھیری تھی آنحضرت صلعم نے پُوچھا کہ **کون ہے**؟ میں نے کہا کہ عمر آپ نے فرمایا کہ **اے عمرؓ نہ تو رات کو پیچھا چھوڑتا ہے اور نہ دن کو!** اُس وقت مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح کی خوشبو آئی۔ اور میری رُوح نے محسوس کیا کہ آنحضرتؐ بد دُعا کرینگے۔ میں نے عرض کیا یا حضرت بد دُعا نہ کریں حضرت عمرؓ کہتے ہیں۔ کہ وہ وقت اور وہ گھڑی میرے اسلام کی تھی۔ یہاں تک کہ خدا نے مجھے توفیق دی کہ میں مسلمان ہو گیا۔ اب سوچو کہ اس تضرع اور بکا میں کیسی تلوار مخفی تھی۔ کہ جس نے عمرؓ جیسے انسان کو جو قتل کے لئے معاہدہ کر کے آتا ہے اپنی ادا کا شہید کر لیا۔ اس توجہ اور زاری میں ایسی تلوار ہوتی ہے جو سیف و سنان سے بڑھ کر کام کرتی ہے غرض وہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کا **اسم احمدؐ** کے ظہور کا زمانہ تھا۔ اسلئے مکہ میں عاشقانہ رنگ کا جلوہ دکھایا۔ اپنے آپ کو خاک میں ملا دیا۔ اور ہزاروں موتیں اپنے آپ پر وارد کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس جوش و فا تضرع اور دُعا و بکا کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ ان موتوں کے بعد وہ قوت وہ زندگی آپ کو ملی کہ ہزاروں لاکھوں مُردوں کے زندہ کرنے والے ٹھیرے۔ اور حاشر الناس کہلائے۔ اور اب تک اپنی **قوت قدسی** کے زور سے کروڑہا مُردوں کو زندہ کر رہے ہیں۔ اور قیامت تک کرتے رہینگے ؎

پس اِس مکی زندگی اور عاشقانہ ظہور کے بعد جو اسم **احمد** کی تجلی تھی۔ دوسرا دور آپ کی جلالی زندگی اسم **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا معشوقانہ شان میں ہوا۔ جبکہ مکہ والوں کی دشمنی کی انتہا ہو چکی اور دعاؤں اور توجہ کی حد ہو گئی نابکار مخالفوں کی عداوت حد سے بڑھ کر **بیت اللہ** سے نکال دینے کا باعث ہوئی اور اس پر بھی بس نہ کی بلکہ تعاقب کیا اور اپنی طرف سے کوئی دقیقہ تکلیف دہی اور ایذا رسانی کا باقی نہ رکھا تو آپ **مدینہ** تشریف لائے اور پھر حکم ہوا کہ مدافعت کیجاوے اللہ تعالیٰ کی غیرت نے جوش مارا اور جلال الٰہی نے اسم **محمد** کا جلوہ دکھانے کا ارادہ فرمایا جس کا ظہور **مدنی زندگی** میں ہوا +

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا میں آنے کی غرض و غایت تو صرف یہ تھی کہ دُنیا پر اُس خدا کا جلال ظاہر کریں جو مخلوق کی نظروں اور دلوں سے پوشیدہ ہو چکا تھا۔ اور اُس کی جگہ باطل اور بیہودہ معبودوں بُتوں اور پتھروں نے لے لی تھی۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جمالی اور جلالی زندگی میں جلوہ گری فرماتا اور اپنے دستِ قدرت کا کرشمہ دکھاتا۔ پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک **کامل نمونہ** اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور محبوبِ الٰہی بننے کا ہے۔ اسلئے اللہ تعالےٰ نے صاف الفاظ میں فرما دیا۔ کہ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔ یعنی اُن کو کہدو کہ تم اگر چاہتے ہو کہ محبوبِ الٰہی بن جاؤ اور تمہارے گُناہ بخش دیئے جاویں تو اُس کی ایک ہی راہ ہے کہ میری اطاعت کرو +

کیا مطلب کہ میری پیروی ایک ایسی شے ہے جو رحمت الٰہی سے نا اُمید ہونے نہیں دیتی گناہوں کی مغفرت کا باعث ہوتی اور اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے۔ اور تمہارا یہ دعویٰ کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اسی صورت میں سچا اور صحیح ثابت ہو گا کہ تم میری پیروی کرو +

اِس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے کسی خود تراشیدہ طرزِ ریاضت و مشقت اور جپ تپ سے اللہ تعالےٰ کا محبوب اور قربِ الٰہی کا حقدار نہیں بن سکتا۔ انوار و برکات الٰہیہ کسی پر نازل نہیں ہو سکتیں جب تک وہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کھویا نہ جاوے +

اور جو شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت میں گم ہو جاوے اور آپ کی اطاعت اور پیروی میں ہر قسم کی موت اپنی جان پر وارد کرلے اُسکو وہ نورِ ایمان محبت اور عشق دیا جاتا ہے جو غیر اللہ سے رہائی دلا دیتا ہے۔ اور گناہوں سے رستگاری اور نجات کا موجب ہوتا ہے اسی دنیا میں

وہ ایک پاک زندگی پاتا ہے اور نفسانی جوش وجذبات کی تنگ وتاریک قبروں سے نکال دیا جاتا ہے اسی کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے۔ انا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی یعنی میں وہ مُردوں کو اُٹھانیوالا ہوں جس کے قدموں پر لوگ اُٹھائے جاتے ہیں غرض یہ ہے کہ وہ عُلوم جو مدارِ نجات ہیں یقینی اور قطعی طور پر بجز اُس حیات کے حاصل نہیں ہوسکتی جو بتوسط روح القدس انسان کو ملتی ہے۔ اور قرآن شریف کی یہ آیت صاف طور پر اور پکار کر یہ دعویٰ کرتی ہے۔ کہ وہ حیات روحانی صرف رسول اللہ صلعم کی اطاعت سے ملتی ہے اور وہ تمام لوگ جو بخل اور عناد کی وجہ سے نبی کریم کی متابعت سے سرکش ہیں وہ شیطان کے سایہ کے نیچے ہیں اس میں اُس پاک زندگی کی رُوح نہیں ہے۔ وہ بظاہر زندہ کہلاتا ہے لیکن مُردہ ہے جبکہ شیطان اس کے دل پر سوار ہے افسوس اُس کو موت یاد نہیں ہے موت کیا دُور ہے جس کی پچاس سن کی عمر ہوچکی ہے۔ اگر وہ زندگی پالیگا تو دو چار برس اور پالیگا۔ یا زیادہ سے زیادہ دس برس اور آخر مرنا ہوگا۔ موت ایک یقینی شے ہے۔ جس سے ہرگز ہرگز کوئی بچ نہیں سکتا میں دیکھتا ہوں کہ لوگ روپیہ پیسہ کے حساب میں ایسے غلطاں پیچاں رہتے ہیں۔ کہ کچھ حد نہیں۔ مگر عمر کا حساب کبھی بھی نہیں کرتے۔ بدبخت ہے وہ انسان جس کو عمر کے حساب کی طرف توجہ نہ ہو سب سے ضروری اور حساب کے لائق جو شئے ہے وہ تو عمر ہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ موت آجائے۔ اور یہ حسرت لیکر دُنیا سے کوچ کرے۔ قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے بہشتی زندگی اسی دُنیا سے شروع ہوجاتی ہے جہنم کی زندگی بھی یہاں ہی سے شروع ہوجاتی ہے۔ جب انسان حسرت کے ساتھ مرتا ہے تو بہت بڑے جہنم میں ہوتا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ اب چلا ہیضہ۔ طاعون۔ محرقہ۔ خفقان یا کسی اور شدید مرض میں مُبتلا ہوتا ہے۔ تو موت سے پہلے ایک موت وارد ہوجاتی ہے۔ جو دل اور رُوح کو فرسودہ کردیتی ہے۔ اور وہ بھی حسرت ہوتی ہے بعض امراض ایسے ہیں کہ دو منٹ بھی دم لینے نہیں دیتے اور جھٹ پٹ کام تمام کردیتے ہیں جس نے آکیڈنٹ بھی مطالعہ کیا کہ میں مرنے والا جانور ہوں۔ وہ اس عذاب سے بچنے کے فکر میں ہوا جو انسان کو حسرت کے رنگ میں کھا جاتا ہے ہمارے عزیزوں میں سے ایک کو قولنج ہوئی۔ آخر پیشاب بند ہو کر سیاہ رنگ کی ایک قے ہوئی۔ اور اُس کے ساتھ ہی گردن لٹک گئی اُس وقت کہا کہ اب معلوم ہوا۔ کہ دُنیا کچھ چیز نہیں۔ یقیناً یاد رکھو کہ دُنیا کچھ چیز نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ ہم سب جو اس وقت یہاں موجود ہیں سال آیندہ میں بھی ضرور ہونگے بہت سے ہمارے دوست جو پچھلے سال موجود تھے آج نہیں ہیں اُنہیں کیا معلوم تھا۔ کہ اگلے سال ہم نہ ہوں گے

اسی طرح اب کون کہہ سکتا ہے کہ ہم ضرور ہونگے۔ اور کس کو معلوم ہے کہ مرنیوالوں کی فہرست میں کس کس کا نام ہے۔ پس بڑا ہی مُورکھ ہے۔ اور نادان ہے وہ شخص جو مرنے سے پہلے خدا سے صلح نہیں کرتا۔ اور جھوٹھی برادری کو نہیں چھوڑتا ؛

اِنسان کو ہلاک کرنیوالی چیزوں میں سے ایک بدصحبت بھی ہے دیکھو اُبوجہل خود تو ہلاک ہؤا۔ مگر اُور بھی بہت سے لوگوں کو لے مرا جو اس کے پاس جاکر بیٹھا کرتے تھے۔ اُس کی صحبت اور مجلس میں بجز استہزا اور ہنسی ٹھٹھے کے اور کوئی ذکر ہی نہ تھا۔ یہی کہتے تھے۔ ان ھذا لشئ یُراد میاں یہ دُکانداری ہے ؛

اب دیکھو اور بتلاؤ کہ وہ جس کو دُکاندار اور ٹھگ کہا جاتا تھا ساری دُنیا میں اُسی کا نُور ہے یا کسی اَور کا بھی۔ اَبُوجہل مر گیا اور اُس پر لعنت کے سوا کچھ نہ رہا۔ مگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بلند کو دیکھو کہ شب و روز بلکہ ہر وقت درُود پڑھا جاتا ہے اور ۹۹ کروڑ مسلمان جس کے خادم موجود ہیں اگر اب اَبُوجہل پھر آتا تو آکر دیکھتا کہ جس کو اکیلا مکہ کی گلیوں میں پھرتا دیکھتا اور جس کی ایذا دہی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھتا تھا اُس کے ساتھ جب ۹۹ کروڑ انسانوں کے مجمع کو دیکھتا حیران رہ جاتا اور یہ نظارہ ہی اُس کو ہلاک کر دینا۔ یہ ثبوت آپ کی رسالت کی سچائی کا۔ اگر اللہ تعالیٰ ساتھ نہ ہوتا تو یہ کامیابی نہ ہوتی۔ کس قدر کوششیں اور منصوبے آپ کی عداوت اور مخالفت کے کیئے گئے۔ مگر آخر ناکام اور نامراد ہونا پڑا۔ اس ابتدائی حالت میں جب چند آدمی آپکے ساتھ تھے کون سمجھ سکتا تھا کہ یہ عظیم الشان انسان دُنیا میں ہوگا۔ اور ان مخالفوں کی سازشوں سے صحیح و سلامت بچکر کامیاب ہو جائیگا مگر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی عادت اسی طرح پر ہے

کہ انجام خدا کے بندوں کا ہی ہوتا ہے

قتل کی سازشیں۔ کفر کے فتوے۔ مختلف قسم کی ایذائیں اُن کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔ یریدون ان یطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکٰفرون۔ یہ شریر کافر اپنے مُنہ کی پھونکوں سے نُور اللہ کو بجھانا چاہتے ہیں۔ اور اللہ اپنے نور کو کامل کرنیوالا ہے کافر بُرا مناتے رہیں ؛

مُنہ کی پھونکیں کیا ہوتی ہیں؟ یہی کسی نے ٹھگ کہدیا کسی نے دُکاندار اور کافر بیدین کہدیا۔ غرض یہ لوگ ایسی باتوں سے چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نُور کو بجھا دیں۔ مگر وہ کامیاب نہیں ہوسکتے نُور اللہ کو بجھاتے بجھاتے خود ہی جل کر ذلیل ہو جاتے ہیں ؛

اللہ تعالیٰ کے لوگوں کے لشکر آسمان پر ہوتے ہیں منکر اور زمینی لوگ اُن کو دیکھ نہیں سکتے ہیں۔ اگر اُن کو معلوم ہو جاوے اور وہ ذرا سا بھی دیکھ پائیں تو ہیبت سے ہلاک ہو جائیں۔ مگر یہ لشکر نظر نہیں آسکتا جب تک انسان اللہ تعالیٰ کی چادر کے نیچے نہ آئے +

میں پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ سعادت عظمیٰ کے حصول کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی راہ رکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جاوے جیسا کہ اس آیت میں صاف فرما دیا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ یعنی آؤ میری پیروی کرو تا کہ اللہ بھی تم کو دوست رکھے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ رسمی طور پر عبادت کرو۔ اگر حقیقت مذہب یہی ہے تو پھر نماز کیا چیز ہے اور روزہ کیا چیز ہے خود ہی ایک بات سے رُکے اور خود ہی کرلے اسلام محض اس کا نام نہیں ہے۔ اسلام تو یہ ہے کہ بکرے کی طرح سر رکھ دے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میرا مرنا میرا جینا میری نماز میری قربانیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اور سب سے پہلے میں اپنی گردن رکھتا ہوں۔ یہ فخر اسلام کا رسول اللہ صلے اللہ وسلم ہی کو اولیت کا ہے نہ ابراہیم کو نہ کسی اَور کو۔ یہ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ کنتُ نبیاً وآدم بین الماء والطین۔ اگرچہ آپ سب نبیوں کے بعد آئے۔ مگر یہ صدا کہ میرا مرنا اور جینا اللہ تعالیٰ کے لئے ہے دوسرے کے مُنہ سے نہیں نکلی +

اب دُنیا کی حالت کو دیکھو کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے عمل سے یہ دکھایا کہ میرا مرنا اور جینا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور یا اب دُنیا میں مسلمان موجود ہیں کسی سے کہا جاوے کہ کیا تو مسلمان ہے؟ تو کہتا ہے الحمد للہ۔ جس کا کلمہ پڑھتا ہے۔ اُس کی زندگی کا اصُول تو خدا کے لئے تھا۔ مگر یہ دنیا کے لئے جینا اور دنیا ہی کے لئے مرتا ہے اُس وقت تک کہ غرغرہ شروع ہو جاوے دُنیا ہی اُنکی مقصود محبوب اور مطلوب رہتی ہے۔ پھر کیونکر کہہ سکتا ہے کہ میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہوں +

یہ بڑی غور طلب بات ہے اس کو سرسری نہ سمجھو مسلمان بننا آسان نہیں ہے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اسلام کا نمونہ جب تک اپنے اندر پیدا نہ کرلو مطمئن نہ ہو + یہ صرف چھلکا ہی چھلکا ہے اگر بدوں اتباع مسلمان کہلاتے ہو نام اور چھلکے پر خوش ہو جانا دانشمند کا کام نہیں ہے۔ لکھا ہے۔ کہ کسی یہودی کو ایک مسلمان نے کہا کہ تو مسلمان

ہو جا۔ اُس نے کہا کہ تو صرف نام ہی پر خوش نہ ہو جا۔ میں نے اپنے لڑکے کا نام خالد رکھا تھا اور شام سے پہلے ہی اُس کو دفن کر آیا۔ پس حقیقت کو طلب کرو۔ نرے ناموں پر راضی نہ ہو جاؤ۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ انسان عظیم الشان نبی کا اُمتی کہلا کر کافروں کی سی زندگی بسر کرے تم اپنی زندگی میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نمونہ دکھاؤ وہی حالت پیدا کرو اور دیکھو کہ اگر وہ حالت نہیں ہے تو تم طاغوت کے پیرو ہو +

غرض یہ بات اب بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کا محبوب ہونا انسان کی زندگی کی غرض و غایت ہونی چاہیئے۔ کیونکہ جب تک اللہ تعالےٰ کا محبوب نہ ہو اور خدا کی محبت نہ ملے کامیابی کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اور یہ امر پیدا نہیں ہوتا جب تک رسول اللہ کی سچی اطاعت اور متابعت نہ کرو۔ اور رسول اللہ صلعم نے اپنے عمل سے دکھا دیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟ پس تم وہ اسلام اپنے اندر پیدا کرو تا کہ تم خدا کے محبوب بنو +

اب میں پھر یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حمد ہی سے محمدؐ اور احمد نکلا ہے صلے اللہ علیہ وسلم اور یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے گویا حمد کے دو مظہر ہوئے۔ اور پھر الحمد للہ کے بعد اللہ تعالےٰ کی چار صفتیں ربّ العٰلمین۔ الرّحمٰن۔ الرّحیم مٰلك یوم الدین بیان کی ہیں +

مَیں نے ابھی بیان کیا ہے کہ الحمد للہ کا مظہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ظہوروں محمد اور احمد میں ہوا۔ اب نبی کامل صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کی اُن صفات اربعہ کو بیان کر کے پھر صحابہ کرام کی ذات میں پورا بھی کر دیا۔ گویا اللہ تعالےٰ ظلی طور پر اپنی صفات دینا چاہتا ہے۔ اسلیئے فنا فی اللہ کے یہی معنے ہیں۔ کہ انسان الٰہی صفات کے اندر آجائے +

اب دیکھو کہ ان صفات اربعہ کا عملی نمونہ صحابہ میں کیسا دکھایا۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو مکّہ کے لوگ ایسے تھے جیسے بچّہ دُودھ پینے کا محتاج ہوتا ہے۔ گویا ربوبیت کے محتاج تھے وحشی اور درندوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ماں کی طرح دُودھ پلا کر اُن کی پرورش کی۔ پھر رحمانیت کا پرتو کیا وہ سامان دیئے کہ جن میں کوشش کو کوئی دخل نہ تھا۔ قرآن کریم جیسی نعمت اور رسول کریم جیسا نمونہ عطا فرمایا۔ پھر رحیمیّت کا ظہور بھی دکھلایا۔ کہ جو کوششیں کیں اُن پر نتیجے مُترتّب کیئے

اُن کے ایمانوں کو قبول فرمایا۔ اور نصاریٰ کی طرح ضلالت میں نہ پڑنے دیا۔ بلکہ ثابت قدمی اور استقلال عطا فرمایا۔ کوشش میں یہ برکت ہوتی ہے کہ خدا ثابت قدم کر دیتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کوئی مُرتد نہ ہُوا۔ دوسرے نبیوں کے احباب میں ہزاروں ہوتے تھے حضرت مسیح کے تو ایک ہی دن میں پانسو مُرتد ہو گئے۔ اور جن پر بڑا اعتبار اور وثوق تھا۔ اُن میں سے ایک نے تو ۳۰ درم لیکر پکڑوا دیا اور دوسرے نے تین بار لعنت کی +

بات اصل میں یہ ہے کہ یہ مُربی کے قویٰ کا اثر ہوتا ہے جس قدر مُربی قوی التاثیر اور کامل ہو گا ویسی ہی اُس کی تربیت کا اثر مستحکم اور مضبوط ہو گا +

یہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی **قوّت قدسی** کے کامل اور سب سے بڑھ کر ہونے کا ایک اور ثبوت ہے۔ کہ آپ کے تربیت یافتہ گروہ میں وہ استقلال اور رسوخ تھا۔ کہ وہ آپ کے لیئے اپنی جان مال تک دینے سے دریغ نہ کرنیوالے میدان میں ثابت ہوئے اور **مسیح** کے نقص کا یہ بدیہی ثبوت ہے کہ جو جماعت طیار کی وہی گرفتار کرانے اور جان سے مروانے اور لعنت کرنیوالے ثابت ہوئے۔ غرض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رحیمیت کا اثر تھا کہ صحابہ میں **ثبات قدم** اور استقلال تھا۔ پھر مٰلک یوم الدین کا عملی ظہور صحابہ کی زندگی میں یہ ہُوا کہ خدا نے اُن میں اور اُن کے غیروں میں **فرقان** رکھ دیا۔ یا جو معرفت اور خدا کی محبت دُنیا میں اُن کو دی گئی یہ اُن کی دُنیا میں جزا تھی۔ اب قصہ کو تاہ کرتا ہوں کہ **صحابہ** رضی اللہ عنہم میں اُن صفات اربعہ کی تجلّی چمکی لیکن بات بڑی غور طلب ہے کہ **صحابہ کی جماعت اتنی ہی** نہ سمجھو جو پہلے گذر چکے۔ بلکہ ایک اور گروہ بھی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ذکر کیا ہے وہ بھی صحابہ ہی میں داخل ہے جو **احمد کے بروز** کے ساتھ ہونگے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم یعنی صحابہ کی جماعت کو اسی قدر نہ سمجھو بلکہ مسیح موعود کے زمانہ کی جماعت بھی صحابہ ہی ہوگی۔ اس آیت کے متعلق مفسّروں نے مان لیا ہے کہ یہ مسیح موعود کی جماعت ہے۔ منھم کے لفظ سے پایا جاتا ہے کہ باطنی توجہ اور استفاضہ صحابہ ہی کی طرح ہو گا۔ صحابہ کی تربیت ظاہری طور پر ہوئی تھی مگر اُن کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ وہ بھی رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی تربیت کے نیچے ہونگے۔ اسلیئے سب علماء نے اس گروہ کا نام صحابہ ہی رکھا ہے جیسے ان صفات اربعہ کا ظہور اُن صحابہ میں ہُوا تھا ویسے ہی ضروری ہے کہ اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم کی مصداق جماعت صحابہ میں بھی ہو +

اب دیکھو کہ صحابہ کو بدر میں نصرت دیگئی۔ اور فرمایا گیا۔ کہ یہ نصرت ایسے وقت میں دیگئی جبکہ تم تھوڑے تھے۔ اُس **بدر** میں کُفر کا خاتمہ ہو گیا۔ بدر پر ایسی عظیم الشان نشان کے اظہار میں آئندہ کی بھی ایک خبر رکھی گئی تھی۔ اور وہ یہ کہ بدر **چودھویں کے چاند** کو بھی کہتے ہیں۔ اس سے چودھویں صدی میں اللہ تعالےٰ کی نصرت کے اظہار کی طرف بھی ایما ہے۔ اور یہ چودھویں صدی وہی صدی ہے جس کے لئے عورتیں تک کہتی تھیں کہ چودھویں صدی خیر و برکت کی آئیگی۔ خدا کی باتیں پوری ہوئیں۔ اور چودھویں صدی میں اللہ تعالےٰ کے منشاء کے موافق اسم **احمد** کا بروز ہُوا۔ اور **وہ میں ہوں**۔ جس کی طرف اس واقعہ بدر میں پیشگوئی تھی جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **سلام** کہا۔ مگر افسوس کہ جب وہ دن آیا۔ اور **چودھویں کا چاند** نکلا تو اُس کو دُکاندار خود غرض کہا گیا۔ افسوس اُن پر جنہوں نے دیکھا اور نہ دیکھا وقت پایا اور نہ پہچانا۔ وہ مر گئے جو ممبروں پر چڑھ چڑھ کر رویا کرتے تھے کہ چودھویں صدی میں یہ ہوگا۔ اور وہ رہ گئے جو کہ اب ممبروں پر چڑھ کر کہتے ہیں کہ جو آیا ہے وہ کاذب ہے!! ان کو کیا ہو گیا یہ کیوں نہیں دیکھتے اور کیوں نہیں سوچتے۔ اُس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے بدر ہی میں مدد کی تھی اور وہ مدد اذلّۃ کی مدد تھی جس وقت **۳۱۳** آدمی صرف میدان میں آئے تھے اور کُل دو تین لکڑی کی تلواریں تھیں۔ اور اُن ۳۱۳ میں زیادہ تر چھوٹے بچے تھے۔ اس سے زیادہ کمزوری کی حالت کیا ہوگی۔ اور دوسری طرف ایک بڑی بھاری جمعیت تھی اور وہ سب سب چیدہ چیدہ جنگ آزمودہ اور بڑے بڑے جوان تھے۔ آنحضرتؐ کی طرف ظاہری سامان کچھ نہ تھا اُس وقت۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ پر دُعا کی اللّٰھم ان اھلکت ھذہ العصابۃ الی الاخرۃ +

یعنی اے اللہ اگر آج تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر کوئی تیری عبادت کرنیوالا نہ رہیگا +

سُنو! میں بھی یقیناً اُسی طرح کہتا ہوں کہ آج وہی بدر کا معاملہ ہے۔ اللہ تعالےٰ اُسی طرح ایک جماعت طیّار کر رہا ہے وہی بدر اور اذلّۃ کا لفظ موجود ہے کیا یہ جھوٹ ہے کہ اسلام پر ذلّت نہیں آئی؟ نہ سلطنت ظاہری میں شوکت ہے۔ ایک یورپ کی سلطنت مُنہ دکھاتی ہے۔ تو بھاگ جاتے ہیں اور کیا مجال ہے جو سر اُٹھائیں۔ دیکھو اس مُلک کا حال کیا ہے؟ کیا اذلّہ نہیں ہیں ہندو بھی اپنی طاقت میں مسلمانوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ کوئی ایک ذلّت ہے جس میں ان کا نمبر بڑھا ہوا نہ ہو جس قدر ذلیل پیشے ہیں وہ ان میں پاؤ گے۔ بلکہ ٹکڑ گدا

مسلمان ہی ملینگے جیلخانوں میں جاؤ تو جرائم پیشہ گرفتار مسلمان ہی پاؤ گے شرابخانوں میں جاؤ کثرت سے مسلمان ہی پاؤ گے۔ اب بھی کہتے ہیں ذلّت نہیں ہوئی؟ کروڑہا ناپاک اور گندی کتابیں اسلام کے رد میں تالیف کی گئیں ہماری قوم میں مُغل سید کہلانے والے عیسائی ہو کر اسی زبان سے سید المعصومین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو کوسنے لگے صفدر علی اور عماد الدین وغیرہ کون تھے۔ اُمہات المؤمنین کا مُصنّف کون ہے؟ جس پر اس قدر واویلا اور شور مچایا گیا۔ اور آخر کچھ بھی نہ کر سکے۔ اس پر بھی کہتے ہیں کہ ذلّت نہیں ہوئی۔ کیا تم تب خوش ہوتے کہ **اسلام** کا اِتنا رہا سہا نام بھی باقی نہ رہتا تب محسُوس کرتے کہ ہاں اب ذلّت ہوئی ہے!!! آہ! میں تم کو کیونکر دکھاؤں جو اسلام کی حالت ہو رہی ہے۔ دیکھو! میں پھر کھول کر کہتا ہوں کہ یہی **بدر کا زمانہ ہے** اسلام پر ذلّت کا وقت آچکا ہے۔ مگر اب خدا نے چاہا ہے کہ اس کی نصرت کرے۔ چنانچہ **اُس نے مجھے بھیجا ہے۔ کہ میں اسلام کو براہین اور حجج ساطعہ کے ساتھ تمام ملتوں اور مذہبوں پر غالب کر کے دکھادوں** اللہ تعالیٰ نے اِس مبارک زمانہ میں چاہا ہے۔ کہ اُس کا جلال ظاہر ہو۔ اب کوئی نہیں جو اس کو روک سکے جس طرح پہلے صحابہ کے زمانہ میں چاروں صفات کی ایک خاص تجلّی ظاہر ہوئی تھی۔ اب پھر وہی زمانہ ہے۔ اور ربُوبیّت کا وقت آیا ہے۔ نادان مخالف چاہتے ہیں۔ کہ بچّہ کو الگ کردیں۔ مگر خدا کی رُبُوبیّت نہیں چاہتی۔ بارش کی طرح اُس کی رحمت برس رہی ہے۔ یہ مولوی حامی دین کہلانے والے مخالفت کر کے چاہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کے نُور کو بُجھا دیں۔ مگر یہ نُور پُورا ہو کر رہیگا۔ اِسی طرح جس طرح اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے یہ خوش ہوتے ہیں۔ اور تسلیم کر لیتے ہیں جب پادری اُٹھ اُٹھ کر کہتے ہیں کہ تمہارا نبی مر گیا۔ اور زندہ نبی مسیح ہی ہے۔ اور مس شیطان سے مسیح ہی بچا ہُوا ہے۔ اور مسیح نے مُردوں کو زندہ کیا۔ یہ بھی تائید کر کے کہدیتے ہیں کہ ہاں چڑیاں بنایا کرتے تھے۔ ایک شخص موحد میرے پاس آیا۔ میں نے اُس سے پُوچھا۔ کہ مسیح جو چڑیاں بنایا کرتے تھے اب تو وہ بہت ہو گئی ہونگی۔ کیا فرق کر سکتے ہو۔ اُس نے کہا ہاں مل جُل گئی ہیں اِس طرح پر ان لوگوں نے مسیح کو نصف خدائی کا دعوے دار بنا دیا ہے۔ ایسا ہی انہوں نے **دجّال** کی نسبت مان رکھا ہے۔ کہ وہ مُردوں کو زندہ کریگا اور یہ کریگا اور وہ کریگا افسوس قرآن تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی تلوار سے تمام اُن باطل معبُودوں کو قتل کرتا ہے۔ جن میں خدائی صفات مانی جائیں پھر یہ دجّال کہاں سے نکل آیا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں یہودی

اور عیسائی بننے سے بچنے کی دُعا تو سکھلائی کیا دجّال کا ذکر خدا کو یاد نہ رہا جو اتنا بڑا فتنہ تھا؟ اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کی عقل ماری گئی۔ اور یہ اس کے مصداق ہیں۔ ع

تیلے بر شاخ و بُن مے بُرید

یہ لوگ جبکہ اس طرح سے اسلام کو ذلیل کرنے پر آمادہ ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق کہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون **قرآن شریف کی عظمت کو قائم کرنے کے لئے چودھویں صدی کے سر پر مجھے بھیجا ہے**+

کیا نہیں دیکھتے کہ کس طرح پر اس کے نشانات ظاہر ہو رہے ہیں خسوف و کسوف رمضان میں ہو گیا۔ کیا ہو سکتا ہے کہ مہدی موجود نہ ہو۔ اور یہ مہدی کا نشان پورا ہو جاوے۔ کیا خدا کو دھوکا لگا ہے؟ پھر اونٹ بیکار ہونے پر بھی مسیح نہ آیا؟ آسمان اور زمین کے نشان پورے ہو گئے۔ زمانہ کی حالت خود تقاضا کرتی ہے کہ آنیوالا آوے۔ مگر یہ تکذیب ہی کرتے ہیں آنیوالا آ گیا۔ ان کی تکذیب اور شور و بکا سے کچھ نہ بگڑیگا۔ ان لوگوں کی ہمیشہ سے اسی طرح عادت رہی ہے۔ خدا کی باتیں سچی ہیں۔ اور وہ پوری ہو کر رہتی ہیں+

پس تم ان کی بد صحبتوں سے بچتے رہو اور دعاؤں میں لگے رہو اور اسلام کی حقیقت اپنے اندر پیدا کرو+

بڑا معجزہ علمی معجزہ ہوتا ہے[۵۱] فرمایا معجزہ تو علم کا ہی بڑا ہوتا ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن شریف ہی تھا جو اب تک قائم ہے (یہ ذکر تفسیر الفاتحہ کے لکھنے پر ہوا جو کہ حضرت صاحب ... گولڑوی وغیرہ سے مقابلہ میں اشتہار دیکر لکھ رہے ہیں+)

فرمایا۔ عالم علم سے پہچانا جاتا ہے۔ ہمارے مخالفین میں دراصل کوئی عالم نہیں ہے ایک بھی نہیں ہے۔ ورنہ کیوں مقابلہ میں عربی فصیح بلیغ تفسیر لکھ کر اپنا عالم ہونا ثابت نہیں کرتے ایک آنکھوں والے کو اگر الزام دیا جاوے کہ تو نابینا ہے تو وہ غصہ کرتا ہے۔ غیرت کھاتا ہے اور صبر نہیں کرتا جب تک اپنا بینا ہونے کا ثبوت نہ دے۔ ان لوگوں کو چاہیئے کہ اپنا عالم ہونا اپنا علم دکھا کر ثابت کریں۔ فرمایا۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ بہت سے عالموں نے اس سلسلہ کی مخالفت کی۔ یہ غلط ہے۔ خدا نے اپنی تحدیوں اور دعووں کے ساتھ علمی معجزات جاری

۵۱ تاریخ تقریر ۱۱ جنوری ۱۹۰۱ء (الحکم جلد ۵ نمبر ۳)

تائید میں دکھا کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ مخالفوں میں کوئی عالم نہیں ہے اور یہ بات غلط ہے کہ عالموں نے ہماری مخالفت کی +

سُورۃ الفاتحہ کی تفسیر نویسی میں کوئی تیرا مقابلہ نہیں کرسکیگا

۱۵ جنوری ۱۹۰۱ء - فرمایا - آج رات الہام ہوا مَنَعَهُ مَانِعٌ مِنَ السَّمَاءِ

یعنی اس تفسیر نویسی میں کوئی تیرا مقابلہ نہ کرسکیگا - خدا نے مخالفین سے سلب طاقت اور سلب علم کرلیا ہے - اگرچہ ضمیر واحد مذکر غائب ایک شخص یعنی مہر شاہ کی طرف ہے لیکن خدا نے ہمیں سمجھایا ہے - کہ اس شخص کے وجود میں تمام مخالفین کا وجود شامل کر کے ایک ہی کا حکم رکھا ہے - تاکہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور اعظم سے اعظم معجزہ ثابت ہو کہ تمام مخالفین ایک وجود یا کئی جان ایک قالب بن کر اس تفسیر کے مقابلہ میں لکھنا چاہیں تو ہرگز نہ لکھ سکیں گے +

فرمایا انسان کا کام انسان کرسکتا ہے - ہمارے مخالف انسان ہیں - اور عالم اور مولوی کہلاتے ہیں - پھر کیا وجہ ہے کہ جو کام ہم نے کیا وہ نہیں کرسکتے - یہی ایک معجزہ ہے - نبی اگر ایک سونٹا پھینک دے اور کہے کہ میرے سوا کوئی اسکو اٹھا نہ سکے گا - تو یہ بھی ایک معجزہ ہے چہ جائیکہ تفسیر نویسی تو ایک علمی معجزہ ہے +

فرمایا یہ تفسیر رمضان شریف میں شروع ہوئی - جیسا کہ قرآن شریف رمضان میں شروع ہوا تھا - اور امید ہے کہ دو عیدوں کے درمیان ختم ہوگی - جیسا کہ شیخ سعدی نے کسی کے متعلق کہا ہے ؎

بروزِ ہمایون و سالِ سعید　　بتاریخِ فرخ میانِ دو عید

فرمایا - قرآن شریف کے معجزہ فصاحت وبلاغت کے جواب میں ایکدفعہ پادری فنڈر نے حریری اور ابو الفضل اور بعض انگریزی کتابوں کو پیش کیا تھا - مدت کی بات ہے - ہم نے اس وقت بھی یہی سوچا تھا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے - کیونکہ اول تو ان مصنفین کو کبھی یہ دعویٰ نہیں ہوا کہ ان کا کلام بے مثل ہے - بلکہ وہ خود اپنی کم مایگی کا ہمیشہ اقرار کرتے رہے ہیں - اور قرآن شریف کی تعریف کرتے ہیں - دوسرا ان لوگوں کی کتابوں میں معنی الفاظ کے تابع ہو کر چلتا ہے - صرف الفاظ جوڑے ہوئے ہوتے ہیں قافیہ کے واسطے ایک لفظ کے مقابل دوسرا لفظ تلاش کیا جاتا ہے - اور کلام میں حکمت اور معارف کا لحاظ نہیں ہوتا اور قرآن شریف میں التزام ہے حق اور حکمت کا - اصل میں اس بات کا نباہنا کہ حق اور حکمت کے کلمات کے ساتھ قافیہ بھی

ٹ تاریخ تقریر ۱۵ جنوری ۱۹۰۱ء

درست ہو یہ بات تائید الٰہی سے حاصل ہوتی ہے ورنہ انسانوں کے کلام ایسے ہوتے ہیں جیسا کہ حریری وغیرہ۔ فرمایا۔ رمضان کا مہینہ مبارک مہینہ ہے دُعاؤں کا مہینہ ہے +

۵۱ ۱۹ جنوری ۱۹۰۱ء۔ ایک شخص نے اپنے قرض کے متعلق دُعا کے واسطے عرض کی۔ فرمایا استغفار بہت پڑھا کرو۔ انسان کے واسطے غموں سے سُبک ہونے کے واسطے یہ طریق ہے +

۵۲ ۲۰ جنوری ۱۹۰۱ء۔ فرمایا۔ قرآن شریف میں چار سورتیں ہیں جو بہت پڑھی جاتی ہیں۔ ان میں مسیح موعود اور اُس کی جماعت کا ذکر ہے (۱) سُورہ فاتحہ جو ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اس میں ہمارے دعوی کا ثبوت ہے جیسا کہ اس تفسیر میں ثابت کیا جائیگا (۲) سُورہ جمعہ جس میں اٰخرین منھم مسیح موعود کی جماعت کے متعلق ہے۔ یہ ہر جمعہ میں پڑھی جاتی ہے (۳) سُورہ کہف جس کے پڑھنے کے واسطے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے اس کی پہلی اور پچھلی دس آیتوں میں دجّال کا ذکر ہے (۴) آخری سُورۃ قرآن کی جس میں دجال کا نام خناس رکھا ہے۔ یہ وہی لفظ ہے جو عبرانی توریت میں دجال کے واسطے آیا ہے۔ یعنی نحاش

ایسا ہی قرآن شریف کے اور مقامات میں بھی بہت ذکر ہے +

۵۳ اِنسان ایمانی قوت سے ان تکالیف پر جو دین حق کی تلاش میں پیش آتی ہیں غالب آسکتا ہے

ہر ایک قدم جو صدق اور تلاش حق کیلئے اُٹھایا جاوے۔ اُسکے لئے بہت بڑا ثواب اور اجر ملتا ہے۔ مگر عالم ثواب مخفی عالم ہے جس کو دُنیادار کی آنکھ دیکھ نہیں سکتی +

بات یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالےٰ باوجود آشکارا ہونے کے مخفی اور نہاں در نہاں ہے اور اسلئے الغیب بھی اُس کا نام ہے۔ اسی طرح پر ایمان بالغیب بھی ایک چیز ہے جو گو مخفی ہوتا ہے۔ مگر عامل کی عملی حالت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس زمانہ میں ایمان بالغیب بہت کمزور حالت میں ہے۔ اگر خدا پر ایمان ہو تو پھر کیا وجہ ہے کہ لوگوں میں وہ صدق وحق کی تلاش اور پیاس نہیں پائی جاتی جو ایمان کا خاصہ ہے +

خدا کی راہ میں سختی کا برداشت کرنا مصائب اور مشکلات کے جھیلنے کے لئے ہمہ تن طیار ہو جانا ایمانی تحریک سے ہی ہوتا ہے ایمان ایک قوت ہے جو سچی شجاعت اور ہمت انسان کو عطا کرتا ہے۔ اُس کا نمونہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

۵۱ تاریخ تقریر ۲۹ جنوری ۱۹۰۱ء + ۵۲ تاریخ تقریر ۳۰ جنوری ۱۹۰۱ء ۵۳ الحکم جلد ۵ نمبر ۴ تقریر ۲۶ دسمبر ۱۹۰۰ء +

کی زندگی میں نظر آتا ہے جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوئے تو وہ کونسی بات تھی جو ان کو اُمید دلاتی تھی کہ اُس طرح پر ایک بیکس ناتوان انسان کے ساتھ ہو جانے سے ہم کو کوئی **ثواب** ملیگا - ظاہری آنکھ تو اس کے سوا کچھ نہ دکھاتی تھی کہ اس ایک کے ساتھ ہونے سے ساری قوموں کو اپنا دشمن بنا لیا ہے جس کا نتیجہ صریح یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصائب اور مشکلات کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑیگا - اور وہ چکنا چور کر ڈالیگا - اسی طرح پر ہم ضائع ہو جائیں گے مگر کوئی اور آنکھ بھی تھی جس نے ان مصائب اور مشکلات کو ہیچ سمجھا تھا اور اس راہ میں مرجانا اُن کی نگاہ میں ایک راحت اور سرور کا موجب تھا۔ انہوں نے وہ کچھ دیکھا تھا۔ جو ان ظاہر بین آنکھوں کے نظارہ سے نہاں در نہاں اور بہت ہی دُور تھا وہ **ایمانی** آنکھ تھی اور ایمانی **قوت** تھی جو ان ساری تکلیفوں اور دُکھوں کو بالکل ہیچ دکھاتی تھی آخر وہ ایمان ہی غالب آیا - اور ایمان نے وہ کرشمہ دکھایا - کہ جس پر ہنستے تھے - اور جس کو **ناتوان** اور بیکس کہتے تھے اُس نے اس ایمان کے ذریعہ اُن کو کہاں پہنچا دیا - وہ ثواب اور اجر جو پہلے مخفی تھا پھر ایسا آشکارا ہوا کہ اس کو دُنیا نے دیکھا اور محسوس کیا - کہ ہاں یہ اسی کا ثمرہ ہے۔ ایمان کی بدولت وہ جماعت صحابہ کی نہ تھکی نہ ماندہ ہوئی - بلکہ قوت ایمانی کی تحریک سے بڑے بڑے عظیم الشان کام کر دکھائے - اور پھر بھی کہا تو یہی کہا کہ جو حق کرنے کا تھا نہیں کیا ایمان نے اُن کو وہ قوت عطا کی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سر کا دینا اور جانوں کا قربان کر دینا ایک ادنےٰ سی بات تھی - **اور اہل اسلام** میں جبکہ ابھی کوئی بیّن نتائج نظر نہ آتے تھے دیکھو کس قدر مسلمانوں نے دشمنوں کے ہاتھوں سے کیسی کیسی تکلیفیں اور مصیبتیں محض لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے کے بدلے برداشت کیں - ایک وہ زمانہ تھا - کہ سر دینا کوئی بڑی بات نہ تھی - اور یا **ایک یہ زمانہ** ہے کہ ایمانی قوت باوجود اس کے کہ مخالف اس قسم کی اذیتیں نہیں دیتے - ایک عادل گورنمنٹ کے سایہ میں بستے ہیں سلطنت کسی قسم کا تعرض نہیں کرتی علوم دین حاصل کرنے کے پورے سامان میسر ہیں ارکان مذہبی ادا کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہے **ایک سجدہ کا کرنا بار گراں معلوم ہوتا ہے** - غور تو کرو کہاں سر اور کہاں صرف **ایک سجدہ**! اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آج **ایمان کیسا انحطاط** کی حالت میں ہے - اور پھر ایسی حالت میں کہ نماز کا پڑھنا اور وضو کا کرنا طبی فوائد بھی اپنے ساتھ رکھتا ہے - اطبا

کہتے ہیں۔ کہ اگر کوئی ہر روز مُنہ نہ دھوئے تو آنکھ آجاتی ہے (آنکھ دُکھنے لگتی ہے) اور یہ نزول الماء کا مقدمہ ہے۔ اور بہت سی بیماریاں اس سے پیدا ہوتی ہیں پھر بتلاؤ کہ وضو کرتے ہوئے کیوں موت آتی ہے۔ بظاہر کیسی عمدہ بات ہے مُنہ میں پانی ڈالکر کُلّی کرنا ہوتا ہے مسواک کرنے سے مُنہ کی بدبُو دُور ہوتی ہے دانت مضبُوط ہو جاتے ہیں۔ اور دانتوں کی مضبُوطی غذا کے عمدہ طور پر چبانے اور جلد ہضم ہو جانے کا باعث ہوتی ہے۔ پھر ناک صاف کرنا ہوتا ہے۔ ناک میں کوئی بدبُو داخل ہو تو دماغ کو پراگندہ کر دیتی ہے۔ اب بتلاؤ کہ اس میں بُرائی کیا ہے۔ اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی حاجات لیجاتا ہے۔ اور اسکو اپنے مطالب عرض کرنے کا موقع ملتا ہے۔ دُعا کرنے کے لئے فرصت ہوتی ہے زیادہ سے زیادہ نماز میں ایک گھنٹہ لگ جاتا ہے۔ اگرچہ بعض نمازیں تو پندرہ منٹ سے بھی کم میں ادا ہو جاتی ہیں۔ پھر بڑی حیرانی کی بات ہے۔ کہ نماز کے وقت کو تضیع اوقات سمجھا جاتا ہے جس میں اس قدر بھلائیاں اور فائدے ہیں۔ اور اگر سارا دن اور ساری رات لغو اور فضول باتوں یا کھیل اور تماشوں میں ضائع کر دیں تو اس کا نام مصروفیت رکھا جاتا ہے اگر قوی ایمان ہوتا قوی تو ایک طرف اگر ایمان ہی ہوتا تو یہ حالت کیوں ہوتی اور یہاں تک نوبت کیوں پہنچتی۔ باوجود اس کے کہ اس قدر ایمانی حالت گر گئی ہے۔ اس پر بھی اگر کوئی اس کمزوری کو محسوس کرا کے اس کا علاج کرنا چاہے اور وہ راہ بتلائے جس پر چلکر انسان خدا سے ایک قوت اور شجاعت پاتا ہے تو اس کو کافر اور دجّال کہا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ لوگ ایمان کا ایک نتیجہ یقین نہیں کر سکتے۔ تو کم از کم **فرض** ہی کر لیں۔ فرض پر بھی تو بڑے بڑے نتائج مترتب ہو جاتے ہیں۔ دیکھو **اقلیدس** کا سارا مدار فرض پر ہی ہے۔ اس سے کسقدر فوائد پہنچتے ہیں۔ بڑے بڑے علوم کی بنا اولاً فرض پر ہی ہوتی ہے۔ پس اگر ایمان کو بھی فرض کر کے ہی اختیار کر لیتے تب بھی یقین ہے کہ وہ خالی ہاتھ نہ رہتے۔ مگر یہاں تو اب یہ حال ہو گیا ہے کہ سرے ہی سے ایک بے معنی شے سمجھتے ہیں +

میں پھر صحابہ کی حالت کو نظیر کے طور پر پیش کر کے کہتا ہوں۔ کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اپنی عملی حالت میں دکھایا کہ **وہ خدا جو محجوب الغیب ہستی ہے**۔ اور جو باطل پرست مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ اور نہاں ہے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ لیا ہے۔ ورنہ بتاؤ تو سہی کہ وہ کیا بات تھی جس نے اُن کو ذرا بھی پروا

ہونے نہیں دی کہ قوم چھوڑنی ملک چھوڑا جائیدادیں چھوڑیں احباب و رشتہ داروں سے قطع تعلق کیا وہ **صرف خدا ہی پر بھروسہ تھا**۔ اور ایک خدا پر بھروسہ کر کے انہوں نے وہ کر کے دکھایا کہ اگر تاریخ کی ورق گردانی کریں تو انسان حیرت اور تعجب سے بھر جاتا ہے **ایمان تھا** اور صرف **ایمان تھا** اور کچھ نہ تھا۔ ورنہ بالمقابل دنیاداروں کے منصوبے اور تدبیریں اور پوری کوششیں اور سرگرمیاں تھیں پر وہ کامیاب نہ ہو سکے اُن کی تعداد جماعت۔ دولت سب کچھ زیادہ تھا۔ مگر **ایمان نہ تھا**۔ اور صرف ایمان ہی کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے۔ اور کامیابی کی صورت نہ دیکھ سکے مگر صحابہ نے ایمانی قوت سے سب کو جیت لیا۔ انہوں نے جب ایک شخص کی آواز سُنی جس نے باوصفیکہ اُمّی ہونے کی حالت میں پرورش پائی تھی۔ مگر اپنے صدق اور امانت اور راستبازی میں شہرت یافتہ تھا۔ جب اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں۔ یہ سُنتے ہی ساتھ ہو گئے اور پھر دیوانوں کی طرح اُس کے پیچھے چلے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ وہ صرف ایک ہی بات تھی جس نے اُن کی یہ حالت بنادی۔ اور وہ ایمان تھا۔ یاد رکھو **خدا پر ایمان** بڑی چیز ہے۔

انگریزی اور مغربی قومیں دُنیا کی تلاش اور خواہش میں لگی ہوئی ہیں ابتدا میں ایک موہوم اور خیالی اُمید پر کام شروع کرتے ہیں سینکڑوں جانیں ضائع ہوتی ہیں ہزاروں لاکھوں روپے برباد ہوتے ہیں آخر ایک بات پا ہی لیتے ہیں۔ پھر کس قدر افسوس اور تعجب ان پر ہے جو کہتے ہیں **خدا نہیں مل سکتا**۔ کسی نے مجاہدہ اور سعی کی اور پھر خدا کو نہیں پایا؟ خدا تو ملتا ہے اور بہت جلد ملتا ہے۔ لیکن اس کے پانے والے کہاں؟

اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ **خدا نہیں ہے**؟ تو یہ بڑی بیہودہ بات ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی نادانی اور بیوقوفی نہیں ہے جو خدا کا انکار کیا جاوے۔ دُنیا میں دو گواہوں کے کہنے سے عدالت ڈگری دیدیتی ہے۔ چند گواہوں کے بیان پر جان جیسی عزیز چیز کے خلاف عدالت فتویٰ دیدیتی ہے۔ اور پھانسی پر لٹکا دیتی ہے۔ حالانکہ شہادتوں میں جعل اور سازش کا اندیشہ ہی نہیں یقین ہوتا ہے لیکن خدا کے متعلق ہزاروں لاکھوں انسانوں نے جو اپنی قوم میں اور ملک میں مسلّم راستباز نیک چلن تھے شہادت دی ہو اُسکو کافی نہ سمجھا جائے اس سے بڑھ کر حماقت اور ہٹ دھرمی کیا ہو گی۔ کہ لاکھوں **مقدسوں کی شہادت**

موجود ہے۔ اور پھر انہوں نے اپنی عملی حالت سے بتا دیا ہے۔ اور خوب دل سے یہ شہادت لکھ دی ہے کہ **خدا ہے اور ضرور ہے**۔ اس پر بھی اگر کوئی انکار کرتا ہے تو وہ بیوقوف ہے۔ اور پھر عجیب تو یہ بات ہے کہ کسی معاملہ میں رائے دینے کے لئے ضروری ہے کہ اُس کا علم ہو۔ جس شخص کو علم ہی نہیں وہ رائے دینے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ رائے زنی کرے تو کیا وہ احمق اور بیوقوف نہ کہلائیگا ضرور کہلائیگا بلکہ دوسرے دانشمند اُسکو شرمندہ کرینگے۔ کہ احمق جبکہ تجھے کچھ واقفیت ہی نہیں تو پھر تو رائے کس طرح دیتا ہے۔ اِس طرح پر جو خدا کی نسبت کہتے ہیں کہ نہیں ہے اُن کا کیا حق ہے کہ وہ رائے دیں جبکہ الٰہیات کا علم ہی اُن کو نہیں ہے۔ اور اُنہوں نے کبھی مجاہدہ ہی نہیں کیا ہے۔ ہاں اُن کو یہ کہنے کا حق ہو سکتا تھا۔ اگر وہ ایک خدا پرست کے کہنے کے موافق تلاش حق میں قدم اُٹھاتے اور خدا کو ڈھونڈتے۔ پھر اگر اُن کو خدا نہ ملتا تو بیشک کہدیتے کہ خدا نہیں ہے۔ لیکن جب کہ انہوں نے کوئی کوشش اور مجاہدہ نہیں کیا ہے تو اُن کو انکار کرنے کا حق نہیں ہے۔ غرض **خدا کا وجود** ہے اور وہ ایک ایسی شے ہے کہ جس قدر اُس پر ایمان بڑھتا جاوے۔ اُسی قدر قوت ملتی جاتی ہے۔ اور وہ نہاں در نہاں ہستی نظر آنے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ کھلے کھلے طور پر اُس کو دیکھ لیتا ہے۔ اور پھر یہ قوت دن بدن زیادہ ہوتی جاتی ہے یہی ایک بات ہے جس کی تلاش دنیا کو ہونی چاہیئے۔ مگر آج دنیا میں قوتیں نہیں رہیں اسلام جو ایمانی قوت لیکر آیا تھا۔ بہت ضعیف ہو گیا ہے اور عام طور پر مسلمانوں نے محسوس کر لیا ہے کہ وہ کمزور ہیں ورنہ کیا وجہ ہے کہ آئے دن جلسے اور مجلسیں ہوتی رہتی ہیں۔ اور نت نئی انجمنیں بنتی جاتی ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اسلام کی حمایت اور امداد کے لئے کام کرتی ہیں۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ اُن مجلسوں میں قوم قوم تو پکارتے ہیں۔ **قومی ترقی قومی ترقی** کے گیت گاتے ہیں۔ لیکن کوئی مجھ کو یہ بتائے کہ کیا پہلے زمانہ میں جب قوم بنی تھی وہ یورپ کے اتباع سے بنی تھی؟ کیا مغربی قوموں کے نقش قدم پر چلکر اُنہوں نے ساری ترقیاں کی تھیں۔ اگر یہ ثابت ہو جائے۔ کہ اِس طرح ترقی کی تھی تو بیشک گناہ ہوگا۔ اگر ہم اہل یورپ کے نقش قدم پر نہ چلیں لیکن اگر ثابت نہ ہو اور ہرگز ثابت نہ ہوگا۔ پھر کس قدر ظلم ہے۔ کہ اسلام کے اصولوں کو چھوڑ کر قرآن کو چھوڑ کر جس نے ایک وحشی دنیا کو انسان اور انسان سے باخدا انسان بنایا۔ ایک دُنیا پرست قوم کی پیروی کی جائے۔ جو لوگ اسلام کی بہتری اور زندگی مغربی دُنیا کو قبلہ بنا کر چاہتے ہیں؛

کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کامیاب وہی لوگ ہونگے جو **قرآن** کریم کے ماتحت چلتے ہیں۔ قرآن کو چھوڑ کر کامیابی ایک ناممکن اور محال امر ہے۔ اور ایسی کامیابی ایک خیالی امر ہے جس کی تلاش میں لوگ لگے ہوئے ہیں صحابہ کے نمونوں کو اپنے سامنے رکھو دیکھو انہوں نے جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اور دین کو دنیا پر مقدم کیا تو وہ سب وعدے جو اللہ تعالےٰ نے اُن سے کیئے تھے پورے ہو گئے ابتدا میں مخالف ہنسی کرتے تھے کہ باہر آزادی سے نکل نہیں سکتے۔ اور بادشاہی کے دعوے کرتے ہیں لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گم ہو کر انہوں نے وہ پایا جو صدیوں سے اُن کے حصہ میں نہ آیا تھا وہ قرآن کریم اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے اور اُن کی ہی اطاعت اور پیروی میں دن رات کوشاں تھے اُن لوگوں کی پیروی کسی رسم و رواج تک میں بھی نہ کرتے تھے جن کو کفار کہتے تھے۔ جب تک اسلام اس حالت میں رہا۔ وہ زمانہ **اقبال اور عروج کا رہا۔ اس میں سر یہ تھا ؎**

خدا داری چہ غم داری

مسلمانوں کے فتوحات اور کامیابیوں کی کلید بھی ایمان تھا۔ صلاح الدین کے مقابلہ پر کس قدر ہجوم ہوا تھا لیکن آخر اُس پر کوئی قابو نہ پاسکا۔ اس کی نیت اسلام کی خدمت تھی غرض ایک مدت تک ایسا ہی رہا۔ جب بادشاہوں نے فسق و فجور اختیار کیا پھر اللہ تعالےٰ کا غضب ٹوٹ پڑا۔ اور رفتہ رفتہ ایسا زوال آیا جس کو اب تم دیکھ رہے ہو۔ اب اس مرض کی جو تشخیص کیجاتی ہے۔ ہم اُس کے مخالف ہیں ہمارے نزدیک اس تشخیص پر جو علاج کیا جائیگا۔ وہ زیادہ خطرناک اور مضر ثابت ہوگا۔ جب تک مسلمانوں کا رجوع قرآن شریف کی طرف نہ ہوگا۔ اُن میں وہ ایمان پیدا نہ ہوگا۔ یہ تندرست نہ ہونگے عزت اور عروج اُسی راہ سے آئیگا۔ جس راہ سے پہلے آیا ٭

میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان سُست ہو جائیں اسلام کسی کو سُست نہیں بناتا اپنی تجارتوں اور ملازمتوں میں بھی مصروف ہوں۔ مگر میں یہ نہیں پسند کرتا کہ خدا کے لئے کوئی وقت بھی ان کا خالی ہو۔ ہاں تجارت کے وقت پر تجارت کریں۔ اور اللہ تعالےٰ کے خوف و خشیت کو اُس وقت بھی مدنظر رکھیں۔ تاکہ وہ تجارت بھی اُن کی عبادت کا رنگ اختیار کرلے نمازوں کے وقت پر نمازوں کو نہ چھوڑیں۔ معاملہ میں خواہ کوئی ہو دین کو مقدم کریں دنیا مقصود بالذات نہ ہو۔ اصل مقصود دین ہو پھر دنیا کے کام بھی دین ہی سمجھے جائینگے

صحابہ کرام کو دیکھو کہ اُنہوں نے مشکل سے مشکل وقت میں بھی خدا کو نہیں چھوڑا۔ لڑائی اور تلوار کا وقت ایسا خطرناک ہوتا ہے کہ محض اُس کے تصور سے ہی انسان گھبرا اُٹھتا ہے وہ وقت جبکہ جوش اور غضب کا وقت ہوتا ہے ایسی حالت میں بھی وہ خدا سے غافل نہیں ہوئے نمازوں کو نہیں چھوڑا۔ دُعاؤں سے کام لیا۔ اب یہ بدقسمتی ہے کہ یُوں تو ہر طرح سے زور لگاتے ہیں بڑی بڑی تقریریں کرتے ہیں۔ جلسے کرتے ہیں۔ کہ مسلمان ترقی کریں۔ مگر خدا سے ایسے غافل ہوئے ہیں کہ بھول کر بھی اُسکی طرف توجہ نہیں کرتے پھر ایسی حالت میں کیا اُمید ہو سکتی ہے کہ اُنکی کوششیں نتیجہ خیز ہوں جبکہ وہ سب کے سب دُنیا ہی کیلئے ہیں۔ یاد رکھو جبتک لا الٰہ الا اللہ دل و جگر میں سرایت نہ کرے۔ اور وجود کے ذرہ ذرہ پر اسلام کی روشنی اور حکومت نہ ہو کبھی ترقی نہ ہوگی۔ اگر تم مغربی قوموں کا نمونہ پیش کرو کہ وہ ترقیاں کر رہے ہیں۔ اُن کے لیئے اور معاملہ ہے۔ تم کو کتاب دیگئی ہے۔ تم پر حجت پوری ہو چکی ہے۔ اُن کے لیئے الگ معاملہ اور مواخذہ کا دن ہے۔ تم اگر کتاب اللہ کو چھوڑو گے تو تمہارے لیئے اِسی دنیا میں جہنم موجود ہے +

ایسی حالت میں تقریباً ہر شہر میں مسلمانوں کی بہتری کیلئے انجمنیں اور کانفرنسیں ہوتی ہیں لیکن کسی ہمدرد اسلام کے مُنہ سے یہ نہیں نکلتا کہ قرآن کو اپنا امام بناؤ۔ اس پر عمل کرو۔ اگر کہتے ہیں تو بس یہی کہ انگریزی پڑھو۔ کالج بناؤ بیرسٹر بنو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا پر ایمان نہیں رہا حاذق طبیب بھی دس دن کے بعد اگر دوا فائدہ نکرے تو اپنے علاج سے رجوع کر لیتے ہیں۔ یہاں ناکامی پر ناکامی ہوتی جاتی ہے اور اس سے رجوع نہیں کرتے۔ اگر خدا نہیں ہے تو اُسکو چھوڑ کر بیشک ترقی کرلینگے لیکن جبکہ خدا ہے اور ضرور ہے پھر اُسکو چھوڑ کر کبھی ترقی نہیں کر سکتے اُسکی بےعزتی کر کے اُسکی کتاب کی بےادبی کر کے چاہتے ہیں کہ کامیاب ہوں اور قوم بن جاویں کبھی نہیں +

مسلمان کس طرح ترقی کر سکتے ہیں

ہماری رائے تو یہی ہے جس کو آنکھیں دیکھتی ہیں ترقی کی ایک ہی راہ ہے کہ خدا کو پہچانیں اور اُسی پر زندہ ایمان پیدا کریں۔ اگر ہم ان باتوں کو اُن دُنیا پرستوں کی مجلس میں بیان کریں تو وہ ہنسی میں اُڑا دیں۔ مگر ہم کو رحم آتا ہے۔ کہ افسوس یہ لوگ اسکو نہیں دیکھ سکتے جو ہم دیکھتے ہیں آپ کو چونکہ خدا تعالیٰ نے موقع دیا ہے۔ کہ اس قدر دور و دراز کا سفر اختیار کر کے اور راستہ کی تکلیف اُٹھا کر آئے ہیں میں سمجھتا ہوں۔ کہ اگر ایمانی قوت کی تحریک نہ ہوتی تو اس قدر تکلیف برداشت نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے۔ اور اس قوت کو ترقی دے۔ تاکہ آپ کو وہ آنکھ عطا ہو کہ آپ اُس روشنی اور نور کو دیکھ سکیں جو اس زمانہ میں اللہ تعالےٰ نے اپنے

فضل سے دُنیا پر نازل کیا ہے بعض اوقات انسان کی یہ حالت ہوتی ہے۔ کہ وہ کہیں جاتا ہے اور پھر جلد چلا آتا ہے۔ مگر اس کے بعد اُس کی رُوح میں دوسرے وقت اضطراب ہوتا ہے۔ کہ کیوں چلا آیا ہمارے دوست آتے ہیں۔ اور اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے جلد چلے جاتے ہیں لیکن پیچھے اُن کو حسرت ہوتی ہے کہ کیوں جلد واپس آئے (یہاں مولوی سید مہدی حسین صاحب نے کہا کہ میرا بھی یقیناً یہی حال ہوگا۔ اگر میں نواب محسن الملک صاحب اور دوسرے دوستوں کو تار نہ دے چکا ہوتا تو میں اور ٹھیرتا) بہرحال میں نہیں چاہتا۔ کہ آپ تخلف وعدہ کریں۔ اور جبکہ اُن کو اطلاع دے چکے ہیں تو ضرور جانا چاہئے۔ لیکن میں امید کرتا ہوں کہ آپ پھر آئیں گے۔ میں محض للہ اور نصیحتاً کہتا ہوں کہ آپ ایک دو ہفتہ تک کم از کم کسی دوسرے موقعہ پر یہاں رہجائیں۔ تو آپ کو بہت فائدہ ہوگا آپ وہ باتیں سنیں گے **جن کے سنانے کے لئے خدا نے مجھے بھیجا ہے** رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اُس وقت کافر یہی رائے لگاتے تھے۔ ان ھذا لشئی یراد۔ میاں یہ تو دُکانداری ہے۔ مخالف جس کو صحبت نصیب نہیں ہوتی اُس کو صحیح رائے نہیں ملتی اور دُور سے رائے لگانا صحیح نہیں۔ کیونکہ جب تک وہ پاس نہیں آتا اور حالات پر اطلاع نہیں پاتا کیونکر صحیح رائے حاصل کر سکتا ہے +

میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بُنیاد اس وقت ایک سلسلۂ آسمانی کی رکھی ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ سلسلہ بالکل منہاج نبوت پر قائم ہوا ہے۔ اس کا پتہ اسی طرز پر لگ سکتا ہے جس طرح انبیاء علیہم السلام کے سلسلوں کی حقانیت معلوم ہوئی۔ اور وہ راہ ہے صحبت میں صبر اور حسن ظن سے رہنے کی۔ مخالفوں کو چونکہ اسباب نہیں ملتے۔ اسلئے وہ صحیح رائے اور یقینی نتیجہ پر پہنچ نہیں سکتے۔ انسان جب تک ان طرح طرح کے خیالات اور راؤں کے پردوں کو چیر کر نہیں نکل آتا اُس کو سچی معرفت فتوۃ اور مردانگی نہیں مل سکتی۔ خوش قسمت وہی انسان ہے۔ جو ایسے **مردان خدا** کے پاس رہ کر (جن کو اللہ تعالےٰ اپنے وقت پر بھیجتا ہے) اس غرض اور مقصد کو حاصل کرے جس کے لئے وہ آتے ہیں۔ ایسے لوگ اگرچہ تھوڑے ہوتے ہیں لیکن ہوتے ضرور ہیں۔ وقلیل من عبادی الشکور۔ اگر تھوڑے نہ ہوتے تو پھر بقدری ہو جاتی یہی وجہ ہے۔ کہ سونا چاندی لوہے اور ٹین کی طرح عام نہیں ہے +

ہاں یہ ضرور ہے کہ مخالف بھی ہوں کیونکہ سُنّت اللہ اسی طرح جاری ہے۔ کہ ہر شخص جو خدا کی طرف قدم اُٹھاتا ہے۔ اُس کے لئے امتحان ضروری رکھا ہوا ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے

ابتلاء کا فلسفہ

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون۔ امتحان سنت اللہ کی عادت ہے۔ یہ خیال نہ کرو۔ کہ عالم الغیب خدا کو امتحان کی کیا ضرورت ہے؟ یہ اپنی سمجھ کی غلطی ہے اللہ تعالیٰ امتحان کا محتاج نہیں ہے۔ انسان خود محتاج ہے۔ تاکہ اُس کو اپنے حالات کی اطلاع ہو اور اپنے ایمان کی حقیقت کھلے۔ مخالفانہ رائے سنکر اگر مغلوب ہو جائے تو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ قوت نہیں ہے۔ جس قدر علوم و فنون دُنیا میں ہیں بدوں امتحان اُن کو سمجھ نہیں سکتا خدا کا امتحان یہی ہے کہ انسان سمجھ جاوے۔ کہ میری حالت کیسی ہے؟ یہی وجہ ہے۔ کہ **مامور من اللہ** کے دُشمن ضرور ہوتے ہیں جو اُن کو تکلیفیں اور اذیتیں دیتے ہیں توہین کرتے ہیں۔ ایسے وقت میں سعید الفطرۃ اپنی روشن ضمیری سے اُن کی صداقت کو پا لیتے ہیں۔ پس ماموروں کے مخالفوں کا وجود بھی اسلئے ضروری ہے جیسے پھولوں کے ساتھ کانٹے کا وجود ہے تریاق بھی ہے تو زہر بھی ہیں۔ کوئی ہم کو کسی نبی کے زمانہ کا پتہ دے جس کے مخالف نہ ہوئے ہوں اور جنہوں نے اس کو دوکاندار، ٹھگ، جھوٹا، مفتری نہ کہا ہو۔ موسیٰ علیہ السلام پر بھی افترا کر دیا۔ یہانتک کہ ایک پلید نے تو زنا کا اتہام لگا دیا۔ اور ایک عورت کو پیش کر دیا۔ غرض اُن پر ہر قسم کے افترا کیئے جاتے ہیں۔ تا لوگ آزمائے جائیں۔ اور یہ ہرگز نہیں ہوتا۔ کہ خدا کے لگائے ہوئے پودے اِن نابکاروں کی پھونکوں سے معدوم کیئے جائیں۔ **یہی ایک نشان اور تمیز ہوتی ہے**۔ اُن کے خدا کی طرف سے ہونے کی کہ مخالف کوشش کرتے ہیں۔ کہ وہ نابود ہو جائیں۔ اور وہ بڑھتے اور پھولتے ہیں۔ ہاں جو خدا کی طرف سے نہو وہ آخر معدوم اور نیست و نابود ہو جاتا ہے لیکن جس کو خدا نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے۔ وہ کسی کی کوشش سے نابود نہیں ہو سکتا وہ کاٹنا چاہتے ہیں اور یہ بڑھتا ہے اِس سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ خدا کا ہاتھ ہے جو اُس کو تھامے ہوئے ہے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کس قدر عظیم الشان معجزہ ہے کہ ہر طرف سے مخالفت ہوتی تھی۔ مگر آپ ہر میدان میں کامیاب ہی ہوتے تھے صحابہ کے لیئے یہ کیسی دلخوش کرنے والی دلیل تھی جب وہ اس نظارہ کو دیکھتے تھے +

اسلام کیا ہے؟ بہت سی جانوں کا چندہ ہے ہمارے آباو اجداد چندہ ہی میں آئے۔ **اب اس وقت بھی** اللہ تعالےٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ وہ **اسلام**

کو کل ملتوں پر غالب کرے اُس نے مجھے اسی مطلب کے لئے بھیجا ہے۔ اور اسی طرح بھیجا ہے جس طرح پہلے مامور آتے رہے۔ پس آپ میری مخالفت میں بھی بہت سی باتیں سنیں گے اور بہت قسم کے منصوبے پائیں گے۔ لیکن میں آپ کو نصیحتاً للہ کہتا ہوں۔ کہ آپ سوچیں اور غور کریں کہ یہ مخالفتیں مجھے تھکا سکتی ہیں یا اُن کا کچھ بھی اثر مجھ پر ہوا ہے؟ ہرگز نہیں۔ خدا تعالےٰ کا پوشیدہ ہاتھ ہے جو میرے ساتھ کام کرتا ہے ورنہ میں کیا اور میری ہستی کیا؟ مجھے شہرت طلب کہا جاتا ہے لیکن نہیں دیکھتے کہ اس فرض کے ادا کرنے میں مجھے کس قدر گالیاں سُننی پڑی ہیں۔ مگر ان گالیوں کی جو دیتے ہیں اور اُن تکلیفوں کی جو پہنچاتے ہیں ایک لحظہ کے لئے بھی پرواہ یا خیال نہیں کرتا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے معلوم نہیں ہوتا میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ اور اگر میں خدا کی طرف سے آیا نہ ہوتا تو میری یہ مخالفت بھی ہرگز نہ ہوتی آپ کا اس قدر دور دراز کا سفر اختیار کر کے اور پھر تکالیف راہ برداشت کر کے آنا اللہ تعالےٰ کے حضور ایک اجر رکھتا ہے۔ خدا تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دے اور توفیق دے کہ آپ اس سلسلہ کی طرف توجہ کر سکیں جو خدا تعالےٰ نے قائم کیا ہے۔ آمین[۱]

استغفار کلیدِ ترقیاتِ رُوحانی ہے

ایک شخص کو استغفار کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ استغفار کلید ترقیات رُوحانی ہے"۔

دربارہ تفسیر سورہ فاتحہ

۲۰ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء تفسیر سورہ فاتحہ ابھی تک لکھنی شروع نہیں ہوئی۔ اور دن تھوڑے سے رہ گئے ہیں۔ اس پر فرمایا"۔ اب تک ہم نہیں جانتے کہ ہم کیا لکھیں۔ تو کلاً علی اللہ اس کام کو شروع کیا گیا ہے۔ ہم موجودہ مواد پر بھروسہ نہیں رکھتے صرف خدا پر بھروسہ ہے کہ کوئی بات دل میں ڈالی جائے۔ یہ بات میرے اختیار میں نہیں۔ جب وہ مواد اور حقائق جن کی تلاش میں ہوں مجھے مل جاویں تو پھر اُنکو فصیح بلیغ عربی میں لکھا جائیگا۔ چونکہ انسانوں کو ثواب حاصل کرنے کے واسطے فکر اُٹھانا چاہیئے اس واسطے ہم فکر کرتے ہیں۔ آگے جب کوئی بات خدا تعالےٰ القا کرے۔ خدا سے دعا مانگی جاتی ہے۔ اور میرا تجربہ ہے۔ کہ جب خدا سے مدد مانگی جاتی ہے۔ تو وہ مدد دیتا ہے[۲]

[۱] الحکم جلد ۵ نمبر ۳ صفحہ ۱۱۔ تاریخ تقریر ۲۰ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء

تفسیر سے پہلے جو تمہید حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھی ہے اُس کے متعلق حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب نے عرض کی کہ پیر گولڑوی تفسیر نویسی سے پہلے ایک تقریر اور مباحثہ چاہتا تھا سو اس تمہید میں یہ بھی ہو گیا +

حضرت سید احمد شہید اور مولوی محمد اسمٰعیل شہید کا ذکر درمیان میں آیا۔ فرمایا:

حضرت سید احمد شہید و حضرت محمد اسمٰعیل شہید

" ان لوگوں کی نیتیں نیک تھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ ملک میں نماز اور اذان اور قربانی کی رُکاوٹ جو سکھوں نے کر رکھی تھی دُور ہو جائے۔ خدا نے اُن کی دُعا کو قبول کیا اور اُس کی قبولیت کو سکھوں کے دفعیہ اور انگریزوں کو اس ملک میں لانے سے کیا۔ یہ اُن کی دانائی تھی۔ کہ اُنھوں نے انگریزوں کی ساتھ لڑائی نہیں کی۔ بلکہ سکھوں کو اس قابل سمجھا۔ کہ اُن کے ساتھ جہاد کیا جاوے۔ مگر چونکہ وہ زمانہ قریب تھا کہ مہدی موعود کے آنے سے جہاد بالکل بند ہو جائے اس واسطے جہاد میں اُن کو کامیابی نہ ہوئی۔ ہاں بسبب نیک نیت ہونے کے اُن کی خواہش اذانوں اور نمازوں کے متعلق اس طرح پوری ہو گئی۔ کہ اس ملک میں انگریز آ گئے" +

پھر فرمایا۔ وقت دو ہوتے ہیں۔ ایک خارجی اور ایک اندرونی یعنی رُوحانی خارجی وقت یہ ہے۔ کہ حضرت رسول کریم اور ولیوں اور بزرگوں کے کشوف نے مسیح موعود و مہدی کا وقت چودھویں صدی بتلایا اور اندرونی یعنی روحانی وقت یہ ہے کہ زمانہ کی حالت پکار رہی ہے۔ کہ اس وقت مسیح آنا چاہئے۔ دونوں وقت اس جگہ آ کر ملگئے ہیں" +

۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء؁ اس جماعت کا نام احمدی رکھا جانے پر کسی نے سُنایا کہ کوئی اعتراض کرتا تھا۔ کہ یہ نیا نام ہے اس پر کچھ گفتگو ہوئی۔ فرمایا :-

احمدی نام رکھا جانے پر اعتراض اور اسکا جواب

" لوگوں نے جو اپنے نام کے ساتھ حنفی شافعی وغیرہ رکھے ہیں۔ یہ سب بدعت ہیں حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دو ہی نام تھے محمد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ آنحضرت کا اسم اعظم محمد ہے صلے اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اللہ تعالے کا اسم اعظم اللہ ہے۔ اسم اللہ دیگر کل اسماء مثلاً حیّ قیّوم۔ رحمٰن۔ رحیم وغیرہ کا موصوف ہے۔ حضرت رسول کریم کا نام احمد وہ ہے جس کا ذکر حضرت مسیح نے کیا یاتی من بعدی اسمہٗ احمد یاتی من بعدی کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ وہ نبی میرے بعد بلا فصل آئیگا۔ یعنی میرے اور اُس کے درمیان اور کوئی نبی نہ ہوگا۔ حضرت موسیٰ نے یہ الفاظ نہیں کہے بلکہ اُنھوں نے محمد رسول اللہ

یاتی من بعدی اسمہ احمد سے مراد محمد رسول اللہ

۱؎ تاریخ تقریر ۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء؁

حضرت عیسیٰ نے آپ کا نام احمد کیوں بتلایا

والذین امنوا معہ اشداء ..... میں حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جب بہت سے مومنین کی معیت ہوئی جنہوں نے کفار کے ساتھ جنگ کیئے۔ حضرت موسیٰؑ نے آنحضرت کا نام محمدؐ بتلایا صلے اللہ علیہ وسلم۔ کیونکہ حضرت موسیٰ خود بھی جلالی رنگ میں تھے۔ اور حضرت عیسیٰؑ نے آپ کا نام احمد بتلایا۔ چونکہ وہ خود بھی ہمیشہ جمالی رنگ میں تھے۔ اب چونکہ ہمارا سلسلہ بھی جمالی رنگ میں ہے۔ اس واسطے اس کا نام احمدی ہوا +

فرمایا جمعہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیدا ہونے کا دن تھا۔ اور یہی متبرک دن تھا۔ مگر پہلی اُمتوں نے غلطی کھائی۔ کسی نے شنبہ کے دن کو اختیار کیا۔ اور کسی نے یکشنبہ کے دن کو حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اصل دن کو اختیار کیا۔ ایسا ہی اسلامی فرقوں نے غلطی کھائی۔ کسی نے اپنے آپ کو حنفی کہا اور کسی نے مالکی اور کسی نے شیعہ اور کسی نے سُنّی۔ مگر حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دو ہی نام تھے محمدؐ اور احمد صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے دو ہی فرقے ہو سکتے ہیں۔ محمدی یا احمدی۔ محمدی اُس وقت جب جلال کا اظہار ہو۔ احمدی اُس وقت جب جمال کا اظہار ہو +

ایک شخص نے عرض کی کہ حضور میرے لئے دُعا کریں کہ میرے اولاد ہو جائے آپ نے فرمایا:۔ کہ استغفار بہت کرو۔ اس سے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اولاد بھی دے دیتا ہے۔ یاد رکھو یقین بڑی چیز ہے۔ جو شخص یقین میں کامل ہوتا ہے خدا تعالےٰ خود اس کی دستگیری کرتا ہے +

سچا تقوےٰ صادقوں اور مردانِ خدا کی صحبت اور اُن کی اطاعت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا[۵]

متقی کے ساتھ چونکہ اللہ تعالےٰ کی معیت ہوتی ہے۔ اسلئے دشمن پر بھی متقی کا رُعب ہوتا ہے۔ مگر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سچا تقوےٰ کبھی حاصل نہیں ہو سکتا جب تک انسان صادقوں اور مردانِ خدا کی صحبت اختیار نہیں کرتا اور خدا تعالےٰ کے فرستادوں کی اطاعت میں ایک فنا اپنے اوپر طاری نہیں کر لیتا۔ اسی واسطے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصدقین۔ ایمان والو!

[۵] تاریخ تقریر ۲۲ دسمبر ۱۹۰۰ء سلسلہ تقریر مندرجہ صفحہ ۱۴۳ سطر اول +

تقویٰ اختیار کرو۔ اور صادقوں کے ساتھ رہو۔ اُن کی معیّت سے قوت پکڑو۔ اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ **ایمان** کی پُوری حقیقت متقی ہونے کے بعد کھلتی ہے۔ اور تقویٰ اللہ کی حقیقت اُس وقت تک متحقق نہیں ہو سکتی جب تک ایک **فانی مرد** کی پاک صُحبت میں رہکر فائدہ نہ اُٹھایا جائے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے۔ کہ صرف صُحبت میں رہنا ہی چنداں مفید اور کارگر نہیں ہوتا۔ بلکہ صادقوں کی صحبت کے اختیار کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اُن کی اطاعت اختیار کی جائے۔ چنانچہ دوسری جگہ اللہ تعالےٰ نے یوں فرمایا ہے۔ یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ یعنی **اللہ** اور اُس کے **رسُول** اور **ملوک** کی اطاعت اختیار کرو۔ اطاعت ایک ایسی چیز ہے۔ کہ اگر سچے دل سے اختیار کیجائے۔ تو دل میں ایک نور اور رُوح میں ایک لذّت اور روشنی آتی ہے۔ مجاہدات کی اس قدر ضرورت نہیں ہے جس قدر **اطاعت** کی ضرورت ہے۔ مگر ہاں یہ شرط ہے۔ کہ سچی اطاعت ہو اور یہی ایک مشکل امر ہے۔ اطاعت میں اپنے ہوائے نفس کو ذبح کر دینا ضروری ہوتا ہے بدوں اس کے اطاعت ہو نہیں سکتی۔ اور ہوائے نفس ہی ایک ایسی چیز ہے جو بڑے بڑے موحدوں کے قلب میں بھی بُت بن سکتی ہے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کیسا فضل تھا۔ اور وہ کس قدر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں فنا شُدہ قوم تھی۔ یہ سچی بات ہے۔ کہ کوئی **قوم** قوم نہیں کہلا سکتی۔ اور ان میں ملیّت اور یگانگت کی رُوح نہیں پھُونکی جا سکتی جبتک کہ وہ **فرمانبرداری** کے اصُول کو اختیار نہ کرے۔ اور اگر اختلاف رائے اور پھُوٹ رہے تو پھر سمجھ لو کہ یہ **ادبار** اور تنزّل کے نشانات ہیں مسلمانوں کے ضُعف اور تنزّل کے منجُملہ دیگر اسباب کے باہم اختلاف اور اندرونی تنازعات بھی ہیں۔ پس اگر اختلاف رائے کو چھوڑ دیں اور ایک کی اطاعت کریں۔ جس کی اطاعت کا اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے پھر جس کام کو چاہتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ اس میں یہی تو سر ہے۔ اللہ تعالےٰ توحید کو پسند فرماتا ہے۔ اور یہ وحدت قائم نہیں ہو سکتی۔ جب تک اطاعت نہ کیجائے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ بڑے بڑے اہل الرائے تھے۔ خُدا نے اُن کی بناوٹ ایسی ہی رکھی تھی۔ وہ **اصول سیاست** سے بھی خوب واقف تھے۔ کیونکہ آخر جب

حضرت **ابوبکر** رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت **عمر** رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام خلیفہ ہوئے۔ اور انہیں سلطنت آئی۔ تو انہوں نے جس خوبی اور انتظام کے ساتھ سلطنت کے بارِ گراں کو سنبھالا ہے۔ اس سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اُن میں اہل الرائے ہونے کی کیسی قابلیت تھی۔ مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور اُن کا یہ حال تھا۔ کہ جہاں آپ نے کچھ فرمایا اپنی تمام رائوں اور دانشوں کو اُس کے سامنے حقیر سمجھا اور جو کچھ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُسی کو واجب العمل قرار دیا۔ اُن کی اطاعت میں گمشدگی کا یہ عالم تھا۔ کہ آپ کے وضو کے بقیہ پانی میں برکت ڈھونڈتے تھے آپ کے لب مبارک کو متبرک سمجھتے تھے۔ اگر اُن میں یہ اطاعت یہ تسلیم کا مادہ نہ ہوتا بلکہ ہر ایک اپنی ہی رائے کو مقدم سمجھتا اور پھوٹ پڑ جاتی تو وہ اس قدر مراتب عالیہ کو نہ پاتے۔ میرے نزدیک شیعہ سُنیوں کے جھگڑوں کو چُکا دینے کے لئے یہی ایک دلیل کافی ہے کہ صحابہ کرام میں باہم پھوٹ ہاں باہم کسی قسم کی پھوٹ اور عداوت نہ تھی۔ کیونکہ اُن کی ترقیاں اور کامیابیاں اس امر پر دلالت کر رہی ہیں کہ وہ باہم ایک تھے اور کچھ بھی کسی سے عداوت نہ تھی۔ ناسمجھ مخالفوں نے کہا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ دل کی نالیاں اطاعت کے پانی سے لبریز ہو کر بہہ نکلی تھیں۔ یہ اُس اطاعت اور اتحاد کا نتیجہ تھا کہ اُنہوں نے دوسرے دلوں کو تسخیر کر لیا۔ میرا تو یہ مذہب ہے۔ کہ وہ تلوار جو اُن کو اُٹھانی پڑی وہ صرف اپنی حفاظت کے لئے تھی ورنہ اگر وہ تلوار نہ بھی اُٹھاتے تو یقیناً وہ **زبان** ہی سے دنیا کو فتح کر لیتے ؏

سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم بر دل

اُنھوں نے ایک **صداقت** اور حق کو قبول کیا تھا اور پھر سچے دل سے قبول کیا تھا۔ اُس میں کوئی تکلف اور نمائش نہ تھی۔ اُن کا صدق ہی اُن کی کامیابیوں کا ذریعہ ٹھیرا۔ یہ سچی بات ہے۔ کہ **صادق اپنے صدق کی تلوار ہی سے کام لیتا ہے** +

آپ (پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم) کی شکل وصورت جس پر **خدا پر بھروسا کرنے کا** نور چڑھا ہوا تھا۔ اور جو جلالی اور جمالی رنگوں کو لئے ہوئے تھی

صحابہ کرام میں باہم پھوٹ عداوت نہ تھی

صحابہ نے اپنی حفاظت کیلئے تلوار اُٹھائی

اس میں ہی ایک کشش اور قوت تھی کہ وہ بے اختیار دلوں کو کھینچے لیتے تھے۔ اور پھر آپ کی جماعت نے اطاعت الرسول کا وہ نمونہ دکھایا اور ان کی استقامت ایسی فوق الکرامت ثابت ہوئی کہ جو اُن کو دیکھتا تھا وہ بے اختیار ہو کر اُن کی طرف چلا آتا تھا۔ غرض صحابہ کی سی حالت اور وحدت کی ضرورت اب بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالے نے اس جماعت کو جو **مسیح موعود** کے ہاتھ سے طیار ہو رہی ہے اُسی جماعت کے ساتھ شامل کیا ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے طیار کی تھی۔

مسیح موعود کی جماعت کو صحابہ کا رنگ اختیار کرنا چاہیئے

اور چونکہ جماعت کی ترقی ایسے ہی لوگوں کے نمونوں سے ہوتی ہے۔ اسلئے تم جو **مسیح موعود کی جماعت** کہلا کر **صحابہ** کی جماعت سے ملنے کی آرزو رکھتے ہو اپنے اندر صحابہ کا رنگ پیدا کرو۔ اطاعت ہو تو ویسی ہو۔ باہم محبت اور اخوت ہو تو ویسی ہو غرض ہر رنگ میں ہر صورت میں تم وہی شکل اختیار کرو جو صحابہ کی تھی۔ جو لوگ ہمارے مخالف ہو کر ہم کو گالیاں دیتے ہیں۔ اور دجّال اور کافر کہتے ہیں۔ ہم اسکی ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ کیونکہ اللہ تعالے نے ہر ایک آدمی کو **نور فطرت** اور **قوت فیصلہ** عطا کی ہے۔ پاخانہ جو آدمی کے اندر سے نکلتا ہے۔ اس کی بدبو خود بھی وہ محسوس کرتا ہے۔ پس جبکہ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے اور بچّہ تک عالم ہے۔ پھر **جھوٹ** جو اس پاخانہ سے بھی بڑھ کر بدبو رکھتا ہے کیا اس کی بدبو جھوٹ بولنے والے کو نہیں آتی؟ ضرور آتی ہے۔ پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایک **مفتری علی اللہ** اس قدر قوت اور استقلال کے ساتھ اپنے دعوے کو پیش کرے جو ہمیشہ صادق کا خاصہ ہے۔ پھر اُن کی پیش رفت کیونکر جا سکتی ہے۔ اور وہ **میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں**؟ اگر میں خدا کی طرف سے نہ آیا ہوتا۔ اور اس نے ہی مجھے مامور نہ کیا ہوتا تو تم ہی بتاؤ کہ اس قدر گالیاں اور اس قدر شور و شر اور مخالفت یہاں تک کہ قتل کے فتوے قتل عمد کے مقدمے جو میرے خلاف بنائے گئے۔ ان مصیبتوں اور بلاؤں کو اپنے اوپر لینے کی کس کو ضرورت ہو سکتی ہے؟ کبھی کوئی برداشت نہیں کرتا۔ کہ اس قسم کے گند سے بھرے ہوئے اشتہار اور گالیوں کے خطوط جو بھیجے جاتے ہیں سُنا کرے۔ مگر میں سچ کہتا ہوں کہ یہ میرے اختیار کی بات نہیں ہے۔ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے چونکہ اُس نے خود ہی اس سلسلہ کی بنیاد رکھی ہے۔ اس نے ہی وہ قوت قلب کو عطا کی ہے کہ یہ ساری مصیبتیں اور مشکلات میرے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی ہیں۔ اور مجھے تو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ مصیبت کس کو کہتے ہیں۔ پس تم خود ہی سوچ کر دیکھو کہ یہ شوکت یہ قوت یہ استقلال

مفتری کو ملسکتا ہے؟ پس تو کبھی یقین نہیں کرتا کہ مفتری ہو اور ایسی قوت پالے۔ جو آدمی خون کرتا ہے صدق اس کو ملزم کرتا ہے آخر وہ خود ہی عدالت میں جا کر اقرار کر لیتا ہے۔ اسمیں یہی سر ہے کہ اس میں وہ قوت نہیں ہوتی جو ایک **صادق** کو عطا ہوتی ہے۔ جھوٹ انسان کو بُزدل اور کمزور بنا دیتا ہے۔ اسلیئے خدا نے فرمایا ہے اجتنبوا الرجس من الاوثان و القول الزور +

جماعت کیلئے خدا کا وعدہ

پس ہر ایک انسان کے لیئے ضروری ہے کہ وہ مُدعی کے استقلال اور ثابت قدمی کو دیکھے ہماری جماعت کے لیئے جو ہم توقع کر سکتے ہیں اللہ تعالے نے یہ وعدہ فرمایا ہے وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الی یوم القیمۃ اللہ تعالے کے وعدے سچے ہوتے ہیں اور ان میں تخلف نہیں ہوتا۔ اسلیئے کوشش کرو۔ کہ تم سب ان وعدوں سے حصہ لینے والے ٹھیرو +

فوق کی تشریح

یہاں اللہ تعالے ایک **کُشتی** کا طریق بتاتا ہے۔ **فوق** سے گرانا ہی مقصود ہے۔ ورنہ اس سے یہ تو مُراد نہیں ہے کہ جسم وزنی اور بھاری ہو جائیں گے اور پھر یہاں اس سلسلہ کے لئے **لڑائی** بھی نہیں ہے۔ کیونکہ **یضع الحرب** کا ارشاد ہے۔ پس **فوقیت** سے مُراد **روحانی صدق** ہے۔ اور اس کے ثمرات علوم معارف۔ نکات۔ مکشوفات۔ اور اللہ تعالے سے قریب ہونا اور اُن تعلقات سے علوم جدیدہ کا پیدا ہونا مُراد ہے۔ مخالفوں کا پانی آسمانی نہیں ہے۔ اسکو فوق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلیئے وہ جلد گندہ اور ناپاک ہو جاتا ہے مگر مسیح موعود کے متبعین کا فوق یعنی آسمان سے تعلق ہے جو ہمیشہ تازہ علوم اور جدید معارف پاتے رہینگے۔ اور جیسا کہ قاعدہ ہے کہ جب آسمانی پانی نہ آئے زمینی پانی خشک ہو جاتا ہے۔ یا ناپاک اور سمّی مواد پیدا کرنیوالا ہو جاتا ہے۔ اُس کی اصلاح کے لیئے اللہ تعالے نے یہی قانون مقرر کیا ہے کہ آسمان سے سال میں ایکبار یا دو بار برسات ہوتی ہے۔ اور وہ ان تمام گندی اور ناپاک ہواؤں کو اور مواد فاسدہ کو صاف کر دیتی ہے۔ اس میں اللہ تعالے نے **تجدید** کے قانون کو مخفی رکھا ہے۔ اور صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ رُوحانی اور جسمانی تجدید کا سلسلہ کیسے چلتا ہے۔ یہ **حدیث** کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد تجدید دین کے لیئے آتا ہے مخالفوں کے نزدیک کیسی ہی ہو مگر ہم کہتے ہیں کہ جب قانون قدرت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ تو پھر اس سے انکار کے کیا معنے؟ ہر چیز تجدید کی محتاج ہے۔ پس نئی صدی بھی حق رکھتی ہے۔ کہ نئے

اہل دل پیدا کرے جو حکمت اور صداقت کی تخم ریزی کریں۔

بعد ما ھلکنا قرون الاولی تجدید ہی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جیسا گذشتہ زمانہ میں مجددوں کی ضرورت تھی۔ دُنیا قیامت تک اِسی طرح مجددوں کی محتاج ہے۔ انبیاء علیہم السلام مجدد ہوتے تھے اور مجدد کثرت سے آتے تھے۔ مگر یہ ضروری مرہے کہ تجدید سے مُراد صرف چند لکھنے پڑھنے والوں کی جماعت نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ خدا تو جلال چاہتا ہے۔ پس مُجدد چاہتا ہے کہ انسان میں ایک تبدیلی ہو نیا دل ہو نئی رُوح ہو۔

دنیا قیامت تک مجددوں کی محتاج ہے

اِسلئے میری ہمیشہ یہ آرزو ہے کہ ہماری جماعت ایسی ہی ہو کہ خواہ وہ جوان ہوں یا بڈھے اپنے اندر ایک ایسی تبدیلی پیدا کریں۔ کہ گویا وہ ایک نئی دُنیا کے انسان ہوں۔ اور جب جماعت اس حالت پر پہنچیگی تو پھر فوق العادت ترقی ہوگی۔ پس ہر ایک تم میں سے نیا اِنسان بننے کی کوشش کرے۔ کیونکہ تم نے ایک مُجدد کو قبول کیا ہے +

جماعت کی ترقی ہوگی

پس یاد رکھو کہ مخالفوں پر غالب آنے کے واسطے تقویٰ ضروری ہے۔ اور اس کیلئے اس زمانہ میں بہتر طریق یہی ہے کہ ہمارے پاس رہیں۔ سب سے پہلے مولوی نورالدین صاحب نے اس راز کو سمجھا ہے۔ اور وہ محض خُدا کی رضامندی کے واسطے اور دین کو حاصل کرنیکے واسطے یہاں آکر جنگل میں بیٹھے ہیں انہوں نے بہت بڑی قُربانی کی ہے۔ اپنی جائدادیں اور املاک چھوڑیں۔ اور ایک جنگل کی رہائش اختیار کی میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مولوی صاحب جیسی قابلیت اور لیاقت کا آدمی اگر لاہور یا امرتسر میں رہتا تو بہت بڑا دُنیوی فائدہ اُٹھا سکتا تھا۔ اور کئی بار لاہور اور امرتسر والوں نے چاہا بھی کہ وہ وہاں آکر رہیں۔ مگر انہوں نے کبھی یہاں کے رہنے پر دوسری جگہ کی آمدنی اور فوائد کو ترجیح نہیں دی۔ اللہ تعالےٰ اُن کو اس کی بہتر جزا دے۔ اس قسم کے لوگ ہوں۔ اور ایسی رُوح اور یقین یہاں لیکر آئیں +

مخالفوں پر غالب ہونے کیلئے تقوےٰ ضروری ہے

مولوی نورالدین صاحب کی قربانی

پھر میں دیکھتا ہوں کہ بعض احباب ہمارے ہر سال دُنیا سے رُخصت ہوتے جاتے ہیں۔ پھر کس کو معلوم ہے کہ اگلے سال کون ہوگا۔ اور کس کو طلبی کا حکم آجائے گا۔ پس اس سے پیشتر کہ انسان دُنیا سے رُخصت ہو اُسکو ضروری ہے کہ وہ خدا سے صلح کرے۔ اور یہ سچی بات ہے۔ کہ کسی شخص کو فیض اِلٰہی نہیں پہنچتا۔ جب تک کہ اُسکو خدا کے فرستادہ کے ساتھ سچی محبت نہ ہو۔ اور اس محبت کا ثبوت اِس طرح پر ہو سکتا ہے کہ وہ اُسکی اطاعت اختیار کرے +

صوفی جو یہ کہتے ہیں کہ مرید کو فائدہ نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے مرشد کو سب سے اچھا نہ سمجھے میرے نزدیک یہ بات بیشک ضروری ہے لیکن وہ جو یہ کہتے ہیں کہ مرشد کو لازم ہے کہ وہ ہر وقت عبوس رہے اس کو میں صحیح نہیں سمجھتا **انسان اپنے اخلاق کو کیوں دور کرے** منہاج نبوّت کا طریق نہ چھوڑے ان کو بہت بڑے ظرف اور دل کا آدمی ہونا چاہئیے اور وہ جو خُدا کی طرف سے **منہاج نبوت پر آتے ہیں** اخلاق فاضلہ ساتھ لیکر آتے ہیں یہی میرا مذہب ہے انبیاء علیہم السلام کی نہج کے خلاف زبان چلانا میرے نزدیک کُفر ہے +

پس یہ بڑی عظیم الشان بات ہے کہ انسان اخلاق کو حاصل کرے۔ اور تقوےٰ اختیار کرے اس کے لئے صادقوں کی صحبت کی ضرورت ہے۔ اسلئے میرے پاس رہنے کی فکر کرو + **ان دنوں کو غنیمت سمجھو** اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اپنے لئے ایک نمونہ بناؤ +

۲۴ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء بوقت شب۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب و دیگر احباب بیٹھے تھے حضرت صاحب نے فرمایا:-

ڈاکٹر کو مریضوں کا کس طرح علاج کرنا چاہئیے

انسان خُدا کی مشیت کے نیچے چلتا ہے جب وہ چاہتا ہے شفا کے واسطے سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔ طبابت پر پورا بھروسہ کر لینا شرک ہے۔ محض ہمدردی اور خیر خواہی اور نیک نیتی کی راہ سے بیماروں کا علاج کرنا چاہئیے اسطرح برکت زیادہ ہوتی ہے۔ نیک نیت کے ساتھ دست شفا ہے خدا نیک نیت کے ساتھ ہے صرف اپنی دانائی پر ڈاکٹر کو بھروسہ نہیں کرنا چاہئیے۔ بلکہ چاہئیے کہ بیماروں کے حق میں دعا کرے۔ سب بیماروں کے حق میں دُعا کرے۔ مگر جو خاص مشکلات میں اور سخت مرضوں میں مبتلا ہوں اُن کے واسطے نام لے لیکر خاص طور پر دُعا کرے" +

ان باتوں سے پھر دعا کی فلاسفی پر ذکر شروع ہوگیا۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

دعا کی فلاسفی

" بات یہ ہے کہ دُعا کرنا ہی مشکل ہے جب تک کہ دُعا کی تمام شرائط پوری نہ ہوں میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ نہ تلوار۔ نہ بجلی۔ نہ کوئی دوائی نہ کوئی تریاق نہ کوئی اَور شے ایسا اثر رکھتی ہے۔ جیسا کہ دُعا کا اثر ہے مگر اس کے ساتھ شرائط کا بہم پہنچنا ضروری ہے۔ دُعا کا یہ حال ہے۔ کہ گویا خدا تعالے آپ ہی کراتا ہے۔ دعا کرنے اور دُعا کرانے والے کے درمیان ایک ایسا تعلق ہونا ضروری ہے کہ اُس کے واسطے درد دل سے دُعا کرے۔ اس کے قلب کو اُس کی

۱؎ الحکم جلد ۵ ۸ صفحہ ۱۱ تاریخ تقریر ۲۴ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء بوقت شب +

خیر خواہی کے واسطے ایسی تحریک پیدا ہو کہ دُعا کے وقت اسکی قبولیت کے تمام لوازم پیدا ہو جائیں دعا کرنے اور دُعا کرانے والے کی ایسی مثال ہے جیسا کہ نر اور مادہ کا میل ہوتا ہے۔ جبتک تعلق پیدا نہ ہو جائے تب تک دُعا کسی کے واسطے نہیں ہو سکتی۔ اسی واسطے میں لوگوں کو کہتا ہوں کہ یہاں آکر رہو۔ خدا کے برگزیدوں کے دل نرم ہوتے ہیں۔ بار بار سامنے ہونے سے اُمید ہے کہ کوئی ذریعہ ہمدردی کا پیدا ہو جائے۔ اور دُعا کا موقعہ بن جائے۔ نظام الدین ولی کا ذکر ہے کہ ایک شخص دعا کرانے کے واسطے اُن کے پاس آیا۔ آپ نے اسکو فرمایا کہ میرے واسطے دودھ چاول پکا لا۔ اُس شخص کے دل میں شُبہ پیدا ہوا۔ کہ اچھے ولی ہیں۔ میں تو ان سے کچھ مانگنے آیا تھا۔ انہوں نے الٹا مجھ ہی سے مانگنا شروع کیا۔ مگر پھر اُس کے دل میں خیال آیا۔ کہ چلو کیا بات ہے۔ کوئی بڑی بات نہیں۔ دُودھ چاول ہی ہیں چلو لیچلو۔ پس وہ پکوا کر لے آیا انہوں نے کھا کر اُس کے حق میں دعا کی۔ اُن کی دُعا سے سائل کا کام بنگیا۔ اور اُس کی مشکل حل ہو گئی۔ تب وہ حیران ہوا۔ اور دل میں سوچنے لگا۔ کہ یہ آدمی تو ضرور قبولیت والا بندہ ہے۔ کہ اسکی دُعا سے ایسا کام پورا ہو گیا۔ مگر یہ دُودھ چاول کے مانگنے میں کیا راز تھا۔ آؤ یہ بھی اُنھیں سے دریافت کریں۔ پس وہ پھر نظام الدین کے پاس آیا اور اپنے دل کے خیالات کا اظہار کیا اُنہوں نے جواب دیا۔ کہ تم دُعا کے واسطے آئے تھے۔ تو میں نے سوچا کہ اس کے ساتھ تو کچھ سابقہ تعلق نہیں ہے اس کے واسطے دُعا کے لئے جوش کس طرح سے پیدا ہو پھر دل کا تعلق پیدا کرنے کے واسطے میں نے دُودھ چاول منگوائے ایسا ہی بابا فرید کا ذکر ہے۔ کہ ایک شخص کا قبالہ گم ہو گیا تھا۔ وہ اُن سے دُعا منگوانے کے واسطے آیا۔ اُنہوں نے کہا ہمارے واسطے کچھ حلوا لاؤ۔ جب وہ حلوائی کے پاس حلوا لانے کے واسطے گیا تو جس کاغذ پر حلوائی حلوا دینے لگا وہ اُس کا اپنا قبالہ ہی تھا۔ اُس نے قبالہ تو قابو کیا اور حلوا لے کر آیا۔ اُنہوں نے فرمایا۔ اب حلوے کی ضرورت نہیں رہی۔ جا اپنے بچوں کو کھلا دے" +

پھر فرمایا:۔ انسان کا دل بر قابو نہیں۔ ایک غم کی مجلس ہو اور کسی کو کہدو کہ اُٹھ کر رونے لگ جائے تو وہ نہیں روسکتا۔ ایسا ہی اندرونی خواص اور جذبات پر انسان کو قابو نہیں اُن کی ہمدردی بھی ہے۔ اور ہمدردی تعلق کو چاہتی ہے دُعا میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ مثلاً ایک دہقان ایک بادشاہ کے پاس آوے اور گھوڑا مانگے۔ بادشاہ یہ سوچ کر کہ اس کا کام گھوڑے سے کیا ہے۔ وہ اسکو اُس کے سوال کے عوض میں ایک بیل دیدے جو اُس کے

سابقہ اولیاء اللہ کی قبولیت دعا کے نمونے

کام آئے۔ قبولیت دُعا میں ایسا بھی ہو جاتا ہے" +

پھر فرمایا "کیا خدا کی محبت کا تعلق کم از کم ایسا بھی نہیں جیسا کہ بچے کا ماں سے پھر بعض سوالات بیجا بھی ہوتے ہیں۔ بچہ آگ کو پکڑتا ہے لیکن خواہ نخواہ روکا جاتا ہے اور اپنے سوال سے محروم رکھا جاتا ہے" +

کیا یہ ہماری سب خواہشیں عقل صحیح سے نکلی ہیں اکثر لوگ بعد میں خود ہی مُتنبہ ہو جاتے ہیں۔ کہ ہماری فلاں خواہش غلط تھی +

۲۵ جنوری سنہ ۱۹۰۲ء[۵۱]۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ کو نہ ماننے والے کافر ہیں یا نہیں فرمایا۔ مولویوں سے جا کر پوچھو کہ اُن کے نزدیک جو مسیح اور مہدی آنے والا ہے۔ اُس کو جو نہ مانیگا اُس کا کیا حال ہے۔ پس میں وہی مسیح اور مہدی ہوں جو آنے والا تھا" +

حضرت مسیح کے متعلق جو قرآن شریف میں آیا ہے کہ انہ لعلم للساعۃ اس پر فرمایا۔ کہ اس سے مُراد یہ ہے کہ حضرت مسیح حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خوشخبری دینے والا ایک پیش خیمہ تھا۔ ساعت سے مُراد ہے ایک عظیم الشان امر آئندہ آنیوالا۔ یعنی مسیح کا ظہور اسباب کا نشان تھا۔ کہ یہ اسرائیلیوں میں آخری نبی ہے۔ اور اب خاتم النبیین اس کے بعد آئیگا" +

۲ فروری سنہ ۱۹۰۱ء کی سیر۔

حضرت اقدس پچھلے دو چار روز سے سیر کو تشریف نہ لے گئے تھے بدیں خیال کہ تفسیر سورۃ فاتحہ جو اعجازی تفسیر ہے اپنے وقت پر پوری ہو جائے۔ مگر خلاف عادت سیر کو ترک کرنے کی وجہ سے طبیعت کچھ ناساز ہو گئی۔ اسلیئے پھر آپ نے سیر کو نکلنا پسند فرمایا۔ آج جو سیر[۵۲] کو نکلے تو مختلف موقعوں پر مندرجہ ذیل باتیں بیان فرمائیں +

شرک بڑی بلا ہے

۱۔ شرک بُری بلا ہے رویت نفس بھی شرک ہے انسان جب تک شرک سے پاک نہو خُدا کی نظر اس پر نہیں پڑتی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم کچھ پڑھے ہوئے نہیں ہیں۔ ورنہ اندیشہ تھا کہ ہم کو بھی یہ خیال آجاتا +

۲۔ انتشار رُوحانیت آسمان سے ہوتا ہے ایک آدمی کا کام نہیں ہے کہ اصلاح کرے بلکہ آسمان سے ملائکہ چھوڑے جاتے ہیں جو دلوں میں تبدیلی کرتے ہیں۔ اور یہی تنزل الملائکۃ ہے +

[۵۱] تاریخ تقریر ۲۵ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء +
[۵۲] تاریخ تقریر ۲ فروری سنہ ۱۹۰۱ء +

۳- تمام کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا مستدیر ہے جہاں سے دائرہ شروع ہوتا ہے وہیں آکر ختم ہوتا ہے درمیانی زمانہ میں جو گندگیاں اور ناپاکیاں فسق و فجور کی پھیل گئی ہیں اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ اب اُن کو نکال کر صاف کر دے۔ انسان کی بناوٹ کو دیکھو **دماغ** کی بناوٹ فضلے سے کیسی پاک ہے۔ اور ایسا ہی معدہ سے نیچے کا حصّہ وہاں بھی کوئی آلائش نہیں ہے۔ درمیانی حصّہ ہے جسمیں بول و براز وغیرہ چیزیں موجود ہیں۔ اسی طرح پر درمیانی زمانہ کے تمام فسق و فجور اور شرک کو اللہ تعالےٰ دُور کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ ...... کما بدا ءکم تعودون۔ اسی کی طرف اشارہ ہے تکمیل دائرہ کی اسی طرح ہوگی +

۴- یہ حیرت میں ڈالنے والا مسئلہ ہے کہ جب تک انجام اچھا نہ ہو ابتدا کی بھلائی کچھ لطف نہیں دیتی۔ ایک غور کرنیوالا جب مسلمانوں کی موجودہ حالت کو دیکھتا ہے تو حیران رہجاتا ہے کہ ابتدا کیا تھی اور اب یہ حالت کیسی ہے۔ بہت بڑا فتنہ سب سے خطرناک عیسائیوں کا ہے اور دوسرا آریہ مذہب والوں کا۔ یہ دونوں بہت بڑے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اِس جھوٹ اور شرک کی **ترقی** اور بلندی ظاہر کر کے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھانا چاہتا ہے کہ کیونکر وہ اس قدر بڑھی ہوئی بات کو ایک دم میں گرا سکتا ہے جیسے اذا ھلک کسرٰی فلا کسرٰی بعدہ کا نظارہ دکھایا۔ اس وقت کسی کے وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتا کہ اس شرک کو کیونکر گرایا جاوے گا۔ مگر آخر اللہ تعالےٰ اسکو گرا دیگا۔ اس شرک کو اسی لیئے اس قدر اُونچا کیا گیا ہے کہ تا اس کے گرنے کا نظارہ ایک **معجزہ** ہو +

یہ خدا تعالےٰ کی سنّت اور عادت میں داخل ہے کہ وہ لوگوں کو تھکانا اور حیرت میں ڈالنا چاہتا ہے۔ اس پر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے عرض کی کہ حضور یضل کے معنے حیرت میں ڈالنے کے بھی کیئے ہیں +

۵- مغضوب قوت سبعی کے نیچے ہے یہود اس قوت کے ماتحت اور مغلوب ہے۔ اور عیسائی قوت **واہمہ** کے نیچے شرک اسی قوت واہمہ سے پیدا ہوتا ہے۔ قوت **سبعی** والا تو افراط سے کام لیتا ہے کہ جہاں ڈرنے کا حق ہے۔ ہاں بھی نہیں ڈرتا۔ اور **قوت واہمہ** کا مغلوب رسی کو سانپ سمجھ کر اس سے بھی ڈر جاتا ہے۔ پس عیسائی تو اس قدر گرے کہ اُنہوں نے ایک مُردہ انسان کو خدا بنا لیا۔ اور یہودی اتنے بڑھے کہ انہوں نے سرے ہی سے انکار کر دیا +

اللہ تعالےٰ نے قران شریف میں تین قوموں کا ذکر کیا ہے۔ اور تین ہی قسم کے لوگ رکھے

بھی ہیں۔ اوّل وہ جو اعتدال سے کام لیتے ہیں۔ یہ منعم علیہ گروہ ہوتا ہے اُنکی راہ صراط مستقیم ہے +

دوم۔ افراط والی قوم اس کا نام مغضوب ہے +

سوم۔ تفریط سے کام لینے والے یہ ضالین ہیں +

مغضوب کا لفظ بتاتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کسی پر غضب نہیں کرتا۔ بلکہ خود انسان اپنے افعال بد سے اس غضب کو کھینچ لیتا ہے +

۶۔ سُورۃ فاتحہ تو ایک معجزہ ہے۔ اس میں امر بھی ہے نہی بھی ہے۔ پیشگوئیاں بھی ہیں قرآن شریف تو ایک بہت بڑا سمندر ہے۔ کوئی بات اگر نکالنی ہو تو چاہیئے کہ سُورۃ فاتحہ میں بہت غور کرے۔ کیونکہ یہ اُمّ الکتاب ہے۔ اس کے بطن سے قرآن کریم کے مضامین نکلتے ہیں قرآن شریف کا تو ایک نکتہ نکتہ تواتر کے نیچے ہے۔ مگر سُورۃ فاتحہ بہت ہی بڑے تواتر سے ثابت ہے ہر روز نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے +

۷۔ منطقی لوگ تعریف کرتے وقت فصل۔ جنس وغیرہ تقسیم کیا کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں الانسان حیوان ناطق۔ سُورۃ فاتحہ میں یہ رنگ بھی موجود ہے۔ الحمد للہ کہا۔ پھر اس کے آگے ربّ العالمین اس کی فصل واقع ہوئی۔ الرّحمٰن الرّحیم مالک یوم الدین اس کی حد ہوگئی۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی تعریف نہیں ہے +

۸۔ ایک شخص نے جو سُورۃ مُزمّل کا وظیفہ کیا کرتا تھا۔ اور اب اسکو آوازیں وغیرہ سُنائی دیتی ہیں اپنی اِن مشکلات کو عرض کیا۔ فرمایا:۔

"اب اس شغل کو چھوڑ دو شریعت نے رُہبانیت کو اسی لئے منع کیا ہے۔ کہ اس سے دماغ پراگندہ ہو جاتا ہے انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنےٰ ہوتے ہیں +

مامور من اللہ کی صداقت کے دلائل میں سے اس کے قویٰ بھی ہیں۔ کیونکہ غیر محل پر وہ قوت نہیں دیجاتی۔ اور اللہ تعالےٰ حکیم ہے اور حکمت کہتے ہی ہیں۔ وضع الشئ فی محلہٖ پس مامور من اللہ کے قویٰ کی بناوٹ ایک نرالی قوت رکھتی ہے قسم قسم کی تلخیاں اور مصیبتیں اُن پر آتی ہیں۔ مگر خُدا کی تسلّی کی غذا اُن کی زندگی کا مُوجب ہوتی ہے۔ اور اُن کے قویٰ کو ضعیف نہیں ہونے دیتی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مکّی زندگی میں کس قدر مصائب اور مشکلات پیش آئے۔ اگر کوئی اور ہوتا تو قریب تھا کہ خُود کشی کر لیتا۔ مگر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم

کی ہمت و استقلال میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔ یہ **قوت** اور **ہمت** معجزہ ہے۔ **خدا پر بھروسہ** سب سے بڑھ کر یاقوتی ہے۔ اس سے سب خوف اور نکان دُور ہو جاتے ہیں +

اسرائیلی اور اسماعیلی سلسلے میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام اور پھر سب سے بڑھ کر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہی شہرت ہے +

۹۔ صوفی **ولایت** کو نبوت سے افضل سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک نبی کی **ولایت** اُس کی نبوت سے افضل ہے +

حقیقت یہ ہے۔ کہ ولایت کا مفہوم ہے۔ خدا سے محبت اور راز۔ پس دوسرے کی ولایت نبی کی نبوت کے سامنے کیا حقیقت رکھ سکتی ہے نبی ہی کی ولایت اُس کی نبوت سے افضل ہو سکتی ہے۔ میرے نزدیک **ولی** کے دو مرتبہ ہیں۔ ابتدائی مرتبہ میں وہ **نائب** کہلاتا ہے۔ ولایت اسی سے شروع ہوتی ہے۔ اور آخری مرتبہ اور درجہ میں **وہ ولی** کہلاتا ہے + ولی کے دو مرتبے

توبہ کے کیا معنے ہیں نفس امارہ کے جذبات سے ہٹ کر رب کریم کی طرف متوجہ ہو اور حرکت کرے۔ یہ سلوک ولایت پر جا کر ختم ہو جاتا ہے +

۱۰۔ افسوس کا مقام ہے کہ قومیں حقیقت کو بھول گئی ہیں۔ اور نہیں جانتی ہیں۔ کہ کس کا جلال پھیلانا چاہیئے۔ خدا کا جلال قوموں کو دکھاؤ۔ ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ شرک سے پرہیز کر کے عملی طور پر دوسروں کو تاکید کریں۔ کہ خدا کا جلال ظاہر کریں۔ اور شرک چھوڑ دیں۔ اسی کے ضمن میں یہ بتا دیں کہ خدا کا **ولی** نہیں ہو سکتا۔ جب تک شرک سے پرہیز نہ کرے +

۱۱۔ حضرت مسیح کے متعلق جو ہمارے مخالفین کا یہ اعتقاد ہے۔ کہ اُنھوں نے پرندوں کو پیدا کیا۔ پس خالق ہوئے مُردوں کو زندہ کیا پس وہ محی ہوئے خود زندہ ہیں۔ پس وہ حی ہوئے۔ اور اس طرح خدا تعالےٰ کے صفات میں اُن کو شریک کیا گیا ہے۔ اس کا ذکر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے کیا۔ اس پر حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ دیکھو:-

"یہ لوگ ہم کو شرک کی طرف بلاتے ہیں۔ کہ ہم ایک بندے عیسیٰ کو خالق اور حی اور محی مان لیں اور ہم انہیں توحید کی طرف بلاتے ہیں۔ کہ وہ مسیح کے متعلق ایسے عقائد کو ترک کر دیں۔ کتنا بڑا فرق ہے +"[۱]

یہ وہ گروہ ہے جس کے لئے دُکھ اور عذاب الٰہی کا وعدہ ہو چکا ہے اور دوسرا گروہ

[۱] الحکم جلد ۵ ۳۰ تاریخ تقریر شروع اگست ۱۹۰۰ء بسلسلہ تقریر مندرجہ صفحہ ۱۷۳ سطر ۱۸ +

وہ ہے جو یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربك راضیۃ مرضیۃ میں داخل ہے یعنی جیسے ایک وہ گروہ ہے جو نفس امّارہ کی حکومت کے نیچے ہے اور خوف الٰہی سے کام نہیں لیتا ایک دوسرا گروہ ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے خوف خشیت سے رقیق القلب ہو کر اُس کے حضور یوں پانی کی طرح بہہ نکلا ہے کہ آخر اُس نے ایک اطمینان اور تسلّی پالی اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں سے پورا مطمئن ہو گیا ہے۔ اور اس درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ وہ مقادیر الٰہی سے انشراح صدر کے ساتھ راضی ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ اُس کی فرمانبرداری سے خوش ہو گیا۔ گویا اُس نے خدا تعالیٰ سے ایسا پیوند کر لیا جیسے شاخ کو درخت سے ہوتا ہے یا کسی عضو کو بدن کے ساتھ۔ اس درجہ پر ہی یہ لوگ جوارح الحق کہلاتے ہیں +

مراتب انسانی

مطمئنہ والی حالت کے لوگوں کے بڑے مقامات ہیں قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے بہت سے مدارج ہیں۔ جب اول ہی اوّل وہ نفس امّارہ کے جوشوں اور جذبات سے بچ کر نکلتا ہے اور نیکی کی راہوں پر چلتا ہے تو اس ابتدائی منزل پر اُس کا نام متقی ہوتا ہے متقی کے بالمقابل نفس لوّامہ ہے۔ اور اس سے ادنےٰ درجہ میں امّارہ ہوتا ہے اس کے بالمقابل جو حالت اور نام انسان کا ہوتا ہے وہ فاسق فاجر وغیرہ ادنیٰ قدر مراتب

درجہ متقی

متقی کا نفس کے ساتھ جنگ و جدل رہتا ہے۔ اور وہ زور بازو سے نفس پر غالب آنا چاہتا ہے۔ اور یہ اس درجہ میں نفس لوّامہ کے ماتحت اسلئے ہوتا ہے۔ کہ وہ اسکو برائیوں پر ملامت کرتا ہے۔ اسلئے وہ بدیوں سے بچتا رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر انسان یہ بات مدّنظر رکھے کہ میرے اس قول یا فعل کا نتیجہ ملامت ہو گا۔ تو اُسکو اللہ تعالیٰ کے فضل اور تائید سے بُرائیوں سے بچنے کی ایک راہ مل جاتی ہے +

متقی کی حالت میں چونکہ رویت باری تعالیٰ اور مکالمات و مکاشفات کے مراتب حاصل نہیں ہوتے اسلئے اُس کو اوّل ایمان بالغیب ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور وہ تکلف کے طور پر ایمانی درجہ ہوتا ہے کیونکہ قرائن قویہ کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لاتا ہے جو بین الشک و الیقین ہوتا ہے +

یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض آدمی تقویٰ کے اس درجہ پر بھی نہیں ہوتے۔ دہریہ منش لوگ ہیں وہ آثار اور آیات قدرت کو تو دیکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ہستی کے قائل نہیں ہوتے اور نہیں مانتے۔ مگر متقی اللہ تعالیٰ کو مان لیتا ہے۔ اور اُس پر ایمان لاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یومنون بالغیب یہ مت سمجھو کہ یہ ادنےٰ درجہ ہے یا اس کا مرتبہ کم ہے۔ اور جو فہم سے بڑھ کر قدم مارتے ہیں۔ وہ بڑے مجاہد ہیں۔ اور ان کے لیئے بڑے بڑے

مراتب اور مدارج ہیں نہیں بلکہ یہ ایمان بالغیب متقی کے پہلے درجہ کی حالت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی وقعت رکھتی ہے حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ جانتے ہو سب سے بڑھ کر ایمان کس کا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کی کہ حضور آپ کا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا کس طرح ہو سکتا ہے میں تو ہر روز جبرئیل کو دیکھتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نشانات کو ہر وقت دیکھتا ہوں پھر صحابہ نے عرض کی کہ کیا ہمارا ایمان؟ پھر آپ نے فرمایا۔ کہ تمہارا ایمان کس طرح تم بھی تو نشانات دیکھتے ہو۔ آخر خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو لوگ صدہا سال میرے بعد آئیں گے۔ اُن کا ایمان عجیب ہے۔ کیونکہ وہ کوئی بھی ایسا نشان نہیں دیکھتے جیسے تم دیکھتے ہو۔ مگر پھر بھی اللہ تعالےٰ پر ایمان لاتے ہیں غرض خدا تعالےٰ متقی کو اگر وہ اسی ابتدائی درجہ میں مرجاوے۔ تو اسی زمرہ میں داخل کر لیتا ہے اور اسی دفتر میں اُس کا نام لکھ دیتا ہے۔ باوجودیکہ وہ مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ کو نہیں جانتا۔ اور اس لذت اور نعمت سے ابھی اُس نے کچھ بھی نہیں پایا۔ لیکن پھر بھی وہ ایسی قوت دکھاتا ہے کہ نہ صرف اللہ تعالےٰ پر ایمان ہی رکھتا ہے بلکہ اس ایمان کو اپنے عمل سے بھی ثابت کرتا ہے یعنی یقیمون الصلوٰۃ +

تقویٰ کی اس حالت میں نمازوں میں بھی وسوسے ہوتے ہیں۔ اور قسم قسم کے وہم اور شکوک پیدا ہو کر خیالات پراگندہ کرتے ہیں باوجود اس کے بھی وہ نماز نہیں چھوڑتے اور نہیں تھکتے اور ہارتے بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ چند روز نماز پڑھی اور ظنون فاسد اور خیالات پراگندہ دل میں گذرنے لگے نماز چھوڑ دی اور ہار کر بیٹھ رہے۔ مگر متقی اپنی ہمت نہیں ہارتا وہ نماز کو کھڑی کرتا ہے نماز گری پڑتی ہے۔ وہ بار بار اُسے کھڑی کرتا ہے۔ تقویٰ کی حالت میں دو زمانے متقی پر آتے ہیں ایک ابتلا کا زمانہ دوسرا اصطفا کا زمانہ +

ابتلا اور اصطفےٰ

ابتلا کا زمانہ اسلئے آتا ہے کہ تا تمہیں اپنی قدر و منزلت اور قابلیت کا پتہ مل جائے۔ اور یہ ظاہر ہو جائے کہ کون ہے جو اللہ تعالےٰ پر راستبازوں کی طرح ایمان لاتا ہے۔ اسلئے کبھی اُس کو وہم اور شکوک آکر پریشان دل کرتے ہیں۔ کبھی کبھی خدا تعالےٰ ہی کی ذات پر اعتراض اور وہم پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ صادق مومن کو اس مقام پر ڈرنا اور گھبرانا نہ چاہئیے۔ بلکہ آگے ہی قدم رکھے کسی نے کہا ہے ؎

عشق اوّل سرکش و خونی بود تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

شیطان ہلپیہ کا کام ہے۔ کہ وہ راضی نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے منکر نہ کرلے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے رُوگردان نہ کرے۔ وہ وساوس پر وساوس ڈالتا رہتا ہے لاکھوں کروڑوں انسان انہیں وسوسوں میں مُبتلا ہو کر ہلاک ہو رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اب کرلیں پھر دیکھا جائیگا۔ باوجود اس کے کہ انسان کو اس بات کا علم نہیں کہ ایک سانس کے بعد دوسرا سانس آئیگا بھی یا نہیں لیکن شیطان ایسا دلیر کرتا ہے کہ وہ بڑی بڑی جھوٹی اُمیدیں دیتا اور سبز باغ دکھاتا ہے شیطان کا یہ پہلا سبق ہوتا ہے مگر مُتّقی بہادر ہوتا ہے اُسکو ایک جُرأت دیجاتی ہے کہ وہ ہر وسوسہ کا مقابلہ کرتا ہے۔ اسلئے یقیمون الصلوٰۃ فرمایا یعنی اس درجہ میں وہ ہارتے اور تھکتے نہیں اور ابتدا میں اُنس اور ذوق اور شوق کا نہ ہونا اُن کو بیدل نہیں کرتا۔ وہ اسی بے ذوقی اور بے لُطفی میں بھی نماز پڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ سب وساوس اور اوہام دُور ہو جاتے ہیں شیطان کو شکست ملتی ہے اور مومن کامیاب ہو جاتا ہے۔ غرض مُتّقی کا یہ زمانہ سُستی کا زمانہ نہیں ہوتا بلکہ میدان میں کھڑا رہنے کا زمانہ ہوتا ہے۔ وساوس کا پُوری مردانگی سے مقابلہ کرے۔ اور ایاك

نماز میں حصول لذت کیسے ہو سکتی ہے

نعبد و ایاك نستعین کہہ کر شیطان کو ہلاک کرے۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ نماز میں لذت نہیں آتی۔ مگر میں بتلاتا ہوں کہ بار بار پڑھے اور کثرت کے ساتھ پڑھے تقویٰ کے ابتدائی درجہ میں قبض شروع ہو جاتی ہے۔ اُس وقت یہ کرنا چاہیئے کہ خدا کے پاس ایاك نعبد و ایاك نستعین کا تکرار کیا جائے شیطان کشفی حالت میں چور یا قزّاق دکھایا جاتا ہے۔ اُس کا استغاثہ جنابِ الٰہی میں کرے کہ یہ قزاق لگا ہوا ہے تیرے ہی دامن کو پنجہ مارتے ہیں۔ جو اس استغاثہ میں لگ جاتے ہیں۔ اور تھکتے ہی نہیں۔ وہ ایک قوّت اور طاقت پاتے ہیں۔ جس سے شیطان ہلاک ہو جاتا ہے۔ مگر اس قوّت کے حصول اور استغاثہ کے پیش کرنے کے واسطے ایک صدق اور سوز کی ضرورت ہے۔ اور یہ چور کے تصوّر سے پیدا ہوگا۔ جو ساتھ لگا ہُوا ہے۔ وہ گویا ننگا کرنا چاہتا ہے۔ اور آدم والا ابتلا لانا چاہتا ہے اِس تصوّر سے رُوح چلّا کر بول اُٹھیگی۔ ایاك نعبد و ایاك نستعین۔ غرض دل سے ایک نعرہ نکلنا چاہیئے جب تک اُونچے اور درد دل سے فریاد نہ کرے ٹھیک نہیں ہے۔ ایسی چیخیں ہوں جن کو سُنکر اور دیکھ کر دوسرا خود سمجھتا اور سُنتا ہے اُس نتیجہ پر پہنچ جائے کہ اس کی چیخیں کس فراق سے نکلتی ہیں۔ اُس وقت نشان کے طور پر معاً ایک چیز دل پر ڈالی جاتی ہے جو مختلف قسم کے خیالات اور وساوس کو معدوم کر دیتی ہے۔ اور دل میں ایک رقت اور سوز کی حالت پیدا کر دیتی ہے۔ اُس وقت

دُعا کی قبولیت کا وقت

عجیب کا ہاتھ دکھائی دیتا ہے جو شیطانی ذریّت وساوس اور شبہات کو بھسم کرتا جاتا ہے۔ جب یہ حالت انسان پر وارد ہو جائے۔ تو اسکو ضائع نہ کرے۔ کیونکہ یہی وقت ہے جس میں دُعائیں کرنے سے خُدا کی خوشنودی اور رضا حاصل ہو سکتی ہے۔ اور دُنیا کیلئے بھی دُعائیں کریں تو قبولیت کا شرف اُن کو دیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ جو لوگ دین کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں وہ دُنیا کیلئے بھی اگر دُعا کرینگے تو وہ دین ہی کے واسطے ہے۔ **حدیث** میں آیا ہے۔ کہ اگر جُوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اُس کے لیئے بھی خدا ہی سے دُعا کرنی چاہیئے۔ غرض جب تک رقّت کا وقت پیدا نہ ہو تکرار کرتا جائے بعض وقت پاؤں کے بھاری ہونے اور بدن کے چُور چُور ہو جانے کی حالت بھی رقّت پیدا کر دیتی ہے خدا رحیم و کریم ہے کسی مقدمہ والے سے پوچھو کہ کیسی تاریخیں پڑتی ہیں کیسی کیسی پشیمانی اور مصیبت اُٹھانی پڑتی ہے لیکن یہ ساری حیرانیاں اور سرگردانیاں اُس کو تھکا نہیں دیتی ہیں۔ وہ تا وقتیکہ حکم نہ ملے پوری مستعدی اور طیّاری سے حاضر ہوتا رہتا ہے مگر یہاں یہ حال نہیں ہے۔ خدا تعالٰے کے حضور جو دُکھ اُٹھا کر کھڑا ہوا اور جس نے اُسکی راہ میں کچھ بھی کھویا۔ اُس نے اُس سے کہیں زیادہ سکھ پایا اور حاصل کیا یہاں تو محرومی ہے ہی نہیں۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ؎ دُنیا میں ایسا ہو تو ہو انسان کسی کے عمل کو ضائع کرے تو کرے۔ مگر اللہ تعالٰے کے حضور تو کچھ بھی ضائع نہیں ہو سکتا خدا تعالٰے کا کوئی ایسا وعدہ نہیں کہ وہ اس کا متکفّل نہ ہو ان اللہ لا یخلف المیعاد اور وہ تو فرماتا ہے من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ایک ذرہ بھی ضائع نہیں ہو سکتا۔ غرض میں نے نماز کا ایک طریق بتا دیا ہے۔ جس سے نماز میں لذّت سرور آ جاتا ہے۔ اور قبولیت دُعا کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ حالت بھی اس طریق پر پیدا ہو سکتی ہے کہ دُعا کے ذریعہ ایک انقطاع کی حالت پیدا ہو جائے۔ دُعائیں مخلصین کی قبول ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ صدق اور سوز اور ابتہال ساتھ رکھتے ہیں۔ جو لوگ اُوپرے دل سے

کیسی دُعا قبول نہیں ہوتی

دُعائیں کرتے ہیں۔ اور اُن پر مداومت نہیں کرتے اور اپنے اندر ایک تبدیلی نہیں کر لیتے وہ دُعائیں قبول نہیں ہوتی ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے فرضی طور پر کوئی بچّہ کا نام شمس الدین رکھ لے۔ مگر ایک صادق سالک کو چاہیئے کہ وہ ایسی تبدیلی کرے۔ اور اپنے آپ کو ایسا نمونہ بنا دے جیسا کہ سڑکوں پر میل کا نشان ہوتا ہے۔ وہ دوسروں سے متمیّز ہو جاوے نشان بھی ایک یاد دہانی کا معاہدہ ہوتا ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی معرفت بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ توریت کو

دُعا کی قبولیت کیلئے پہلے کن باتوں کی ضرورت ہے

آستانوں پر لکھ لو۔ اِس لئے کہ جب وہ اندر باہر آتے جاتے اُن کو دیکھیں گے۔ اُن کو احکام الٰہی پر نظر رہیگی۔ غرض میرا اصل مطلب صرف یہ بتانا ہے کہ دُعا کی قبولیت کے لئے پہلے تقوے کی ضرورت ہے تقوی کا طریق اختیار کرو۔ اگر تقویٰ اختیار نہیں کرتے تو ہر چند دُعائیں کریں وہ کوئی اثر نہیں رکھتی ہیں۔ خود بھی دُعائیں کریں اور اُن لوگوں سے جن پر کہ حُسن ظن ہے اُن سے بھی دُعائیں کرائیں مگر ضروری بات ہے کہ جس سے دُعا کرائیں اُسکے ساتھ ایک تعلق پیدا کرنا ضروری ہے جس سے دعا کرنیوالے کے دل میں ایک اضطراب پیدا ہو اور اُسے توجہ ہو۔ دوسری اپنی تبدیلی ضروری ہے۔ اگر خُود خبیث کا خبیث رہے اور کوئی تبدیلی نہ کرے تو اُس نیک مرد کی دُعا اُسکو کوئی مفید نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس میں بھی تو اثر قبول کرنے والی فطرت ہونی چاہئے۔ روشنی کا خاصہ یہی ہے کہ جہاں اُس کے حسب حال صفائی زیادہ ہو وہاں وہ زیادہ پڑتی ہے یہی حال پاک تاثیروں کا ہوتا ہے جو انوار الٰہی لیکر آتے ہیں جس قدر دل اور سینہ صاف ہو۔ اُسی قدر وہ اُس نور سے زیادہ مُنوّر اور مُؤثر ہوتے ہیں +

پھر دُعا کرنے والے کو یہ بھی لازم ہے کہ وہ صبر اور استقلال سے کام لے بعض لوگ ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ وہ دُعا کی درخواست کرتے ہیں۔ اور چند روز بعد کہدیتے ہیں کہ یہ تو دُکانداری ہے پہلا تو کچھ بھی نہیں میرے لیئے دُعا کی تھی کچھ فائدہ نہ ہُوا۔ نادان اتنا نہیں جانتے کہ صرف دُعا کرنیوالے ہی کا تو سارا کام نہیں کہ دُعا بھی کرے اور اُس دعا کے اثروں سے مستفید ہونے کی فطرت بھی دیدے دُعا کرنیوالا تو طبیب کی طرح ہوتا ہے۔ اگر مریض اُس کا نُسخہ استعمال کرکے کوئی پرہیز ہی نہیں کرتا تو تندرست کیونکر ہوگا جیسے دوا کے خواص اور اثر ہر حال میں اُن کے ساتھ ہیں۔ اور وہ کبھی ضائع نہیں ہوتے اور نہ اثر بھی نہیں ہوتے لیکن اُن کا اثر زیادہ تر مریض کے مزاج اور حالت پرہیز وغیرہ پر منحصر ہے۔ مثلاً جس شخص کو حرارت کے بڑھ جانے کی وجہ سے بعض امراض لاحق ہوگئے ہیں جو ادویات اُس کو دی جائیں گی۔ اُن کے زیادہ مُؤثر ہونے کے لیئے ضروری ہے۔ کہ وہ گرم اشیا کے کھانے سے پرہیز کرے لیکن اگر اُن کو نہیں چھوڑتا تو کیا دواؤں کی تاثیر کو باطل قرار دیں گے؟ ہرگز نہیں۔ پس خدا کا راستباز اور مقبول بندہ جب کسی کے لیئے دُعا کرتا ہے تو وہ دُعا اپنے رنگ میں قبول ضرور ہو جاتی ہے۔ اُسکی قبولیت سے فائدہ اُٹھانے والی فطرت پیدا کرنا دُعا کرانیوالے کے فرائض میں سے ہے۔ جس میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ تقوی اختیار کرے۔ بدیوں کو چھوڑدے اور دُعا کرنے والے پر حُسن ظن رکھے اور صبر اور استقلال سے کام لے سعدی نے کیا اچھا کہا ہے

طلبگار باید صبور و حمول

طالب کو کبھی ملول ہونا ہی نہیں چاہیئے۔ ایسے لوگ بے نصیب ہوتے ہیں جو جلد گھبرا جاتے ہیں۔ اور بدظنی سے کام لینے لگتے ہیں۔ دُعا کرنے والے کو یہ بھی ضروری یاد رکھنا چاہیئے کہ اپنی طرف سے کوئی میعاد مقرر نہ کرے۔ خدمت میں لگا رہے پھر وقت آجائیگا کہ وہ فائدہ اُٹھائے۔ اپنے آپ کو اگر اس راہ میں دُکھوں میں ڈالنا پڑے تو کچھ بھی پروا نہ کرے ہمت نہ ہارے ✦

دُنیا کے مُعاملات میں کس قدر جانی و مالی دُکھ اُٹھاتا ہے۔ اور قسم قسم کی ذلتوں میں اپنے تئیں ڈالتا ہے۔ تاکہ دنیا کا کام ہو جائے پھر کس قدر افسوس ہے کہ ابدی حاکم کے سامنے دُکھ اُٹھانے سے گریز کرے اور اُس کے مقرب ہو جانے اور ابدالآباد کی راحت پا لینے کے لئے مصیبتوں اور ذلتوں سے پرہیز کرے ✦

افسوس نادان انسان پر دُنیا اور اُس کی چند روزہ راحتوں اور خُوشیوں کے حاصل کرنے کیلئے ہر دُکھ اور مُصیبت کو اُٹھانے کیلئے طیار مگر خُدا کے واسطے کسی دُکھ کا اُٹھانا اُس کے لئے وبال جان !!!

یہ وقت ہے کہ انسان عاقبت کی فکر کرے۔ موت کا کوئی وقت اُس کو معلوم نہیں۔ کہ کس وقت آجائیگی ؎

مُکن تکیہ بر عُمر ناپائدار مباش ایمن از بازئی روزگار

کیا نہیں دیکھتے کہ ایک دم میں نئی سہاگن جس نے ابھی شوہر کا مُنہ بھی نہیں دیکھا بیوہ ہو جاتی ہے۔ ایک بچہ پیدا ہوتے ہی یتیم ہو جاتا ہے۔ غرض موت ایسے طور پر آجاتی ہے کہ انسان کو کوئی بات اُس وقت بن نہیں آتی! اور کوئی نہیں ہوتا جو اسکو اُسکے پنجہ سے چھڑا سکے۔ پھر یہ عجیب غفلت کا مبتلا ہے کہ موت جیسی یقینی اور ضروری چیز سے ایسا غافل ہے کہ گویا کبھی اُسکو مرنا ہی نہیں پس تقوی اختیار کرو۔ خدا پر ایمان پیدا کرو۔ وہ ایمان جو آخر اطمینان اور سکینت کا موجب بنتا ہے۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ تمہاری عمر دراز ہوگی۔ اللہ تعالےٰ مومن کی زندگی بڑھا دیتا ہے۔ کیونکہ وہ نفع رساں وجود ہوتا ہے۔ پس دوسروں کو فائدہ پہنچاؤ۔ کہ تمہاری زندگی کے دن دراز کیئے جائیں۔ واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض **حدیث** میں آیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے مجھے کسی چیز میں اتنا تردد نہیں ہوتا جس قدر مومن کی جان لینے میں پھر دیکھو مومن کی کس قدر عزت ہے۔ اور مومن کی خاطر اللہ تعالےٰ کو۔

لہ الحکم جلد ۵ ع۷

کس قدر منظور ہے ۔ تم اپنے اندر وہ دل پیدا کرو ۔ کہ خدا تعالےٰ کو تمہاری جان لینے میں تردد ہو ۔ پھر دوسری قوم اس کے بالمقابل وہ ہے جس کی نسبت کہتا ہے ۔ قل ما یعباء بکم ربی لولا دعاءکم تمہاری پرواہی کیا ہے ۔ یہ قوم اللہ تعالےٰ کے غضب کے نیچے ہوتی ہے ۔ اس سے بچو اور پناہ مانگو !!!

مومن کون ہے

غرض مومن وہی ہوتا ہے جو صابر ہو ۔ جس میں صبر نہیں ہے وہ پورا مومن نہیں ہے صبر ایسی چیز ہے کہ اُس کا اجر بےحساب ہے ۔ پس اگر نماز میں کبھی کوئی وسوسہ اور وہم پیدا ہو تو مایوس مت ہو بلکہ ہمت اور استقلال اور صبر کے ساتھ شیطان کا مقابلہ کرتے رہو ۔ فتح و شکست ہر جگہ ہوتی ہے ۔ مگر آخری فتح مومن اور راستبازی کے لئے ہے ۔ کیا یہ سچ نہیں والعاقبۃ عند ربک للمتقین شیطان مومن کے سامنے مخنث ہو جاتا ہے اور اگر مومن نہ ہو ذرا ذرا سے شبہات اور اوہام میں پھنس کر گھبرا جاتا ہو تو شیطان اُس کو دبا لیتا ہے پس مستقل طور پر بہادر بن کر شیطان کا مقابلہ کرو ۔ اور اُس سے لڑو جب تک کہ اُس کو ہلاک نہ کر لو ۔

پھر متقی کے لئے ایک اور منزل آتی ہے وہ ومما رزقنٰھم ینفقون ہے یعنی جو کچھ اُن کو ہم نے دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے اور دیتے ہی رہتے ہیں ۔ لکھا ہے کہ ایمان کبھی کسی حال سے کبھی کسی حال سے قوی ہو جاتا ہے اِس کے لئے یہ لکھا ہے کہ اول خود دُعا کرے ۔ اور پھر جن پر حسن ظن ہو اُن سے دعا کرائے ۔ یہ بھی نہ ہو تو خیرات کرے جب خیرات دیتا ہے تو قبض دور ہو جاتی ہے ۔ سوالی اگر آجاوے تو اُسکو پہلے ہی جھڑک نہ دے اُس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک قبض پیدا ہو جاتی ہے ۔ اور پھر کچھ بھی دینے کی توفیق نہیں ملتی اور اگر اُسکے ساتھ نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آئیگا ۔ تو کچھ دینے کے لئے بھی سینہ کھل جائیگا ۔ صدقات ایسی چیزیں ہیں ۔ کہ اُن سے دُنیاوی منازل طے ہو جاتی ہیں اخلاق فاضلہ پیدا ہو جاتے ہیں ۔ اور پھر بڑی بڑی نیکیوں کی توفیق دیجاتی ہے ۔ غرض مختلف مدارج اور اسباب ہیں ۔ اور اِس لیئے ہیں کہ متقی اپنے اصلی مرتبہ پر پہنچ جائے ۔ یہ دوسرا درجہ صلاح کا ہے ۔ اُس وقت متقی کا نام صالح رکھا جاتا ہے ۔ اُس وقت شیطان کمزور ہو جاتا ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ صالح کا درجہ طفیلی درجہ ہے جو تقوےٰ سے آتا ہے ۔ پہلا درجہ بہت ہی مشکل ہے ۔ کیونکہ اُس وقت شبہات سے ایک خطرناک جنگ ہوتی ہے اور شیطان

درجہ صلاح

پُوری طاقت سے حملہ کرتا ہے۔ مگر اس درجہ میں فساد دُور ہو جاتے ہیں شیطان کو بہت سی شکستیں مِل چکی ہوتی ہیں۔ اُس کی طاقت بہت ہی کمزور ہو جاتی ہے۔ اُس کے بعد تیسرا درجہ یہ ہے کہ فساد دُور ہو کر اخلاق فاضلہ اور خُدا کی محبت اندر آ جاتی ہے۔ یہ اطمینان کا درجہ ہے۔ اور یہی درجہ ہے جس کو یَا اَیَّتُھَا النفس المطمئنۃ کہا گیا ہے میں اس کے وہ معنی کرتا ہوں جو مجھ پر کھولے گئے ہیں جب انسان اِس درجہ پر پہنچتا ہے۔ ایک قدرتی جذب اِلی اللہ اُس میں پیدا ہو جاتا ہے اور وہ گولی کی طرح لُڑھکتا ہُوا چلا جاتا ہے۔ اب دُور رہنا ناممکن ہے۔ یہ معیّت کو چاہتا ہے۔ اور اس درجہ پر طبعًا ایک جوش اور حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ خدا کی طرف دوڑتا ہے ایک وقت اس پر ایسا گذرا ہے کہ یہ زنجیروں سے جکڑا ہُوا تھا۔ اور اب یہ حالت ہے کہ جیسے ایک گیند کو کسی ڈھلوان جگہ پر رکھ دیں اور بے اختیار لڑھکتی ہُوئی چلی جاتی ہے۔ اِسی طرح پر اِنسان بلا تکلّف اور تصنّع کے خدا کی طرف کھچا چلا آتا ہے۔ اور ایسی وہ حالت ہوتی ہے۔ کہ خدا اُس سے راضی اور وہ خدا سے راضی ہوتا ہے انسانوں کی عادت ہے کہ جب اُن پر کوئی مصیبت اور ابتلا آتا ہے تو وہ خدا سے ناراضامندی اور شکوہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور عملی طور پر بھی اِس ناراضامندی کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً جب کوئی مر جاتا ہے تو سال بھر تک روتے ہی رہتے ہیں۔ اور ہر ذکر پر اللہ تعالےٰ کا شکوہ کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں "بہت بڑا ظلم ہُوا" خدا کی محبت سلب ہو جاتی ہے۔ اور اُس کے رسُول پر بھی پُورا ایمان نہیں رہتا۔ اور ایمان سے پُوری بیزاری پیدا ہو جاتی ہے لیکن مطمئنہ کی حالت میں اگر زنجیر اور کڑیاں بھی پڑ جائیں اور سخت سے سخت مشکل میں وہ ڈالا جائے۔ تو بھی اُس کو اللہ تعالےٰ کے ساتھ پُوری رضامندی اور صُلح ہوتی ہے۔ وہ خدا کی طرف پُورے جوش اور صدق سے بے اختیار ہو کر دوڑتا ہے کوئی بلا کوئی تکلیف اُس کو پست نہیں کر سکتی۔ بلکہ وہ تکلیف اور بلا بھی اُس کے لیئے لذّت محسُوسہ اور حلاوت مُدرکہ ہوتی ہے۔ اُس کا خُدا نیا خُدا ہوتا ہے۔ جس میں وہ محو ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پر خدا تعالےٰ بھی اُس کے لیئے اپنی نرالی شان کی تجلّی فرماتا ہے۔ اور اُس کی رضامندی میں ایک جدّت اور خصوصیت درخشاں ہوتی ہے۔ دیکھو نوُح علیہ السّلام کی دُعا سے دُنیا کو ہلاک کر دیا۔ نوح کی اس قدر خاطر عزیز تھی کہ اُس کے لیئے ایک دُنیا کا ہلاک کر دینا کچھ بھی بات نہ تھی۔ ایسا ہی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں سے کفّار مکّہ کو ہلاک کر دیا گیا۔ غرض یہ عجیب حالت اور درجہ ہوتا ہے۔ خدا اُس سے راضی اور وہ خدا سے راضی۔ اسی مقام پر پہنچکر وہ اللہ تعالےٰ کے عباد میں داخل

درجہ اطمینان

ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ مرنے کے بعد بلکہ اسی دُنیا میں داخل ہوجاتا ہے ✤

جماعت عباد اللہ

یاد رکھو ایک وہ جماعت ہے جس کا نام عباد اللہ رکھا جاتا ہے صُوفی کہتے ہیں کہ سب سے بڑھ کر نام عبد اللہ ہے۔ اسی لیئے اشہد ان محمدا عبدہ و رسولہ کہا عبد سے بڑھ کر کوئی نام نہیں اسی دُنیا میں وہ جنّت میں داخل ہوجاتا ہے اور مرنے کے بعد تو وہ داخل ہوینگے اس لیئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے ولمن خاف مقام ربہٖ جنّتان جو شخص خُدا کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اُس کے لیئے دو جنّتیں ہیں۔ ایک مرنے کے بعد اور ایک اسی دُنیا میں ✤

اصل بات یہ ہے کہ کوئی آدمی شک کرے کہ جو لوگ اپنی زندگی کو خُدا کے لیئے وقف کرتے ہیں۔ اُن کے لیئے ناکامی بھی تکلیف دہ امر نہیں ہوتا۔ وہ ایلام کو انعام کے رنگ میں دیکھتے ہیں۔ دُکھوں اور مُصیبتوں کے وقت بھی اُن کو ایک خاص لذّت اور راحت آتی ہے کیونکہ دُعاؤں کے واسطے بہت بڑا موقع ملتا ہے۔ گویا رُوحانی طور پر اُن کے لیئے یہ دُکھ اور ابتلا بھی جنت ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ زیادہ تکلیفوں اور دُکھوں میں اُن کو نہیں ڈالتا اور خود اُن کا مُتولّی ہوجاتا ہے۔ حضرت داؤدؑ کہتے ہیں کہ میں بچّہ تھا بُوڑھا ہُوا۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی مُتقی مصلح کو تکلیف ہوئی ہو۔ اصل یہی ہے۔ کہ دُعدغہ کی زندگی میں آرام نہیں ملسکتا جب تک کہ صالح نہو پس صالح ہو نیکی حالت وہی ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اس درجہ پر خُدا مُتولّی ہوتا ہے پھر فکر ہو تو کیونکر پس ہماری جماعت کو چاہیئے۔ کہ اپنے اندر ایک تبدیلی پیدا کریں۔ اخلاق فاضلہ اختیار کریں ✤

[51] ایک امتحان والے آدمی کے متعلق دُعا کے واسطے عرض کی گئی۔ فرمایا:۔

دعا کا ظاہر الفاظ میں پورا نہ ہونا

دُعا تو کی جاتی ہے۔ مگر بعض دفعہ اللہ تعالےٰ نے انسان کے واسطے کوئی اور نعمت رکھی ہوئی ہوتی ہے۔ اور دُعا ظاہر الفاظ میں پُوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ اِسمیں ایک ابتلا ہوتا ہے خصوصاً اُن لوگوں کے واسطے جو بظاہر نیک ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ ہم تو نیک تھے ہم پر یہ ابتلا کیوں آیا ✤

۱۲ فروری ۱۹۰۱ء شام کے بعد دُعا کے متعلق فرمایا:۔

[52] ہم کو تو خدا پر اتنا بھروسہ ہے۔ کہ ہم تو اپنے لیئے دُعا بھی نہیں کرتے

[51] الحکم جلد ۵ نمبر ۶ تاریخ تقریر ۱۱ فروری سنہ ۱۹۰۱ء
[52] تاریخ تقریر ۱۲ فروری سنہ ۱۹۰۱ء ✤

کیونکہ وہ ہمارے حال کو خوب جانتا ہے۔ حضرت ابراہیم کو جب کفار نے آگ میں ڈالا تو فرشتوں نے آکر حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا کہ آپ کو کوئی حاجت ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا بلی ولکن الیکم ہاں حاجت تو ہے مگر تمہارے آگے پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ فرشتوں نے کہا کہ اچھا خدا تعالےٰ کے آگے ہی دعا کرو تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا علمہ من حالی حسبی من سوالی وہ میرے حال سے ایسا واقف ہے کہ مجھے سوال کرنے کی ضرورت نہیں +

۱۴ فروری ۱۹۰۸ء[۱] احباب نے ذکر کرتے ہوئے کہ مومنین پر تکالیف اور ابتلا آیا کرتے ہیں۔ فرمایا:-

مومنین پر تکالیف اور ابتلا

"ایک شخص حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور اپنی لڑکی کا آنحضرت کے ساتھ نکاح کے واسطے عرض کیا اور منجملہ اُس لڑکی کی تعریف کے ایک یہ بات عرض کی کہ وہ اتنی عمر کی ہوئی ہے۔ مگر آج تک اُس پر کوئی بیماری وارد نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو لوگ خدا کے پیارے ہوتے ہیں۔ اُن پر خدا کی طرف سے ضرور تکالیف اور ابتلاء آیا کرتے ہیں" احباب میں سے ایک کو مخالفین کی طرف سے بہت تکالیف پہنچی ہیں اُس نے اپنا حال عرض کیا۔ فرمایا "آپ نے بہت تکالیف اُٹھائی ہیں۔ یہ بات آپ میں قابل تعریف ہے جس قدر ابتلا ہوا ہے۔ اُسی قدر انعام بھی ہوگا ان مع العسر یسرا"

بعض مخالفین جو ہمارے دوستوں کے ساتھ سختی کرتے ہیں۔ اور اُن کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ اُس کے ذکر میں اپنے دوستوں کو نرمی اور درگذر اور شرارت سے بچنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔ مخالفوں کے مقابلہ میں جوش نہیں دکھانا چاہئیے خصوصاً جو جوان ہیں اُن کو میں یہ نصیحت کرتا ہوں ضروری ہے۔ کہ تم جلدی جلدی میرے پاس آؤ۔ معلوم نہیں کہ تم کتنا زمانہ میرے بعد بسر کروگے پاس رہنے میں بہت فائدہ ہوتا ہے۔ انسان اگر رُو بخدا ہو تو وہ تفسیر مجسّم ہوتا ہے۔ اور پاس رہنے میں انسان بہت سی باتیں دیکھ لیتا ہے اور سیکھ لیتا ہے +

ایک شخص کا تحریری سوال پیش ہوا کہ مجھے دس پندرہ کوس تک اِدھر اُدھر جانا پڑتا ہے میں کس کو سفر سمجھوں۔ اور نمازوں میں قصر کے متعلق کس بات پر عمل کروں میں کتابوں کے مسائل نہیں پوچھتا ہوں حضرت امام صادق کا حکم دریافت کرتا ہوں۔ حضرت اقدس نے فرمایا:-

سفر میں قصر و سفر کے مسائل پر عمل کرے } میرا مذہب یہ ہے کہ انسان بہت دقتیں اپنے اوپر نہ ڈال لے۔ عرف میں جس کو سفر کہتے ہیں خواہ وہ دو تین کوس ہی ہو۔ اُس میں قصر و سفر کے مسائل پر عمل کرے۔ انما الاعمال

---

[۱] تاریخ تقریر ۱۴ فروری ۱۹۰۸ء +

بالنیات۔ بعض دفعہ ہم دو دو تین تین میل اپنے دوستوں کے ساتھ سیر کرتے ہُوئے چلے جاتے ہیں مگر کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ ہم سفر میں ہیں لیکن جب انسان اپنی گٹھڑی اُٹھا کر سفر کی نیت سے چل پڑتا ہے۔ تو وہ مسافر ہوتا ہے۔ شریعت کی بنا وقت پر نہیں ہے۔ جس کو تم عرف میں سفر سمجھو وہی سفر ہے۔ اور جیسا کہ خدا کے فرائض پر عمل کیا جاتا ہے ویسا ہی اُس کی رُخصتوں پر عمل کرنا چاہئیے۔ فرض بھی خدا کی طرف سے ہیں۔ اور رُخصت بھی خدا کی طرف سے +

مسیح کیلئے نمازیں جمع کی جائینگی دیکھو ہم بھی رُخصتوں پر عمل کرتے ہیں نمازوں کو جمع کرتے ہُوئے کوئی دو ماہ سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ بسبب بیماری کے اور تفسیر سُورہ فاتحہ کے لکھنے میں بہت مصروفیت کے ایسا ہو رہا ہے۔ اور ان نمازوں کے جمع کرنے میں تجمع لہ الصلوٰۃ کی حدیث بھی پوری ہو رہی ہے۔ کہ مسیح کی خاطر نمازیں جمع کی جائیں گی۔ اِس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ مسیح موعود نماز کے وقت پیش امام نہ ہوگا۔ بلکہ کوئی اور ہوگا۔ اور وہ پیش امام مسیح کی خاطر نمازیں جمع کرائے گا سو اب ایسا ہی ہوتا ہے۔ جس دن ہم زیادہ بیماری کی وجہ سے بالکل نہیں آ سکتے۔ اُس دن نمازیں جمع نہیں ہوتیں۔ اور اس حدیث کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے پیار کے طریق سے یہ فرمایا ہے کہ اُسکی خاطر ایسا ہوگا۔ چاہئیے کہ ہم رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی عزت و تکریم کریں اور اُن سے بے پرواہ نہ ہوویں۔ ورنہ یہ ایک گناہ کبیرہ ہوگا۔ کہ ہم آنحضرتؐ کی پیشگوئیوں کو خفت کی نگاہ سے دیکھیں۔ خدا تعالےٰ نے ایسے ہی اسباب پیدا کر دیئے کہ اتنے عرصہ سے نمازیں جمع ہو رہی ہیں۔ ورنہ ایک دو دن کے لئے یہ بات ہوتی تو کوئی نشان نہ ہوتا ہم حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لفظ لفظ اور حرف حرف کی تعظیم کرتے ہیں" +

تفسیر سُورہ فاتحہ کے ذکر میں فرمایا۔ کہ اس کتاب میں حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور محامد اس قدر بیان ہونے شروع ہو گئے ہیں کہ ختم کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ اگر دن پُورے نہ ہوتے تو میں چاہتا نہ تھا۔ کہ بند کر دوں" +

فرمایا بہشت میں بھی مومنوں کے لئے ترقیات ہوتی ہیں۔ اور ترقیات انبیاء کیلئے بھی ہیں ورنہ درود شریف کیوں پڑھا جاتا ہے۔ ہمارا یہ مذہب ہے کہ ترقیات غیر متناہی ہیں +

فرمایا سارے قرآن شریف کا خُلاصہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ اللہ تعالےٰ

کی اصل صفات بھی جمالی ہیں۔ اور اصل نام خدا جمالی ہے۔ یہ تو کفار لوگ اپنی ہی کرتوتوں سے ایسے سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ کہ بعض وقت جلالی رنگ دکھانا پڑتا ہے۔ اس وقت چونکہ اس کی ضرورت نہیں اس واسطے ہم جمالی رنگ میں آئے ہیں" +

ملکہ معظمہ کے متعلق یادگاروں کے قائم کرنے کا ذکر درمیان آیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا:۔

"کہ ہماری رائے میں ایک بڑا بھاری کالج یا شفاخانہ بننا چاہیئے" +

فرمایا۔ مسیح کو تو لوگ اتنی لمبی عمر دینے کے واسطے بقائے سعی کرتے ہیں۔ اُن کی تھوڑی سی عمر نے کیا نتیجہ پیدا کیا ہے۔ جو بڑی عمر کی خواہش کی جاوے۔ دُنیا صلیب پرستی سے بھر گئی ہے۔ اور جابجا شرک پھیل گیا ہے۔ ہاں اگر اِتنی عمر کا پانا کسی کے واسطے ممکن ہوتا تو حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس کے مستحق تھے جنہوں نے تھوڑی سی عمر میں ایک دُنیا موحدین سے بھر دی۔ اور اُن کے دل میں خدا کی محبت کا سچا جوش بھر دیا +

حضرت صاحب کا فیصلہ[۵۱] کہ رکوع میں شمولیت سے رکعت ہوتی ہے یا نہیں

۱۶ فروری سنہ ۱۹۰۱ء اسبات کا ذکر آیا۔ کہ جو شخص جماعت کے اندر رکوع میں آکر شامل ہوا اُس کی رکعت ہوتی ہے یا نہیں۔ حضرت اقدس نے دوسرے مولویوں کی رائے دریافت کی مختلف اسلامی فرقوں کے مذاہب اس امر کے متعلق بیان کیئے گئے۔ آخر حضرت نے فیصلہ دیا اور فرمایا

"ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب آدمی امام کے پیچھے ہو یا منفرد ہو ہر حالت میں اس کو چاہیئے کہ سُورۂ فاتحہ پڑھے۔ مگر امام کو نہ چاہیئے کہ جلدی جلدی سُورۂ فاتحہ پڑھے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھے تاکہ مقتدی سُن بھی لے اور اپنا پڑھ بھی لے یا ہر آیت کے بعد امام اتنا ٹھہر جائے کہ مقتدی بھی اُس آیت کو پڑھ لے۔ بہرحال مقتدی کو یہ موقعہ دینا چاہیئے۔ کہ وہ سُن بھی لے اور اپنا پڑھ بھی لے۔ سُورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے کیونکہ وہ اُم الکتاب ہے۔ لیکن جو شخص باوجود اپنی کوشش کے جو وہ نماز میں ملنے کیلئے کرتا ہے آخر رکوع میں ہی آکر ملا ہے اور اُس سے پہلے نہیں مل سکا۔ تو اُس کی رکعت ہوگئی۔ اگرچہ سُورہ فاتحہ اُس نے نہیں پڑھی۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے رکوع کو پالیا اُس کی رکعت ہوگئی۔ مسائل دو طبقات کے ہوتے ہیں۔ ایک جگہ تو حضرت رسول کریمؐ نے فرمایا اور تاکید کی۔ کہ نماز میں سُورۂ فاتحہ ضرور پڑھیں وہ اُم الکتاب ہے اور اصل نماز وہی ہے

[۵۱] الحکم جلد ۵ ۷ تاریخ تقریر ۱۶ فروری سنہ ۱۹۰۱ء

مگر جو شخص باوجود اپنی کوشش کے اور اپنی طرف سے جلدی کرنے کے رکوع میں ہی آکر ملا ہے تو چونکہ دین کی بنا آسانی اور نرمی پر ہے اس واسطے حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس کی رکعت ہو گئی۔ وہ سورۃ فاتحہ کا منکر نہیں ہے۔ بلکہ دیر میں پہنچنے کے سبب رخصت پر عمل کرتا ہے میرا دل خدا نے ایسا بنایا ہے کہ ناجائز کام میں مجھے قبض ہو جاتی ہے۔ اور میرا جی نہیں چاہتا کہ میں اُسے کروں اور یہ صاف ہے کہ جب نماز میں ایک آدمی نے تین حصوں کو پورا پا لیا اور ایک حصہ میں بسبب کسی مجبوری کے دیر میں مل سکا ہے تو کیا حرج ہے انسان کو چاہیئے کہ رخصت پر عمل کرے۔ ہاں جو شخص عمداً سستی کرتا ہے۔ اور جماعت میں شامل ہونے میں دیر کرتا ہے۔ تو اُس کی نماز ہی فاسد ہے)

حضرت اقدس کو الہام ہوا۔ کفیناک المستہزئین [۱] +

تفسیر اعجاز المسیح کے متعلق یہ ذکر تھا۔ کہ مخالفین میں سے کسی کو خدا نے یہ طاقت نہیں دی کہ اُس کا مقابلہ کر سکے اس پر حضرت اقدس نے فرمایا

اعجاز قرآن

"قرآن شریف کے ایک معجزہ ہونے کے متعلق دو مذہب ہیں ایک تو یہ کہ خدا تعالےٰ نے مخالفین سے صرف ہمت کر دیا یعنی اُن لوگوں کو توفیق نہ ہوئی کہ اُس وقت مقابلہ میں کچھ کر کے دکھلاتے اور دوسرا مذہب جو کہ صحیح اور سچا اور پکا مذہب ہے اور ہمارا بھی وہی مذہب ہے۔ وہ یہ ہے کہ مخالف خود اسبات میں عاجز تھے کہ مقابلہ کر سکتے۔ اصل میں اُن کے علم اور عقل چھینے گئے تھے۔ قرآن شریف کا معجزہ ہماری تفسیر القرآن کے معاملہ سے خوب سمجھ میں آسکتا ہے۔ ہزاروں مخالف موجود ہیں جو عالم فاضل کہلاتے ہیں کئی غیرت دلانے والے الفاظ بھی اشتہار میں لکھے گئے۔ مگر کوئی ایسا نہ کر سکا۔ کہ اس نشان کا مقابلہ کرتا" +

۲۴ فروری ۱۹۰۱ء صحیح بخاری کے متعلق فرمایا:۔

[۲] یہی ایک کتاب ہے جو دنیا کی تمام کتابوں میں سے قرآن شریف کے بہت مطابق اور سب سے افضل اور صحیح ہے۔ اسکی دوسری ہمیں گویا مسلم ہے +

ایک آیت کی تفسیر

آیت کریمہ ربنا الذی اعطی کل شئ خلقه ثم هدی پر حضرت اقدس نے فرمایا

"اس عطا میں زیادہ تر دو قسم کے آدمی ہیں۔ ایک بادشاہ دوسرے مامور من اللہ یعنی پہلے خدا نے اُن کو مامور بنایا ثم هدی یعنی پھر تبلیغ کے تمام سامان اُن کے لئے مہیا

[۱] الحکم جلد ۵ ۸ تاریخ تقریر ۲۳ فروری ۱۹۰۱ء
[۲] تاریخ تقریر ۲۴ فروری ۱۹۰۱ء۔

انبیائے سابقہ پر جزئی فضیلت

کر دیئے۔ جیسا کہ خدا نے ریل تار ڈاک مطبع وغیرہ تمام اسباب ہمارے واسطے مہیا کر دیئے جو پہلے انبیاء علیہم السلام کو حاصل نہ تھے۔ ہمارے واسطے یہ ایک جزئی فضیلت ہے اور خدا کا فضل ہے۔ اور جزئی فضیلت سے کسر شان کسی نبی کی لازم نہیں آتی" +

فرمایا"(تفسیر کا کام تو ختم ہو گیا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ دوسرے ضروری کاموں کے شروع کرنے سے پہلے دو تین دن آرام کر لیتے۔ مگر جی نہیں چاہتا کہ خالی بیٹھے رہیں۔ مثنوی مولانا روم میں لکھا ہے۔ کہ ایک بیماری ہوتی ہے۔ کہ انسان چاہتا ہے کہ اُس کو ہر وقت کوئی مکھیاں مارتا رہے۔ ایسا ہی اہل اللہ کا حال ہوتا ہے کہ وہ آرام نہیں کر سکتے۔ کبھی خدا اُن پر کوئی محنت نازل کرتا ہے۔ اور کبھی وہ آپ کوئی ایسا کام چھیڑ بیٹھتے ہیں۔ جس سے اُن پر محنت نازل ہو۔ نہایت درجہ برکت کی بات یہ ہے کہ انسان خدا کے واسطے کسی کام میں لگا رہے۔ جو دن بغیر کسی کام کے گذر جائے وہ گویا غم میں گذرتا ہے۔ اس سے زیادہ دُنیا میں کچھ حاصل نہیں کہ انسان خدا کے واسطے کام کرے۔ اور خدا اُس کے واسطے راستہ کھول دے۔ اور اُسے مدد عطا فرماوے۔ مگر بغیر اخلاص کے تمام محنت بے فائدہ ہے۔ خالصۃً للہ کام کرنا چاہیئے۔ کوئی اور غرض درمیان میں نہ آوے +

جو کام ہو اللہ کیلئے ہو اور جو بات ہو خدا کے واسطے ہو[1]

سب صاحبان متوجہ ہو کر سُنیں۔ میں اپنی جماعت اور خود اپنی ذات اور اپنے نفس کیلئے یہی چاہتا اور پسند کرتا ہوں کہ ظاہری قیل و قال جو لکچروں میں ہوتی ہے۔ اُسکو ہی پسند نہ کیا جاوے اور ساری غرض و غایت آکر اس پر ہی نہ ٹھہر جاوے کہ بولنے والا کیسی جادو بھری تقریر کر رہا ہے! الفاظ میں کیسا زور ہے۔ میں اس بات پر راضی نہیں ہوتا۔ میں تو یہی پسند کرتا ہوں اور نہ بناوٹ اور تکلف سے بلکہ میری طبیعت اور فطرت کا ہی یہی اقتضا ہے۔ کہ جو کام ہو اللہ کے لئے ہو جو بات ہو خدا کے واسطے ہو۔ اگر اللہ کی رضا اور اُس کے احکام کی تعمیل میرا مقصد ہوتا تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مجھے تقریریں کرنی اور وعظ سنانا تو ایک طرف میں تو ہمیشہ خلوت ہی کو پسند کرتا ہوں۔ اور تنہائی میں وہ لذت پاتا ہوں جس کو بیان نہیں کر سکتا۔ مگر کیا کروں بنی نوع کی ہمدردی کھینچ کھینچ کر باہر لے آتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس نے مجھے

---

[1] الحکم جلد ۵ ع ۹ تاریخ تقریر ۲۸ دسمبر ۱۸۹۹ء +

تبلیغ پر مامور کیا ہے۔ میں نے یہ بات کہ ظاہری قیل و قال ہی کو پسند نہ کیا جائے اسلئے بیان کی ہے کہ ہر خیر میں بھی شیطان کا حصہ رکھا ہوا ہوتا ہے۔ پس انسان جب وعظ کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اسمیں شک نہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بہت ہی عمدہ کام ہے۔ مگر اس منصب پر کھڑا ہونیوالے کو ڈرنا چاہیئے۔ کہ اس میں مخفی طور پر شیطان کا بھی حصہ ہے کچھ تو واعظ کے بخرہ میں آتا ہے۔ اور کچھ سننے والوں کے حصہ میں اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب واعظ وعظ کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو مقصد اور دلی تمنا صرف یہ ہوتی ہے کہ میں ایسی تقریر کروں کہ سامعین خوش ہو جائیں ایسے الفاظ اور فقرات بولوں کہ ہر طرف سے واہ واہ کی آوازیں آئیں میں اس قسم کی تقریر کرنیوالوں کے مقاصد کو اس سے بڑھ کر نہیں سمجھتا جیسے بھڑوے یا نقال قوال۔ گویے بھی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے سننے والے اُن کی تعریفیں کریں +

پس جب ایک مجمع کثیر سننے والا ہو۔ اور اس میں ہر ایک مذاق اور درجہ کے لوگ موجود ہوں تو خدا کی طرف کی آنکھ کھلی نہیں ہوتی اِلّاماشاء اللہ مقصود یہی ہوتا ہے کہ سننے والے واہ واہ کریں۔ تالیاں بجائیں اور چیرز دیں۔ غرض یہ حصہ شیطان کا واعظ یا بولنے والے میں ہوتا ہے۔ اور سامعین میں شیطانی حصہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ بولنے والے کی فصاحت و بلاغت زبان پر پوری حکومت اور قادر الکلامی۔ برمحل اشعار۔ کہانیوں اور ہنسانے والے لطیفوں کو پسند کریں اور داد دیں۔ تاکہ سخن فہم ثابت ہوں۔ گویا اُن کا مقصود بجائے خود خدا سے دور ہوتا ہے۔ اور بولنے والے کا الگ۔ وہ بولتا ہے مگر خدا کے لئے نہیں اور یہ سنتے ہیں۔ مگر ان باتوں کو دل میں جگہ نہیں دیتے۔ اسلئے کہ وہ خدا کے لئے نہیں سنتے۔ یہ کیوں ہوتا ہے صرف اسی کے واسطے کہ ایک لذت حاصل کریں۔ یاد رکھو انسان دو قسم کی لذتوں کا مجموعہ ہے ایک روح کی لذت ہے دوسری نفس کی لذت +

روحانی لذت تو ایک باریک اور عمیق راز ہے۔ جس پر اگر کسی کو اطلاع ملجائے اور ساری عمر میں ایک مرتبہ بھی جس کو یہ سرور اور ذوق ملجائے وہ اس سے سرشار اور مست ہو جائے نفسانی لذتیں ایسی ہیں کہ ہمیشہ آنی اور فانی ہوتی ہیں۔ نفسانی لذت وہ لذت ہے جس کے ساتھ ایک طوائف بازاروں میں ناچ کرتی ہے۔ وہ بھی اس لذت میں شریک ہیں جیسے مولوی واعظ کی حیثیت میں گاتا ہے۔ اور لوگ اسکو پسند کرتے ہیں۔ ویسی ہی بازاری عورت گاتی ہے اسے بھی پسند کرتے ہیں۔ اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ نفس یہی

چیز ہے جو ایک واعظ کے وعظ سے بھی لذت اُٹھاتا ہے۔ اور دوسری طرف ایک بدکار عورت کے گانے سے بھی لذت اُٹھاتا ہے حالانکہ وہ خُوب جانتا ہے کہ یہ عورت بدکار ہے۔ اُس کے اخلاق اُس کی معاشرت بہت ہی قابل نفرت ہے۔ لیکن اس پر بھی اگر وہ اُسکی باتوں اور اُس کے گانے سے لذت اُٹھاتا ہے اور اُسکو نفرت اور بدبُو نہیں آتی۔ تو یقیناً سمجھو کہ یہ نفسانی لذت ہے ورنہ رُوح تو ایسی گھنونی اور متعفن شے پر راضی نہیں ہو سکتی۔ اس قابل رحم واعظ کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ مجھ میں پاک حصہ نہیں ہے۔ ایسا ہی وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے سامعین نہیں سمجھتے کہ ہم یہاں صرف نفسانی لذت کے لیئے بیٹھے ہیں۔ اور خدا کا بخرہ ہم میں نہیں ہے پس میں خدا تعالےٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ وہ ہماری تقریروں ہمارے بولنے والوں اور سننے والوں میں سے اس ناپاک اور خبیث رُوح کے حصہ کو نکال کر محض للّٰہیت بھردے ہم جو کچھ کہیں خدا کے لیئے اُس کی رضا حاصل کرنے کے واسطے اور جو کچھ سُنیں خدا کی باتیں سمجھ کر سُنیں اور نیز عمل کرنے کے واسطے سُنیں۔ اور مجلس وعظ سے ہم صرف اتنا ہی حصہ نہ لے جائیں۔ کہ یہ کہیں آج بہت اچھا وعظ ہوا +

مسلمانوں میں ادبار اور زوال آنے کی یہ بڑی بھاری وجہ ہے۔ ورنہ اس قدر کانفرنسیں اور انجمنیں اور مجلسیں ہوتی ہیں۔ اور وہاں بڑے بڑے لستان اور لیکچرار اپنے لیکچر پڑھتے اور تقریریں کرتے۔ شاعر قوم کی حالت پر نوحہ خوانیاں کرتے ہیں۔ وہ بات کیا ہے؟ کہ اُس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ قوم دن بدن ترقی کی بجائے تنزل ہی کیوں جاتی ہے۔ بات یہی ہے۔ کہ ان مجلسوں میں آنے جانے والے اخلاص لیکر نہیں جاتے وہاں لیکچراروں کی غرض جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے خواہ نخواہ مولوی ہوں یا نئے تعلیمیافتہ مشائخ ہوں یا صُوفی صرف واہ واہ سُننا ہوتا ہے۔ تقریر کرتے وقت اُن کے معبُود سامعین ہوتے ہیں جن کی خوشی اور رضامندی اُن کو مطلوب ہوتی ہے نہ خدا کی رضا + لیکن راستباز اور حقانی لوگ جو قیامت تک ہونگے اُن کا یہ منصد اور منشا کبھی نہیں ہوتا۔ اُن کا مقصود اور مطلوب خدا ہوتا ہے۔ اور بنی نوع انسان کی سچی ہمدردی اور غمگساری جو اللہ تعالےٰ کی رضا کے حصُول کا ایک بڑا ذریعہ ہے وہ دُنیا کو دکھانا چاہتے ہیں جو خود اُنھوں نے دیکھا ہے۔ اللہ تعالےٰ کا جلال ظاہر کرنا اُنکی تمنا ہوتی ہے۔ اسلیئے وہ جو کچھ کہتے ہیں بلا خوف لومتہ لائم کہتے ہیں۔ اُن کی نگاہ میں سامعین

ایک مُردہ کیڑے ہوتے ہیں نہ اُن سے کوئی اجر مقصود ہوتا ہے نہ اُن کے واہ واہ کی غرض ہی وجہ ہے کہ بعض اوقات لوگ اُن کی باتیں سُن کر گھبرا جاتے ہیں۔ اور درمیان تقریر سے اُٹھ اُٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ اور بسا اوقات گالیاں دیتے اور دُکھ دینے والی باتوں ہی پر اکتفا نہ کر کے قسم قسم کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتے ہیں اِس سے صاف پتہ لگجاتا ہے کہ نفسانی لذت کا طالب اور خواہشمند کون ہوتا ہے۔ اور نفسانی لذّت ہوتی کیا ہے۔ ایک طوائف کا ناچ ہو تو ساری رات بھی جاگنا اور زر دادن و درد سر خریدن کا مصداق ہونا بھی منظور لیکن ایک حقّانی واعظ کے چند کلمے جو نہایت خلوص اور سچّے جوش اور حقیقی ہمدردی کی بنا پر اُس کے پاک مُنہ سے نکلتے ہیں۔ اُن کے لئے سُننا دشوار اور گراں مگر یہ حقّانی واعظوں کی جماعت اِن باتوں سے نہ کبھی گھبراتی اور نہ تھکتی ہے کیوں؟ اُن کے پیش نظر خدا ہوتا ہے۔ جو اپنی لا انتہا قدرتوں اور فوق الفوق طاقتوں کے ساتھ اُن پر جلوہ نمائی کرتا ہے جو اُن پر سکینت اور استقلال نازل فرماتا ہے۔ پھر وہ مُردہ دُنیا داروں کی پرواہ کیا کر سکتے ہیں+

یاد رکھنا چاہئے کہ انسان کی پیدائش میں ایک رُوح کا حصہ ہے دوسرا نفس کا جو بہت پھیلا ہؤا ہے۔ اب آپ لوگ یہ بات آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ جو چیز زیادہ ہوگی اس کا اثر زیادہ ہوگا۔ رُوح کا جوش ایسا ہے جیسے کوئی غریب الوطن ناواقف لوگوں میں آکر بسے پس رُوح جو گمنام حالت میں ہوتی ہے اُس پر بہت کم اثر ہوتا ہے۔ رُوح کے اثر کی علامت یہ ہے کہ جب ربّانی واعظ اور **حقّانی ریفارمر** بولتا ہے تو وہ اپنے وعظ میں سامعین کو کالعدم سمجھتا ہے اور پیغام رساں ہو کر باتیں پہنچاتا ہے ایسی صورتوں میں رُوح میں ایک گدازش پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ پانی کے ایک آبشار کی طرح جو پہاڑ کے بلند کراڑے سے نشیب کی طرف گرتا ہے بے اختیار ہو کر گرتی ہے خدا تعالےٰ کی طرف بہتی ہے۔ اور اس بہاؤ میں وہ ایک ایسی لذّت اور سرور محسوس کرتی ہے جس کو میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ پس وہ اپنے بیان اور اپنی تقریر میں **وجہ اللہ** کو دیکھتا ہے سامعین کی اُسے پروا بھی نہیں ہوتی کہ وہ سُنکر کیا کہیں گے۔ اُسکو ایک اور طرف سے ایک لذّت آتی ہے اور اندر ہی اندر خوش ہوتا ہے کہ میں اپنے مالک اور حکمران کے حکم اور پیغام کو پہنچا رہا ہوں اس پیغام رسانی میں جو مشکلات اور تکالیف اُسے پیش آتی ہیں وہ بھی اس کے لئے محسوس اللذت اور شہد کی حلاوت ہوتی ہیں+

ایسے لوگ چونکہ بنی نوع کی ہمدردی میں محو ہوتے ہیں۔ اسلئے رات دن سوچتے رہتے ہیں اور اسی فکر میں کڑھتے ہیں۔ کہ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح اس راہ پر آجائیں۔ اور ایکبار اس چشمہ سے ایک گھونٹ پی لیں۔ یہ ہمدردی یہ جوش ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم میں نہایت درجہ کا تھا۔ اس سے بڑھ کر کسی دوسرے میں ہوسکتا ہی نہیں۔ چنانچہ آپ کی ہمدردی اور غمگساری کا یہ عالم تھا کہ خود اللہ تعالےٰ نے اس کا نقشہ کھینچ کر دکھایا ہے لعلك باخع نفسك ان لا یکونوا مومنین یعنی کیا تو اپنی جان کو ہلاک کردے گا۔ اس غم میں کہ یہ کیوں مومن نہیں ہوتے۔ اس آیت کی حقیقت آپ پورے طور نہ سمجھ سکیں تو جُدا امر ہے۔ مگر میرے دل میں اس کی حقیقت یوں بھرتی ہے جیسے بدن میں خون ؎

بدل دردیکہ دارم از برائے طالبانِ حق نمے گردد بیاں آں دردِ از تقریر کوتاہم

مَیں خوب سمجھتا ہوں کہ ان حقّانی واعظوں کو کس قسم کا جانگزا درد اصلاح خلق کا لگا ہوا ہوتا ہے ✦

پھر یہ بھی سمجھنا چاہیئے۔ کہ معلّم جس رنگ اور طاقت کا ہو اُس کا اثر اُسی حیثیت سے حسب استعداد سُننے والوں پر ہوتا ہے بشرطیکہ استعداد میں قابلیت ہو۔ جو لوگ خدا تعالےٰ سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور خوف اور خشیت رکھتے ہیں اُن پر اثر زیادہ ہوتا ہے اس کا نشان یہ ہے کہ رُوح تزکیۂ نفس کے لیئے دوڑتی ہے۔ اور بے اختیار ہو کر خدا تعالےٰ کی طرف جاتی ہے۔ اگر نفس امارہ کے ساتھ تعلق زیادہ ہے۔ اور اُس کی حکومت کے نیچے ہے تو طبیعت میں ایک اضطراب اور قلق سا پیدا ہوتا ہے۔ اُس کی باتوں سے نفرت معلوم ہوتی ہے۔ وہاں بیٹھنے اور سُننے کو جی نہیں چاہتا۔ بلکہ گھبراہٹ معلوم ہوتی ہے۔ جب انسان اس قسم کی بےچینی اور بے لذّتی ایک حقّانی واعظ کی باتوں سے اپنے دل میں پائے۔ تو اُس کو واجب ہے، کہ وہ اپنی رُوح کی فکر کرے کہ وہ ہلاکت کے گڑھے پر پہنچی ہوئی ہے۔ خدا کی باتوں سے بے لُطفی اور بے ذوقی اس سے بڑھ کر دُنیا میں ہلاک کرنے والی چیز کیا ہوگی۔ اس کا علاج کیا ہے؟ اس کا علاج استغفار خدا کے حضور رُجوع اپنے گناہوں کی معافی کیلئے دُعائیں اور اُن پر دوام۔ اگر اس نسخہ کو استعمال کیا جائے۔ تو میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ اس بے لُطفی سے ایک لُطف اور اس بے ذوقی میں سے ایک ذوق پیدا ہوجائے گا پھر وہی رُوح جو خُدا کے حضور جانے سے بھاگتی اور خدا کی باتوں کے سُننے سے نفرت کرتی تھی خدا کی

طرف گیند کی طرح لڑکتی ہوئی چلی جائے گی +

نفس کی تین قسمیں ہیں امّارہ ـ لوّامہ ـ مطمئنّہ ـ مطمئنہ کی ایک حالت نفس زکیّہ کہلاتی ہے نفس زکیّہ بچّوں کا نفس ہوتا ہے ـ جن کو کوئی ہوا نہیں لگی ہوتی ہے ـ اور وہ ہر قسم کے نشیب و فراز سے ناواقف ایک ہموار سطح پر چلتے ہیں ـ نفس امّارہ وہ ہے ـ جب کہ دُنیا کی ہوا لگتی ہے ـ نفس لوّامہ وہ نفس ہے جبکہ ہوش آتی ہے ـ اور لغزشوں کو سوچتا ہے ـ اور کوشش کرتا ہے ـ اور بدیوں سے بچنے کے لئے دُعا کرتا ہے ـ اپنی کمزوریوں سے آگاہ ہوتا ہے ـ اور نفس مطمئنّہ وہ ہوتا ہے جب کہ ہر قسم کی بدیوں سے بچنے کی لفضل الٰہی قوّت اور طاقت پاتا ہے ـ اور ہر قسم کی آفتوں اور مصیبتوں سے اپنے آپ کو امن میں پاتا ہے ـ اور اس طرح پر ایک برودت اور اطمینان قلب کو حاصل ہوتا ہے کسی قسم کی گھبراہٹ اور اضطراب باقی نہ رہے اس کی مثال اس طرح کی ہے ـ کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کے وجود میں تین قسم کی حکومت رکھی ہے ـ ایک دماغ ـ دوسرا دل ـ تیسری زبان +

دماغ عقول اور براہین سے کام لیتا ہے ـ اور اس کا یہ کام ہے کہ ہر وقت وہ ایک تراش خراش میں لگا رہتا ہے ـ اور نئی نئی براہین اور حجج کو سوچتا رہتا ہے ـ اس کے سپرد یہی خدمت ہے، کہ وہ مقدمات مرتب کر کے نتائج نکالتا رہتا ہے ـ قلب تمام وجود کا بادشاہ ہے یہ دلائل سے کام نہیں لیتا ـ چونکہ اس کا تعلق مَلِکُ المُلوک سے ہے ـ اسلئے کبھی صریح الہام سے کبھی خفی الہام سے اطلاع پاتا ہے ـ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ دماغ وزیر ہے ـ وزیر مُدبّر ہوتے ہیں ـ اسلئے دماغ ـ تجاویز اسباب ـ دلائل ـ اور نتائج کے متعلق کام میں لگا رہتا ہے قلب کو اُن سے کام نہیں ہے ـ اس کے اندر اللہ تعالےٰ نے قوّت حاسہ رکھی ہے ـ جیسے چیونٹی جہاں کوئی شیرینی رکھی ہوئی ہو معاً اُس جگہ پر پہنچ جاتی ہے ـ حالانکہ اُس کے لئے کوئی دلیل اس امر کی نہیں ہوتی کہ وہاں شیرینی ہے ـ بلکہ خدا تعالےٰ نے اسمیں ایک قوت حاسہ رکھی ہوئی ہوتی ہے جو اسکی رہبری کرتی ہے ـ اسیطرح پر قلب کو چیونٹی کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ اسمیں بھی وہ قوت حاسہ موجود ہے جو اسکی رہنمائی کرتی ہے ـ اور وہ دلائل و براہین و ترتیب مقدّمات اور استخراج نتائج کی ضرورت نہیں رکھتا ـ گو یہ امر دیگر ہے کہ دماغ اُسکے لئے یہ اسباب اور امور بھی بہم پہنچا دیتا ہے +

قلب کے معنے ایک ظاہری اور جسمانی ہیں ـ اور ایک رُوحانی ـ ظاہری تو یہی ہیں کہ کیمپرنے والا ـ چونکہ دوران خون اسی سے ہوتا ہے ـ اس لئے اُسکو قلب کہتے ہیں رُوحانی

طور پر اس کے یہ معنے ہیں کہ جو ترقیات انسان کرنا چاہتا ہے۔ وہ قلب ہی کے تصرف سے ہوتی ہیں جس طرح پر دورانِ خون جو انسانی زندگی کے لئے ایک اشدّ ضروری چیز ہے۔ اِسی قلب سے ہوتا ہے اِسی طرح پر رُوحانی ترقیوں کا اسی کے تصرّف پر انحصار ہے۔

بعض نادان آج کل کے فلسفی بیخبر ہیں۔ وہ تمام عُمدہ کاروبار کو دماغ سے ہی منسُوب کرتے ہیں۔ مگر وہ اِتنا نہیں جانتے۔ کہ دماغ تو صرف دلائل و براہین کا ملکہ ہے۔ قوّتِ مُتفکّرہ اور حافظہ دماغ میں ہے۔ لیکن قلب میں ایک ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے وہ سردار ہے یعنی دماغ میں ایک قسم کا تکلّف ہے۔ اور قلب میں نہیں بلکہ وہ بلا تکلّف ہے اِس لیئے قلب ربّ العرش سے ایک مناسبت رکھتا ہے۔ صرف قوت حاسہ کے ذریعہ دلائل و براہین کے بغیر پہچان جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اِستفتِ القلب یعنی قلب سے فتوے پوچھ لے۔ یہ نہیں کہا کہ دماغ سے فتوے پُوچھ لو۔ الوہیّت کی تار اسی کے ساتھ لگی ہُوئی ہے۔ کوئی اس کو بعید نہ سمجھے یہ بات ادق اور مشکل تو ہے مگر تزکیۂ نفس کرنیوالے جانتے ہیں۔ کہ یہ مکرمات قلب میں موجود ہیں۔ اگر قلب میں یہ طاقتیں نہ ہوتیں تو انسان کا وجُود ہی بیکار سمجھا جاتا صُوفی اور مجاہدہ کرنیوالے لوگ جو تصوّف اور مجاہدات کے مشاغل میں مصرُوف ہوتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں۔ کہ قلب سے روشنی اور نور کے ستون شہودی طور پر نکلتے ہُوئے دیکھتے ہیں۔ اور ایک خط مستقیم میں آسمان کو جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ بدیہی اور یقینی ہے۔ میں اس کو خاص مثال کے ذریعہ سے بیان نہیں کر سکتا۔ ہاں جن لوگوں کو مجاہدات کرنے پڑتے ہیں یا جنھوں نے سلوک کی منزلوں کو طے کرنا چاہا ہے اُنھوں نے اسکو اپنے مشاہدہ اور تجربہ سے صحیح پایا ہے قلب اور عرش کے درمیان گویا باریک تار ہے قلب کو جو حکم کرتا ہے۔ اُس سے ہی لذّت پاتا ہے۔ خارجی دلائل اور براہین کا محتاج نہیں ہوتا ہے بلکہ مُلہم ہو کر خدا سے اندر ہی اندر باتیں پا کر فتوے دیتا ہے۔ ہاں یہ بات سچ ہے۔ کہ جب تک قلب قلب نہ ہے۔ لو کنا نسمع او نعقل کا مصداق ہوتا ہے یعنی انسان پر ایک وہ زمانہ آتا ہے کہ جس میں نہ قلب و دماغ کی قوتیں اور طاقتیں ہوتی ہیں۔ پھر ایک زمانہ دماغ کا آتا ہے دماغی قوتیں اور طاقتیں نشو و نما پاتی ہیں اور ایک ایسا زمانہ آتا ہے۔ کہ قلب منوّر اور مشتعل اور روشن ہو جاتا ہے۔ جب قلب کا زمانہ آتا ہے۔ اُس وقت انسان رُوحانی بلُوغ حاصل کرتا ہے۔ اور دماغ قلب کے تابع ہو جاتا ہے۔ اور

دماغی قوتوں کو قلب کی خاصیتوں اور طاقتوں پر فوقیت نہیں ہوتا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دماغی حالتوں کو مومنوں سے ہی خصوصیت نہیں ہے۔ ہندو اور چوڑھے وغیرہ بھی سب کے سب ہر ایک دماغ سے کام لیتے ہیں۔ جو لوگ دُنیوی معاملات اور تجارت کے کاروبار میں مصروف ہیں وہ سب کے سب دماغ سے کام لیتے ہیں۔ اُن کی دماغی قوتیں پُورے طور پر نشوونما پائی ہُوئی ہوتی ہیں۔ اور ہر روز نئی نئی باتیں اپنے کاروبار کے متعلق ایجاد کرتے ہیں۔ یورپ اور نئی دُنیا کو دیکھو کہ یہ لوگ کس قدر دماغی قوتوں سے کام لیتے ہیں۔ اور کس قدر آئے دن نئی ایجادیں کرتے ہیں قلب کا کام جب ہوتا ہے جب انسان خدا کا بنتا ہے۔ اس وقت اندر کی ساری طاقتیں اور ریاستیں معدوم ہوکر قلب کی سلطنت ایک اقتدار اور قوت حاصل کرتی ہے تب انسان کامل انسان کہلاتا ہے۔ یہ وہی وقت ہوتا ہے جبکہ وہ نفخت فیہ من روحی کا مصداق ہوتا ہے اور ملائکہ تک اُسے سجدہ کرتے ہیں۔ اُس وقت وہ ایک نیا انسان ہوتا ہے۔ اُس کی رُوح پُوری لذت اور سرور سے سرشار ہوتی ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ لذت ایسی لذت نہیں جیسا کہ ایک نا عاقبت اندیش بدکار زنا کرنے میں پاتا ہے یا خوش الحانی کے شائق سرود اور خوش گلو کے گانے میں پاتا ہے نہیں بلکہ اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ رُوح کی لذت اس وقت ملتی ہے۔ جب انسان گداز ہوکر پانی کی طرح بہنا شروع ہوتا ہے۔ اور خوف وخشیت سے بہہ نکلتا ہے۔ اس مقام پر وہ **کلمہ** بنتا ہے۔ اور انما اذا اراد شیئًا ان یقول له کن فیکون ۰ کا مفہوم اُس میں کام کرنے لگتا ہے لوگوں نے **کلمۃ اللہ** کے لفظ پر جو مسیح کی نسبت آیا ہے سخت غلطی کھائی ہے اور مسیح کی کوئی خصوصیت سمجھی ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ہر انسان جب نفسانی ظلمتوں اور گندگیوں اور تیرگیوں سے نکل آتا ہے۔ اُس وقت وہ کلمۃ اللہ ہوتا ہے۔ یاد رکھو انسان کلمۃ اللہ ہے کیونکہ اُسکے اندر رُوح ہے جس کا نام قرآن شریف میں **امر ربّی** رکھا گیا ہے لیکن انسان نادانی اور ناواقفی سے رُوح کی کچھ قدر نہ کرنے کے باعث اُس کو انواع و اقسام کی سلاسل اور زنجیروں میں مقید کر دیتا ہے۔ اور اُس کی روشنی اور صفائی کو خطرناک تاریکیوں اور سیاہ کاریوں کی وجہ سے اندھا اور سیاہ کر دیتا ہے۔ اور اسے ایسا دُھندلا بنا تا ہے کہ پتہ بھی نہیں لگتا۔ لیکن جب توبہ کرکے اللہ تعالے کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور اپنی ناپاک اور تاریک زندگی کی چادر اُتار دیتا ہے۔ تو قلب منوّر ہونے لگتا ہے

از الحکم ۱۰ مارچ ۱۹۰۱ء

اور پھر اصل مبدء کی طرف رجوع شروع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ تقوے کے انتہائی درجہ پر پہنچ کر سارا میل کچیل اُتر کر پھر وہ کلمۃ اللہ ہی رہ جاتا ہے۔ یہ ایک باریک علم اور معرفت کا نکتہ ہے۔ ہر شخص اس کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

انسان کا کمال یہ ہے۔ کہ اُس میں حقیقی معرفت اور سچی فراست جو ایمانی فراست کہلاتی (جس کے ساتھ اللہ کا ایک نور ہوتا ہے جو اُس کی ہر راہ میں رہنمائی کرتا ہے) پیدا ہو بدوں اس کے انسان دھوکے سے بچ نہیں سکتا۔ اور رسم و عادت کے طور پر کبھی کبھی نہیں بلکہ لمبا اوقات رسم قائل پر بھی خوش ہو جاتا ہے۔ پنجاب و ہندوستان کے سجادہ نشین اور گدیوں کے پیرزادے قوالوں کے گانے سے اور ھو حق کے نعرے مارنے اور اُلٹے سیدھے لٹکنے ہی میں اپنی معرفت اور کمال کا انتہا جانتے ہیں۔ اور ناواقف پیر پرست ان باتوں کو دیکھ کر اپنی رُوح کی تسلّی اور اطمینان ان لوگوں کے پاس تلاش کرتے ہیں مگر غور سے دیکھو کہ یہ لوگ اگر فریب نہیں دیتے تو اس میں شک نہیں ہے کہ فریب خوردہ ضرور رہیں کیونکہ وہ سچا رشتہ جو عبودیت اور اُلوہیت کے درمیان ہے۔ جس کے حقیقی پیوند سے ایک نور اور روشنی نکلتی ہے۔ اور ایسی لذت پیدا ہوتی ہے۔ کہ دوسری کوئی لذت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اُس کو ان قلابازیوں سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ ہم نہایت نیک نیتی کے ساتھ اور اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے کہ ہماری نیت کیسی ہے۔ پوچھتے ہیں کہ اگر اس قسم کے مشغلے عبادتِ الٰہی اور معرفت الٰہی کا مُوجب ہو سکتے ہیں۔ اور انسانی رُوح کے کمال کا باعث بن سکتے ہیں تو پھر بازیگروں کو معرفت کی معراج پر پہنچا ہُوا سمجھنا چاہئیے۔ اور انگریزوں نے تو ان کھیلوں اور کرتبوں میں اور بھی حیرت انگیز ترقیاں کی ہیں۔ اور باوجود ان ترقیوں کے اُن کی معرفت خدا کی نسبت یا تو یہ ہے۔ کہ وہ سرے سے ہی مُنکر اور دہریہ ہیں۔ اور اگر اقرار بھی کیا ہے تو یہ کہ ایک ناتوان بے کس انسان کو جو ایک عورت مریم کے پیٹ سے پیدا ہُوا خدا بنا لیا۔ اور ایک خدا کو چھوڑ کر تین خداؤں کے قائل ہوئے۔ جن میں سے ایک کو ملعون اور ہاویہ میں تین دن رہنے والا تجویز کیا۔ اب اے دانشمندو! سوچو! اور اے سلیم فطرت والو! غور کرو کہ اگر یہی اُلٹا سیدھا لٹکنا اور طبلہ اور سارنگی ہی کے ذریعہ خدا کی معرفت اور انسانی کمال حاصل ہو سکتا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس فن میں ماہر اور مُوجد انگریزوں کو جو قسم قسم کے باجے اور گانے کے سامان نکالتے ہیں ایسی ٹھوکر لگی کہ یا خدا کے بالکل منکر یا تثلیث کے قائل ہو گئے

باوجودیکہ دُنیوی امور میں ایجادات اور اختراعات میں اُن کی عقلیں ترقی پذیر سمجھی جاتی ہیں۔ پھر اس پر اور بھی غور کرو اور سوچو کہ اگر یہی معرفت کا ذریعہ تھا تو تھیٹروں میں ناچنے والے اور تمام ناچنے گانیوالے پھر اعلٰے درجہ کے صاحبدل اور صاحب کمال ماننے پڑیں گے!!! افسوس ان لوگوں کو خبر ہی نہیں کہ خدا کی معرفت ہوتی کیا ہے؟ اور انسانی کمال نام کس کا ہے؟ وہ شیطانی حصّہ کی شناخت نہیں کر سکے اُنہوں نے صرف چند قطرے آنسوؤں کے بہا لینا اور دو تین چیخیں مار دینا ہی رُوح کی تسلی اور اطمینان کا موجب سمجھ رکھا ہے بسا اوقات انسان ناول پڑھتا ہے۔ جب اُس میں کسی دردناک حصّہ پر پہنچتا ہے باوصفیکہ جانتا ہے کہ یہ ایک فرضی کہانی اور جھوٹا قصّہ ہے لیکن پھر بھی وہ ضبط نہیں کر سکتا اور بعض دفعہ چیخیں مار مار کر رو پڑتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض رونا اور چلّانا بھی اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ میں نے سُنا ہے کہ ملوک چغتائیہ کے عہد سلطنت میں بعض لوگ ایسے ہوتے تھے جو شرط لگا کر یقیناً رُلا دیتے تھے اور ہنسا دیتے تھے۔ اور اب تو صریح یہ بات موجود ہے کہ طرح طرح کے ناول موجود ہیں بعض ایسے ہیں کہ اُن کو پڑھ کر بے اختیار ہنسی آتی ہے اور بعض ایسے ہیں کہ اُن کو پڑھ کر دل بے اختیار ہو کر دردمند ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اُن کو یقیناً بناوٹی قصے اور فرضی کہانیاں جانتے ہیں +

اِس سے صاف معلوم ہو گیا۔ کہ انسان دھوکا کھاتا ہے۔ اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جب انسان نفسانی اغراض اور رُوحانی مطالب میں تمیز نہیں کرتا۔ جس قدر لوگ دُنیا میں ہیں اُن میں سے ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو علامات حقیقیہ سے بے نصیب ہیں اُن کے مُنہ سے معارف اور حقائق نہیں نکلتے پھر رُلا دیتے ہیں۔ اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ حقائق اور معارف سے بہرہ ور ہیں جو عبودیت کے رنگ سے رنگین ہو کر الوہیت کے عظمت و جلال سے خائف اور ترساں ہو کر بولتے ہیں۔ بلکہ اس کی تہ میں وہی بات ہوتی ہے جو میں نے ابھی ناولوں اور کہانیوں کے متعلق بیان کی ہے۔ وہ خود بھی نفس کی ہوا میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور یُوں رونا کچھ فائدہ نہیں رکھتا +

ہاں

اگر اللہ تعالےٰ کی عظمت و جبروت اور اُسکی خشیت کا غلبہ دل پر ہو اور اُس میں ایک رقّت اور گُداز پیدا ہو کر خدا کے لیے ایک قطرہ بھی آنکھ سے نکلے تو وہ یقیناً دوزخ کو حرام کر دیتا ہے

پس انسان اِس سے دھوکا نہ کھائے۔ کہ میں بہت روتا ہوں اِس کا فائدہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ آنکھ دکھنے آجائیگی۔ اور یوں امراضِ چشم میں مُبتلا ہو جائیگا +

میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خُدا کے حضور اُس کی خشیت سے متاثر ہو کر رونا دوزخ کو حرام کر دیتا ہے لیکن یہ گریہ و بکا نصیب نہیں ہوتا جب تک کہ خُدا کو خدا اور اُس کے رسُول کو رسُول اللہ اُس کی سچی کتاب پر اطلاع نہ ہو۔ نہ صرف اِطلاع بلکہ **ایمان** +

طبیب جیسے ایک مریض کو جُلاب دیتا ہے۔ اور اُسکو پتلے پتلے دست آتے ہیں وہ مرض کو ضائع نہیں کرتے جب تک جگری دست نہ آدیں وہ اپنے ساتھ تمام مواد ردیہ اور فاسدہ کو بکیر نکلتے ہیں۔ اور ہر قسم کی عفونتیں اور زہریں جنہوں نے مریض کو اندر اندر ہی مضمحل اور مُضطرب کر رکھا تھا اُس کے ساتھ نکلجاتے ہیں۔ اور اُس کو شفا ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ جگری گریہ دلکا آستانہ الُوہیت پر ہر ایک قسم کی نفسانی گندگیوں اور مُفسد مواد کو بہا کر نکالجاتا ہے اور اُسکو پاک و صاف بنا دیتا ہے۔ **اہل اللہ** کا ایک آنسو جو **توبۃ النصوح** کے وقت نکلتا ہے ہوا و ہوس کے بند اور ریاکاری اور ظلمتوں کے گرفتار کے ایک دریا بہا دینے سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ کیونکہ وہ خُدا کے لیئے ہے۔ اور یہ خلق کیلیئے یا اپنے نفس کے واسطے اِس بات کو کبھی اپنے دل سے محو نہ کرو۔ کہ خدا تعالےٰ کے حضُور اخلاص اور راستبازی کی قدر ہے تکلّف اور بناوٹ اُس کے حضُور کچھ کام نہیں دے سکتی +

اب اگر یہ سوال ہو کہ پھر اس درجہ کے حصُول کے لئے کیا کیا جائے۔ اور قرآن کریم نے اس درجہ پر پہنچنے کا کیا ذریعہ بتایا ہے۔ تو اُس کا جواب یہ ہے کہ خُدا تعالےٰ نے اس کے لیئے دو باتیں بطور اصُول کے رکھی ہیں۔ اول یہ کہ **دعا کرو**۔ یہ سچی بات ہے خُلِق الانسان ضعیفا انسان کمزور مخلوق ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ کے فضل اور کرم کے بدون کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اس کا وجُود اور اُس کی پرورش اور بقا کے سامان سب کے سب اللہ تعالےٰ کے فضل پر موقوف ہیں۔ احمق ہے وہ انسان جو اپنی عقل و دانش یا اپنے مال و دولت پہ ناز کرتا ہے۔ کیونکہ یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ ہی کا **عطیّہ** ہے۔ وہ کہاں سے لایا۔ اور دُعا کے لیئے یہ ضروری بات ہے۔ کہ انسان اپنے ضعف اور کمزوری کا پُورا خیال اور تصوّر کرے جُوں جُوں وہ اپنی کمزوری پر غور کریگا۔ اُسی قدر اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کی مدد کا محتاج پائیگا اور اس طرح پر دُعا کے لیئے اُس کے اندر ایک جوش پیدا ہوگا۔ جیسے انسان جب مُصیبت

میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور دُکھ یا تنگی محسوس کرتا ہے۔ تو بڑے زور کے ساتھ پکارتا اور چلّاتا ہے۔ اور دوسرے سے مدد مانگتا ہے۔ اسی طرح اگر وہ اپنی کمزوریوں اور لغزشوں پر غور کریگا اور اپنے آپ کو ہر آن اللہ تعالےٰ کی مدد کا محتاج پائیگا۔ تو اُس کی رُوح پُورے جوش اور درد سے بیقرار ہوکر آستانۂ الوہیت پر گرتی اور چلّاتی ہے۔ اور یا ربّ یا ربّ کہکر پکارتی ہے۔ غور سے قرآن کریم کو دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ پہلی ہی سورۃ میں اللہ تعالےٰ نے دُعا کی تعلیم دی ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین +

دُعا تب ہی جامع ہوسکتی ہے کہ وہ تمام منافع اور مفاد کو اپنے اندر رکھتی ہو اور تمام نقصانوں اور مضرتوں سے بچاتی ہو پس اُس دُعا میں تمام بہترین منافع جو ہوسکتے ہیں اور ممکن ہیں وہ اس دُعا میں مطلوب ہیں اور بڑی سے بڑی نقصان رسان چیز جو انسان کو ہلاک کردیتی ہے اُس سے بچنے کی دُعا ہے +

میں بار بار کہہ چکا ہوں۔ کہ منعم علیہ چار قسم کے لوگ ہیں۔ اوّل نبی۔ دوم صدیق سوم شھید۔ چہارم صالحین +

پس اس دُعا میں گویا ان چاروں گروہوں کے کمالات کی طلب ہے نبیوں کا عظیم الشان کمال یہ ہے کہ وہ خدا سے خبریں پاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے لا یظھر علٰے غیبہ احدا الا من ارتضٰی من رسول الآیہ یعنی خدا تعالےٰ کے غیب کی باتیں کسی دوسرے پر ظاہر نہیں ہوتیں۔ ہاں اپنے نبیوں میں سے جس کو وہ پسند کرے۔ جو لوگ نبوت کے کمالات سے حصّہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اُن کو قبل از وقت آنیوالے واقعات کی اطلاع دیتا ہے۔ اور یہ بہت بڑا عظیم الشان نشان خُدا کے مامور اور مُرسلوں کا ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی معجزہ نہیں۔ پیشگوئی بہت بڑا معجزہ ہے۔ تمام کُتب سابقہ اور قرآن کریم سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے۔ کہ پیشگوئی سے بڑھ کر کوئی نشان نہیں ہوتا۔ نادان اور بداندیش مخالفوں نے اس علم پر کبھی غور نہیں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر اعتراض کیا ہے۔ مگر افسوس ہے اُن آنکھ بند کرکے اعتراض کرنیوالوں کو یہ معلوم نہ ہُوا کہ جس قدر معجزات ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوئے ہیں۔ دُنیا میں کُل نبیوں کے معجزات کو بھی اگر اُن کے مقابلہ میں رکھیں تو میں ایمان سے کہتا ہوں کہ ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ

علیہ وسلم کے معجزات بڑھ کر ثابت ہونگے۔ قطع نظر اسباب کے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں سے قرآن شریف بھرا پڑا ہے اور قیامت تک اور اُس کے بعد تک کی پیشگوئیاں اُسمیں موجود ہیں سب سے بڑھ کر ثبوت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کا یہ ہے کہ ہر زمانہ میں اُن پیشگوئیوں کا زندہ ثبوت دینے والا موجود ہوتا ہے چنانچہ اِس زمانہ میں اللہ تعالےٰ نے مجھے بطور نشان کھڑا کیا اور پیشگوئیوں کا ایک عظیم الشان نشان مجھے دیا۔ تا میں اُن لوگوں کو جو حقائق سے بے بہرہ اور معرفتِ الٰہی سے بے نصیب ہیں۔ روزِ روشن کی طرح دکھا دوں کہ ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات کیسے مستقل اور دائمی ہیں +

کیا بنی اسرائیل کے بقیہ یہود یا حضرت مسیح علیہ السلام کو خداوند خداوند پکارنے والے عیسائیوں میں کوئی ہے جو ان نشانات میں میرا مقابلہ کرے میں پکار کر کہتا ہوں کہ کوئی بھی نہیں ایک بھی نہیں پھر یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداری معجزہ نمائی کی قوت کا ثبوت ہے۔ کیونکہ یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ نبی متبوع کے معجزات ہی وہ معجزات کہلاتے ہیں۔ جو اُس کے کسی متبع کے ہاتھ پر سرزد ہوں۔ پس جو نشانات خوارق عادات مجھے دیئے گئے ہیں جو پیشگوئیوں کا عظیم الشان نشان مجھے عطا ہوا ہے۔ یہ در اصل رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زندہ معجزات ہیں۔ اور کسی دوسرے نبی متبع کو یہ آج فخر نہیں ہے کہ وہ اس طرح پر دعوت کرکے ظاہر کرے کہ وہ بھی اپنے اندر اپنے نبی متبوع کی قدسی قوت کی وجہ سے خوارق دکھا سکتا ہے۔ یہ فخر صرف اسلام کو ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ زندہ رسُول ابد الآباد کے لیئے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہو سکتے ہیں جن کے نفوسِ طیّبہ اور قوتِ قدسیہ کے طفیل سے ہر زمانہ میں ایک مردِ خدا خدا نمائی کا ثبوت دیتا رہتا ہے +

غرض بات تو یہ تھی کہ اسی دُعا میں نبیوں کے کمالات سے حصّہ لینے کی بھی دُعا ہے۔ کیونکہ منعم علیہ گروہ میں سب کا سردار انبیاء علیہم السلام کا گروہ ہے۔ اور اس کے کمالات میں رکھتے بڑا کمال یہ ہے۔ کہ اُن پر غیب کی باتیں جن کو پیشگوئیاں بھی کہتے ہیں ظاہر کی جاتی ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اس دُعا میں درحقیقت پیشگوئیاں مانگنے کی دُعا

نہیں ہے۔ بلکہ اُس مرتبہ کے حصول کی ہی دُعا ہے جہاں پہنچکر پیشگوئی کرتا ہے۔ پیشگوئی کا مقام اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ درجہ کے قرب کے بدوں ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ یہ وہ مقام ہوتا ہے جہاں وہ ما ینطق عن الھویٰ کا مصداق ہوتا ہے۔ اور یہ درجہ تب ملتا ہے جب دنیٰ فتدلّیٰ کے مقام پر پہنچے جب تک ظلّی طور پر اپنی انسانیت کی چادر کو پھینک کر الوہیت کی چادر کے نیچے اپنے آپ کو نہ چھپالے۔ یہ مقام اُسے کب مل سکتا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں بعض سلوک کی منزلوں سے ناواقف صُوفیوں نے آکر ٹھوکر کھائی ہے اور اپنے آپ کو وہ خدا سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور اُن کی اس ٹھوکر سے ایک خطرناک غلطی پھیلی ہے جس نے بہتوں کو ہلاک کر ڈالا۔ اور وہ **وحدت وجود** کا مسئلہ ہے جس کی حقیقت سے یہ لوگ ناواقف محض ہوتے ہیں ✦

میرا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ ما ینطق عن الھویٰ کے درجہ پر جب تک انسان نہ پہنچے اُس وقت تک اُسے پیشگوئی کی قوت نہیں مل سکتی۔ اور یہ درجہ اُس وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب کہ انسان **قرب الٰہی** حاصل کرے۔ قُرب الٰہی کے لیئے یہ ضروری بات ہے کہ تخلقوا باخلاق اللہ پر عمل ہو۔ کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ کی صفات کو ملحوظ خاطر رکھ کر اُن کی عزت نہ کریگا۔ اور اُن کا پرتو اپنی حالت اور اخلاق سے نہ دکھائے۔ وہ خُدا کے حضور کیونکر جا سکتا ہے۔ مثلاً خدا کی ایک صفت قدوس ہے۔ پھر ایک ناپاک غلیظ ہر قسم کے فسق و فجور کی ناپاکی میں مبتلا انسان اللہ تعالیٰ کے حضور کیونکر جا سکتا ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ سے تعلق کیونکر پیدا کر سکتا ہے ✦

غرض اس دعا میں اول منعم علیہ گروہ کے کمال مراتب کے حصُول کی دُعا ہے پس جب تک انسان اپنے اندرونی سلسلہ خیالات کو چھوڑ کر انا الموجود کی آواز نہ سُنے دعاؤں میں لگا رہے۔ یہ کمال تام کا درجہ ہوتا ہے۔ پھر دوسرا مرتبہ **صدیق** کا ہے صدق کامل اُس وقت تک جذب نہیں ہوتا۔ جب تک توبۃ النصوح کے ساتھ صدق کو نہ کھینچے۔ قرآن کریم تمام صداقتوں کا مجموعہ اور **صدق** تام ہے۔ جب تک خود صادق نہ بنے **صدق** کے کمال اور مراتب سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے ✦ الحکم ۲۴ مارچ ۱۹۰۱ء

صدیق کے مرتبہ پر قرآن کریم کی معرفت اور اس سے محبت اس کے نکات و حقائق پر اطلاع ملتی ہے چونکہ کذب کذب کو کھینچتا ہے۔ اسلیئے کبھی بھی کاذب قرآنی معارف اور حقائق سے

آگاہ نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ لا یمسہ الا المطہرون فرمایا گیا ہے ؛

پھر تیسرا مرتبہ **شہید** کا ہے عام لوگوں نے شہید کے معنی صرف یہی سمجھ رکھے ہیں کہ جو شخص لڑائی میں مارا گیا یا دریا میں ڈوب گیا۔ یا وبا میں مر گیا وغیرہ ۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اسی پر اکتفا کرنا اور اسی حد تک اُس کو محدود رکھنا مومن کی شان سے بعید ہے۔ شہید اصل میں وہ شخص ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ سے استقامت اور سکینت کی قوت پاتا ہے۔ اور کوئی زلزلہ اور حادثہ اُسکو متغیر نہیں کر سکتا۔ وہ مصیبتوں اور مشکلات میں سینہ سپر رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر محض خدا تعالیٰ کے لیئے اُسکو جان بھی دینی پڑے تو فوق العادت استقلال اُسکو ملتا ہے۔ اور وہ بدون کسی قسم کا رنج یا حسرت محسوس کیئے اپنا سر رکھ دیتا ہے۔ اور چاہتا ہے۔ کہ بار بار مجھے زندگی ملے۔ اور بار بار اُس کو اللہ کی راہ میں دوں۔ ایک ایسی لذت اور سرور اُسکی رُوح میں ہوتا ہے کہ ہر تلوار جو اُسکے بدن پر پڑتی ہے۔ اور ہر ضرب جو اُسکو پیس ڈالے اُسکو پہنچتی ہے وہ اُسکو ایک نئی زندگی نئی مسرت اور تازگی عطا کرتی ہے۔ یہ ہیں شہید کے معنی ؛

پھر یہ لفظ شہد سے بھی نکلا ہے عبادت شاقہ جو لوگ برداشت کرتے ہیں۔ اور خدا کی راہ میں ہر ایک تلخی اور کدورت کو جھیلتے ہیں۔ اور جھیلنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں وہ شہد کی طرح ایک شیرینی اور حلاوت پاتے ہیں۔ اور جیسے شہد فیہ شفاء للناس کا مصداق ہے۔ یہ لوگ بھی ایک تریاق ہوتے ہیں۔ اُن کی صحبت میں آنے والے بہت سے امراض سے نجات پا جاتے ہیں +

اور پھر **شہید** اُس درجہ اور مقام کا نام بھی ہے جہاں انسان اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے یا کم از کم خدا کو دیکھتا ہوا یقین کرتا ہے۔ اُس کا نام **احسان** بھی ہے۔

چوتھا درجہ **صالحین** کا ہے جن کو مواد ردیہ سے صاف کر دیا گیا ہے۔ اور اُن کے قلوب صاف ہو گئے ہیں۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب تک مواد ردیہ دُور نہ ہوں اور سوء مزاج رہے تو مزہ زبان تک کا بھی بگڑ جاتا ہے تلخ معلوم دیتا ہے۔ اور جب بدن میں پوری صلاحیت اور صلاح ہو اُس وقت ہر ایک شے کا اصل مزہ معلوم ہوتا ہے اور طبیعت میں ایک قسم کی لذت اور سرور اور چستی اور چالاکی پائی جاتی ہے۔ اسی طرح پر جب انسان گناہ کی ناپاکی میں مُبتلا ہوتا ہے۔ اور رُوح کا قوام بگڑ جاتا ہے پھر رُوحانی قوتیں کمزور ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ یہانتک کہ عبادات میں مزہ نہیں رہتا۔ طبیعت میں ایک گھبراہٹ اور پریشانی

پائی جاتی ہے لیکن جب **مواد ردّیہ** جو گناہ کی زندگی سے پیدا ہوئے تھے توبۃ النصوح کے ذریعہ خارج ہونے لگیں تو **رُوح** میں وہ اضطراب اور بے چینی کم ہونے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ آخر ایک **سکون** اور **تسلی** ملتی ہے۔ پہلے جو گناہ کی طرف قدم اُٹھانے میں راحت محسوس ہوتی تھی۔ اور پھر اسی فعل میں جو نفس کی خواہش کا نتیجہ ہوتا تھا۔ اور جھکنے میں خوشی ملتی تھی۔ اس طرف جُھکنے ہوئے دُکھ اور رنج معلوم ہوتا ہے۔ **رُوح** پر ایک لرزہ پڑ جاتا ہے اگر اُس تاریک زندگی کا وہم یا تصور بھی آ جائے۔ اور پھر عبادات میں ایک لُطف۔ ذوق جوش اور شوق پیدا ہونے لگتا ہے۔ رُوحانی قویٰ جو گناہ آمیز زندگی سے مُردہ ہو چلے تھے اُن کا نشوونما شروع ہوتا ہے۔ اور اخلاقی طاقتیں اپنا ظہور کرتی ہیں۔ یہ چار چیزیں ہیں جن کے لئے ہر انسان دُنیا میں مامور کیا گیا ہے۔ اور اُس کے حصُول کے لئے **دعا** ہی ایک زبردست ذریعہ ہے۔ اور ہم کو موقع دیا گیا ہے۔ کہ پانچ وقت اُن **مراتب** کو مانگیں لیکن یہاں ایک اور مشکل ہے۔ کہ اگرچہ ادعونی استجب لکم فرمایا اور کہا گیا ہے۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان اور قرآن شریف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ دُعاؤں کو سُنتا ہے۔ اور وہ بہت ہی قریب ہے لیکن اگر خدا تعالےٰ کی صفات اور اسماء کا لحاظ نہ کیا جائے اور دُعا کی جائے تو وہ کچھ بھی اثر نہیں رکھتی صرف اس ایک **راز** کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ معلوم نہ کرنے کی وجہ سے دُنیا ہلاک ہو رہی ہے میں نے بہت لوگوں کو کہتے سُنا ہے کہ ہم نے بہت دُعائیں کیں اور اُن کا نتیجہ کچھ نہیں ہوا۔ اور اس نتیجہ نے اُن کو دہریہ بنا دیا۔ بات اصل میں یہ ہے۔ کہ ہر امر کے لئے کچھ قواعد اور قوانین ہوتے ہیں۔ ایسا ہی دُعا کے واسطے بھی قواعد و قوانین مُقرر ہیں۔ یہ لوگ جو کہتے ہیں۔ کہ ہماری دُعا قبول نہیں ہوئی۔ اس کا باعث یہی ہے۔ کہ وہ اُن قواعد اور مراتب کا لحاظ نہیں رکھتے جو قبولیت دُعا کے واسطے ضروری ہیں ✤

اللہ تعالےٰ نے جب ایک لا نظیر اور بیش بہا خزانہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ اور ہم میں سے ہر ایک اُسکو پا سکتا ہے۔ اور لے سکتا ہے کیونکہ یہ کبھی بھی جائز نہیں۔ کہ ہم اللہ تعالےٰ کو قادر خدا مان کر یہ تجویز کریں۔ کہ جو کچھ اُس نے ہمارے سامنے رکھا ہے اور جو ہمیں دکھایا ہے۔ یہ محض سراب اور دھوکا ہے۔ ایسا وہم بھی انسان کو ہلاک کر سکتا ہے نہیں بلکہ ہر ایک اس خزانہ کو لے سکتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے یہاں کوئی کمی نہیں۔ وہ ہر ایک کو یہ خزانے دے سکتا ہے۔ او

پھر بھی اُس میں کمی نہیں آسکتی +

غرض وہ تو ہم کو نبوت کے کمالات تک پہنچانے کو طیار ہے۔ لیکن ہم اس کے لینے کی بھی سعی کریں۔ پس یاد رکھو کہ یہ شیطانی وسوسہ اور دھوکا ہے جو اس پیرایہ میں دیا جاتا ہے کہ دُعا قبول نہیں ہوئی۔ اصل یہی ہے کہ وہ دعا قبولیت کے آداب اور اسباب سے خالی محض ہے پھر آسمان کے دروازے اُس کے لئے نہیں کھلتے سُنو! قرآن شریف نے کیا کہا ہے انما یتقبل اللہ من المتقین اللہ تعالےٰ متقیوں کی دُعائیں قبول کرتا ہے۔ جو لوگ متقی نہیں ہیں اُن کی دُعائیں قبولیت کے لباس سے ننگی ہیں۔ ہاں اللہ تعالےٰ کی ربوبیت اور رحمانیت اُن لوگوں کی پرورش میں اپنا کام کر رہی ہے۔ **دعاؤں کی قبولیت** کا فیض اُن لوگوں کو ملتا ہے۔ جو متقی ہوتے ہیں۔ اب میں بتاؤں گا کہ متقی کون ہوتے ہیں۔ مگر ابھی میں ایک اور شبہ کا ازالہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے۔ کہ بعض لوگ جو متقی ہوتے ہیں بظاہر اُن کی بعض دعائیں اُن کے حسب منشا پوری نہیں ہوتی ہیں یہ کیوں ہوتا ہے؟ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ اُن لوگوں کی کوئی بھی دعا درحقیقت ضائع نہیں جاتی لیکن چونکہ انسان عالم الغیب نہیں ہے۔ اور وہ نہیں جانتا کہ اس دعا کے نتائج اُس کے حق میں کیا اثر پیدا کرنے والے ہیں۔ پس اللہ تعالےٰ کمال شفقت اور مہربانی سے اس دُعا کو اپنے بندے کے لئے اُس صورت میں منتقل کر دیتا ہے۔ جو اُس کے واسطے مفید اور نتیجہ خیز ہوتی ہے۔ جیسے ایک نادان بچہ سانپ کو ایک نرم اور خوبصورت شئے سمجھ کر پکڑنے کی جرأت کرے یا آگ کو روشن دیکھ کر اپنی ماں سے مانگ بیٹھے تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ماں خواہ وہ کیسی ہی نادان سے نادان بھی کیوں نہ ہو کبھی پسند کرے گی۔ کہ اس کا بچہ سانپ کو پکڑلے یا اپنی خواہش کے موافق آگ کا ایک روشن کوئلہ اُس کے ہاتھ پر رکھ دے؟ ہرگز نہیں کیونکہ وہ جانتی ہے کہ یہ اُس کی زندگی کو گزند پہنچائے گا۔ پس اللہ تعالےٰ جو عالم الغیب اور عالم الکُل ہے۔ اور مہربان ماں سے بھی زیادہ رحیم کریم ہے۔ اور ماں کے دل میں بھی یہ رأفت اور محبت اُسی نے ڈالی ہے وہ کیونکر گوارا کر سکتا ہے۔ کہ اگر اُس کا عزیز بندہ اپنی کمزوری اور غلطی اور ناواقفی کی وجہ سے کسی ایسی چیز کے لئے دُعا کر بیٹھے جو اُس کے حق میں مضرت بخش ہے۔ تو وہ اُس کو فی الفور منظور کر لے نہیں بلکہ وہ اسکو رد کر دیتا ہے۔ اور اُس کے بجائے اُس سے بھی بہتر اسکو عطا کرتا ہے اور وہ یقیناً سمجھ لیتا

ہے۔ کہ یہ میری فلاں دُعا کا اثر اور نتیجہ ہے۔ اپنی غلطی پر بھی اُس کو اطلاع ملتی ہے۔ غرض یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ مُتقیوں کی بھی بعض دُعا قبول نہیں ہوتی۔ نہیں اُن کی تو ہر دُعا قبول ہوتی ہے۔ ہاں اگر وہ اپنی کمزوری اور نادانی کی وجہ سے کوئی ایسی دُعا کر بیٹھیں جو اُن کیلئے عُمدہ نتائج پیدا کرنے والی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اُس دُعا کے بدلہ میں اُن کو وہ چیز عطا کرتا ہے۔ جو اُن کی شے مطلُوبہ کا نعم البدل ہو +

اب اس کے بعد پھر میں اصل مطلب کی طرف آتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ مُتقی کون ہوتے ہیں؟

درحقیقت مُتقیوں کے واسطے بڑے بڑے وعدے ہیں۔ اور اس سے بڑھکر کیا ہوگا کہ اللہ مُتقیوں کا ولی ہوتا ہے۔ جھوٹے ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ ہم **مقرب بارگاہِ الٰہی** ہیں۔ اور پھر مُتقی نہیں ہیں۔ بلکہ فسق وفجور کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور ایک ظلم اور غضب کرتے ہیں۔ جبکہ وہ **ولایت** اور قرب الٰہی کے درجہ کو اپنے ساتھ منسوب کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے ساتھ مُتقی ہونے کی شرط لگادی ہے +

پھر ایک اور شرط لگاتا ہے یا یہ کہو مُتقیوں کا ایک نشان بتاتا ہے۔ ان اللہ مع الذین اتقوا خدا اُن کے ساتھ ہوتا ہے یعنی اُن کی نصرت کرتا ہے جو مُتقی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی معیت کا ثبوت اُس کی نصرت ہی سے ملتا ہے۔ پہلا دروازہ ولایت کا ویسے بند ہوا۔ اب دوسرا دروازہ معیت اور نصرت الٰہی کا اس طرح پر بند ہوا۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی نصرت کبھی بھی ناپاکوں اور فاسقوں کو نہیں مل سکتی۔ اُس کا **انحصار تقوے** ہی پر ہے۔ خدا کی اعانت مُتقی ہی کے لیے ہے۔ پھر ایک اور راہ ہے۔ کہ انسان مشکلات اور مصائب میں مُبتلا ہوتا ہے۔ اور حاجات مختلف رکھتا ہے۔ اُن کے حل اور روا ہونے کے لیئے بھی تقوی ہی کو اصُول قرار دیا ہے۔ معاش کی تنگی اور دوسری تنگیوں سے راہ نجات تقوی ہی ہے۔ فرمایا۔ من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب مُتقی کے لیے ہر مشکل سے ایک مخرج پیدا کر دیتا ہے۔ اور اُسکو غیب سے اُس سے مخلصی پانے کے اسباب بہم پہنچا دیتا ہے۔ اُسکو ایسے طور سے رزق دیتا ہے کہ اُسکو پتہ بھی نہ لگے +

اب غور کر کے دیکھو لوگ انسان اور دُنیا میں چاہتا کیا ہے۔ انسان کی بڑی سے بڑی

خواہش دُنیا میں یہی ہے۔ کہ اُسکو سُکھ اور آرام ملے۔ اور اُس کے لیئے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی راہ مقرر کی ہے۔ جو تقوے کی راہ کہلاتی اور دوسرے لفظوں میں اُس کو قرآن کریم کی راہ کہتے ہیں اور یا اُس کا نام **صراط مستقیم** رکھتے ہیں +

کوئی یہ نہ کہے کہ کفار کے پاس بھی مال و دولت اور املاک ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنی عیش و عشرت میں منہمک اور مست رہتے ہیں میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ وہ دُنیا کی آنکھ میں بلکہ ذلیل دُنیا داروں اور ظاہر پرستوں کی آنکھ میں خوش معلوم دیتے ہیں۔ مگر درحقیقت وہ ایک جلن اور دُکھ میں مُبتلا ہوتے ہیں تم نے اُن کی صورت کو دیکھا ہے مگر میں ایسے لوگوں کے قلب پر نگاہ کرتا ہوں تو ایک سعیر اور سلاسل و اغلال میں جکڑے ہوئے ہیں۔ جیسے فرمایا ہے۔ انا اعتدنا للکافرین سلاسل و اغلالا وسعیرا وہ نیکی کی طرف آ ہی نہیں سکتے۔ اور ایسے اغلال ہیں۔ کہ خدا کی طرف اُن اغلال کی وجہ سے ایسے دبے پڑے ہیں۔ کہ حیوانوں اور بہائم سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ اُن کی آنکھ ہر وقت دُنیا ہی کی طرف لگی رہتی ہے۔ اور زمین کی طرف جھکتے جاتے ہیں پھر اندر ہی اندر ایک سوزش اور جلن بھی لگی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر مال میں کمی ہو جائے۔ یا حسب مُراد تدبیر میں کامیابی نہ ہو۔ تو کُڑھتے اور جلتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات سودائی اور پاگل ہو جاتے ہیں یا عدالتوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ یہ واقعی بات ہے۔ کہ بے دین آدمی سعیر سے خالی نہیں ہوتا۔ اسلیئے کہ اُسکو قرار اور سکون نصیب نہیں ہوتا۔ جو راحت اور تسلی کا لازمی نتیجہ ہے۔ جیسے شرابی ایک جام شراب پی کر ایک اور مانگتا ہے۔ اور مانگتا ہی جاتا ہے اور ایک جلن سی لگی رہتی ہے۔ ایسا ہی دُنیا دار بھی سعیر میں ہے۔ اُس کی آتش آز ایک دم بھی بجھ نہیں سکتی۔ سچی خوشحالی حقیقت میں ایک متقی ہی کے لیئے ہے جس کے لیئے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ کہ اُس کے لیئے دو جنت ہیں +

مُتقی سچی خوشحالی ایک جھونپڑی میں پا سکتا ہے۔ جو دُنیا دار اور حرص و آز کے پرستار کو رفیع الشان قصر میں بھی نہیں مل سکتی۔ جسقدر دُنیا زیادہ ملتی ہے۔ اُسی قدر بلائیں زیادہ سامنے آجاتی ہیں۔ پس یاد رکھو کہ حقیقی راحت اور لذت دُنیا دار کے حصہ میں نہیں آئی۔ یہ مت سمجھو کہ مال کی کثرت عُمدہ عُمدہ لباس اور کھانے کسی خوشی کا باعث ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ اُس کا مدار ہی تقوے پر ہے +

جبکہ ان ساری باتوں سے معلوم ہو گیا۔ کہ سچے تقوے کے بغیر کوئی راحت اور خوشی مل ہی نہیں سکتی۔ تو معلوم کرنا چاہئیے کہ تقوی کے بہت سے شعبے ہیں جو عنکبوت کے تاروں کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ تقوی تمام جوارح انسانی اور عقائد زبان اخلاق وغیرہ سے متعلق ہے۔ نازک ترین معاملہ زبان سے ہے بسا اوقات تقوی کو دُور کر کے ایک بات کہتا ہے۔ اور دل میں خوش ہو جاتا ہے کہ میں نے یُوں کہا اور ایسا کہا۔ حالانکہ وہ بات بُری ہوتی ہے۔ مجھے اس پر ایک **نقل** یاد آئی ہے۔ کہ ایک بزرگ کی کسی دُنیا دار نے دعوت کی جب وہ بزرگ کھانا کھانے کے لیئے تشریف لیگئے۔ تو اُس متکبّر دُنیا دار نے اپنے نوکر کو کہا کہ فلاں تھال لانا جو ہم پہلے حج میں لائے تھے اور پھر کہا دوسرا تھال بھی لانا جو دوسرے حج میں لائے تھے اور پھر کہا کہ تیسرے حج والا بھی لیتے آنا۔ اُس بزرگ نے فرمایا۔ کہ تُو تو بہت ہی قابل رحم ہے ان تین فقروں میں تُو نے اپنے تین ہی حجوں کا ستیاناس کر دیا تیرا مطلب اس سے صرف یہ تھا کہ تُو اس امر کا اظہار کرے کہ تُو نے تین حج کیئے ہیں۔ اسلیئے خدا نے تعلیم دی ہے کہ زبان کو سنبھال کر رکھا جائے اور بے معنی بیہودہ بے موقع غیر ضروری باتوں سے احتراز کیا جائے۔

دیکھو اللہ تعالیٰ نے ایاك نعبد کی تعلیم دی ہے۔ اب ممکن تھا کہ انسان اپنی قُوّت پر بھروسہ کر لیتا اور خدا سے دُور ہو جاتا۔ اس لیئے ساتھ ہی ایاك نستعین کی تعلیم دیدی کہ یہ مت سمجھو کہ یہ عبادت جو میں کرتا ہوں اپنی قُوّت اور طاقت سے کرتا ہوں ہرگز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی استعانت جبتک نہو اور خود وہ پاکذات جبتک توفیق اور طاقت نہ دے کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور پھر ایاك اعبد یا ایاك استعین نہیں کہا۔ اسلیئے کہ اسمیں نفس کے تقدم کی بُو آتی تھی۔ اور یہ تقوے کے خلاف ہے۔ تقوی والا کُل انسانوں کو لیتا ہے۔ زبان سے ہی انسان تقوی سے دُور چلا جاتا ہے زبان سے تکبّر کر لیتا ہے اور زبان سے ہی فرعونی صفات آ جاتی ہیں۔ اور اسی زبان کی وجہ سے پوشیدہ اعمال کو ریاکاری سے بدل لیتا ہے۔ اور زبان کا زیان بہت جلد پیدا ہوتا ہے **حدیث** شریف میں آیا ہے۔ کہ جو شخص ناف کے نیچے کے عُضو اور زبان کو شر سے بچاتا ہے۔ اُس کی بہشت کا ذمہ وار میں ہُوں۔ حرام خوری اس قدر نقصان نہیں پہنچاتی جیسے **قول زور** اس سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ حرام خوری اچھی چیز ہے۔ یہ سخت غلطی ہے۔ اگر کوئی ایسا سمجھے میرا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جو اضطرار میں سُؤر کھا لے تو یہ امر دیگر ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی زبان سے خنزیر کا فتویٰ دیدے۔ تو وہ اسلام سے دُور نکل جاتا ہے اللّٰہ تعا

کے حرام کو حلال ٹھیراتا ہے۔ غرض اس سے معلوم ہوا کہ زبان کا زیان خطرناک ہے۔ اسلئے متقی اپنی زبان کو بہت ہی قابو میں رکھتا ہے۔ اُس کے منہ سے کوئی ایسی بات نہیں نکلتی جو تقوی کے خلاف ہو۔ پس تم اپنی زبانوں پر حکومت کرو۔ نہ یہ کہ زبانیں تم پر حکومت کریں اور اناپ شناپ بولتے رہو +

ہر ایک بات کہنے سے پہلے سوچ لو۔ کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اللہ تعالےٰ کی اجازت اُسکے کہنے میں کہاں تک ہے۔ جب تک یہ نہ سوچ لو مت بولو۔ ایسے بولنے سے جو شرارت کا باعث اور فساد کا موجب ہو نہ بولنا بہتر ہے لیکن یہ بھی مومن کی شان سے بعید ہے کہ امر حق کے اظہار میں رُکے۔ اُس وقت کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور خوف زبان کو نہ روکے۔ دیکھو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی نبوت کا اعلان کیا تو اپنے پرائے سب کے سب دشمن ہو گئے۔ مگر آپ نے ایک دم بھر کے لئے کبھی کسی کی پروا نہ کی۔ یہاں تک کہ جب ابو طالب آپ کے چچا نے لوگوں کی شکایتوں سے تنگ آ کر کہا اُس وقت بھی آپ نے صاف طور پر کہدیا کہ میں اس کے اظہار سے نہیں رُک سکتا۔ آپ کا اختیار ہے میرا ساتھ دیں یا نہ دیں +

پس زبان کو جیسے خدا تعالےٰ کی رضامندی کے خلاف کسی بات کے کہنے سے روکنا ضروری ہے۔ اسی قدر امر حق کے اظہار کے لئے کھولنا لازمی امر ہے۔ یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔ مومنوں کی شان ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے سے پہلے ضروری ہوتا ہے۔ کہ انسان اپنی عملی حالت ثابت کر دکھائے کہ وہ اس قوت کو اپنے اندر رکھتا ہے۔ کیونکہ اس سے پیشتر کہ وہ دوسروں پر اپنا اثر ڈالے اُس کو اپنی حالت اثر انداز بھی تو بنانی ضروری ہے۔ پس یاد رکھو کہ زبان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کبھی مت روکو۔ ہاں محل اور موقع کی شناخت بھی ضروری ہے۔ اور انداز بیان ایسا ہونا چاہئے۔ جو نرمی اور سلاست اپنے اندر رکھتا ہو۔ اور ایسا ہی تقوے کے خلاف بھی زبان کا کھولنا سخت گناہ ہے +

پھر دیکھو کہ تقوی کو ایسی اعلےٰ درجہ کی ضروری شے قرار دیا گیا ہے کہ قرآن کریم کی علت غائی اسی کو ٹھیرایا ہے۔ چنانچہ دوسری سورۃ کو جب شروع کیا ہے تو یوں ہی فرمایا ہے۔ الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ میرا مذہب یہی ہے

کہ قرآن کریم کی یہ ترتیب بڑا مرتبہ رکھتی ہے۔ خدا تعالےٰ نے اس میں علل اربعہ کا ذکر فرمایا ہے علت فاعلی۔ مادی۔ صوری۔ غائی ہر ایک چیز کے ساتھ یہ چار ہی علل ہوتی ہیں۔ قرآن کریم نہایت اکمل طور پر اُن کو دکھاتا ہے۔ الٓمٓ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جو بہت جاننے والا ہے اس کلام کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے یعنے خدا اُس کا فاعل ہے ذٰلک الکتاب یہ مادہ بتایا یا یہ کہو کہ یہ علت مادی ہے۔ علت صُوری لاریب فیہ ہر ایک چیز میں شک و شبہ اور ظنُون فاسدہ پیدا ہوسکتے ہیں مگر قرآن کریم ایسی کتاب ہے۔ کہ اس میں کوئی ریب نہیں ہے۔ لاریب اسی کے لیئے ہے یعنے سب قسم کے ریب اب جبکہ اللہ تعالےٰ نے اس کتاب کی شان یہ بتائی کہ لاریب فیہ تو طبعاً ہر ایک سلیم الفطرت اور سعادتمند انساں کی رُوح اُچھلیگی اور خواہش کریگی۔ کہ اس کی ہدایتوں پر عمل کرے۔ ہم افسوس سے کہتے ہیں۔ کہ قرآن شریف کی اجلیٰ اور صفیٰ شان کو دُنیا کے سامنے پیش نہیں کیا جاتا۔ ورنہ قرآن شریف کی خوبیاں اور اُس کے کمالات اُس کا حُسن اپنے اندر ایک ایسا کشش اور جذب رکھتا ہے۔ کہ بے اختیار ہو ہو کر دل اُس کی طرف چلے آئیں۔ مثلاً اگر ایک خوشنما باغ کی تعریف کی جاوے کہ اُس کے خوشبودار درختوں اور دل کو تر و تازہ کرنے والی بوٹیوں اور روشوں اور مُصفا پانی کی بہتی ہُوئی ندیوں اور نہروں کا تذکرہ کیا جاوے تو ہر ایک شخص دل سے چاہیگا کہ اُس کی سیر کرے۔ اور اُس سے حظ اُٹھاوے۔ اور اگر یہ بھی بتایا جاوے کہ اُس میں بعض چشمے ایسے جاری ہیں جو امراض مُزمنہ اور مُہلکہ کو شفا دیتے ہیں تو اور بھی زیادہ جوش اور طلب کے ساتھ لوگ وہاں جائینگے۔ اسی طرح پر قرآن شریف کی خوبیوں اور کمالات کو اگر نہایت ہی خوبصورت اور مؤثر الفاظ میں بیان کیا جاوے تو رُوح پورے جوش کے ساتھ اُس طرف دوڑتی ہے۔ اور حقیقت میں رُوح کی تسلی اور سیری کا سامان اور وہ بات جس سے رُوح کی حقیقی احتیاج پُوری ہوتی ہے۔ قرآن کریم ہی میں ہے۔ اسلیئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ھدی للمتقین اور دوسری جگہ کہا لا یمسہ الا المطھرون جس سے مُراد وہی متقین ہیں جو ھدی للمتقین میں بیان ہُوئے ہیں۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ قرآنی علوم کے انکشاف کے لیئے تقوےٰ شرط ہے۔ علوم ظاہری اور علوم قرآنی کے حصُول کے درمیان ایک عظیم الشان فرق ہے۔ دُنیوی اور رسمی علوم کے حاصل کرنے

کے واسطے تقویٰ شرط نہیں ہے صرف ونحو طبعی فلسفہ ہیئت وطبابت پڑھنے کے واسطے یہ ضروری امر نہیں ہے کہ وہ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو اور امر الٰہی اور نواہی کو ہر وقت مدنظر رکھتا ہو۔ اپنے ہر فعل وقول کو اللہ تعالےٰ کے احکام کی حکومت کے نیچے رکھے بلکہ بسا اوقات کیا عموماً دیکھا گیا ہے کہ دُنیوی علوم کے ماہر اور طلبگار دہریہ منش ہو کر ہر قسم کے فسق وفجور میں مبتلا ہوتے ہیں آج دُنیا کے سامنے ایک زبردست تجربہ موجُود ہے۔ یورپ اور امریکہ باوجودیکہ وہ لوگ ارضی علوم میں بڑی بڑی ترقیاں کر رہے ہیں۔ اور آئے دن نئی ایجادات کرتے رہتے ہیں لیکن اُن کی رُوحانی اور اخلاقی حالت بہت کچھ قابل شرم ہے لندن کے پارکوں اور پیرس کے ہوٹلوں کے حالات جو کچھ شائع ہوئے ہیں ہم تو اُن کا ذکر بھی نہیں کر سکتے۔ مگر علوم آسمانی اور اسرار قرآنی کی واقفیت کے لئے تقوےٰ پہلی شرط ہے۔ اس میں توبتہ النصُوح کی ضرورت ہے۔ جب تک انسان پوری فروتنی اور انکساری کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے احکام کو نہ اُٹھالے۔ اور اُس کے جلال اور جبروت سے لرزاں ہو کر نیازمندی کے ساتھ رجُوع نہ کرے قرآنی علوم کا دروازہ نہیں کھُل سکتا۔ اور رُوح کے اُن خواص اور قویٰ کی پرورش کا سامان اُس کو قرآن شریف سے نہیں ملسکتا جس کو پاکر رُوح میں ایک لذت اور تسلّی پیدا ہوتی ہے۔ قرآن شریف اللہ تعالےٰ کی کتاب ہے۔ اور اُس کے علوم خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ پس اس کے لئے تقوےٰ بطور نردبان کے ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ بے ایمان شریر خبیث النفس ارضی خواہشوں کے اسیر اُن سے بہرہ ور ہوں۔ اس واسطے اگر ایک مسلمان مسلمان کہلا کر خواہ وہ صرف ونحو۔ معانی وبدیع وغیرہ علوم کا کتنا ہی بڑا فاضل کیوں نہ ہو۔ دُنیا کی نظر میں شیخ الکُل فی الکُل بنا بیٹھا ہو لیکن اگر تزکیہ نفس نہیں کرتا۔ قرآن شریف کے علوم سے اُسکو حصہ نہیں دیا جاتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اُس وقت دُنیا کی توجہ ارضی علوم کی طرف بہت جھُکی ہُوئی ہے۔ اور مغربی روشنی نے عالم کو اپنی نئی ایجادوں اور صنعتوں سے حیران کر رکھا ہے مسلمانوں نے بھی اگر اپنی فلاح اور بہتری کی کوئی راہ سوچی تو بدقسمتی سے یہ سوچی ہے کہ وہ مغرب کے رہنے والوں کو اپنا امام بنالیں اور یورپ کی تقلید پر فخر کریں۔ یہ تو نئی روشنی کے مسلمانوں کا حال ہے جو لوگ پُرانے فیشن کے مسلمان کہلاتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو حامئ دین متین سمجھتے

ہیں۔ اُن کی ساری عمر کی تحصیل کا خلاصہ اور لُب لباب یہ ہے کہ صرف ونحو کے جھگڑوں اور اُلجھیڑوں میں پھنسے ہُوئے ہیں۔ اور ضالین کے تلفّظ پر مرمٹے ہیں۔ قرآن شریف کی طرف بالکل توجہ ہی نہیں اور ہو کیونکر جب کہ وہ تزکیۂ نفس کی طرف مُتوجّہ نہیں ہوتے ✦

ہاں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو تزکیۂ نفس کے دعوے کرتا ہے وہ صوفیوں اور سجادہ نشینوں کا گروہ ہے۔ مگر ان لوگوں نے قرآن شریف کو تو چھوڑ دیا ہے۔ اور اپنے ہی طریق اختراع کرلئے ہیں۔ کوئی چلّہ کشیاں کرتا ہے۔ کوئی الا اللہ کے نعرے مارتا ہے۔ کوئی نفی اثبات توجہ۔ حبس دم وغیرہ میں مُبتلا ہیں۔ غرض ایسے طریقے نکالے ہیں جو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوتے اور نہ قرآن شریف کا یہ منشا ہے۔ اور نہ کبھی سلسلۂ نبوت نے ایسے طریقوں کو پسند کیا۔ غرض یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جب تک انسان ایک پاک تبدیلی نہیں کرتا ہے۔ اور نفس کا تزکیہ نہیں کرتا قرآن شریف کے معارف اور خوبیوں پر اطلاع نہیں ملتی۔ قرآن شریف میں وہ نکات اور حقائق ہیں جو رُوح کی پیاس کو بُجھا دیتے ہیں ✦

کاش دُنیا کو معلوم ہوتا کہ رُوح کی لذت کس چیز میں ہے۔ اور پھر وہ معلوم کرتی کہ وہ قرآن شریف اور صرف قرآن شریف میں موجود ہے ✦

دیکھو جس جس قدر انسان تبدیلی کرتا جاتا ہے۔ اُسی قدر وہ **ابدال** کے زمرہ میں داخل ہوتا جاتا ہے۔ حقائق قرآنی نہیں کھلتے جبتک **ابدال** کے زمرہ میں داخل نہو۔ لوگوں نے **ابدال** کے معنے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ اور اپنے طور پر کچھ کا کچھ سمجھ لیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ **ابدال** وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو اپنے اندر پاک تبدیلی کرتے ہیں اور اس تبدیلی کی وجہ سے اُن کے قلب گناہ کی تاریکی اور زنگ سے صاف ہوجاتے ہیں شیطان کی حکومت کا استیصال ہو کر اللہ تعالےٰ کا عرش اُن کے دل پر ہوتا ہے۔ پھر وہ رُوح القدس سے قُوت پاتے اور خدا تعالےٰ سے فیض پاتے ہیں۔ تم لوگوں کو میں بشارت دیتا ہوں کہ تم میں سے جو اپنے اندر تبدیلی کرے گا وہ **ابدال** ہے۔ انسان اگر خدا کی طرف قدم اُٹھائے۔ تو اللہ تعالےٰ کا فضل دوڑ کر اُس کی دستگیری کرتا ہے۔ یہ سچّی بات ہے اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ چالاکی سے **علوم القرآن** نہیں آتے۔ **دماغی قوت** اور **ذہنی ترقی** قرآنی علوم کو جذب کرنے کا اکیلا باعث نہیں ہوسکتا۔ **اصل ذریعہ** تقوی ہی ہے متقی کا مُعلّم خدا ہوتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ نبیوں پر **اُمیّت** غالب ہوتی ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کو اسلئے اُمّی بھیجا کہ باوجودیکہ آپ نے کسی مکتب میں تعلیم پائی اور نہ کسی کو اُستاد بنایا۔ پھر آپ نے وہ معارف اور حقائق بیان کیئے جو دُنیوی عُلوم کے ماہروں کو دنگ اور حیران کردیا۔ قرآن شریف جیسی پاک۔ کامل کتاب آپ کے لبوں پر جاری ہُوئی جس کی فصاحت و بلاغت نے سارے عرب کو خاموش کرادیا۔ وہ کیا بات تھی جس کے سبب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم علوم میں سب سے بڑھ گئے وہ تقویٰ ہی تھا۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مُطہر زندگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔ کہ قرآن شریف جیسی کتاب وہ لائے جس کے علوم نے دُنیا کو حیران کردیا ہے۔

آپ کا اُمّی ہونا ایک نمونہ اور دلیل ہے اس امر کی کہ قرآنی علوم یا آسمانی علوم کے لیئے تقویٰ مطلوب ہے نہ دُنیوی چالاکیاں +

غرض قرآن شریف کی اصل غرض اور غایت دُنیا کو تقویٰ کی تعلیم دینا ہے۔ جس کے ذریعہ وہ ہدایت کے منشاء کو حاصل کرسکے۔ اب اس آیت میں تقویٰ کے تین مراتب کو بیان کیا ہے الذین یومنون بالغیب و یقیمون الصلوٰۃ و مما رزقنٰھم ینفقون لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں مگر طوطے کی طرح سے یُونہی بغیر سوچے سمجھے چلے جاتے ہیں۔ جیسے ایک پنڈت اپنی پوتھی کو اندھا دُھند پڑھتا جاتا ہے نہ خود سمجھتا ہے۔ اور نہ سُننے والوں کو پتہ لگتا ہے۔ اسی طرح پر قرآن شریف کی تلاوت کا طریق صرف یہ رہ گیا ہے کہ دو چار سپارے پڑھ لئے اور کچھ معلوم نہیں کہ کیا پڑھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ سُر لگا کر پڑھ لیا۔ اور ق اور ع کو پورے طور پر ادا کردیا۔ قرآن شریف کو عُمدہ طور اور خوش الحانی سے پڑھنا بھی ایک اچھی بات ہے مگر قرآن شریف کی تلاوت کی اصل غرض تو یہ ہے۔ کہ اُس کے حقائق اور معارف پر اطلاع ملے اور انسان ایک تبدیلی اپنے اندر کرے۔ یہ یاد رکھو کہ قرآن شریف میں ایک عجیب و غریب اور سچا فلسفہ ہے۔ اس میں ایک نظام ہے جس کی قدر نہیں کیجاتی۔ جب تک نظام اور ترتیب قرآنی کو مدنظر نہ رکھا جاوے۔ اور اُس پر پورا غور نہ کیا جاوے قرآن شریف کی تلاوت کے اغراض پورے نہ ہونگے اگر یہ لوگ جو قرآن شریف کے ق اور عین اور ضاد پر لڑتے جھگڑتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی تفسیق پر مُنہ کھولتے ہیں نظام قرآنی کی قدر کرتے تو انی متوفیك ورافعك الیّ میں میرے ساتھ کیوں بر سر پرخاش ہوتے جبکہ وہ دیکھتے کہ قرآن شریف ایک ترتیب کے طور پر اُن واقعات کو بیان کرتا ہے۔ جو خارجی طور پر اپنا ایک وجود رکھتے ہیں۔ کہ اے عیسےٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں۔ سوچنا چاہیئے تھا۔ کہ یا عیسیٰ انی متوفیك ورافعك الیّ قرآن شریف نے کہا کیوں۔

اس کی ضرورت کیا پیش آئی تھی؟
یہودیوں ہی سے پوچھ لیتے تو یہ پتہ لگجاتا۔ اصل بات جس کو میں نے بارہا
بیان کیا ہے یہ ہے کہ یہود حضرت مسیح کو ملعون قرار دیتے ہیں معاذاللہ
اور اس کا ثبوت وہ یہ دیتے ہیں۔ کہ انہوں نے مسیح کو صلیب کے ذریعہ قتل کردیا
مگر قرآن شریف نے اس الزام کو دور کیا ہے۔ اور یہود کو ملزم کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کبھی بھی اپنے
پاک بندوں کو ذلیل نہیں کرتا اور لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا اس کا سچا
دعدہ ہے حضرت مسیح جب صلیب پر چڑھائے گئے۔ تو ان کو اندیشہ ہوا کہ یہ لوگ مجھے صلیبی
موت سے ہلاک کرنے کے موجب ٹھیرے ہیں۔ اور اس طرح پر لعنتی موت ہوگی۔ اس ہلاکت کی
گھڑی میں اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح کو یہ بشارت دی کہ میں تجھے طبعی موت سے وفات دونگا
اور تجھے رفع کرنے والا ہوں اور تجھے پاک کرنیوالا ہوں۔ اس آیت کا ایک ایک لفظ اپنے اندر
ایک حقیقت رکھتا ہے مگر افسوس یہ لوگ کچھ بھی غور نہیں کرتے اور قرآن کریم کی ترتیب کو بدلکر
تحریف کرنا چاہتے ہیں +
کیا اللہ تعالےٰ اس بات پر قادر نہ تھا؟ جو یوں کہدیتا کہ یا عیسیٰ انی رافعک
الی السماء +
پھر وہ کونسی دقت اور مشکل اس کو پیش آگئی تھی۔ جو یا عیسیٰ انی متوفیک
ہی کہا۔ غرض اس آیت میں جو ترتیب رکھی گئی ہے وہ واقعات کی بنا پر ہے۔ وہ احمق ہے
جو کہتا ہے۔ کہ ترتیب واؤ سے نہیں ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہی سمجھی ہے۔ کہ ۱۰ اپریل سنہ ۱۹۰۱ء
وہ اس کو نہیں سمجھ سکتا تو اس کو واقعات پر نظر کرنی چاہیئے۔ اور دیکھے کہ تطہیر رفع کے
بعد ہوتی ہے۔ یا پہلے اس تطہیر میں دراصل اشارہ ہے۔ اس امر کی طرف کہ تیرے بعد
ایک رسول آئیگا۔ جو حکم ہو کر تیری نسبت جھگڑے کو فیصل کر دیگا۔ اور جس قدر الزامات یہودی
تجھ پر لگاتے ہیں۔ ان سے تجھے پاک ٹھیرائے گا۔ تین ترتیبوں کے تو یہ مخالف بھی قائل ہیں
یعنے رافعک الیّ ومطھرک من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوک
فوق الذین کفروا۔ یہ تو مانتے ہیں کہ مرتب کلام ہے۔ اس میں جو کچھ وعدہ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ہے وہ پورا ہوگیا۔ جسمانی رفع کے قایل اس میں کچھ کہہ نہیں سکتے۔ مگر مجھے حیرت
ہوتی ہے۔ کہ جب تین ترتیبوں کے وہ قایل ہیں اور انہوں نے اسکو تسلیم کر لیا ہے تو توفّی کے

لفظ کو اٹھانے کی بیفائدہ کوشش کیوں کرتے ہیں پہلا یہ یہودی سیرت اختیار کرکے بتاؤ توفی اس لفظ کو رکھوگے کہاں؟ اگر رفع کے بعد رکھو تو واقعات خارجہ کے خلاف ہے رفع اور تطہیر میں فاصلہ نہیں ہے۔ بلکہ رفع کے بعد تطہیر ہی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے اس الزام سے کہ وہ نبی بھی نہیں مانتے تھے۔ اور ملعون قرار دیتے تھے۔ اور عیسائی کہتے تھے۔ کہ ابن اللہ اور اللہ ہیں۔ جس کو آسمان پر اُٹھایا گیا۔ اور وہ ہمارے لئے ملعون ہُوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بری کیا ہے۔ یہ دو انگلیوں کی طرح ہیں۔ ان کو الگ کرسکتے ہی نہیں۔ اور جاعل الذین اتبعوك کو دیکھو تو وہ قیامت تک مطہرک کے بعد کسی دوسرے لفظ کو آنے ہی نہیں دیتا۔ پھر اس کو رکھوگے تو کہاں رکھوگے۔ جس طرح پر واقعات ظہور میں آئے اُسی طرز سے بیان کیا ہے۔ اب اُلٹ پُلٹ کر کہاں رکھ سکتے ہو۔ میں تو کہتا ہوں کہ تمہیں خدا تعالےٰ کے کلام کے ساتھ اس قدر دشمنی کیوں ہے جو اس کی ترتیب توڑنا چاہتے ہو۔ کیا تم کو بھی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کی خدائی ثابت کرو عیسائیوں کے اس مردہ خدا کو کہیں تو مرنے دو تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف تو تم کہتے ہو کہ ہم مسیح کو محض ایک بندہ اور نبی مانتے ہیں۔ دوسری طرف ان کی نسبت ایسے عقیدے رکھنے چاہتے ہو۔ جو ان کو خدا بناتے ہیں۔ اس کی وہی مثال ہے ایک شخص تو کسی کی نسبت کہتا ہے کہ وہ مرگیا۔ مگر دوسرا کہتا ہے کہ نہیں مرا تو نہیں۔ مگر نبض اس کی نہیں چلتی بدن بھی ٹھنڈا ہوگیا ہے سانس بھی نہیں آتا ❖ اے دانشمندو! غور تو کرو۔ اس کے مرنے میں کیا شک رہا جس کی زندگی کا کوئی بھی اثر نہیں پایا جاتا ❖

کہتے ہو کہ مسیح خدا نہیں۔ مگر مانتے ہو کہ وہ آج تک زندہ ہے۔ اور زمانہ کے اثر سے محفوظ اور لاتبدیل غیر متغیّر ہے ❖

کہتے ہو مسیح خالق نہیں مگر مانتے ہو کہ اس نے بھی کچھ چڑیاں بنائی تھیں جو ان چڑیوں میں مل گئی ہیں ❖

کہتے ہو کہ مسیح عالم الغیب نہیں مگر یہ مانتے ہو کہ وہ تمہارے کھانے پینے کی چیزوں اور تمہارے گھروں کے ذخیروں کی اطلاع دیدیتا تھا۔ بڑے شرم کی بات ہے کہ مسلمان کہلا کر ایک خدا کو تمام صفات کاملہ سے موصوف مان کر پھر اس کی صفات ایک عاجز انسان کو دو۔ کچھ تو خدا کا خوف بھی کرو۔ یہی باتیں ہیں جنہوں نے نصاریٰ کی قوم کو جرأت دلادی ہے

اور تمہاری قوم کا ایک بڑا حصہ گمراہ کر ڈالا +

تمہیں کب خبر ہوگی جب سارا گھر لُٹ چکیگا۔ تم میرے ساتھ دشمنی نہیں کرتے بلکہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہو۔ میں نے کونسی انوکھی بات کہی تھی۔ میں تم سے کیا کچھ مانگتا ہوں پھر مجھ سے عداوت کی کیا وجہ۔ کیا اس لیئے کہ میں کہتا ہوں کہ ایک ہی کامل الصفات ذات ہے۔ جو عبادت کے قابل ہے اس کے صفات کسی انسان کو نہ دو؟ کیا اسلیئے کہ میں کہتا ہوں کہ دُنیا میں ایک ہی کامل انسان گذرا ہے جس کا نام محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے؟ کیا اسلیئے کہ میں کہتا ہوں کہ مسیح کے درجات کو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے درجات سے ہرگز نہ بڑھاؤ۔ اسلیئے کہ وہ ان صفات سے ہرگز موصوف نہیں جن سے موصوف تم مانتے ہو۔ خُدا کے لئے سوچو! یہ یاد رکھو کہ آخر مرنا ہے۔ اور خدا کے حضور جانا ہے +

غرض بات یہ تھی کہ قرآن شریف میں ترتیب کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اور یہ آیتیں جو میں نے پڑھی تھیں۔ ان میں ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقناھم ینفقون +

یاد رکھو اتقا تین قسم کا ہوتا ہے پہلی قسم اتقا کی **علمی** رنگ رکھتی ہے۔ یہ حالت ایمان کی صورت میں ہوتی ہے۔ دوسری قسم **عملی** رنگ رکھتی ہے۔ جیسا کہ یقیمون الصلوٰۃ یوں فرمایا ہے۔ انسان کی وہ نمازیں جو شبہات اور وساوس میں مُبتلا ہیں کھڑی نہیں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالے نے یقرءون نہیں فرمایا بلکہ یقیمون فرمایا یعنے جو حق ہے اس کے ادا کرنے کا سنو! ہر ایک چیز کی ایک علت غائی ہوتی ہے۔ اگر اس سے رہ جاوے۔ تو وہ بیفائدہ ہو جاتی ہے مثلاً ایک بیل جو قلبہ رانی کے واسطے خریدا گیا ہے۔ اپنے منصب پر اس وقت قائم سمجھا جاویگا کہ وہ کر کے دکھاوے نہ صرف یہ کہ اس کی غرض و غایت کھانے پینے ہی تک محدود رہے۔ وہ اپنی علت غائی سے دور ہے۔ اور اس قابل ہے۔ کہ اس کو ذبح کیا جاوے۔ اسی طرح یقیمون الصلوٰۃ سے لوازم الصلوٰۃ **معراج** ہے۔ اور یہ وہ حالت ہوتی ہے۔ کہ اللہ تعالے سے تعلق شروع ہوتا ہے۔ مکاشفات اور رویا صالحہ آتے ہیں۔ لوگوں سے **انقطاع** ہوتا جاتا ہے۔ اور خدا کی طرف ایک تعلق پیدا ہونے لگتا ہے یہانتک کہ تبتل تام ہو کر خدا میں جا ملتا ہے +

صلی جلنے کو کہتے ہیں جیسے کباب بھونا جاتا ہے۔ اسی طرح نماز میں سوزش لازمی ہے جب تک دل بریاں نہ ہو نماز میں لذت اور سرور پیدا نہیں ہوتا۔ اور اصل تو یہ ہے۔ کہ نماز

ہی اپنے سچے معنوں میں اس وقت ہوتی ہے نماز میں یہ شرط ہے کہ وہ بجمیع شرائط ادا ہو جب تک وہ ادا نہ ہو وہ نماز نہیں ہے۔ اور نہ وہ کیفیت جو صلوٰۃ میں مثل نما کی ہے حاصل ہوتی ہے

یاد رکھو صلوٰۃ میں حال اور قال دونوں کا جمع ہونا ضروری ہے بعض وقت اعلام تصویری ہوتا ہے ایسی تصویر دکھائی جاتی ہے جس سے دیکھنے والے کو پتہ ملتا ہے کہ اُس کا منشا یہ ہے ایسا ہی صلوٰۃ میں منشائے الٰہی کی تصویر ہے نماز میں جیسے زبان سے کچھ پڑھا جاتا ہے۔ ویسے ہی اعضاء و جوارح کی حرکات سے کچھ دکھایا بھی جاتا ہے۔ جب انسان کھڑا ہوتا ہے اور تحمید و تسبیح کرتا ہے۔ اُس کا نام قیام رکھا ہے۔ اب ہر ایک شخص جانتا ہے کہ حمد و ثنا کے مناسب حال قیام ہی ہے۔ بادشاہوں کے سامنے جب قصائد سنانے جاتے ہیں۔ تو آخر کھڑے ہو کر ہی پیش کرتے ہیں۔ ادھر تو ظاہری طور پر قیام رکھا ہی ہے۔ اور زبان سے حمد و ثنا بھی رکھی ہے۔ مطلب اس کا یہی ہے کہ روحانی طور پر بھی اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہو۔ حمد ایک بات پر قائم ہو کر کیجاتی ہے۔ جو شخص مُصدّق ہو کر کسی کی تعریف کرتا ہے۔ تو وہ ایک رائے پر قائم ہو جاتا ہے۔ اس الحمد للہ کہنے والے کے واسطے یہ ضروری ہُوا۔ کہ وہ سچے طور پر الحمد للہ اُسی وقت کہہ سکتا ہے کہ پُورے طور پر اُس کو یقین ہو جائے۔ کہ جمیع اقسام محامد کے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔ جب یہ بات دل میں انشراح کے ساتھ پیدا ہو گئی تو یہ رُوحانی قیام ہے۔ کیونکہ دل اُس پر قائم ہو جاتا ہے۔ اور وہ سمجھا جاتا ہے کہ کھڑا ہے۔ حال کے موافق کھڑا ہو گیا۔ تا کہ رُوحانی قیام نصیب ہو ✣

پھر رکوع میں سُبحان ربی العظیم کہتا ہے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کسی کی عظمت مان لیتے ہیں۔ تو اُس کے حضور جھکتے ہیں عظمت کا تقاضا ہے۔ کہ اُس کے لئے رکوع کرے۔ پس سبحان ربی العظیم زبان سے کہا۔ اور حال سے جھکنا دکھایا ✣

یہ اُس قول کے ساتھ حال دکھایا۔ پھر تیسرا قول ہے سُبحان ربی الاعلیٰ۔ اعلیٰ افعل التفضیل ہے۔ یہ بالذات سجدہ کو چاہتا ہے۔ اسلئے اس کے ساتھ حالی تصویر سجدہ میں گر یگا۔ اس اقرار کے مناسب حال ہیئت فی الفور اختیار کرلی ✣

اس قال کے ساتھ تین حال جسمانی ہیں۔ ایک تصویر اس کے آگے پیش کی ہے ہر ایک قسم کا قیام بھی کرتا ہے۔ زبان جو جسم کا ٹکڑا ہے۔ اُس نے بھی کہا اور وہ شامل ہو گئی ✣

تیسری چیز اور ہے وہ اگر شامل نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی وہ کیا ہے ؟ وہ قلب ہے۔ اس کیلئے

ضروری ہے۔ کہ قلب کا قیام ہو اور اللہ تعالیٰ اس پر نظر کر کے دیکھے کہ در حقیقت وہ حمد بھی کرتا ہے۔ اور کھڑا بھی ہے۔ اور رُوح بھی کھڑا ہوا حمد کرتا ہے جسم ہی نہیں بلکہ رُوح بھی کھڑا ہے۔ اور جب سبحان ربی العظیم کہتا ہے تو دیکھے کہ اتنا ہی نہیں کہ صرف عظمت کا اقرار ہی کیا ہے نہیں بلکہ ساتھ ہی جُھکا بھی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی رُوح بھی جُھک گیا ہے۔ پھر تیسری نظر میں خُدا کے حضور سجدہ میں گرا ہے۔ اسکی علوشان کو ملاحظہ میں لا کر اس کے ساتھ ہی دیکھے کہ رُوح بھی الُوہیت کے آستانہ پر گرا ہُوا ہے غرض یہ حالت جب تک پیدا نہ ہو لے اس وقت تک مطمئن نہ ہو۔ کیونکہ یقیمون الصلوٰۃ کے معنے یہی ہیں۔ اگر یہ سوال ہو کہ یہ حالت پیدا کیونکر ہو؟ تو اس کا جواب اتنا ہی ہے کہ نماز پر مداومت کیجاوے اور وساوس اور شبہات سے پریشان نہ ہو۔ ابتدائی حالت میں شکوک و شبہات سے ایک جنگ ضرور ہوتی ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ نہ تھکنے والے استقلال اور صبر کے ساتھ لگا رہے۔ اور خدا تعالیٰ سے دُعائیں مانگتا رہے۔ آخر وہ حالت پیدا ہو جاتی ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے ✦

یہ تقوی عملی کا ایک جزو ہے۔ اور دوسری جزو اس کی مما رزقنا ھم ینفقون ہے جو کچھ دے رکھا ہے۔ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ عام لوگ رزق سے مراد اشیاء خوردنی لیتے ہیں۔ یہ غلط ہے جو کچھ قوی کو دیا جاوے وہ بھی رزق ہے علوم و فنون وغیرہ معارف حقائق عطا ہوتے ہیں یا جسمانی طور پر معاش مال میں فراخی ہو ✦

رزق میں حکومت بھی شامل ہے اور اخلاق فاضلہ بھی رزق ہی میں داخل ہیں یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے۔ اس میں سے خرچ کرتے ہیں یعنے روٹی میں سے روٹی دیتے ہیں علم میں سے علم اور اخلاق میں سے اخلاق علم کا دینا تو ظاہر ہی ہے۔ یہ یاد رکھو کہ وہی بخیل نہیں ہے جو اپنے مال میں سے کسی مستحق کو کچھ نہیں دیتا۔ بلکہ وہ بھی بخیل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہو اور وہ دوسروں کو سکھانے میں مضائقہ کرے محض اس خیال سے اپنے علوم و فنون سے کسی کو واقف نہ کرنا کہ اگر وہ سیکھ جاوے گا تو ہماری بیقدری ہو جائیگی یا آمدنی میں فرق آجائے گا شرک ہے۔ کیونکہ اس صُورت میں وہ اس علم یا فن کو ہی اپنا رازق اور خدا سمجھتا ہے۔ اسی طرح پر جو اپنے اخلاق سے کام نہیں لیتا وہ بھی بخیل ہے اخلاق کا دینا یہی ہوتا ہے۔ کہ جو اخلاق فاضلہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے دے رکھے ہیں۔ اس کی مخلوق سے ان اخلاق سے پیش آوے۔ وہ لوگ اس کے نمونہ کو دیکھ کر

خود بھی اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ اخلاق سے اس قدر ہی مُراد نہیں ہے کہ زبان کی نرمی اور الفاظ کی نرمی سے کام لے نہیں بلکہ شجاعت۔ مُروّت۔ عفت جس قدر قوتیں انسان کو دی گئی ہیں۔ دراصل سب اخلاقی قوتیں ہیں اُن کا برمحل استعمال کرنا ہی اُن کو اخلاقی حالت میں لے آتا ہے۔ ایک موقع مناسب پر غضب کا استعمال بھی اخلاقی رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ یہ نہیں کہ انجیل کی تعلیم کی طرح ایک ہی پہلو اپنے اندر رکھتی ہے۔ کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دو یہ اخلاق نہیں ہے۔ اور نہ یہ تعلیم حکمت کے اصُول پر مبنی ہو سکتی ہے اگر ایسا ہو تو تمام فوجوں کا موقوف کر دینا اور ہر قسم کے آلاتِ حرب کو توڑ دینا لازم آئیگا۔ اور مسیحی دُنیا کو بطور ایک خادم کے رہنا پڑیگا۔ کیونکہ اگر کوئی کُرتہ مانگے تو جُبّہ بھی دینا پڑیگا۔ ایک کوس بیگار لیجانا چاہے تو دو کوس جانے کا حکم ہے۔ پھر عیسائی لوگوں کو کس قدر مشکلات پیش آئیں۔ اور اگر اس تعلیم پر عمل کریں نہ اُن کے پاس ضروریات زندگی بسر کرنے کو کچھ رہے۔ اور نہ کوئی آرام کی صُورت۔ کیونکہ جو کچھ اُن کے پاس ہو کوئی مانگ لے تو پھر اُن کے پاس خاک رہ جاوے۔ اگر محنت مزدوری سے کمانا چاہیں تو کوئی بیگار میں لگا دے۔ غرض اس تعلیم پر زور تو بہت دیا گیا ہے۔ اور پادریوں کو دیکھا ہے۔ کہ وہ بازاروں میں اس تعلیم کی بڑے شد و مد سے تعریف کر کے وعظ کرتے ہیں لیکن جب عمل پُوچھو تو کچھ نہیں ہے۔ گویا بگفتن ہی سب کچھ ہے کرنے کے واسطے کچھ نہیں اس لئے اُس کا نام اخلاق نہیں ہے۔ اخلاق یہ ہے کہ تمام قویٰ کو جو اللہ تعالےٰ نے دیئے ہیں برمحل استعمال کیا جاوے۔ مثلاً عقل دیگئی ہے۔ اور کوئی دوسرا شخص جس کو کسی امر میں واقفیت نہیں اُس کے مشورہ کا محتاج ہے۔ اور یہ پُوری واقفیت رکھتا ہے۔ تو اخلاق کا تقاضا یہ ہونا چاہیئے۔ کہ اپنی عقل سلیم سے اُس کو پُوری مدد دے۔ اور اُسکو سچّا مشورہ دے۔ لوگ ان باتوں کو معمولی نظر سے دیکھتے ہیں اور کہدیتے ہیں کہ ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ اس کو خراب ہونے دو۔ یہ شیطانی فعل ہے انسانیت سے بعید ہے۔ کہ وہ کسی دوسرے کو بگڑتا دیکھے۔ اور اُس کی مدد کے لیئے طیّار نہ ہو نہیں بلکہ چاہیئے کہ نہایت توجّہ اور دلدہی سے اُس کی بات سُنے اور اپنی عقل و سمجھ سے اُسکو ضروری مدد دے۔

لیکن اگر کوئی یہاں یہ اعتراض کرے۔ کہ مما رزقنا ھم کیوں فرمایا مما کے لفظ سے بُخل کی بُو آتی ہے۔ چاہیئے تھا کہ ؏

ہر چہ داری خرچ کُن در راہِ او

اصل بات یہ ہے کہ اس سے بخل ثابت نہیں ہوتا۔ قرآن شریف خدائے حکیم کا کلام ہے حکمت کے معنے ہیں شئے را بر محل داشتن۔ پس مما رزقنا ھم میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ محل اور موقع کو دیکھ کر خرچ کرو۔ جہاں تھوڑا خرچ کرنے کی ضرورت ہے وہاں تھوڑا خرچ کرو۔ جہاں بہت خرچ کرنے کی ضرورت ہے وہاں بہت خرچ کرو +

اب مثلاً عفو ہی ایک اخلاقی قوت ہے۔ اس کے لیئے یہ دیکھنا ضروری ہے۔ کہ آیا عفو کے لائق ہے یا نہیں مجرم دو قسم کے ہوتے ہیں بعض تو اس قسم کے ہوتے ہیں۔ کہ ان سے کوئی حرکت ایسی سرزد ہو جاتی ہے جو غصہ تو لاتی ہے۔ لیکن وہ معافی کے قابل ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں۔ کہ اگر اُن کی کسی شرارت پر چشم پوشی کی جاوے۔ اور اُس کو معاف کر دیا جائے تو وہ زیادہ دلیر ہو کر مزید نقصان کا باعث بنتا ہے مثلاً ایک خدمتگار ہے جو بڑا نیک اور فرمانبردار ہے وہ چاء لایا اتفاق سے اسکو ٹھوکر لگی۔ اور چاء کی پیالی گر کر ٹوٹ گئی۔ اور چاء بھی مالک پر گر گئی۔ اگر اسکو مارنے کیلیئے اُٹھ کھڑا ہو اور تیز اور تند ہو کر اُس پر جا پڑے۔ تو یہ سفاہت ہوگی۔ یہ عفو کا مقام ہے۔ کیونکہ اس نے عمداً شرارت نہیں کی ہے اور عفو اس کو زیادہ شرمندہ کرتا اور آئندہ کے لیئے محتاط بناتا ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسا شریر ہے کہ وہ ہر روز توڑتا ہے۔ اور یوں نقصان پہنچاتا ہے۔ اس پر رحم یہی ہوگا کہ اُسکو سزا دیجائے پس یہی حکمت ہے مما رزقنا ھم ینفقون میں۔ ہر ایک مومن اپنے نفس کا مجتہد ہوتا ہے۔ وہ محل اور موقع کی شناخت کرے۔ اور جس قدر مناسب ہو خرچ کرے۔ میں ابھی بتا چکا ہوں کہ قرآن شریف کی تعلیم حکیمانہ نظام اپنے اندر رکھتی ہے۔ اس کے بالمقابل انجیل کی تعلیم کو دیکھو کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیرے وغیرہ وغیرہ کیسی قابل اعتراض ہے۔ کہ اسکی پردہ پوشی نہیں ہو سکتی۔ اور اسکی تمدنی صورت ممکن ہی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ بڑے سے بڑا اثر خو اور تقدس مآب پادری بھی اس تعلیم پر عمل نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی انجیل کی اس تعلیم کا عملی ثبوت لینے کے لیئے کسی پادری صاحب کے مُنہ پر طمانچہ مارے تو وہ بجائے اس کے کہ دوسری گال پھیرے پولیس کے پاس دوڑا جاویگا۔ اور اس کو حکام کے سپرد کرادے گا +

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ انجیل معطل پڑی ہے۔ اور قرآن شریف پر عمل ہو رہا ہے۔ ایک مفلس اور نادار بڑھیا بھی جس کے پاس ایک جو کی روٹی کا ٹکڑا ہے۔ اس ٹکڑے میں سے ایک حصہ دیکر مما رزقنا ھم میں داخل ہو سکتی ہے۔ لیکن انجیل کے طمانچہ کھا کر گال

پھیرنے کی تعلیم میں مُقدّس سے مُقدّس پادری بھی شامل نہیں ہو سکتا ۔ ع
ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا
انجیل تو اس پہلو میں یہاں تک گری ہوئی ثابت ہوتی ہے ۔ کہ اور تو اور خود حضرت مسیح بھی اس پر پُورا عمل نہ دکھا سکے ۔ اور وہ تعلیم جو خود پیش کی تھی عملی پہلو میں انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ کہنے ہی کے لئے ہے ۔ ورنہ چاہئے تھا کہ اس سے پیشتر کہ وہ گرفتار ہوتے خود اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالے کر دیتے ۔ اور دُعائیں مانگنے اور اضطراب ظاہر کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی اس سے نہ صرف یہ ثابت ہوتا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں کر کے بھی دکھاتے ہیں ۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہو جاتا کہ وہ کفّارہ ہی کے لئے آئے ہیں ۔ کیونکہ اگر ان کی زندگی کا یہی کام تھا ۔ کہ وہ خودکشی کے طریق سے دُنیا کو نجات دیں ۔ اور بقول عیسائیوں کے خدا بجز اس صُورت کے نجات دے ہی نہیں سکتا تھا ۔ تو ان کو چاہئیے تھا کہ جس کام کے لئے وہ بھیجے گئے تھے ۔ وہ تو یہی تھا پھر وعظ اور تبلیغ کی ضرورت ہی کیا تھی ۔ کیوں نہ آتے ہی یہ کہدیا کہ مجھے پکڑ لو اور پھانسی دیدو ۔ تاکہ دُنیا کی رستگاری ہو ۔

غرض قرآن شریف کی تعلیم ثابت کرتی ہے کہ اللہ تعالےٰ حکیم ہے ۔ اور ذرہ ذرہ اس کے آگے ہے ۔ اور اس نے ایسی تعلیم دی ہے جو انسانی قویٰ کی تکمیل کرتی ہے ۔ اور عفو اور انتقام کو محل اور موقع پر رکھنے کے واسطے اس سے بڑھ کر تعلیم نظر نہیں آئیگی ۔ اگر کوئی اس تعلیم کے خلاف اور کچھ پیش کرتا ہے ۔ تو وہ گویا قانون الٰہی کو درہم برہم کرنا چاہتا ہے بعض طبائع طبعاً عفو چاہتی ہیں ۔ اور بعض مار کھانے کے قابل ہوتی ہیں ۔ سب طبیعتیں قرآن شریف کی تعلیم کے موافق کھلی رہ سکتی ہیں ۔ اگر انجیل کے موافق کریں تو آج ہی سب کچھ بند کرنا پڑے ۔ اور پھر دیکھو کیا نتیجہ نکلتا ہے ۔ انسان انجیلی تعلیم پر عمل کر ہی نہیں سکتا ۔ پس یہ دو نمونے علمی اور عملی تقوے کے ہوتے ہیں ۔ لیکن اس کے سوا تیسری قسم تقوی کی ہے ۔ و الذین یؤمنون بما انزل الیک ؕ

انسان قوت شہادت کا محتاج ہے ۔ ایسی راہ اختیار نہ کرے کہ پاک شہادتوں سے دور ہو ۔ وہ راہ خطرناک راہ ہے جس میں راستبازوں کی شہادتیں موجود نہیں ہیں تقوی کی راہ یہی ہے ۔ کہ جس میں زبردست شہادتیں ہر زمانہ میں نمونہ موجود ہوں ۔ مثلاً تم نے راہ پوچھا کسی نے کچھ کہا کہ یہ راہ فلاں طرف جاتا ہے ۔ مگر دس کہتے ہیں کہ نہیں یہ تو فلاں طرف جاتا ہے ۔

از اخبار الحکم ۱۷ اپریل ۱۹۰۱ء

تو اب تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ ان بھلے مانس آدمیوں کی بات مان لو۔ یہ یاد رکھو کہ شہادت پاکبازوں کی ہی مقبول اور موزون ہوتی ہے۔ بدمعاشوں کی شہادت کبھی مقبول نہیں ہو سکتی۔ یہ تیسری قسم تقویٰ کی ہے جو یؤمنون بما انزل الیک میں بیان ہوئی ہے۔ اس کو چھوڑ کر بھی لوگ بہت خراب ہوتے ہیں۔ ہمارے ساتھ جو لوگوں نے مخالفت کی ہے تو اسی وجہ سے کہ انہوں نے تقویٰ کی اس قسم کو چھوڑ دیا ہے۔ خدا تعالےٰ کا کلام تیس آیتوں میں ہمارا مؤید ہے۔ کبھی وہ یٰعیسیٰ انی متوفیک کہہ کر کبھی فلما توفیتنی کہہ کر کبھی ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل کہہ کر غرض کبھی کسی پیرایہ میں کبھی کسی صورت میں پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہی راہ سچی ہے۔ جس پر ہم بفضلہ تعالےٰ قائم ہیں۔ اور اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح کو حضرت یحیےٰ کے ساتھ معراج میں دیکھتے ہیں۔ اور یہ پکی بات ہے کہ ان دونوں میں کوئی خاص فرق جو زندوں اور مردوں میں ہونا چاہیئے نہیں بتایا۔ کبھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان کی عمر بتا کر یہ شہادت دیتے ہیں کہ وہ مر گیا۔ اور کبھی آنیوالے مسیح موعود اور اسرائیلی مسیح کا حلیہ جُدا جُدا بتا کر سمجھاتے ہیں کہ وہ مر گیا۔ یہ شہادتیں تو حدیث اور قرآن کی ہیں۔ ان کے علاوہ تمام صحابہ کی شہادت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی وفات پر یہ ہوتی ہے کہ سب نبی مر گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا کہ ابھی نہیں مرے اور تلوار کھینچ کر کھڑے ہو جاتے ہیں مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر یہ خطبہ پڑھتے ہیں کہ ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل۔ اب اس موقعہ پر جو ایک قیامت ہی کا میدان تھا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا سے رُخصت ہو چکے ہیں۔ اور کل صحابہ جمع ہیں۔ یہاں تک کہ اُسامہ کا لشکر بھی روانہ نہیں ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر حضرت ابوبکرؓ با آواز بلند کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ اور اس پر استدلال کرتے ہیں ما محمد الا رسول سے اب اگر صحابہ کے وہم و گمان میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہوتی تو ضرور بول اُٹھتے۔ مگر سب خاموش ہو گئے اور بازاروں میں یہ آیت پڑھتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ گویا یہ آیت آج اُتری ہے۔

معاذ اللہ صحابہ منافق نہ تھے جو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رُعب میں آکر خاموش ہو رہے۔ اور حضرت ابوبکر کی تردید نہ کی۔ نہیں اصل بات یہی تھی جو حضرت ابوبکر نے بیان کی

اسلیئے سب نے گردن جھکالی۔ یہ ہے اجماع صحابہ کا۔ حضرت عمرؓ بھی تو یہی کہتے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پھر آئیں گے۔ اگر یہ استدلال کامل نہوتا (اور کامل تب ہی ہوتا کہ کسی قسم کا استثنا نہ ہوتا کیونکہ اگر حضرت عیسیٰ زندہ آسمان پر چلے گئے تھے اور انہوں نے پھر آنا تھا تو پھر یہ استدلال کیا یہ تو ایک مسخری ہوتی) تو خود حضرت عمرؓ ہی تردید کرتے +

جب کہ آیت میں استثنا نہ تھا۔ اور امر واقعی یہی تھا۔ اسلیئے سب صحابہ نے بالاتفاق اس امر کو تسلیم کر لیا۔ اور حضرت ابو بکرؓ جن کو قرآن شریف کا یہ فہم ملا تھا۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی پڑھی تو حضرت ابو بکرؓ رو پڑے کسی نے پوچھا کہ یہ بڈھا کیوں روتا ہے۔ تو آپ نے کہا کہ مجھے اس آیت سے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کی بُو آتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام بطور حکام کے ہوتے ہیں۔ جیسے بندوبست کا ملازم جب اپنا کام کر چکتا ہے تو وہاں سے چل دیتا ہے اسی طرح پر انبیاء علیہم السلام جس کام کے واسطے دُنیا میں آتے ہیں۔ جب اس کو کر لیتے ہیں تو پھر وہ اس دُنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ پس جب اکملت لکم دینکم کی صدا پہنچی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے سمجھ لیا کہ یہ آخری صدا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابو بکر کا فہم بہت بڑھا ہُوا تھا۔ اور یہ جو احادیث میں آیا ہے کہ مسجد کیطرف سب کھڑکیاں بند کیجاویں۔ مگر ابو بکرؓ کی کھڑکی مسجد کی طرف کُھلی رہے گی۔ اس میں بھی سِر یہ ہے کہ مسجد چونکہ مظہر اسرار الٰہی ہوتی ہے۔ اسلیئے حضرت ابو بکر صدیق کی طرف یہ دروازہ بند نہیں ہو گا انبیاء علیہم السلام استعارات اور مجازات سے کام لیتے ہیں۔ جو شخص خشک مُلّاؤں کی طرح یہ کہتا ہے کہ نہیں ظاہر ہی ظاہر ہوتا ہے۔ وہ سخت غلطی کرتا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو کہنا کہ یہ دہلیز بدل دے یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سونے کے کڑے دیکھنا وغیرہ امور اپنے ظاہری معنوں پر نہیں تھے۔ بلکہ استعارہ اور مجاز کے طور پر تھے۔ اُن کے اندر ایک اور حقیقت تھی +

غرض مُدعا یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو فہم قرآن سب سے زیادہ دیا گیا تھا۔ اب جبکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ استدلال کیا میرا تو یہ مذہب ہے۔ کہ اگر یہ معنے بظاہر معارض بھی ہوتے۔ تب بھی تقوے اور دیانتداری کا تقاضا تو یہ تھا۔ کہ ابو بکرؓ ہی کی مانتے۔ مگر یہاں تو ایک بھی لفظ قرآن شریف میں ایسا نہیں ہے۔ جو حضرت ابو بکرؓ کے معنوں کا معارض ہو +

اب مولویوں سے پوچھو کہ ابوبکرؓ دانشمند تھا یا نہیں؟ کیا یہ وہ ابوبکرؓ نہیں جو صدیق کہلایا؟ کیا یہی وہ شخص نہیں جو سب سے پہلے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنا + جس نے اسلام کی بہت بڑی خدمت کی۔ کہ خطرناک۔ ارتداد کی وباء کو روک دیا۔ اچھا اور باتیں جانے دو یہی بتاؤ کہ ابوبکرؓ کو ممبر پر چڑھنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی؟ پھر تقوے سے یہ بتاؤ کہ انہوں نے وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل پڑھا تو اس سے استدلال تام کرنا تھا یا ایسا ناقص کہ ایک بچہ بھی کہہ سکتا۔ کہ عیسیٰ کو موتی سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے +

افسوس! ان مخالفوں نے میری مخالفت اور عداوت میں یہی نہیں کہ قرآن کو چھوڑا بلکہ میری عداوت نے ان کی یہاں تک نوبت پہنچائی ہے۔ کہ صحابہ کی کل جماعت پر انہوں نے اپنے طریق عمل سے کفر کا فتوے دیدیا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق کے استدلال کو استخفاف کی نظر سے دیکھا +

سارا قرآن شریف ہمارے ساتھ ہے تیس آیات مخصوصاً مسیح علیہ السلام کی وفات پر گواہ ہیں معراج کی رات۔ ابوبکر صدیق کی تقریر اور صحابہ کا اجماع شاہد ہے۔ یہ لوگ جو ہمارے مخالف ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ ہم نے اجماع کے خلاف ایک بات کہی۔ یہ جھوٹ بولتے ہیں اجماع ان کے ساتھ ہرگز نہیں ہے اوّل تو اجماع صحابہ ہی تک ہے۔ اور ہم نے ابھی بتایا ہے کہ صحابہ کا اجماع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر مسیح کی وفات پر ہو چکا ہے امام احمد حنبل کہتے ہیں کہ صحابہ کے بعد اجماع کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ ماسوا اس کے بھی بہت سے لوگ ان کے خلاف اور ہمارے ساتھ ہیں: معتزلہ مسیح کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے قائل نہیں ہیں صوفیوں کا یہی مذہب ہے کہ وہ کہتے ہیں مسیح کی آمد بروزی ہے۔ وقال مالك مات۔ امام مالک موت ہی کے قائل ہیں۔ ابن حزم کا بھی مذہب یہی ہے۔ اب مالکی۔ ابن حزم کے ماننے والے اور معتزلہ اس مسئلہ میں ہمارے ساتھ ہیں۔ لیکن پھر بھی علی سبیل تنزّل اگر ہم مان لیں۔ کہ کوئی بھی ہمارے ساتھ ان میں سے نہیں تو بھی ہم تو کہتے ہیں کہ قرون ثلثہ کے بعد زمانہ کا نام فیج اعوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا ہے۔ یعنے ایک ٹیڑھا گروہ۔ اور ان کی نسبت فرمایا۔ لیسوا منی ولست منهم۔ اب ان کے ہاتھ میں کیا رہا +

صحابہ کے وارث ہم قرآن اور حدیث کے مغز کے وارث تو ہم ہی ٹھیرے باقی رہی ۲۴ اپریل ۱۹۰۱ء

یہ بات کہ لکھا ہُوا ہے کہ مسیح نازل ہوگا۔ پس یاد رہے کہ نزول کا لفظ کس قدر وسیع ہے نزیل مسافر کو بھی کہتے ہیں۔ ماسوا اس کے اصل بات یہ ہے جس کو یاد رکھنا چاہئے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو آخری زمانہ کا علم دیا گیا تھا۔ آپنے اِس علم کے موافق دو بروزوں کی خبر دی تھی۔ اہل اللہ اس بات کے قایل ہیں کہ مراتب وجُود دوری ہیں۔ مَیں اس کو مانتا ہوں قرآن شریف سے بھی مستنبط ہوتا ہے صوفیائے کرام اس کو مانتے ہیں۔ کہ کسی گذرے ہُوئے انسان کی طبیعت۔ خو۔ اخلاق ایک اور میں آتے ہیں۔ اُن کی اصطلاح میں یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص **قدم آدم** پر ہے یا **قدم نوح** پر ہے۔ اس کو بعض بروز بھی بولتے ہیں اُن کا مذہب یہ ہے کہ ہر زمانے کے لئے بروز ہے۔ جیسے **ہابیل** کا بروز شیث علیہ السلام اور یہ پہلا بروز تھا +

ہبل نوحہ کو کہتے ہیں۔ خدا نے شیث کو یہ بروز دیا۔ پھر سلسلہ برابر چلا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بروز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ اسی لئے **علی ملة ابراهیم حنیفا** فرمایا۔ اس میں یہی سرّ ہے دو اڑھائی ہزار سال کے بعد عبد اللہ کے گھر میں ظاہر ہُوا +

غرض بروز کا مذہب ایک متفق علیہ مسئلہ ظہورات کا ہے۔ اب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانے کے واسطے خبر دی تھی کہ اُس وقت دو رنگ کے فتنے ہونگے ایک **اندرونی** دوسرا **بیرونی**۔ اندرونی فتنہ یہ ہوگا۔ کہ سچی ہدایت پر قائم نہ رہینگے اور شیطانی عمل دخل کے نیچے آجائیں گے۔ قمار بازی۔ زنا کاری۔ شراب خوری اور ہر قسم کے فسق و فجور میں مبتلا ہو کر حدود اللہ سے نکل جائیں گے۔ اور خدا تعالیٰ کی نواہی کی پروا نہ کرینگے صوم اور صلوٰۃ کو ترک کر دینگے۔ اور امر الٰہی کی بیحُرمتی کی جائیگی۔ اور قرآنی احکام کے ساتھ ہنسی ٹھٹھا کیا جائیگا۔ بیرُونی فتنہ یہ ہوگا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر افترا کئے جائیں گے۔ اور ہر قسم کے دل آزار حملوں سے اسلام کی توہین اور تخریب کی کوشش کی جاویگی۔ مسیح کی خدائی کو منوانے کے لئے اور اُس کی صلیبی لعنت پر ایمان لانے کے واسطے ہر قسم کے حیلے اور تدابیر عملمیں لائی جاوینگی۔ غرض ان دونوں اندرونی اور بیرونی عظیم الشان فتنوں کی اصلاح کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ساتھ ہی یہ بشارت ملی کہ ایک شخص آپ کی اُمت میں سے مبعوث کیا جاویگا۔ جو بیرونی فتنہ اور صلیبی مذہب کی حقیقت کو

توڑ دینے والا ہوگا۔ اور اسی لحاظ سے وہ مسیح ابن مریم ہوگا۔ اور اندرونی تفرقوں اور بے راہیوں کو دُور کر کے ہدایت کی سچی راہ پر قائم کریگا۔ اسلئے مھدی کہلائیگا۔ اسی بشارت کی طرف واخرین منھم میں بھی اشارہ ہے +

جبکہ یہ دونوں فتنے ہونگے۔ ان فتنوں کی بُنیاد دو خبیث چیزوں پر ہوگی۔ ایک فرقہ ہوگا جو الدجال کہلائیگا۔ اور ایک الجاجوج۔ الدجال دجل یہ ہے کہ اندر ناقص چیز اور اُوپر کوئی صاف چیز ہو مثلاً اُوپر سونے کا مُلمع ہو اور اندر تانبہ ہو۔ یہ دجل ابتدائے دُنیا سے چلا آتا ہے۔ مکر و فریب سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا۔ زرگر کیا کرتے ہیں۔ جیسے دُنیا کے کاموں میں دجل ہے ویسے ہی رُوحانی کاموں میں بھی دجل ہوتا ہے یحرفون الکلم عن مواضعہ بھی دجل ہی ہے۔ جو یا عیسیٰ انی متوفیک کو اُلٹاتے ہیں یہ بھی دجل ہے۔ مگر آخری زمانے کا دجل عظیم الشان دجل ہوگا۔ گویا دجالیت کا ایک دریا بہہ نکلیگا۔ الدجال پر ال استغراق کا ہے۔ پس الدجال دجاجلہ مختلفہ کا بُروز ہے۔ یعنے پہلے جس قدر مختلف اور متفرق کید حیلے ضلالت اور کفر کے تھے کسی زمانہ میں نابکار لوگوں نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا متفرق طور پر جس قدر اعتراضات اسلام پر کیئے جاتے تھے مگر وہ ایک حد تک تھے لیکن اللہ تعالےٰ کو معلوم تھا کہ ایک زمانہ ایسا آنیوالا ہے۔ کہ اُس وقت اعتراضات کا ایک دریا بہہ نکلیگا۔ جیسے چھوٹی چھوٹی نہریں ندیاں مل کر ایک دریا بن جاتا ہے اسی طرح کُل دجل ملکر ایک بڑا دجل ہوگا +

چنانچہ اس زمانہ میں دیکھ لو کتنا بڑا دجل ہو رہا ہے۔ ہر طرف سے اسلام پر نکتہ چینیاں اور اعتراض کیئے جاتے ہیں۔ اور عیسائیوں نے تو حد کر دی ہے۔ میں نے ان اعتراضوں کو جمع کیا ہے جو عیسائیوں نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر کیئے ہیں۔ اُن کی تعداد تین ہزار تک پہنچی ہے۔ اور جس قدر کتابیں اور رسالے اور اشتہار آئے دن اُن لوگوں کی طرف سے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراضوں کی شکل میں شائع ہوتے ہیں ان کی تعداد چھ کروڑ تک پہنچ چکی ہے گویا ہندوستان کے مسلمانوں میں سے ہر ایک آدمی کے ہاتھ میں یہ لوگ کتاب دے سکتے ہیں +

پس سب سے بڑا فتنہ یہی نصاریٰ کا فتنہ ہے۔ اور الدجال کا بُروز ہے ایسا ہی یاجوج یہ لفظ اجیج سے مشتق ہے۔ یاسیات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ آتشی کاموں کے ساتھ اُن کا

بہت بڑا تعلق ہوگا۔ اور وہ آگ سے کام لینے میں بہت مہارت رکھینگے۔ گویا آگ اُن کے قابو میں ہوگی۔ اور دوسرے لوگ اس آتشی مقابلہ میں اُن سے عاجز رہجائیں گے۔ اب یہ کیسی صاف بات ہے۔ دیکھ لو کہ آگ کے ساتھ اس قوم کو کس قدر تعلق ہے ✦ کلیں کس قدر جاری ہیں۔ اور دن بدن آگ سے کام لینے میں ترقی کر رہے ہیں ✦

یہ دونوں بروز ہیں۔ اور یہ دونوں کیفیتیں جو متفرق طور پر تھیں اکٹھی آئی ہیں۔ ایسا ہی **ماجوج** ہیں۔ اور یہ ایک پکی بات ہے کہ **الناس علیٰ دین ملوکھم**۔ انسان پر ملوک کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ ملوک تو ملوک ہوتے ہیں ادنے درجہ کے نمبرداروں تک کا اثر پڑتا ہے سکھوں کے زمانہ میں بہت سے لوگوں نے کیس رکھ لیئے تھے اور کچھ پہن لیئے تھے ایک شخص ہمارے قریب ایک گاؤں میں بھی رہتا تھا اس کا نام خدا بخش تھا۔ اُس نے اپنا نام خدا سنگھ رکھ لیا تھا ✦

موضع ڈلہ میں گلاب شاہ اور مہتاب شاہ دو بھائی تھے وہ گرنتھ ہی پڑھا کرتے تھے اور یہ معمولی بات ہے۔ ملوک کے خیالات کا مذہب۔ طرز لباس ہر قسم کے اُمور کا اخلاقی ہو یا مذہبی بہت بڑا اثر رعایا پر پڑتا ہے۔ جیسے ذکور کا اثر اناث پر پڑتا ہے۔ اسلیئے فرمایا گیا ہے **الرجال قوامون علی النساء**۔ اسی طرح پر رعایا پر ملوک کا اثر ضروری ہے سکھوں کی عملداری میں دو پگڑیاں باندھا کرتے تھے۔ اور اب تک بھی ریاستوں میں اس کا بقیہ چلا جاتا ہے جب ایک دوسرے سے ملا کرتے تھے تو سب ایک ہی لفظ بولا کرتے تھے **سُکھ ہے** ✦

ایسا ہی اب اس عملداری میں سلطنت کا اثر رعایا پر پڑتا ہے۔ طرز لباس ہی کو دیکھو کہ ہر ایک شخص انگریزی لباس کوٹ پتلون کو پہن کر فخر کرتا ہے۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جو انگریزی ٹوپیاں بھی پہنتے ہیں سلطنت کی طرف سے کسی قسم کی ترغیب نہیں دی جاتی۔ کوئی حکم جاری نہیں کیا جاتا کہ لوگ اس قسم کا لباس پہنیں۔ مگر خود بخود طبائع میں ایک شوق دن بدن بڑھتا چلا جاتا ہے باوجود یکہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں۔ جو اس لباس کی تبدیلی کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ اور اپنی جگہ سعی بھی کرتے ہیں کہ یہ طریق ترقی نہ پکڑے۔ مگر نہیں یہ ایک دریا ہے جو بہتا چلا جاتا ہے اور رک نہیں سکتا۔ انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ انگریزی طرز لباس ترقی پر ہے۔ یہاں تک کہ حجامت بنوانے میں بھی انگریزی طرز اور فیشن کو مقدم سمجھا جاتا ہے۔ یہ کیوں؟ صرف اسلیئے کہ الناس علیٰ دین ملوکھم۔ یہ مت سمجھو کہ طرز لباس ہی نے ترقی کی ہے نہیں۔ یہ طرز

بجائے خود ایک خطرناک ترغیب ہے۔ اور بہت سی باتوں کے لیئے +

انگریزی لباس کے بعد انگریزی طرز کی مجلسوں کا مذاق ترقی کر گیا۔ اور کر رہا ہے عیسائیت نے خمر کو حرام نہیں کیا۔ اس میں پردہ بھی ضروری نہیں قمار بازی بھی ممنوع نہیں ہے پھر کھانے میں حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں۔ پس اس آزادی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مذہب حقیقی جو انسان کو ایک حد بندی کے درمیان رکھنا چاہتا ہے۔ اُس سے لوگوں نے تجاوز شروع کیا۔ انگریزی مجلسی مذاق میں شراب کا پینا لازمی امر ہے۔ جس محفل میں شراب نہ ہو۔ وہ گویا مجلس ہی قابل نفرت ہے +

پس وہ لوگ جو انگریزی طرز اور فیشن کے دلدادہ ہیں۔ وہ کب دین کی حدود کے اندر آنے لگے۔ اور مذہب کی طرف بُلانے والوں کی طرف اُن کو رغبت ہو تو کس طرح +

مَیں سچ کہتا ہوں کہ لوگوں نے اس امر پر غور نہیں کی۔ کہ عیسائیت کیونکر اندر ہی اندر سرایت کر رہی ہے۔ مَیں نے اس پر بہت غور کی ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ہر ایک اس وقت عیسائیت کی طرف لیجایا جاتا ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان پادریوں نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ بھی اس کے پھیلانے میں فروگذاشت نہیں کیا۔ ہر قسم کے طریق اشاعت کو انہوں نے اختیار کیا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ جائز ہے یا ناجائز۔ یہ انگریزی فیشن ہی کا اثر ہے کہ اب علانیہ شراب پی لی جاتی ہے۔ زنا کاری کیلئے کوئی امر مانع نہیں ہے بلکہ اس کی ممد اور معاون امور پیدا ہوتے جاتے ہیں قمار بازی گو قانوناً جُرم ہو مگر اس کی بعض ایسی صورتیں پیدا کر لی گئی ہیں کہ وہ قانوناً جائز ہی قرار دیگئی ہیں عیسائی عورتوں کا بے پردہ پھرنا اور عام طور پر غیر مردوں سے رلنا مِلنا اس نے ایسا خطرناک اثر کیا ہے کہ بہت سے لوگ ہیں جو عورتوں کو بے پردہ سیر کرانا پسند کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ عورت اور مرد کے حقوق مساوی ہیں۔ اُن کو پردہ میں نہ رکھا جاوے یہ ظلم ہے +

اسلامی پردہ پر اعتراض کرنا اُن کی جہالت ہے۔ اللہ تعالٰے نے پردہ کا ایسا حکم دیا ہی نہیں جس پر اعتراض وارد ہو +

قرآن مسلمان مردوں اور عورتوں کو ہدایت کرتا ہے۔ کہ وہ غض بصر کریں۔ جب ایک دوسرے کو دیکھینگے ہی نہیں تو محفوظ رہینگے۔ یہ نہیں کہ انجیل کی طرح یہ حکم دیدیتا کہ شہوت کی نظر سے نہ دیکھ۔ افسوس کی بات ہے۔ کہ انجیل کے مصنف کو یہ بھی معلوم نہیں ہوا۔ کہ شہوت

کی نظر کیا ہے۔ نظر ہی تو ایک ایسی چیز ہے جو شہوت انگیز خیالات کو پیدا کرتی ہے۔ اس تعلیم کا جو نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ اُن لوگوں سے مخفی نہیں ہے جو اخبارات پڑھتے ہیں۔ اُن کو معلوم ہوگا۔ کہ لنڈن کے پارکوں اور پیرس کے ہوٹلوں کے کیسے شرمناک نظارے بیان کئے جاتے ہیں +

اسلامی پردہ سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ عورت جیلخانہ کی طرح بند رکھی جاوے۔ قرآن شریف کا مطلب یہ ہے۔ کہ عورتیں ستر کریں۔ وہ غیر مرد کو نہ دیکھیں۔ جن عورتوں کو باہر جانے کی ضرورت تمدنی امور کیلئے پڑے۔ اُن کو گھر سے باہر نکلنا منع نہیں ہے۔ وہ بیشک جائیں لیکن نظر کا پردہ ضروری ہے +

مساوات کیلئے عورتوں کے نیکی کرنے میں کوئی تفریق نہیں رکھی گئی ہے۔ اور نہ اُن کو منع کیا گیا ہے کہ وہ نیکی میں مشابہت نہ کریں۔ اسلام نے یہ کب بتایا ہے کہ زنجیر ڈال کر رکھو۔ اسلام شہوات کی بنا کو کاٹتا ہے۔ یورپ کو دیکھو کیا ہو رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ کتوں اور کتیوں کی طرح زنا ہوتا ہے۔ اور شراب کی اس قدر کثرت ہے کہ تین میل تک شراب کی دُکانیں چلی گئی ہیں۔ یہ کس تعلیم کا نتیجہ ہے؟ کیا پردہ داری کا یا پردہ دری کا؟

اسلام کی بات کو بگاڑنا اور اندھا دُھند اعتراض کرنا ظلم ہے۔ اسلام تقویٰ سکھلانے کے واسطے دُنیا میں آیا ہے +

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ لوگ ملوک کے دین پر ہوتے ہیں۔ اور میں نے مختلف مثالوں کے ذریعہ اس امر کو بیان کر دیا ہے۔ اب دیکھ لو کہ جو حالات ابتر اس ملک میں ہوتے ہیں وہ کسی اور مُلک میں نہیں ہیں یہانتک کہ مکہ مدینہ میں بھی نہیں ہوئے۔ ایسی آزادی اور اباحت جو یہاں ہے۔ اسکی نظیر کسی دوسرے ملک میں نہ ملیگی۔ اور ان مُلکوں میں چونکہ اس قسم کے محرکات پیش نہیں آتے۔ اسلئے وہاں خیالات بھی بہت ابتر نہیں ہوتے۔ اب میں پھر اصل مطلب کی طرف آتا ہوں۔ میں نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ دو برُوز ہیں۔ ایک الدجال دوسرا یاجوج ماجُوج کا۔ الدجال کا بروز وہ ہے جو آدم علیہ السلام سے لیکر ایک سلسلہ چلا جاتا تھا جس قسم کی بدیاں اور شرارتیں مختلف طور پر مختلف وقتوں میں ظاہر ہوئیں آج اُن سب کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اور ایک عجیب نظارۂ قدرت دکھایا ہے۔ چونکہ اب انسانی عمروں کا خاتمہ ہے اسلئے خاتمہ پر ایک بدیوں کا اور ایک نیکیوں کا بروز بھی دکھایا +

بدیوں کا برُوز وہی ہے۔ جس کو میں نے الدجال کہا ہے۔ تمام مکائد اور شرارتوں کا وہ مجموعہ ہے

اِس آخری زمانہ میں ایک گروہ کو سفلی عقل اِس قدر دیگئی ہے کہ تمام چھپی ہوئی چیزیں پیدا ہو گئی ہیں۔ اِس نے دو قسم کا دجل دکھایا۔ ایک قسم کا حملہ نبوت پر کیا اور ایک خدا پر +

نبوت پر تو یہ حملہ تھا کہ منشائے الٰہی کو بگاڑا اور دماغی طاقتوں کو انتہائی مدارج پر پہنچا کر الوہیت پر تصرف کرنے کیلئے خدا پر حملہ کیا۔ امراض مزمنہ کے علاج کی طرف توجہ اور ایک کا نطفہ لیکر رحم میں بذریعہ کل ڈالنا۔ بارش برسانے کے آلات کا ایجاد کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب امور اس قسم کے ہیں جن سے پایا جاتا ہے۔ کہ یہ لوگ الوہیت پر تصرف کرنا چاہتے ہیں یہ گروہ خود خدا بن رہا ہے۔ اور دوسرا گروہ کسی اور انسان کو خدا بناتا ہے۔ جو کچھ آج کل یورپ اور امریکہ میں ہو رہا ہے۔ اسکی غرض کیا ہے یہی کہ ایک آزادی اور حرص جو پیدا ہو گئی ہے۔ اسکو پورے طور پر کام میں لاکر ربوبیت کے بھیدوں کو معلوم کر کے خدا سے آزاد ہو جاویں +

غرض جان ڈالنے کے مردوں کو زندہ کرنے کے بارش برسانے کے تجربے کرتے ہیں یہاں تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ اُن کی تو کوشش یہ ہو رہی ہے۔ کہ جو کچھ دُنیا میں ہو رہا ہے وہ سب ہمارے ہی قبضہ میں آجائے +

اگرچہ میں اس بات کو مانتا ہوں کہ تدبیر کرنا منع نہیں ہے لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ گناہ ہمیشہ افراط یا تفریط سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر انسان کو صرف ہاتھ لگا دو تو گُناہ نہیں ہے لیکن اگر اُس کو ایک مُکّا مار دو تو یہ گناہ ہے۔ یہ افراط ہے۔ اور تفریط یہ ہے۔ کہ کسی کو اگر ایک پیالہ پانی دینے کی ضرورت ہو۔ مگر وہ اسکو ایک قطرہ دے +

غرض موجودہ زمانہ میں دجّال کا بروز ایک معجون مرکب ہے۔ ایک حملہ خدا پر ہو رہا ہے ایک نبوّت پر +

ایک خدا کو انسان بناتا ہے دوسرا آپ ہی خدا بنتا ہے۔ کیا یہ بات سچ نہیں ہے؟ کتابیں دیکھو۔ اخبارات پڑھو تو پتہ لگیگا کہ کس قدر فساد برپا ہو رہا ہے۔ اور یہ دورنگی ظلم ڈھا رہی ہے +

یاجوج ماجوج کے فساد کی نسبت میں نے بتا دیا ہے۔ کہ اس کا اثر دل پر پڑتا ہے اس کو شوکت ہے۔ خدا کی طرف رجوع کرنا امانت دیانت کا اختیار کرنا شراب۔ زنا۔ بدنظری بدکاری قمار بازی سے بچنا مشکل ہو رہا ہے بہت ہی تھوڑے شاید ایک آدمی فی ہزار جو بچتے ہونگے

اب یہ بات کیسی صاف ہے۔ کہ جبکہ بدی کے دو برُوز تھے۔ اور ایسا ہی نیکی کے بھی دو بروز بدی
کے مقابل ضروری تھے۔ چنانچہ دو بروز نیکی کے بھی رکھے۔ دراصل وہ بھی ایک ہی چیز ہے
جس کے دو نام ہیں۔ جیسے ایک ہی حالت میں مجسٹریٹ اور کلکٹر دو جُداگانہ عہدے ہوتے ہیں +
وہ نیکی کے برُوز یہ ہیں۔ کہ ایک تو اندرُونی لحاظ سے ہے اور دوسرا بیرُونی لحاظ سے +
اندرونی لحاظ سے وہ مہدی ہے۔ اور بیرُونی لحاظ سے مسیح ابن مریم۔ بیرُونی طور پر مسیح کا کام
کیا ہے؟ جو اس کا یہ نام رکھا مسیح ابن مریم کا کام دفع شر ہو گا۔ اور مہدی کا کام کسب خیر
چنانچہ غور کرو۔ کہ مسیح کا کام یقتل الخنزیر اور یکسر الصلیب بتایا ہے یہی دفع
شرّ ہے لیکن ہمارا یہ مذہب ہرگز نہیں ہے کہ وہ دفع شر کے لئے تیغ و سنان لیکر جنگ کے
واسطے نکلیگا +

عُلماء جو یہ کہتے ہیں کہ وہ جنگ کریگا یہ صحیح نہیں بلکہ بالکل غلط ہے۔ یہ کیا اصلاح ہوئی
کہ ابھی آپ آئے۔ اور آتے ہی تلوار پکڑ کر لڑائی کے واسطے میدان میں نکل آئے۔ یہ نہیں
ہو سکتا صحیح اور سچّی بات وہی ہے جو خدا تعالےٰ نے ہم پر کھولی۔ جو احادیث کے منشاء کے
مُوافق ہے۔ کہ مسیح کوئی خونی جنگ نہ کریگا۔ اور نہ تلوار پکڑ کر لڑنا اس کا منصب ہے بلکہ وہ
تو اصلاح کے لئے آئیگا۔ ہاں یہ ہم مانتے ہیں۔ کہ اس کا کام دفع شرّ ہے۔ اور وہ حجج اور
براہین سے کریگا +

اور مہدی کا کام کسب خیر ہے۔ یعنے جو بد عادات اور فسق و فجور پھیلا ہوا ہو گا۔ وہ اُس کو
ہدایت سے بدل دیگا عیسیٰ کا لفظ عوس سے لیا ہے جو دفع شر کی طرف ایما ہے۔ ان ہر دو
برُوزوں میں سرّ یہ ہے۔ کہ مہدی کا بروز اکمل ہے۔ کیونکہ اس کا کام ہے افاضہ خیر اور
افاضۂ خیر دفع شر کی نسبت اکمل بات ہے۔ ایک شخص ہے جو کسی کی راہ سے صرف کانٹے اُٹھاوے۔ یہ بیشک
بڑا کام ہے لیکن جو اُس کو سواری دے۔ اور اپنے گھر لیجا کر روٹی بھی کھلاوے۔ یہ اس سے بھی
بڑھ کر ہے۔ پس مہدی اکمل ہے اسی لئے وہ خلیفۃ اللہ ہے عیسیٰ ابن مریم جو مہدی
خلیفۃ اللہ کی بیعت کریگا۔ اس میں یہی سرّ ہے۔ اور مہدی کا بروز یُوں بھی اکمل ہے کہ وہ
دراصل رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا برُوز ہو گا۔ اور آپ خاتم الانبیاء تھے۔ اور
اکمل الانبیاء اسلئے اس کا بروز بھی اکمل ہی ہو گا +

یہ دو بروز تھے علماء نے کیسا ظلم کیا کہ ایک برُوز کو تو انہوں نے مان لیا کہ مہدی

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خُلق اور نام پر ہوگا لیکن عیسیٰ ابن مریم کی نسبت یہی تجویز کیا۔ کہ وہی آسمان سے اُتر کر آئیگا کسقدر تعجّب کی بات ہے کہ کیسے ذہن متنزّل ہوگئے ہیں۔ جو تناقض پیدا کرتے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے۔ ایک جگہ تو بروز رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مان لیا۔ اُس کا قائمقام خلیفۃ اللہ بنگیا۔ مگر پھر یہ کیا ہوا۔ کہ جو چھوٹا تھا اُسے خود کیوں آنا پڑا۔ وہ مہدی جس کو افاضۂ خیر دیا گیا ہے۔ اور جو اکمل ہے اسکو بروزی رنگ میں لاتے اور مسیح ابن مریم کو اس کی بعیت کرانے کے واسطے خود اُتارتے ہو۔ ع

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

جب ان سے پُوچھا جاوے۔ کہ تم ایک نبی کو اُتار کر جو اُس کی بعیت مہدی کے ہاتھ کراتے ہو یہ کیا بات ہے۔ تو جواب دیتے ہیں کہ کیا کیا جاوے۔ حدیث میں آیا ہے الائمۃ من القریش۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس حدیث کے وہی معنے ہوں جو تم قرار دیتے ہو تو چاہیئے تھا کہ سلطنت رُوم کے سب لوگ باغی ہوتے +

اگر پیشگوئی کے طور پر یہی نہ سمجھا جاوے۔ پھر جو سلطان رُوم کو خلیفۃ المسلمین قرار دیتے ہیں۔ اس کے کیا معنے ہوئے۔ اصل بات یہ ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو کشفی طور دکھایا تھا کہ خلیفہ قریش سے ہونگے خواہ حقیقی طور پر یا بروزی طور پر جیسے جال کا بروز دیا گیا۔ اسی طرح پر سلاطین مغلیہ وغیرہ بروزی طور پر قریش ہی ہیں۔ خدا نے جو عہد انکو دیا۔ وہ اس کے متکفل رہے۔ جب تک خدا نے چاہا۔ وہ سلطنت کرتے رہے۔ جب تک کوئی بروز کے مسئلہ کو نہیں سمجھتا اس پیشگوئی کی حقیقت کو سمجھ نہیں سکتا۔ اور آخر اُس کو اس پیشگوئی کو جھٹلانا پڑیگا +

جب اصل قریش میں استعداد نہ رہی۔ اور اس قوم میں وہ استعداد پائی گئی۔ تو خدا نے وہ عہدہ اس کے حوالے کیا یہی وجہ ہے۔ کہ طبعاً سلطان رُوم کی متابعت اختیار کی۔ اور سچی محبت سے اس کو قبول کیا۔ یہ تصنّع اور بناوٹ سے نہیں ہوا۔ بلکہ دلوں نے فتویٰ دیا۔ کہ وہ خادم حرمین الشریفین ہے۔ اظلالی امور ہمیشہ ہوتے ہیں اور ہونگے یہ معنے ہیں الائمۃ من القریش کے +

غرض یہ دو نام ایک ہی شخص کے تھے ایک کو افاضۂ خیر کا درجہ بلا دوسرے کو دفع شر کا افاضۂ خیر چونکہ بڑھ کر ہے۔ اس کو دفع شر پر بزرگی دی جاتی ہے۔ اسلئے اِس حیثیت سے

وہ خلیفۃ اللہ کہلایا۔

پس جیسے مقابل پر دو خبیث بروز تھے یہ خیر کے بروز تھے۔

اب اس کے متعلق میں ایک اور نکتہ بیان کر کے اس بیان کو ختم کرنا چاہتا ہوں عیسیٰ کے نام میں دفع شر کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اور احمد یا محمد کے نام میں افاضۂ خیر کا مفہوم ہے۔ نہایت ہی تعریف کیا گیا تعریف اس نام پر ہوتی ہے جس کو خیر پہنچاؤ گے وہ بے اختیار تعریف کریگا۔ حمد کرنے کے ساتھ لازمی طور پر منعم علیہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ سلم کا نام محمد اسلیئے ہی تھا کہ وہ افاضۂ خیر ہے جو خلق کی طرف کرتا ہے۔ الحمد منعم ہے اور محمد منعم علیہ ہے۔ اور عیسیٰ کے معنے ہیں بچایا گیا ہے۔ یہ تو دفع شر کی طرف اشارہ ہے یہی وجہ ہے کہ خدا نے وہ قصہ یاد دلایا۔ اذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ اس قصہ میں پیشگوئی ہوئی ہے۔ اب میں اس کا بیان لمبا کرنا نہیں چاہتا۔ پس اسی پر ختم کرتا ہوں۔ کہ مسیح اور مہدی دراصل ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ جو اس کی دو مختلف حیثیتوں کو ظاہر کرتے ہیں جو دفع شر اور افاضۂ خیر ہیں افسوس ان علماء پر کہ انہوں نے افاضۂ خیر کے بروز کو مانا اور دفع شر کے بروز سے انکار کیا!!!

آپس میں محبت کرو بدخلقی نہ کرو[1]

۲۵ فروری سنہ ۱۹۰۱ء اپنی جماعت کے لوگوں کو باہم محبت کرنے اور روحانی کمزور یونکے سامنے نرمی کا برتاؤ کرنے کا حکم کرتے ہوئے۔ اور اس درد دل کا اظہار کرتے ہوئے جو آپ کو اپنی جماعت کی بہتری کے واسطے ہے فرمایا:-

"میں اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے میں سے کمزور اور کچے لوگوں پر رحم کریں۔ اُن کی کمزوری کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ اُن پر سختی نہ کریں۔ اور کسی کے ساتھ بداخلاقی سے پیش نہ آئیں۔ بلکہ ان کو سمجھائیں۔ دیکھو صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی بعض منافق آکر ملجاتے تھے پر حضرت رسول الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اُن کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے۔ چنانچہ عبداللہ ابن ابی جس نے کہا تھا۔ کہ غالب لوگ ذلیل لوگونکو یہاں سے نکال دیں گے۔ چنانچہ سورہ منافقوں میں درج ہے۔ اور اس سے مراد اسکی یہ تھی۔ کہ کفار مسلمانوں کو نکال دیں گے۔ اس کے مرنے پر حضرت رسول کریم نے اپنا کرتہ

[1] الحکم جلد ۵ عہ۹ تاریخ تقریر ۲۵ فروری سنہ ۱۹۰۱ء

اس کے لئے دیا تھا +

میں نے یہ عہد کیا ہوا ہے ۔ کہ میں دُعا کے ساتھ اپنی جماعت کی مدد کروں دعا کے بغیر کام نہیں چلتا ۔ دیکھو صحابہ کے درمیان بھی جو لوگ دُعا کے زمانہ کے تھے یعنی مکی زندگی کے جیسی اُن کی شان تھی ویسی دوسروں کی نہ تھی ۔ حضرت ابوبکر جب ایمان لائے تھے ۔ تو اُنہوں نے کیا دیکھا تھا اُنہوں نے کوئی نشان نہ دیکھا تھا لیکن وہ حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور اندرونی حالات سے واقف تھے اس واسطے نبوّت کا دعویٰ سُنتے ہی ایمان لے آئے ۔ اسی طرح میں کہا کرتا ہوں ۔ کہ ہمارے دوست اکثر یہاں آیا کریں اور رہا کریں ۔ گہرا دوست اور پورا واقف بن جانے سے انسان بہت فائدہ اُٹھاتا ہے معجزات اور نشانات سے ایسا فائدہ نہیں ہوتا معجزات سے فرعون کو کیا فائدہ ہوا معجزات کے ہزاروں منکر ہوتے ہیں ۔ اخلاق کا منکر کوئی نہیں ہوتا ۔ طالب ہو کر اصلی اور جگری حالات کو دریافت کرنا چاہیئے ۔ آریہ لوگوں نے حضرت رسُول کریم پر اس قدر اعتراض کئے ہیں ۔ لیکن اگر ان لوگوں کو آپ کے اصلی حالات اور اخلاق کریمہ کی صحیح خبر ملجاتی تو یہ کبھی ایسی جُرات نہ کرتے ۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کے دو پہلو دکھلائے ۔ ایک مکی زندگی میں جبکہ آپ کے ساتھ صرف چند آدمی تھے ۔ اور کچھ قوت نہ تھی ۔ دوسرا مدنی زندگی میں جبکہ آپ فاتح ہوئے اور وہی کفار جو آپ کو تکالیف دیتے تھے ۔ اور آپ اُن کی ایذادہی پر صبر کرتے تھے اب آپ کے قابو میں آگئے ایسا کہ جو چاہتے آپ ان کو سزا دے سکتے تھے مگر آپ نے لا تثریب علیکم الیوم کہہ کر اُن کو چھوڑ دیا ۔ اور کچھ سزا نہ دی ہمیں حضرت مسیح پر ایمان ہے ۔ اور اُن کے ساتھ محبت ہے مگر یہ کہنے میں ہم لاچار ہیں کہ ان کو اپنے مخالفین پر قدرت اور طاقت نہیں ہوئی ۔ اور اُن کو یہ موقعہ نہیں ملا کہ دشمن پر قابو پا کر پھر اپنے اخلاق کا اظہار کریں ۔ اور اگر اُن کو یہ موقعہ ملتا تو معلوم نہیں وہ کیا کرتے ۔ سچا مسلمان وہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آوے میں دو باتوں کے پیچھے لگا ہوا ہوں ۔ ایک یہ کہ اپنی جماعت کے واسطے دعا کروں ۔ دُعا تو ہمیشہ کیجاتی ہے مگر ایک نہایت جوش کی دُعا ۔ جس کا مرتبہ کبھی مجھے ملجائے ۔ اور دوم یہ کہ قرآن شریف کا ایک خلاصہ ان کو لکھ دوں ۔ قرآن شریف میں سب کچھ ہے ۔ مگر جب تک

بصیرت نہ ہو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا ۔ قرآن شریف کو پڑھنے والا جب ایک سال سے دوسرے
سال میں ترقی کرتا ہے ۔ تو اپنے گذشتہ سال کو ایسا معلوم کرتا ہے ۔ کہ گویا وہ تب
ایک طفل مکتب تھا ۔ کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور اس میں ترقی بھی ایسی ہی ہے ۔ جن لوگوں
نے قرآن شریف کو ذوالوجوہ کہا ہے ۔ میں ان کو پسند نہیں کرتا انہوں نے قرآن شریف
کی عزت نہیں کی ۔ قرآن شریف کو ذوالمعارف کہنا چاہیئے ۔ ہر مقام میں سے کئی معارف
نکلتے ہیں ۔ اور ایک نکتہ دوسرے نکتہ کا نقیض نہیں ہوتا ۔ مگر زود رنج ۔ کینہ پرور اور
غصہ والی طبائع کے ساتھ قرآن شریف کی مناسبت نہیں ہے ۔ اور نہ ایسوں پر
قرآن شریف کھلتا ہے ۔ میرا ارادہ ہے کہ اس قسم کی تفسیر بنا دوں نرا فہم اور اعتقاد
نجات کے واسطے کافی نہیں جب تک کہ وہ عملی طور پر ظہور میں نہ آوے ۔ عمل کے
سوا کوئی قول جان نہیں رکھتا ۔ قرآن شریف پر ایسا ایمان ہونا چاہیئے کہ یہ درحقیقت
معجزہ ہے اور خدا کے ساتھ ایسا تعلق ہو کہ گویا اسکو دیکھ رہا ہے جبتک لوگوں میں یہ بات
پیدا نہ ہو جائے ۔ گویا جماعت نہیں بنی ۔ اگر کسی سے کوئی ایسی غلطی ہو کہ وہ صرف ایک غلط
خیال کی وجہ سے ایک امر میں ہمارے مخالفت کرتا ہے ۔ تو ہم ایسے نہیں ہیں کہ ہم اُس پر
ناراض ہو جائیں ہم جانتے ہیں ۔ کہ کمزوروں پر رحم کرنا چاہیئے ۔ ایک بچہ اگر بستر پر پاخانہ
بھر دے ۔ اور ماں غصہ میں آکر اسکو پھینک دے ۔ تو وہ خون کرتی ہے ۔ ماں اگر بچہ
کے ساتھ ناراض ہونے لگے ۔ اور ہر روز اُس سے روٹھنے لگے ۔ تو کام کب بنے ۔ وہ جانتی
ہے ۔ کہ یہ ہنوز نادان ہے ۔ رفتہ رفتہ خدا اس کو عقل دے گا ۔ اور کوئی وقت آتا ہے کہ یہ
سمجھ لیگا ۔ کہ ایسا کرنا نامناسب ہے ۔ سو ہم ناراض کیوں ہوں ۔ اگر ہم کذب پر ہیں تو خود ہمارا
کذب ہمیں ہلاک کرنیکے واسطے کافی ہے ۔ ہم اس راہ پر قدم مارنے والے سب سے پہلے نہیں ہیں
جو ہم گھبرا جائیں کہ شاید حق والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کیا معاملہ ہوا کرتا ہے ۔ ہم جانتے
ہیں ۔ کہ سُنت اللہ کیا ہے ۔ سرور انبیاء پر کروڑوں اعتراض ہوئے ۔ ہم پر تو اتنے ابھی نہیں
ہوئے بعض کہتے ہیں ۔ کہ جنگ احد میں آپ کو ۷۰ تلواریں لگی تھیں صدق کا بیج
ضائع نہیں ہوتا ۔ ابوبکری طبیعت تو کوئی ہوتی ہے ۔ کہ فوراً مان لے ۔ طبائع مختلف ہوتی
ہیں ۔ مگر نشان کے ساتھ کوئی ہدایت پا نہیں سکتا ۔ سکینت باطنی آسمان سے نازل
ہوتی ہے ۔ تصرفات باطنی یکدفعہ تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں ۔ پھر انسان ہدایت پاتا ہے ۔

ہدایت امر ربی ہے۔ اس میں کسی کو دخل نہیں۔ میرے قابو میں ہو تو میں سب کو قطب اور ابدال بنا دوں مگر یہ امر محض خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ہاں دُعا کی جاتی ہے ✦

ہم طیار ہیں۔ کہ ہمارے مخالف ہمارے ساتھ صلح کر لیں۔ میرے پاس ایک تھیلہ اُن کی گالیوں سے بھرے ہوئے کاغذات کا پڑا ہے۔ ایک نیا کاغذ آیا تھا وہ بھی آج میں نے اس میں داخل کر دیا ہے۔ مگر ان سب کو ہم جانے دیتے ہیں۔ اپنی جماعت کے ساتھ اگرچہ میری ہمدردی خاص ہے۔ مگر میں سب کے ساتھ ہمدردی کرتا ہوں۔ اور مخالفین کے ساتھ بھی میری ہمدردی ہے۔ جیسا ایک حکیم تریاق کا پیالہ مریض کو دیتا ہے کہ وہ شفا پاوے۔ مگر مریض غُصہ میں آکر اس پیالہ کو توڑ دیتا ہے تو حکیم اس پر افسوس کرتا ہے اور رحم کرتا ہے۔ ہمارے قلم سے مخالف کے حق میں جو کچھ الفاظ سخت نکلتے ہیں وہ محض نیک نیتی سے نکلتے ہیں جیسے ماں بچّہ کو کبھی سخت الفاظ بولتی ہے۔ مگر اس کا دل درد سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ صادق اور کاذب کا مُعاملہ خدا کے نزدیک ایک نہیں ہوتا۔ خدا جس کو محبّت کے ساتھ دیکھتا ہے۔ اس کے ساتھ اور دوسروں کے ساتھ اُس کا ایک سلوک نہیں ہوتا۔ کیا سب کے ساتھ اُس کا معاملہ ایک ہی رنگ کا ہے ✦

مخالفین ہم سے صلح کر لیں۔ ملنا جُلنا شروع کر دیں۔ بیشک اپنے اعتقاد پر رہیں۔ ملاقات سے اصلی حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ امرتسر کے بعض مخالف سمجھتے ہیں۔ کہ ہم خدا کے مُنکر ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ ایسی بدظنی کا سبب یہی ہے۔ کہ وہ ہم سے بالکُل الگ ہو گئے ہیں۔ اس قسم کا انقطاع تو کمزور لوگ کرتے ہیں۔ کہ بالکُل الگ ہو جائیں الحق یعلوا و لا یعلی۔ تم ہم سے ڈرتے کیوں ہو۔ اگر ہم حقیر ہیں تو تم ہم پر غالب آجاؤ گے۔ اگر صلح بھی نہیں کرتے۔ تو پھر مقابلہ میں آنا چاہیئے۔ مقابلہ کے وقت خدا صادق کی مدد کرتا ہے۔ کتب اللّٰہ لاغلبن انا ورسلی ✦

ایک حق جو اور حضرت اقدس[1]

۔ ایک حق جو جس نے شیخ مولا بخش صاحب کو ایک مرتبہ جلسہ اعظم مذاہب الاسلام مضمون پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ وہ حضرت مسیح موعود کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے عرض کی۔ کہ میرے دل میں کشمکش پیدا ہو رہی تھی۔ اب وہ میری آرزو پوری ہوئی ہے۔ اور میں اپنی زندگی کو بنانا چاہتا ہوں۔ اسی غرض کے واسطے حضور کی خدمت

[1] الحکم جلد ۵ ع۱۱ تاریخ تقریر ۱۵ مارچ ۱۹۰۱ء ✦

میں حاضر ہوا ہوں۔ اس پر حضرت اقدس امام ہمام علیہ الصلوۃ والسلام نے یوں ارشاد فرمایا:-

حقیقت یہی ہے کہ انسان کو پوست اور چھلکے پر ٹھہرنا نہیں چاہیئے۔ اور نہ انسان پسند کرتا ہے کہ وہ صرف پوست پر قناعت کرے۔ بلکہ وہ آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ اور اسلام انسان کو اسی مغز اور رُوح پر پہنچانا چاہتا ہے۔ جس کا وہ فطرتاً طلبگار ہے۔ یہ نام ہی ایسا نام ہے کہ اس کو سُنکر رُوح میں ایک لذت آتی ہے۔ اور کسی مذہب کے نام سے کوئی تسلی رُوح میں پیدا نہیں ہوتی۔ مثلاً آریہ کے نام سے کونسی رُوحانیت نکالیں۔ اسلام سکینت شانتی۔ تسلی کے لیئے بنایا گیا ہے جس کے واسطے انسان کی رُوح بھوکی پیاسی ہوتی ہے۔ تاکہ اس نام کا سُننے والا سمجھ لے کہ اس مذہب کا سچے دل سے ماننے والا اور اس پر عمل کرنیوالا خدا کا عارف ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ اگر انسان چاہے کہ ایک دم میں سب کچھ ہو جائے اور معرفت الٰہی کے اعلےٰ مراتب پر یکدفعہ پہنچ جائے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا۔ دُنیا میں ہر ایک کام تدریج سے ہوتا ہے۔ دیکھو کوئی علم اور فن ایسا نہیں جس کو انسان تامل اور توقف سے نہ سیکھتا ہو ضروری ہے کہ سلسلہ وار مراتب کو طے کرے دیکھو زمیندار کو زمین میں بیج بوکر انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اول وہ اپنی عزیز شئے اناج کو زمین میں ڈالدیتا ہے جس کو فوراً جانور چگ جائیں یا مٹی کھالے یا کسی اور طرح ضائع ہو جائے۔ مگر تجربہ اسکو تسلی دیتا ہے کہ نہیں ایک وقت آتا ہے کہ یہ دانے جو اس طرح پر زمین کے سپُرد کیئے گئے ہیں بار ور ہونگے اور یہ کھیت سرسبز لہلہاتا ہوا نظر آئیگا۔ اور یہ خاک آمیختہ بیج رزق بن جائیں گے +

اب آپ غور کریں کہ دُنیاوی اور جسمانی رزق کیلئے جس کے بغیر کچھ دن آدمی زندہ بھی رہ سکتا ہے۔ چھ مہینے درکار ہیں۔ حالانکہ وہ زندگی جس کا مدار جسمانی رزق پر ہے ابدی نہیں بلکہ فنا ہو جانے والی ہے۔ پھر رُوحانی رزق جو رُوحانی زندگی کی غذا ہے جس کو کبھی فنا نہیں۔ اور وہ ابدالآباد کے لیئے رہنے والی ہے۔ دو چار دن میں کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالےٰ اس بات پر قادر ہے۔ کہ وہ ایک دم میں جو چاہے کر دے۔ اور ہمارا ایمان ہے۔ کہ اُس کے نزدیک کوئی چیز انہونی نہیں ہے۔ اسلام نے ایسا خدا پیش ہی نہیں کیا جو مثلاً آریوں کے پیش کردہ پرمیشر کی طرح نہ کسی رُوح (جیو) کو پیدا کر سکے نہ مادہ کو اور نہ اپنے طلبگاروں کو اور صادقوں کو سچی شانتی اور ابدی مکتی دے سکے۔ نہیں بلکہ اسلام نے وہ خدا پیش کیا ہے جو اپنی قُدرتوں اور طاقتوں میں

بے نظیر اور لا شریک خدا ہے۔ مگر ہاں اس کا قانون یہی ہے کہ ہر ایک کام ایک ترتیب اور تدریج سے ہوتا ہے۔ اسلئے صبر اور حُسن ظن سے اگر کام نہ لیا جائے تو کامیابی مشکل ہے مجھے یاد ہے کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا کہ پہلے بزرگ پھُونک مار کر آسمان پر پہنچا دیتے تھے۔ میں نے کہا۔ کہ تم غلطی کرتے ہو۔ خدا تعالےٰ کا یہ قانون نہیں ہے۔ اگر ایک مکان میں فرش کرنے لگو تو پہلے ضروری ہوگا۔ کہ اس میں کوئی حصّہ قابل مُرمّت ہو تو اسکی مرمت کرنی پڑیگی۔ اور جہاں جہاں گندگی اور ناپاکی پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اسکو فینائل وغیرہ سے صاف کیا جاتا ہے۔ غرض بہت سی تدبیروں اور حیلوں کے بعد وہ اس قابل ہوگا کہ اس میں فرش بچھایا جائے۔ اسی طرح ہر انسان کا دل اس سے پیشتر کہ خدا تعالےٰ کے رہنے کے قابل ہو وہ شیطان کا تخت ہے۔ اور سلطنت شیطان میں ہے۔ اب دوسری سلطنت کیلئے اس شیطانی سلطنت کا قلع قمع ضروری ہے۔ نہایت ہی بدقسمت ہے وہ انسان جو حق کی طلب میں نہ نکلے۔ اور پھر حُسن ظن سے کام نہ لے۔ ایک کُمہار کو ہی دیکھو کہ اس کو مٹی کا برتن بنانے میں کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ دھوبی ہی کو دیکھو کہ وہ ایک ناپاک اور میلے کچیلے کپڑے کو جب صاف کرنے لگتا ہے تو کس قدر کام اسکو کرنے پڑتے ہیں۔ کبھی کپڑے کو بھٹی پر چڑھاتا ہے۔ کبھی اس کو صابن لگاتا ہے۔ پھر اس کی میل کچیل کو مختلف تدبیروں سے نکالتا ہے۔ آخر وہ صاف ہو کر سفید نکل آتا ہے۔ اور جس قدر میل اس کے اندر ہوتی ہے سب نکل جاتی ہے جب ادنےٰ ادنےٰ چیزوں کے لیئے اس قدر صبر سے کام لینا پڑتا ہے تو پھر کس قدر نادان ہے وہ شخص جو اپنی زندگی کی اصلاح کے واسطے اور دل کی غلاظتوں اور گندگیوں کو دُور کرنے کیلئے یہ خواہش کرے۔ کہ یہ پھونک مارنے سے نکل جائیں۔ اور قلب صاف ہو جائے یاد رکھو اصلاح کے لیئے صبر شرط ہے۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ تزکیہ اخلاق اور نفس کا نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ کسی مُزکّی نفس انسان کی صُحبت میں نہ رہے۔ اول دروازہ جو کھلتا ہے وہ گندگی دُور ہونے سے کُھلتا ہے۔ جن پلید چیزوں کو مناسبت ہوتی ہے۔ وہ اندر رہتی ہیں۔ لیکن جب کوئی تریاقی صُحبت ملجاتی ہے تو اندرونی پلیدی رفتہ رفتہ دُور ہونی شروع ہوتی ہے۔ کیونکہ پاکیزہ رُوح کے ساتھ جس کو قرآن کریم اور اسلام کی اصطلاح میں رُوح القدس کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ تعلق نہیں ہو سکتا جب تک

کہ مناسبت نہ ہو۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ تعلق کب تک پیدا ہو جاتا ہے۔ ہاں ع

خاک شو پیش از انکہ خاک شوی

پر عمل ہونا چاہیئے۔ اپنے آپ کو اس راہ میں خاک کر دے۔ اور پورے صبر اور استقلال کے ساتھ اس راہ میں چلے۔ آخر اللہ تعالیٰ اس کی سچی محنت کو ضائع نہیں کریگا۔ اور اس کو وہ نور اور روشنی عطا کرے گا۔ جس کا وہ جویا ہوتا ہے۔ میں تو حیران ہو جاتا ہوں اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان کیوں دلیری کرتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ خدا ہے۔

میں نے جس شخص کا ذکر کیا ہے کہ اس نے مجھ سے کہا کہ پہلے بزرگ پھونک مار کر غوث و قطب بنا دیتے تھے میں نے اسکو یہی کہا کہ یہ درست نہیں ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا قانون نہیں ہے۔ تم مجاہدہ کرو تب اللہ تعالیٰ اپنی راہیں تم پر کھولیگا۔ اُس نے کچھ توجہ نہ کی اور چلا گیا ایک مدت کے بعد وہ پھر میرے پاس آیا تو اسکو اس پہلی حالت سے بھی ابتر پایا۔ غرض انسان کی بدقسمتی یہی ہے کہ وہ جلدی کا قانون تجویز کر لیتا ہے۔ اور جب دیکھتا ہے کہ جلدی کچھ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں تو تدریج اور ترتیب ہے تو گھبرا اُٹھتا ہے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دہریہ ہو جاتا ہے۔ دہریت کا پہلا زینہ یہی ہے میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ یا تو بڑے بڑے دعوے اور خواہشیں پیش کرتے ہیں۔ کہ یہ ہو جائیں اور وہ بن جائیں اور یا پھر آخر ارزل زندگی کو قبول کر لیتے ہیں۔ ایک شخص میرے پاس کچھ مانگنے آیا جوگی تھا۔ اس نے کہا کہ میں فلاں جگہ گیا فلاں مرد کے پاس گیا۔ آخر اسکی حالت اور انداز گفتگو سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ مانگ کر گذارہ کر لینا چاہیئے۔ اصل اور سچی بات یہی ہے کہ صبر سے کام لیا جائے سعدی نے کیا خوب کہا ہے ؎

گر نباشد بدوست راہ بردن   شرط عشق ست در طلب مردن

اللہ تعالیٰ تو آخیر حد تک دیکھتا ہے جس کو کچا اور غدار دیکھتا ہے وہ اس کی جناب میں راہ نہیں پا سکتا ؎

طلبگار باید صبور و حمول   کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول

کیمیا گر باوجودیکہ جانتا ہے کہ اب تک کچھ بھی نہیں ہوا لیکن پھر بھی صبر کے ساتھ اس بھٹی کا پھونکنے میں لگا ہی رہتا ہے۔ میرا مطلب اس سے یہی ہے کہ اول صبر کی ضرورت ہے جس کے ساتھ اگر رُشد کا مادہ ہے تو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا۔ اصل غرض تو یہی ہے کہ خدا تعالیٰ

سے محبت پیدا ہو لیکن میں کہتا ہوں کہ محبت تو ایک دوسرا درجہ ہے یا نتیجہ ہے سب سے اول تو ضروری یہ بات ہے کہ اللہ تعالےٰ کے وجود پر بھی یقین پیدا ہو۔ اس کے بعد رُوح میں خود ایک جذب پیدا ہو جاتا ہے۔ جو خود بخود اللہ تعالےٰ کی طرف کھچی چلی آتی ہے۔ جس جس قدر معرفت اور بصیرت بڑھے گی۔ اسی قدر لذت اور سرور بڑھتا جائیگا معرفت کے بغیر تو کبھی لذت پیدا نہیں ہو سکتی ذوق شوق کا اصل مبدا تو معرفت ہی ہے معرفت ہی ایک شے ہے۔ جس سے محبت پیدا ہوتی ہے معرفت اور محبت کے اجتماع سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے وہ بہبود ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ کسی خوبصورتی کا محض دیکھ لینا ہی تو محبت پیدا نہیں کر سکتا جب تک اس کے متعلق معرفت نہ ہو۔ یقیناً سمجھو کہ محبت بدوں معرفت کے محال ہے۔ جو محبوب ہے اس کی معرفت کے بغیر محبت کیا؟ یہ ایک خیالی بات ہے بہت سے لوگ ہیں جو ایک عاجز انسان کو خدا سمجھ لیتے ہیں بھلا وہ خدا میں کیا لذت پا سکتے ہیں۔ جیسے عیسائی ہیں کہ حضرت مسیح کو خدا بنا رہے ہیں اور اس پر خدا محبت ہے خدا محبت ہے پُکارتے پھرتے ہیں۔ اُن کی محبت حقیقی محبت نہیں ہو سکتی ایک ادّعائی اور خیالی محبت ہے۔ جبکہ خدا تعالےٰ کی بابت اُن کو سچی معرفت ہی نصیب نہیں ہوئی۔ پس سب سے پہلے پھر یہ ضروری ہے۔ کہ اول تصحیح عقیدہ کرے ہندو کچھ اور پیش کرتے ہیں۔ عیسائی کچھ اور ہی دکھاتے ہیں جیسی کسی اور خدا کو پیش کرتے ہیں مسلمانوں کا وہی خدا ہے۔ جس کو انہوں نے قرآن کے ذریعہ دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ جبتک اسکو شناخت نہ کیا جائے۔ خدا کے ساتھ کوئی تعلق اور محبت پیدا نہیں ہو سکتی نرے دعوے سے تو کچھ نہیں بنتا۔

پس جب عقیدہ کی تصحیح ہو جاوے۔ تو دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ نیک صحبت میں رہکر اس معرفت کو ترقی دی جاوے۔ اور دُعا کے ذریعہ بصیرت مانگی جاوے۔ جس جس قدر معرفت اور بصیرت بڑھتی جاویگی اسی قدر محبت میں ترقی ہوتی جاویگی۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ محبت بدوں معرفت کے ترقی پذیر نہیں ہو سکتی۔ دیکھو انسان ٹین یا لوہے کے ساتھ اس قدر محبت نہیں کرتا جس قدر تانبے کے ساتھ کرتا ہے۔ پھر تانبے کو اس قدر عزیز نہیں رکھتا جتنا چاندی کو رکھتا ہے اور سونے کو اس سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہے۔ اور ہیرے اور دیگر جواہرات کو اور بھی عزیز رکھتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ اسکو ایک معرفت ان دھاتوں کی بابت ملتی ہے۔ جو اسکی محبت کو بڑھاتی ہے۔ پس اصل بات یہی ہے۔ کہ محبت میں ترقی اور قدر و قیمت

از اخبار الحکم ۱۰ مارچ سنہ ۱۹۰۱ء

میں زیادتی کی وجہ معرفت ہی ہے اس سے پیشتر کہ انسان سرور اور لذت کا خواہشمند ہو اُس کو ضروری ہے کہ وہ معرفت حاصل کرے۔ لیکن سب سے ضروری امر جس پر ان سب باتوں کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ وہ **صبر اور حسن ظن** ہے۔ جب تک ایک حیران کر دینے والا صبر نہ ہو کچھ بھی نہیں ہو سکتا +

جب انسان محض حق جوئی کے لئے تھکا نہ دینے والے صبر کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی راہ میں سعی اور مجاہدہ کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے وعدہ کے موافق اس پر ہدایت کی راہ کھول دیتا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ یعنے جو لوگ ہم میں ہو کر سعی اور مجاہدہ کرتے ہیں۔ آخر ہم ان کو اپنی راہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ ان پر دروازے کھولے جاتے ہیں۔ یہ سچی بات ہے کہ جو ڈھونڈتے ہیں وہ پاتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ع

اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جو شخص ہمارے پاس آتا ہے۔ اور کھڑا کھڑا بات کر کے چل دیتا ہے۔ وہ گویا **خدا سے ہنسی کرتا ہے**۔ یہ خدا جوئی کا طریق نہیں ہے۔ اور نہ اللہ تعالےٰ نے اس قسم کا قانون مقرر کیا ہے۔ پس اول شرط خدا جوئی کے لئے سچی طلب ہے۔ دوسری صبر کے ساتھ اس طلب میں لگے رہنا۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس قدر عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر تجربہ بڑھتا جاتا ہے پھر معرفت کے لئے زیادہ دیر تک صحبت میں رہنا ضروری ہوا یا نہیں۔ میں نے بہت سے آدمی دیکھے ہیں جو اپنی اوائل عمر میں دُنیا کو ترک کرتے اور چیختے اور چلاتے ہیں۔ آخر اُن کا انجام یہ دیکھا گیا کہ وہ دُنیا میں منہمک پائے گئے اور دُنیا کے کیڑے بنگئے دیکھو بعض درختوں کو سنبر وہ پھل لگا کرتے ہیں جیسے شہتوت کے درخت کو عارضی طور پر ایک پھل لگتا ہے۔ آخر وہ سارے کا سارا گر جاتا ہے۔ اس کے بعد اصل پھل آتا ہے۔ اسی طرح پر خدا جوئی بھی عارضی طور پر اندر پیدا ہوتی ہے۔ اگر صبر اور حسن ظن کے ساتھ صدق قدم نہ دکھایا جاوے تو وہ عارضی جوش ایک وقت میں آکر یہی نہیں کہ فرو ہو جاتا ہے بلکہ ہمیشہ کے لئے دل سے محو ہو جاتا ہے۔ اور دُنیا کا کیڑا بنا دیتا ہے۔ لیکن اگر صدق و ثبات سے کام لیا جاوے تو اس عارضی جوش اور حق جوئی کی پیاس کے بعد واقعی اور حقیقی طور پر ایک طلب اور خواہش پیدا ہوتی ہے۔ جو دن بدن ترقی کرتی جاتی ہے یہانتک کہ

اس کی راہ میں اگر مشکلات اور مصائب کا پہاڑ بھی آجائے تو وہ کچھ پرواہ نہیں کرتا اور قدم آگے ہی بڑھاتا جاتا ہے۔ پس وہ انسان جو اس جوش اور خواہش کے وقت صبر سے کام لے اور یہ سمجھ لے کہ اس کو آخر عمر تک نبھانا ہے۔ وہ بہت ہی خوش طالع ہوتا ہے۔ اور جو چند تجربہ کر کے رہ جاتا ہے۔ اور تھک کر بیٹھ رہتا ہے تو اس کے ہاتھ میں صرف اتنا ہی رہ جاتا ہے کہ وہ کہتا پھرتا ہے کہ میں نے بہت سے باتونی دیکھے اور دوکاندار پائے۔ ایک بھی حق نما اور خدا نما نہ ملا +

پس میری تو یہ نصیحت ہے۔ میں نہیں جانتا کہ ہر ایک جو میرے پاس آتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ وہ خدا کے لئے آیا ہے اور خدا کو پانا چاہتا ہے۔ اس کا کیا حال ہے اس کی نیت کیسی ہے مگر میں اتنا ضرور کہتا ہوں۔ کہ جو اللہ تعالیٰ کی تلاش میں قدم اٹھائے سب سے اول اس کو لازم ہے کہ وہ صحیح عقائد کرے۔ یہ علوم کرے کہ کس خدا کو وہ پانا چاہتا ہے آیا اس خدا کی تلاش میں وہ ہے جو واقعی دنیا کا خالق اور مالک خدا ہے۔ اور جو تمام صفات کاملہ سے موصوف اور تمام بدیوں اور نقائص سے مبرا ہے یا کسی عورت کے بچے خدا کی تلاش میں ہے یا ایسے ہی کمزور اور ناتوان ۳۳ کروڑ خداؤں کا جویا ہے +

کیونکہ اگر اصلی محبوب اور مقصود کنارے ہی پر پڑا ہے تو سمندر میں غوطہ زنی سے کیا حاصل میں مثال کے طور پر کہتا ہوں۔ مثلاً عیسائی کہتے ہیں کہ **مسیح ابن مریم** جو ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ اس طرح پر جس طرح عام انسان پیدا ہوتے ہیں۔ اور کھاتا پیتا ہگتا موتتا رہا۔ **وہ خدا ہے**۔ اب یہ تو ممکن ہے۔ کہ ایک شخص کو اس سے محبت ہو لیکن انسانی دانش یہ کبھی تجویز نہیں کرتی کہ ایسا کمزور اور ناتوان انسان خدا بھی ہوتا ہے۔ یا یہ کہ عورتوں کے پیٹ سے بھی خدا پیدا ہوا کرتے ہیں۔ جب کہ پہلا ہی قدم باطل پر پڑا ہے تو دوسرے قدم کی حق پر پڑنے کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ جو شخص ایسے زندہ خدا کامل صفات سے موصوف خدا کو مان کر دل پر پڑتی ہیں وہ ایک مرنے والی ہستی اور ضعف و ناتوانی کی تصویر پرستی سے کہاں؟

الطالب لا مذھب لہ۔ طالب کو تو سارے تعصب اور عقیدے چھوڑ دینے چاہئیں پھر وہ سچے عقاید کی طلب میں لگے۔ تب بہتری کی اُمید ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے بنیادی اینٹ خدا ہونی چاہئے۔ تب آخری اینٹ بھی خدا ہی ہو گی +

جلد بازی اچھی چیز نہیں ہے۔ یہ عموماً بدقسمت انسان کی محرومی کا موجب ہوتی ہے

مثلاً اگر آپ ہماری صحبت میں رہیں اور چلے جائیں اور دو چار باتیں بھی کہدیں کہ وہاں کیا تھا کچھ نہ ملا۔ تو بتائیے ہمارا اس میں کیا نقصان ہوگا۔ دُنیا میں اس قسم کی باتیں کرنے والے بہت ہیں لیکن محروم و بدقسمت دیکھو اقلیدس کی چند اشکال اگر ایک بچے کے سامنے رکھدیں ممکن ہے وہ بعض اشکال کو پسند کرے لیکن ان اشکال کی پسندیدگی ایسی نفع بخش تو نہیں ہوسکتی۔ اسلئیے کہ وہ ان کے نتائج سے بیخبر ہے اور نہیں جانتا کہ ان سے کیا کیا فوائد پہنچ سکتے ہیں +

میں نے اسلام پر اعتراض کرنیوالے دیکھے بھی ہیں۔ اور ان اعتراضوں کو جمع بھی کیا ہے جو اسلام پر کیئے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جہاں ان ناواقفوں نے اعتراض کیا ہے وہی حکمت کا خزانہ اور بیش بہا معارف اور حقائق کا دفینہ ہوتا ہے۔ ان کے ہاتھ میں بجز نادانی اور کور چشمی کے اور کچھ نہیں ہے! اعتراض کرکے انہوں نے ثابت کردیا ہے کہ وہ تاریک دماغ کے انسان ہیں۔ اور کجرو طبیعت رکھتے ہیں۔ ورنہ وہ معارف حقائق کی معدن پر اعتراض نہ کرتے۔ اسلئے میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ نرمی اور تحمل کے ساتھ اصل حقیقت کی طلب میں لگیں +

از الحکم ۱۰ اپریل سنہ ۱۹۰۱ء

آپ خدا جوئی کے طالب ہیں۔ آپکے لئے عمدہ طریق یہی ہے۔ کہ آپ پہلے تصحیح عقاید کریں جس سے آپ کو یہ معلوم ہوگا۔ کہ وہ خدا جس کی تلاش اور جستجو آپ کو ہے ہے کیا چیز؟ اس سے آپ کی معرفت کو ترقی ملیگی۔ اور معرفت میں جو قوت جذب محبت کی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک محبت پیدا کرنے کا موجب ہوگی بدون اس کے محبت کا دعویٰ سنیر و پھل کی طرح ہے جو چند روز کے بعد زائل ہو جاتا ہے +

یہ آپ یاد رکھیں اور ہمارا مذہب یہی ہے کہ کسی شخص پر خدا کا نور نہیں چمک سکتا جب تک آسمان سے وہ نور نازل نہ ہو۔ یہ سچی بات ہے کہ فضل آسمان سے آتا ہے۔ جب تک خود خدا اپنی روشنی اپنے طلبگار پر ظاہر نہ کرے۔ اسکی رفتار ایک کیڑی کی مانند ہوتی ہے۔ اور ہونی چاہئیے۔ کیونکہ وہ قسم قسم کی ظلمتوں اور تاریکیوں اور راستہ کی مشکلات میں پھنسا ہؤا ہوتا ہے لیکن جب اس کی روشنی اس پر چمکتی ہے تو اُس کا دل و دماغ روشن ہو جاتا ہے اور وہ نور سے معمور ہوکر برق کی رفتار سے خدا کیطرف چلتا ہے +

حق جو - حضور میں مذہب کا پابند نہیں ہوں +

حضرت اقدس۔ اگر کوئی اپنی جگہ یہ فیصلہ کر کے آوے کہ میں نے کچھ ماننا ہی نہیں تو اسکو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور کہیں بھی کیا لیکن اگر کوئی عقل رکھتا ہے تو اضطراراً اسکو ایک راہ پیدا کرنی پڑتی ہے۔ مذہب کیا ہے؟ وہی راہ ہے جس کو وہ اپنے لیئے اختیار کرتا ہے مذہب تو ہر شخص کو رکھنا پڑتا ہے لامذہب انسان جو خدا کو نہیں مانتا اس کو بھی ایک راہ اختیار کرنی لازمی ہے اور وہی مذہب ہے۔ مگر ہاں امر غور طلب یہ ہونا چاہیئے کہ جس راہ کو اختیار کیا ہے کیا وہ **راہ** وہی ہے جس پر چلکر سچی **استقامت** اور دائمی راحت اور خوشی اور ختم نہ ہونے والا اطمینان مل سکتا ہے؟

دیکھو **مذہب** تو ایک عام لفظ ہے اس کے معنے چلنے کی جگہ یعنے راہ کے ہیں اور **دین** کے ساتھ مخصوص نہیں ہے ہر قسم کے علوم و فنون طبقات الارض طبیعی۔ طبابت۔ ہیئت وغیرہ میں بھی ان علوم کے ماہرین کا ایک مذہب ہوتا ہے۔ اس سے کسی کو چارہ ہو سکتا ہی نہیں یہ تو انسان کے لیئے لازمی امر ہے۔ اس سے باہر ہو نہیں سکتا پس جیسے انسان کی **رُوح** جسم کو چاہتی ہے معانی الفاظ اور پیرایہ کو چاہتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو مذہب کی ضرورت ہے +

ہماری یہ غرض نہیں ہے اور نہ ہم یہ بحث کرتے ہیں۔ کہ کوئی اللہ کہے یا **گاڈ** کہے یا **پرمیشر** ہمارا مقصد تو صرف یہ ہے۔ کہ جس کو وہ پکارتا ہے اس نے اس کو سمجھا کیا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ کوئی نام لو مگر یہ بتاؤ کہ تم اسے کہتے کیا ہو؟ اس کے صفات تم نے کیا قائم کیئے ہیں؟ صفات الٰہی کا مسئلہ ہی تو بڑا مسئلہ ہے جس پر غور کرنا چاہیئے +

حق جو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ مذہب کا کام فطرت کو درست کرنا ہے +

حضرت اقدس۔ اس وقت کوئی بادشاہ ہے مثلاً شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم ہے اب اگر کسی اور کو کہیں بھی تو تکلفات سے کہیں گے۔ مگر ہو نہیں سکتا۔ ہم بھی تو چاہتے ہیں کہ اس حقیقی خدا کو شناخت کیا جاوے اور باقی سب تکلفات چھوڑ دیئے جائیں۔ اس کا نام فطرت کی درستی ہے اسلام ہے کیا؟ اسلام کا تو نام ہی اللہ تعالےٰ نے **فطرت اللہ** رکھا ہے۔ فطرتی مذہب اسلام ہی ہے +

مگر ان باتوں کی حقیقت کب کھلتی ہے جب انسان صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ کسی پاک صحبت میں رہے۔ ثابت قدمی میں بڑی برکتیں ہوتی ہیں۔ شہد ہی کی مکھی کو دیکھو کہ جب وہ ثابت قدمی اور محنت کے ساتھ اپنے کام میں لگتی ہے تو شہد جیسی نفیس اور کار آمد شے طیار

کر لیتی ہے +

اسیطرح جو خدا کی تلاش میں استقلال سے لگتا ہے وہ اُسکو پالیتا ہے نہ صرف پا لیتا بلکہ میں تو یہ ایمان ہے کہ وہ اسکو دیکھ لیتا ہے۔ ارضی علوم کی تحصیل میں کس قدر وقت اور روپیہ صرف کرنا پڑتا ہے۔ یہ علوم رُوحانی علوم کی تحصیل کے قواعد کو صاف طور پر بتا رہے ہیں۔ ہمارا مذہب جو رُوحانی علوم کے مُبتدی کے لیئے ہونا چاہیئے یہ ہے کہ وہ پہلے خدا کی ہستی پھر اس کے صفات کی واقفیت پیدا کرے ایسی واقفیت جو یقین کے درجہ تک پہنچ جاوے تب اللہ تعالےٰ کی ذات اور اس کی صفات کاملہ پا سکو اطلاع ملجاویگی۔ اور اُس کی رُوح اندر سے بول اُٹھیگی کہ پُورے اطمینان کے ساتھ اس نے خدا کو پالیا ہے +

جب اللہ تعالےٰ کی ہستی پر ایسا ایمان پیدا ہو جاوے کہ وہ یقین کے درجہ تک پہنچ جاوے اور انسان محسُوس کرلے کہ اس نے گویا خدا کو دیکھ لیا ہے۔ اور اسکی صفات سے واقفیت ہو جاوے تو گناہ سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور طبیعت جو پہلے گناہ کی طرف جُھکتی تھی اب اُدھر سے ہٹتی اور نفرت کرتی ہے۔ اور یہی تو یہ ہے +

اور یہ بات کہ اللہ تعالےٰ پر کامل ایمان کے بعد طبیعت گناہ سے متنفر ہو جاتی ہے یہ بات آسانی اور صفائی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ دیکھو سنکھیا ہے یا اور زہریں ہیں یا بعض زہریلے جانور ہیں انسان ان سے کیوں ڈرتا ہے؟ صرف اسلیئے کہ تجربہ نے بتا دیا ہے کہ اس درجہ پر یہ زہر ہلاک کر دیتے ہیں بہتوں کو زہر کھا کر ہلاک ہونے دیکھا ہے اسی لیئے طبیعت اس طرف جا نہیں سکتی بلکہ ڈرتی ہے +

جبکہ یہ بات ہے پھر کیا وجہ ہے کہ قسم قسم کے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر راستہ میں ایک پیسہ پڑا ہوا ہو تو جُھک کر اس کو اُٹھا لے گا۔ حالانکہ تھوڑے سے اعلان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ پیسہ کس کا ہے میں نے دیکھا ہے کہ بارہ بارہ آنہ پر معصوم بچوں کی جانیں لی جاتی ہیں۔ عدالتوں میں جا کر دیکھو کس قدر خوفناک اور تاریک نظارہ نظر آئیگا۔ تھوڑی تھوڑی بات پر جھوٹ بولا جاتا ہے۔ فسق و فجور کا ایک دریا بہہ رہا ہے یہ کیوں؟ صرف اسلیئے کہ خدا پر ایمان نہیں ہے۔ سانپوں اور زہروں سے ڈرتے ہیں اسلیئے کہ انکو مُہلک مانتے ہیں۔ اور ان کے خطرناک ہونے پر ایمان ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ پر ایمان کامل ہو تو میں نہیں سمجھتا کہ کیوں گناہ سے نفرت پیدا نہ ہو +

انسان کے لئے دو باتیں ضروری ہیں بدی سے بچے اور نیکی کی طرف دوڑے۔ اور نیکی کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک ترک شر دوسرا افاضہ خیر۔ ترک شر سے انسان کامل نہیں بن سکتا۔ جب تک اس کے ساتھ افاضہ خیر نہو۔ یعنے دوسروں کو نفع بھی پہنچائے اس سے پتہ لگتا ہے کہ کس قدر تبدیلی کی ہے +

اور یہ مدارج تب حاصل ہوتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی صفات پر ایمان ہو اور ان کا علم ہو۔ جب تک یہ بات نہو انسان بدیوں سے بھی بچ نہیں سکتا۔ دوسروں کو نفع پہنچانا تو بڑی بات ہے۔ بادشاہوں کے رُعب اور تعزیرات ہند سے بھی تو ایک حد تک ڈرتے ہیں اور بہت سے لوگ ہیں جو قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ پھر کیوں احکم الحاکمین کے قوانین کی خلاف ورزی میں دلیری پیدا ہوتی ہے۔ کیا اس کی کوئی اور وجہ ہے بجز اس کے کہ اس پر ایمان نہیں ہے؟ یہی ایک باعث ہے +

الغرض بدیوں سے بچنے کا مرحلہ تب طے ہوتا ہے۔ جب خدا پر ایمان ہو پھر دوسرا مرحلہ یہ ہوتا چاہیئے کہ ان راہوں کی تلاش کرے جو خدا تعالےٰ کے برگزیدہ بندوں نے اختیار کیں۔ وہ ایک ہی راہ ہے جس پر جس قدر راستباز اور برگزیدہ انسان دُنیا میں چل کر خدا تعالےٰ کے فیض سے فیضیاب ہوئے۔ اس راہ کا پتہ یوں لگتا ہے کہ انسان معلوم کرے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ پہلا مرحلہ بدیوں سے بچنے کا تو خدا تعالےٰ کی جلالی صفات کی تجلی سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ بدکاروں کا دشمن ہے +

اور دوسرا مرتبہ خدا تعالیٰ کی جمالی تجلی سے ملتا ہے اور آخر یہی ہے کہ جب تک اللہ تعالےٰ کی طرف سے قوت اور طاقت نہ ملے جس کو اسلامی اصطلاح کے موافق رُوح القدس کہتے ہیں کچھ بھی نہیں ہوتا ہے۔ یہ ایک قوت ہوتی ہے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے ملتی ہے۔ اس کے نزول کے ساتھ ہی دل میں ایک سکینت آتی ہے۔ اور طبیعت میں نیکی کے ساتھ ایک محبت اور پیار ہو جاتا ہے +

جس نیکی کو دوسرے لوگ بڑی مشقت اور بوجھ سمجھ کر کرتے ہیں۔ یہ ایک لذت اور سرور کے ساتھ اس کو کرنے کی طرف دوڑتا ہے۔ جیسے لذیذ چیز بچہ بھی شوق سے کھا لیتا ہے اسی طرح جب خدا تعالےٰ سے تعلق ہو جاتا ہے۔ اور اس کی پاک رُوح اس پر اُترتی ہے۔ پھر نیکیاں ایک لذیذ اور خوشبودار شربت کی طرح ہوتی ہیں وہ خوبصورتی

نیکیوں کے اندر موجود ہے اسکو نظر آنے لگتی ہے اور بے اختیار ہو کر اُن کی طرف دوڑتا ہے بدی کے تصور سے بھی اسکی رُوح کانپ جاتی ہے۔ یہ امور اس قسم کے ہیں۔ کہ ہم اُن کو الفاظ کے پیرایہ میں پورے طور سے ادا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ قلب کی حالتیں ہوتی ہیں محسوس کرنے سے ہی اُن کا ٹھیک پتہ لگتا ہے۔ اُس وقت تازہ بتازہ انوار اُسکو ملتے ہیں +

از اخبار الحکم ۱۷ اپریل ۱۹۰۱ء

انسان صرف اسباب پر ہی ناز نہ کرے۔ اور اپنی ترقی کی انتہا اسی کو نہ سمجھ لے کہ کبھی کبھی اُس کے اندر رقت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ رقت عارضی ہوتی ہے۔ انسان اکثر دفعہ ناول پڑھتا ہے۔ اور اُس کے درد انگیز حصہ پر پہنچکر بے اختیار رو پڑتا ہے۔ حالانکہ وہ صاف جانتا ہے کہ یہ ایک جھوٹی اور فرضی کہانی ہے۔ پس اگر محض رو پڑنا یا رقت کا پیدا ہو جانا ہی حقیقی سرور اور لذت کی جڑ ہوتی ہے تو آج یورپ سے بڑھ کر کوئی بھی رُوحانی لذت حاصل کرنیوالا نہ ہوتا۔ کیونکہ ہزارہا ناول شائع ہوتے اور لاکھوں کروڑوں انسان پڑھ کر روتے ہیں +

اصل بات یہ ہے کہ انسان کی فطرۃ میں ایک بات موجود ہے کہ ہنسی کے مقام پر ہنس پڑتا ہے۔ اور رونے کے مقام پر رو بھی پڑتا ہے۔ اور ان سے مناسب موقع ایک لذت بھی اُٹھاتا ہے مگر یہ لذت کوئی رُوحانی فیصلہ نہیں کر سکتی ۔ کوئی کسی عورت پر عاشق ہو جاتا ہے اور اپنے فسق ہی میں اُس کے ہجر کے شعر بنا بنا کر خوش ہوتا ہے۔ اور روتا ہے۔ انسان کے اندر ایک طاقت ہے خواہ اُسکو محل پر استعمال کرے یا بے محل پس اس طاقت پر ہی بھروسہ کر کے نہ بیٹھ رہے۔ اللہ تعالےٰ نے یہ طاقت اسلئے رکھی ہے کہ سچے سائل محروم نہ ہوں اور جب یہ برمحل استعمال ہو تو اُن کے لئے آنے والے رُوحانی مدارج کا ایک مقدمہ ہو۔ اور یہ قوبلی کا کام دے۔ غرض یہ امور کہ کبھی رو پڑنا اور کبھی دُنیا کی دوسری چیزوں اور تعلقات سے انقطاع کرنا یہ عارضی ہوتے ہیں۔ اُن پر اعتبار کر کے بے دست و پا نہ بنے وہ امور جن پر سچی معرفت کی بنا ہے یہ ہیں کہ وہ خدا کی راہ میں اگر بار بار آزمایا جائے اور مصائب اور مشکلات کے دریا میں ڈالا جائے۔ تب بھی ہرگز نہ گھبرائے۔ اور قدم آگے ہی بڑھائے اسکے بعد اسکی معرفت کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور یہی سچی نعمت حقیقی راحت ہوتی ہے۔ اس وقت دل میں ایک رقت پیدا ہوتی ہے مگر یہ رقت عارضی نہیں ہوتی بلکہ سرور اور لذت سے بھری ہوئی ہوتی ہے۔ رُوح پانی کے ایک مُصفا چشمہ کی طرح خدا کی طرف بہتی ہے۔ مدعا یہ ہے

کہ سمندر کے پہلے ایک سراب آتا ہے وہ سمندر ہی نظر آتا ہے۔ جو سراب کو دھوکا سمجھ کر آگے چلنے سے رہجاتا اور مایوس ہوکر بیٹھ جاتا ہے وہ ناکام اور نامراد رہتا ہے لیکن جو ہمت نہیں ہارتا اور قدم آگے بڑھاتا ہے وہ منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے مختلف کیفیتیں انسانی رُوح کے اندر رکھی ہوئیں ہیں۔ ان میں سے اس رقت کی بھی ایک کیفیت ہے کوئی فقط شعر خوانی یا خوش الحانی ہی سے متاثر ہو جاتا ہے۔ کوئی آگے چلتا ہے اور اُن پر قانع نہ ہوکر صبر کے ساتھ اصل مرحلہ تک پہنچتا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ سچائی کے طالب کے واسطے یہ شرط ہے کہ جہاں سے اسے سچائی ملے لیلے۔ یہ ایک نور ہے جو اُسکی رہبری کرتا ہے۔ اُس وقت دُنیا میں ایک کشاکش شروع ہے۔ آریہ اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں برہمو الگ بُلاتے ہیں۔ دیوسماج والے اپنی ہی طرف دعوت کرتے ہیں۔ عیسائی ہیں وہ عیسائیت ہی کو پیش کرتے ہیں۔ غرض ہر قوم اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اُن کے درمیان اختلاف کا دائرہ بہت ہی وسیع ہوتا جاتا ہے۔ مگر ہم جس بات کی دعوت کرتے ہیں اور کسی سچّائی کے طلبگار کو بتلا سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ خدا کی تلاش کرے +

مثلاً آریہ ہیں وہ تمام قدوسوں اور راستبازوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک سچے سے سچّا پریمی اور بھگت بھی کبھی نجات نہیں پاسکتا۔ اُنکے اصول کے موافق خدا نے ایک ذرہ بھی پیدا نہیں کیا۔ اب بتاؤ کہ ایسے پرمیشر پر جو وہ پیش کرتے ہیں کسی سچّے طالب کی امید کیونکر وسیع ہوسکتی ہے۔ اور کیونکر خدا کا جلال اور شوکت اُس کی رُوح پر ایک رقت پیدا کرکے گناہ کی طرف جانے سے بچا سکتی ہے۔ جب وہ خیال کرتا ہے کہ اُس نے تو میرے وجود کا ایک ذرّہ بھی پیدا نہیں کیا۔ پھر جب یہ مانا گیا کہ وید کے سوا خدا نے کسی اور مُلک کو اپنے کلام سے فیض ہی نہیں بخشا تو کس قدر مایُوسی پیدا ہوتی ہے +

الغرض ہماری نصیحت تو یہی ہے کہ جو سچائی کی تلاش میں قدم رکھتا ہے۔ اُس کی غرض اور غایت خدا کی تلاش ہو۔ پھر معارف اور حقائق کا دریا بہہ نکلتا ہے جب اُسکو سچے خدا پر جو ایک ہی خدا ہے سچّا ایمان پیدا ہو جائے +

یاد رکھو حقائق اور معارف کا تعلق علوم سے ہے جس قدر معرفت وسیع ہوگی حقائق کھلتے جائیں گے۔ پس تحقیقات کرتے وقت دل کو بالکل پاک اور صاف کرکے کرے۔ جس قدر

دل تعصب اور خود غرضی سے پاک ہوگا اسی قدر جلد اصل مطلب سمجھ میں آجائیگا نُور اور ظلمت میں جو فرق ہے اُسے ایک جاہل سے جاہل انسان بھی جانتا ہے۔ سچی اور صحیح بات ایک ہی ہوتی ہے پس دو لفظوں میں میری ساری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ **سیدھا خط دو لفظوں میں ایک ہی ہوتا ہے**۔ یہ امور ہیں جو قابل غور ہیں ٭

آپ یہاں ہیں اور صبر و استقلال سے ٹھیریں خدا کے فضل سے کچھ بعید نہیں ہے کہ آپ کو اس راہ کا پتہ ملے جو کروڑہا مقدس انسانوں کا تجربہ شدہ ہے۔ اور اب بھی جس کے تجربہ کار موجود ہیں ٭

تقریر حضرت اقدس[1] سب صاحبان اس بات کو سُن لیں کہ چونکہ ہماری یہ سب کارروائی خدا ہی کے لئے ہے وہ اس غفلت کے زمانہ میں اپنی حجت پوری کرنی چاہتا ہے۔ جیسے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں ہوتا رہا ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے۔ کہ زمین پر تاریکی پھیل گئی ہے تو وہ تقاضا کرتا ہے کہ لوگوں کو سمجھاوے اور قانون کے موافق حجت پوری کرے۔ اسلیئے جب زمانہ میں حالات بدل جاتے ہیں۔ اور خدا سے تعلق نہیں رہتا سمجھ کم ہو جاتی ہے۔ اُس وقت خداتعالے اپنے کسی بندہ کو مامور کر دیتا ہے۔ تاکہ غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو سمجھائے۔ اور یہی بڑا نشان اُس کے مامور ہونے پر ہوتا ہے کہ وہ لغو طور پر نہیں آتا ہے بلکہ تمام ضرورتیں اُس کے وجود پر شہادت دیتی ہیں۔ جیسے ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا۔ اعتقادی اور عملی حالت بالکل خراب ہو گئی تھی اور نہ صرف عرب کی بلکہ کُل دُنیا کی حالت بگڑ چکی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے ظہر الفساد فی البر والبحر۔ اس فساد عظیم کے وقت خداتعالے نے اپنے کامل اور پاک بندہ کو مامور کر کے بھیجا جس کے سبب سے تھوڑی ہی مُدت میں ایک عجیب تبدیلی واقع ہو گئی مخلوق پرستی کے بجائے خداتعالے لئے پُوجا گیا۔ بداعمالیوں کے بجائے اعمال صالحہ نظر آنے لگے ٭

ایسا ہی اس زمانہ میں بھی دُنیا کی اعتقادی اور عملی حالت بگڑ گئی ہے۔ اور اندرونی اور بیرونی حالت انتہا تک خطرناک ہو گئی ہے۔ اندرونی حالت ایسی خراب ہو گئی ہے کہ قرآن تو پڑھتے ہیں۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ کیا پڑھتے ہیں۔ اعتقاد بھی کتاب اللہ

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۲ تاریخ تقریر ۱۳ مارچ سنہ ۱۹۰۱ء تقریب افتتاحی جلاس انجمن اشاعت اسلام قادیان بوقت نماز ظہر در مسجد جامع

کے برخلاف ہو گئے ہیں۔ اور اعمال بھی ÷

مولوی بھی قرآن کو پڑھتے ہیں اور عوام بھی مگر تدبر نہ کرنے میں دونوں برابر ہیں۔ اگر غور کرتے تو بات کیسی صاف تھی قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالے نے مثیل موسیٰ پیدا کیا ہے۔ باعث یہ ہے کہ اللہ تعالے ایک سلسلہ پیدا کرتا ہے پھر جب اس سلسلہ پر ایک دراز عرصہ گذرنے کے بعد ایک قسم کا پردہ سا چھا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالے اُس کے بدلے میں اور سلسلہ اسی رنگ میں قائم کرتا ہے قرآن شریف سے دو سلسلوں کا پتہ لگتا ہے۔ اول بنی اسرائیل کا سلسلہ جو موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہو گیا۔ چونکہ یہود کی بداعمالیاں حد تک پہنچ گئی تھیں اور اُن میں یہاں تک شقاوت اور سنگدلی پیدا ہو گئی تھی کہ وہ انبیا کے قتل تک مستعد ہوتے۔ اسلیئے اللہ تعالے نے غضب کی راہ سے اس سلسلہ کو جس میں ملوک اور انبیاء تھے حضرت عیسیٰ پر ختم کر دیا۔ میں ہمیشہ سے اسبات پر ایمان رکھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ بے باپ پیدا ہوئے تھے۔ اور اُن کا بے باپ پیدا ہونا ایک نشان تھا اسبات پر کہ اب بنی اسرائیل کے خاندان میں نبوت کا خاتمہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اُن کے ساتھ وعدہ تھا کہ بشرط تقوی نبوت بنی اسرائیل کے گھرانے سے ہو گی۔ لیکن جب تقوی نہ رہا۔ تو یہ نشان دیا گیا۔ تاکہ دانشمند سمجھ لیں۔ کہ اب آیندہ اس سلسلہ کا انقطاع ہو گا۔ غرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل کی نبوت کا خاتمہ ہو گیا پہلی کتابوں میں بھی اللہ تعالے نے وعدہ کیا تھا کہ بنی اسمعیل میں بھی ایک سلسلہ اسی سلسلہ کا ہمرنگ پیدا ہو گا۔ اور اس کے امام پیشوا اور سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونگے۔ توریت میں بھی یہ خبر دی گئی۔ قرآن شریف نے بھی فرمایا۔ کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا۔ جیسے توراۃ میں مانند کا لفظ تھا قرآن شریف میں کما کا لفظ موجود ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بالاتفاق مثیل موسیٰ ہیں۔ سورۂ نور میں بھی ذکر فرمایا گیا ہے کہ سلسلہ محمدیہ موسویہ سلسلہ کا مثیل ہے۔ حضرت موسے علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیانی انبیاء کا ذکر قرآن شریف نے نہیں کیا لم نقصص کہدیا۔ یہاں بھی سلسلہ محمدیہ میں درمیانی خلفا کا نام نہیں لیا۔ جیسے وہاں ابتدا اور انتہا بتائی یہاں بھی یہ بتا دیا۔ کہ ابتدا مثیل موسیٰ سے ہوئی۔ اور

انہا مثیل عیسیٰ پر گویا خاتم الخلفاء وہی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں مسیح موعود کہتے ہیں موعود اسلیئے کہتے ہیں کہ اس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت الآیہ خلفا کے تقرر کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا اسی وعدہ میں وہ خاتم الخلفاء بھی شامل ہے۔ اور نص قرآنی سے ثابت ہوا کہ وہ موعود ہے جو خط ایک نقطہ سے شروع ہوگا وہ ختم بھی نقطہ پر ہی ہوگا۔ پس جیسے وہاں خاتم مسیح ہے یہاں بھی وہ خاتم خلفا ہے۔ اسلیئے یہ اعتقاد اسی قسم کا ہے کہ اگر کوئی انکار کرے کہ اس اُمت میں مسیح موعود نہ ہوگا۔ وہ قرآن سے انکار کرتا ہے۔ اور اُس کا ایمان جاتا رہیگا یہ نہایت بالکل واضح بات ہے اس میں تکلف اور تصنع اور بناوٹ کا نام نہیں ہے پھر جو شک و شبہ کرے وہ قرآن شریف کو چھوڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو کئی سورتوں میں بیان کردیا ہے اول تو یہی سورہ نور دوسری سورہ فاتحہ جس کو ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں اس سورہ میں تین گذشتہ فرقے پیش کیئے ہیں۔ ایک وہ جو انعمت علیہم کے مصداق ہیں دوسرے مغضوب تیسرے ضالین +

مغضوب سے مخصوصاً مراد نہیں کہ قیامت میں ہی غضب ہوگا۔ کیونکہ جو کتاب اللہ کو چھوڑتا اور احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اُن پر غضب ہوگا مغضوب سے مراد بالاتفاق یہود ہیں اور الضالین سے نصاریٰ۔ اب اس دعا سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ منعم علیہ فرقہ میں داخل ہونے اور باقی دو سے بچنے کیلئے دُعا ہے۔ اور یہ ابتدا سے ٹھیری ہوئی ہے۔ جب سے نبوت کی بنیاد ڈالی ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ قانون مقرر کر رکھا ہے۔ کہ جب وہ کسی قوم کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیتا ہے تو بعض اُسکی تعمیل کرنے والے اور بعض خلاف ورزی کرنے والے ضرور ہوتے ہیں۔ پس بعض منعم علیہ بعض مغضوب اور بعض ضالین ضرور ہونگے +

اب زمانہ باواز بلند کہتا ہے۔ کہ اس سورۃ شریف کے موافق ترتیب آخر سے شروع ہوگئی ہے۔ آخری فرقہ نصاریٰ کا رکھا ہے۔ اب دیکھو کہ اسمیں کس قدر لوگ داخل ہوگئے ہیں۔ ایک بشپ نے اپنی تقریر میں ذکر کیا ہے کہ ...... ۲۰ مسلمان مرتد ہو چکے ہیں۔ اور یہ قوم جس زور شور کے ساتھ نکلی ہے۔ اور جو جو طریق اُس نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے اختیار کیئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بڑھکر کوئی عظیم الشان فتنہ نہیں ہے

اب دیکھو کہ تین باتوں میں سے ایک تو ظاہر ہوگئی پھر دوسری قوم مغضوب ہے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کا وقت بھی آگیا اور وہ بھی پورا ہو رہا ہے۔ یہودیوں پر غضب الٰہی اس دُنیا میں بھی بھڑکا اور طاعون نے اُن کو تباہ کیا۔ اب لوگوں کی بدکاریوں اور فسق و فجور کی وجہ سے طاعون بکثرت پھیل رہی ہے۔ کتمان حق سے وہ لوگ جو عالم کہلاتے ہیں نہیں ڈرتے۔ اب ان دونوں کے پورا ہونے سے تیسرے کا پتہ صاف ملتا ہے۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ جب چار میں سے تین معلوم ہوں تو چوتھی شئے معلوم کر لیتا ہے اور اس پر اس کو اُمید ہو جاتی ہے۔ نصاریٰ ہیں لاکھوں داخل ہوگئے مغضوب میں داخل ہوتے جاتے ہیں منعم علیہ کا نمونہ بھی اب خدا دکھانا چاہتا ہے۔ جب کہ سُورہ فاتحہ میں دُعا تھی۔ اور سُورۂ نور میں وعدہ کیا گیا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سورہ نور والی دُعا قبول ہوگئی ہے۔ غرض اب تیسرا حصہ منعم علیہ کا ہے! اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ اسکو روشن طور پر ظاہر کر دیگا۔ اور یہ خدا تعالےٰ کا کام ہے جو ہو کر رہیگا مگر اللہ تعالےٰ انسان کو ثواب میں داخل کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ وہ استحقاق جنت کا ثابت کرلیں۔ جیسا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہؤا۔ خدا تعالےٰ اس بات پر قادر تھا کہ وہ صحابہ کے بدوں ہی پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی فتوحات عطا فرماتا۔ مگر نہیں خدا نے صحابہ کو شامل کر لیا تاکہ وہ مقبول ٹھیریں۔ اسی سُنّت کے موافق یہ بات ہماری جماعت کو پیش آگئی ہے کہ بار بار تکلیف دی جاتی ہے۔ اور چندے مانگے جاتے ہیں۔ اس وقت ہمارے دو بڑے ضروری کام ہیں۔ ایک یہ کہ **عرب** میں اشاعت ہو۔ دوسرے **یورپ** پر اتمام حُجت کریں۔ عرب پر اسلیئے کہ اندرونی طور پر وہ حق رکھتے ہیں۔ ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہوگا۔ کہ اُن کو معلوم نہ ہوگا۔ کہ خدا نے کوئی **سلسلہ** قائم کیا ہے اور یہ ہمارا فرض ہے کہ اُن کو پہنچائیں اور اگر نہ پہنچائیں تو معصیت ہوگی ایسا ہی **یورپ** والے حق رکھتے ہیں کہ اُن کی غلطیاں ظاہر کیجاویں۔ کہ وہ ایک بندہ کو خدا بنا کر خدا سے دور جا پڑے ہیں۔ یورپ کا تو یہ حال ہوگیا ہے۔ کہ واقعی اخلد الی الارض کا مصداق ہوگیا ہے۔ طرح طرح کی ایجادیں صنعتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اس سے تعجب مت کرو کہ یورپ ارضی علوم و فنون میں ترقی کر رہا ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب آسمانی علوم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ تو پھر

زمین ہی کی باتیں سُوجھا کرتی ہیں۔ یہ ثابت نہیں ہُوا کہ نبی بھی کلیں بنایا کرتے تھے۔ یا اُنکی ساری کوششیں اور ہمتیں ارضی ایجادات کی انتہا ہوتی تھیں۔ آج جو اخرجت الارض اثقالھا کا زمانہ ہے۔ یہ مسیحؑ ہی کے وقت کے لیئے مخصوص تھا۔ چنانچہ اب دیکھو کس قدر ایجادیں اور نئی کانیں نکل رہی ہیں۔ ان کی نظیر پہلے کسی زمانہ میں نہیں ملتی ہے۔ میرے نزدیک طاعون بھی اسی میں داخل ہے۔ اس کی جڑ زمین میں ہے پہلا اثر چوہوں پر ہوتا ہے +

غرض اس وقت جب کہ زمینی علوم کمال تک پہنچ رہے ہیں۔ توہین اسلام کی حد ہو چکی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس پچاس ساٹھ سال میں جس قدر کتابیں۔ اخبار۔ رسالے توہین اسلام میں شائع ہوئے ہیں کبھی ہوئے تھے۔ پس جب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے تو کوئی مومن نہیں بنتا جب تک کہ اُس کے دل میں غیرت نہ ہو۔ بے غیرت آدمی دیوث ہوتا ہے۔ اگر اسلام کی عزت کے لیئے دل میں محبت نہیں ہے تو عبادت بھی بے سُود ہے کیونکہ **عبادت محبت** ہی کا نام ہے +

وہ تمام لوگ جو اللہ تعالے کے سوا کسی ایسی چیز کی عبادت کرتے ہیں جس پر کوئی سلطان نازل نہیں ہُوا۔ وہ سب مشرک ہیں سلطان تسلط سے لیا گیا ہے۔ جو دل پر تسلط کرے اسلیئے یہاں دلیل کا لفظ نہیں لکھا ہے +

عبادت کیا ہے جب انتہا درجہ کی محبت کرتا ہے۔ جب انتہا درجہ کی اُمید ہو۔ انتہا درجہ کا خوف ہو۔ یہ سب عبادت میں داخل ہے۔ غیر اللہ کی عبادت کا اتنا ہی مفہوم نہیں ہے۔ کہ سجدہ نہ کیا جاوے نہیں بلکہ اُس کے مختلف مدارج ہیں۔ اگر کوئی مال سے انتہا درجہ کی محبت کرتا ہے۔ تو وہ اُس کا بندہ ہوتا ہے۔ خدا کا بندہ وہ ہے جو خدا کے سوا اور چیزوں کی حد اعتدال تک رعایت کرتا ہے۔ اسلام میں محبت امید منع نہیں ہے۔ مگر ایک حد تک +

اللہ تعالےٰ نے صاف طور پر فرما دیا ہے۔ کہ جو خدا سے محبت کرتے ہیں۔ اُسی سے ڈرتے اُسی سے اُمید رکھتے ہیں وہ ایک سلطان رکھتے ہیں لیکن جو نفس کے تابع ہوتے ہیں۔ اُن کے پاس کوئی سلطان نہیں ہے جو محکم طور پر دل کو پکڑے غرض انسان کا کوئی فعل اور قول ہو جب تک وہ خدا کی سلطان کا پیرو نہ ہو شرک کرتا ہے پس ہم جو

اپنی اس کارروائی کی دو طور پر اشاعت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی شاہد نہیں ہو سکتا۔ کہ کس قدر سچے جوش اور خالصۃً للہ اس کو پیش کرتے ہیں ہمیں اتفاق نہیں ہوا۔ کہ انگریزی میں لکھ پڑھ سکتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم کبھی بھی اپنے دوستوں کو تکلیف نہ دیتے۔ مگر اس میں مصلحت یہ تھی کہ تا دوسروں کو ثواب کے لئے بلائیں۔ ورنہ میری طبیعت تو ایسی واقع ہوئی ہے۔ کہ جو کام میں خود کر سکتا ہوں اُس کے لئے دوسرے کو کبھی کہتا ہی نہیں +

اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور چار برس زندگی پاتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ محروم ہو جاتے درصل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وہ فتح عظیم جس کا آپ کے ساتھ وعدہ تھا حاصل کر چکے تھے رایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً دیکھ چکے تھے الیوم اکملت لکم ہو چکا تھا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے نہ چاہا کہ اُن کو محروم رکھے۔ بلکہ یہی چاہا کہ اُن کو بھی ثواب میں داخل کرے +

اسی طرح پر اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو ہم کو اس قدر خزانے دیدیتا کہ ہم کو پروا بھی نہ رہتی مگر خدا ثواب میں داخل کرتا ہے۔ جس کو وہ چاہتا ہے یہ سب جو بیٹھے ہیں۔ یہ قبر میں ہی سمجھو کیونکہ آخر مرنا ہے پس ثواب حاصل کرنے کا وقت ہے۔ میں ان باتوں کو جو خدا نے میرے دل پر ڈالی ہیں سادہ اور صاف الفاظ میں ڈالنا چاہتا ہوں اس وقت ثواب کے لئے مستعد ہو جاؤ۔ اور یہ بھی مت سمجھو کہ اگر اس راہ میں خرچ کرینگے تو کچھ کم ہو جائیگا۔ خداوند تعالیٰ کی بارش کی طرح سب کمیاں پُر ہو جائیں گی۔ من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ +

یاد رکھو خدا کی توفیق کے بغیر دین کی خدمت نہیں ہو سکتی۔ جو شخص دین کی خدمت کے واسطے شرح صدر سے اُٹھتا ہے خدا اُس کو ضائع نہیں کرتا۔ غرض خلاصہ یہ ہے۔ کہ ایک پہلو تو میں کر رہا ہوں دوسرے پہلو کو ہماری انگریزی خواں جماعت نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ انھوں نے یہ تجویز کی ہے کہ تجارت کے طریق پر یہ کام جاری ہو جائے دین کی اشاعت ہو جائیگی۔ اور اُن کا کوئی خرچ نہ ہوگا۔ امید ہے۔ کہ خدا اس کا اجر دیگا +

میں یہ صرف اپنی جماعت کے ارادوں کا ترجمہ کرتا ہوں میرا منشا تو اسی حد تک ہے۔ کہ کسی طرح عرب اور دوسرے ملکوں میں تبلیغ ہو جائے۔ یہ اُنھوں نے اپنی دانست

میں اسہل طریق مقرر کیا ہے۔ جس کو تجارتی طریق پر سمجھ لیا جائے۔ تجارت کے امور ظن غالب ہی پر چلتے ہیں بہرحال یہ ان کا ارادہ ہے میرے نزدیک جہاں تک یہ امر مذہب سے تعلق رکھتا ہے تو میں اس کی حمایت کرتا ہوں۔ اگر یہ تجویز عمل میں نہ بھی آئے تب بھی یہ کام تو ہو جائیگا بہرحال آپ غور کرلیں۔ اللہ تعالےٰ کو بہتر معلوم ہے +

ایک روز[۵۱] حضرت اقدس فرمانے لگے کہ:-

میں تو یہی سوچتا رہتا ہوں۔ کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جس سے ہم صلیب پرستی کے باطل کو مٹا سکیں کیونکہ ہماری زندگی کی یہی غرض ہے اور یہی کام ہے جس کے لیے ہم کو اللہ تعالےٰ نے بھیجا ہے۔ فرمایا بعض اوقات سوچتے سوچتے اس قدر فکر کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ کہ برد اطراف اور دوران سر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ بھی فرمایا۔ کہ یہ حربہ جو ہمارے ہاتھ میں ہے صلیب کو بالکل توڑ ڈالیگا جو یوز آسف کا ہے۔ کیونکہ خود عیسائیوں نے اس کو مانا ہے۔ اور اس کا تعلق انہوں نے مسیح کے ساتھ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ ایک حواری تھا اور اٹلی میں اس کا گرجا بنایا۔ جس پر ہزاروں روپے خرچ ہوئے اور ہر سال میلا ہوتا ہے۔ اب اتنا تو انہوں نے مان لیا ہے۔ اسلیئے ثبوت ان کے ذمہ ہی رہا کہ وہ ثابت کریں کہ مسیح کے کسی حواری کا نام شاہزادہ نبی بھی ہے آخر ثابت یہی ہوگا۔ اور یہی سچ ہے کہ وہ **مسیح ہی کی قبر ہے** +

کسر صلیب کی حقیقت

بتاتے ہوئے فرمایا۔ کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صلیب توڑتا پھرے اس کو روحانیت سے تعلق کیا۔ اور اس کا فائدہ؟ فرض کرو اگر صلیب توڑ دے تو کیا اور نہیں بن سکتیں علاوہ بریں صلیب توڑنے میں بعض مسلمان بادشاہ بھی شریک ہیں۔ جیسے مثلاً صلاح الدین تو مسیح موعود کی خصوصیت کیا ہوئی۔ بات اصل میں یہ ہے کہ کسر صلیب سے یہ مراد ہے کہ وہ صلیب کی اس حقیقت کو کھول کر دکھا دیگا۔ پھر اس کا زور ٹوٹ جائے گا +

جہیز کے متعلق

ایک[۵۲] عزیز بھائی کی شادی کی تقریب پر عورتوں کے درمیان جہیز اور داج وغیرہ کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:-

عورتوں کو جو سامان والدین سے ملتا ہے اُس کو جہیز کہتے ہیں۔ ایسا ہی مُردہ کے لیئے

[۵۱] الحکم جلد ۵ ۱۴/۱۲ تاریخ تقریر شروع اپریل ۱۹۰۱ء -
[۵۲] تاریخ تقریر ۲۰ مارچ ۱۹۰۱ء

جو سامان دفن کیا جاتا ہے اس کو تجہیز و تکفین کہتے ہیں۔ ان دونوں کی حالت میں ایک مناسبت ہے۔ لڑکی شادی کے وقت اپنے گھر سے گویا ہمیشہ کیلئے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ عورت میں ایک جوہر قابل رکھا گیا ہے کہ اُس کے اولاد پیدا ہو اور اس جوہر کے سبب اس کو لامحالہ اپنے گھر سے وداع ہونا پڑتا ہے ایسا ہی انسان میں دیدارِ الٰہی کے حصول کا جوہر قابل رکھا گیا ہے۔ مگر دیدارِ الٰہی اِس دُنیا میں حاصل نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ آیت لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار سے ظاہر ہے۔ پس حصولِ الٰہی کے جوہر قابل کی وجہ سے بالضرور انسان کو اس عالم سے علیحدہ ہو کر دوسرے عالم میں جانا پڑتا ہے +

۲۱ مارچ سنہ ۱۹۰۱ء۔ فرمایا:۔

وجد و سرور تقویٰ کے معیار نہیں

بعض انسانوں کو دیکھو گے کہ کافیاں اور شعر سُنکر وجد و طرب میں آجاتے ہیں۔ مگر جب مثلاً اُن کو کسی شہادت کے لیئے بُلایا جائے تو عذر کرینگے کہ ہمیں معاف رکھو۔ ہمیں تو فریقین سے تعلق ہے ہمیں اس معاملہ میں داخل نہ کرو۔ پس سچائی کا اظہار نہ کرینگے۔ ایسے لوگوں کے وجد و سرود سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔ جب کبھی ابتلا میں آجاتے ہیں۔ تو اپنی صداقت کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ ان کا سرور وجد قابل تعریف نہیں۔ یہ سرور و سرود ایک ایسی چیز اور طبعی امر ہے بعض منکرین اسلام جن کو تمام پاکبازوں سے دلی عداوت ہے، وہ بھی اس سرود سے حصہ لیتے ہیں۔ ایک متعصب ہندو مثنوی مولوی رُومی رحمۃ اللہ علیہ پڑھ کر سرور حاصل کرتا تھا حالانکہ وہ دشمن اسلام تھا۔ کیا تم سانپ کو پاکباز مانو گے جو بانسری سُنکر سرور میں آجاتا ہے یا اُونٹ کو خدا رسیدہ قرار دو گے۔ جو خوش الحانی سے نشہ میں آجاتا ہے۔ سچائی اور کمال جس سے خدا خوش ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان خدا تعالےٰ کے ساتھ اپنی وفاداری دکھائے! ایسے انسان کا تھوڑا عمل بھی دوسرے کے بہت عمل سے بہتر ہے مثلاً ایک شخص کے دو نوکر ہیں ایک نوکر دن میں کئی دفعہ اپنے مالک کی خدمت میں آکر سلام کرتا ہے۔ اور ہر وقت اس کے گرد و پیش رہتا ہے۔ دوسرا اس کے پاس بہت کم آتا ہے۔ مگر مالک پہلے کو بہت قلیل تنخواہ دیتا ہے اور دوسرے کو بہت زیادہ۔ اسلیئے کہ وہ جانتا ہے کہ دوسرا ضرورت کے وقت اس پر جان بھی دینے کیلئے طیار ہے۔ اور وفادار ہے۔ اور پہلا کسی کے بہکانے سے مجھے قتل کرنے پر بھی آمادہ ہو جائے گا یا کم ازکم مجھے چھوڑ کر کسی دوسرے کی ملازمت اختیار کر لیگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ سے

وفاداری کا تعلق نہیں رکھتا۔ مگر پنجوقتہ نماز ادا کرتا ہے۔ اور اشراق تک بھی پڑھتا ہے بلکہ کئی ایک اَوراد اور لوبھی تجویز کیئے ہوئے ہیں تو وہ خداتعالےٰ کی نظر میں ایک وفادار انسان سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ کیونکہ خداتعالےٰ جانتا ہے کہ ابتلا کے وقت وفاداری نہیں دکھلائیگا۔ جب انسان وفاداری اختیار کریگا۔ تو سرور لازمی طور پر اسکو حاصل ہو جائیگا جیسا کہ کھانا آتا ہے تو دسترخوان بھی ساتھ آجاتا ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ کاملوں میں بھی بعض قبض کے وقت آجاتے ہیں۔ کیونکہ قبض کے وقت انسان کو سرور کی قدر زیادہ ہوتی ہے اور اسکو زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے ✦

دوسرے کی نسبت جلدی رائے نہ لگاؤ۔

فرمایا:- انسان دوسرے شخص کے دل کی ماہیت معلوم نہیں کرسکتا۔ اور اُس کے قلب کے مخفی گوشوں تک اُس کی نظر نہیں پہنچ سکتی۔ اس لیئے دوسرے شخص کی نسبت جلدی سے کوئی رائے نہ لگائے۔ بلکہ صبر سے انتظار کرے ایک شخص کا ذکر ہے۔ کہ اس نے خداتعالےٰ سے عہد کیا کہ میں سب کو اپنے سے بہتر سمجھونگا اور کسی کو اپنے سے کمتر خیال نہیں کروں گا۔ اپنے محبوب کو راضی کرنے کے لیئے انسان ایسی تجویزیں سوچتے رہتے ہیں۔ ایک دن اُس نے ایک دریا کے پُل کے پاس جہاں سے بہت آدمی گزر رہے تھے۔ ایک شخص بیٹھا ہوا دیکھا اور اس کے پہلو میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک بوتل اس شخص کے ہاتھ میں تھی آپ پیتا تھا۔ اور اُس عورت کو بھی پلاتا تھا۔ اس نے اُس پر بدظنی کی اور خیال کیا۔ کہ میں اس بیحیا سے تو ضرور بہتر ہوں۔ اِتنے میں ایک کشتی آئی مع سواریوں کے ڈوب گئی۔ وہی شخص جو عورت کے پاس بیٹھا تھا دریا میں سے کود ایک ایک کے سب کو نکال لایا۔ اور اس بدظن سے کہا تو مجھ پر بدظنی کرتا تھا سب کو میں نکال لایا ہوں ایک کو تو نکال لا۔ خدا نے مجھے تیرے امتحان کے لئے بھیجا تھا اور تیرے دل کے اِرادہ سے مجھے اطلاع دی۔ یہ عورت میری والدہ ہے اور بوتل میں شراب نہیں دریا کا پانی ہے غرض انسان دوسرے کی نسبت جلد رائے نہ لگائے ✦

[۵۱] اکثر لوگوں کے خطوط آتے ہیں کہ فلاں شخص نے ہم سے یہ سوال کیا اور ہم اس کا جواب نہ دے سکے ایسی حالت میں انسان کچھ مُذبذب اور کمزور ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو آئے دن وساوس میں پڑنا ناقص معرفت کا نتیجہ ہوتا ہے معرفت تو ایسی شے ہے کہ انسان فرشتوں سے

۵۱ الحکم جلد ۵ ع۱۶ تاریخ تقریر اپریل ۱۹۰۱ء ✦

مصافحہ کر لیتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ معرفت جیسی کوئی طاقت نہیں ہے۔ فرشتے کہاں تک اُڑ کر جاتے ہیں لیکن معرفۃ الانسان اُن سے بھی آگے نکلجاتا ہے اور بہت دُور پہنچ جاتا ہے پس اصل مدعا یہی ہے۔ کہ ہمیں وہ یقین حاصل کرنا چاہیئے **جو اطمینان کے درجہ پر پہنچا دیتا ہے**۔ بدوں اس کے انسان بالکل ادھورا اور ناقص ہے اور اسکی ترقی کے دروازے بند ہیں +

ہماری جماعت کے لیئے یہ امر ضروری پڑا ہؤا ہے کہ وہ اپنے وقتوں میں سے کچھ وقت نکالکر آئیں اور یہاں صحبت میں رہ کر اس غفلت کی تلافی کریں جو غیبوبت کے زمانہ میں پیدا ہوئی ہے۔ اور اُن شبہات کو دُور کریں جو اس غفلت کا باعث ہوئے ہیں۔ ان کا حق ہے کہ وہ اُن کو پیش کریں۔ اور اُن کا جواب ہم سے سُنیں + مامورین اللہ کی صحبت ضروری ہے

بھلا اگر کمزور بچہ جو ابھی دُودھ پینے اور ماں کی کنار عاطفت کا محتاج ہے اس سے الگ کر دیا جائے تو تم اُمید کرسکتے ہو کہ وہ بچ رہیگا۔ کبھی نہیں۔ اسی طرح بلوغ سے پیشتر کے کمال اور معرفت کا حال ہے۔ انسان کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے۔ مامورین اللہ کی صحبت اُس کے لیئے ضروری ہوتی ہے۔ اگر وہ اس سے الگ ہوجائے تو اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ ایک بہت ہی ضروری امر ہے۔ اگر خدا تعالےٰ کسی کو توفیق دے اور وہ اُس کو سمجھ لے۔ کہ **بار بار آنے کی کس قدر ضرورت ہے** اس سے بھی نہ ہوگا۔ کہ وہ اپنے نفس کے لئے فائدہ پہنچائیگا۔ بلکہ بہتوں کو فائدہ پہنچا سکیگا۔ کیونکہ جب تک خود ایک معرفت اور بصیرت پیدا نہ ہو وہ دوسروں کو کیا راہ بتائے گا۔ یہی وجہ ہوتی ہے کہ بعض شریر الطبع لوگ ایسے آدمیوں کو جن کو بار بار آنے کی عادت نہیں کوئی سوال کرتے ہیں۔ چونکہ انھوں نے جوابات سُنے ہوئے نہیں ہوتے ساکت ہو کر نہ خود خفت اُٹھاتے ہیں بلکہ دوسروں کے لیئے بھی جو دیکھنے سُننے والے ہوتے ہیں ٹھوکر کا موجب ہوجاتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس خفت اور سکوت سے ایمان پر ایک زد پڑتی ہے اور اس میں کمزوری شروع ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان مغلوب ہوجاتا ہے۔ تو وہ غالب کے اثر سے بھی متاثر ہوجاتا ہے۔ بسا اوقات اس کے دل کو وہ اثر سیاہ کر دیتا ہے۔ اور پھر قاعدہ کے موافق وہ تاریکی بڑھنے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر اسی میں اس کو موت آجائے تو وہ جہنم میں داخل ہؤا +

ان ساری باتوں پر غور کر کے ایک دانشمند اس نتیجہ پر ضرور پہنچیگا۔ کہ اس بات کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ ان زہروں کے دور کرنے کے واسطے جو روح کو تباہ کرتی ہیں کسی تریاقی صحبت کی ضرورت ہے جہاں رہکر انسان مہلکات کا علم بھی حاصل کرتا ہے۔ اور نجات دینے والی چیزوں کی معرفت بھی کر لیتا ہے۔ اسی واسطے ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ بات ہے اور میں سوچتا رہتا ہوں کہ اپنی جماعت کا امتحان سوالات کے ذریعہ سے لوں۔ چنانچہ میں نے اس تجویز کا کئی بار ذکر بھی کیا ہے۔ اگرچہ ابھی مجھے موقع نہیں ملا لیکن یہ بات میرے دل میں ہمیشہ رہتی ہے۔ کہ ایکبار سوالات کے ذریعہ آزما کر دیکھوں کہ جو کچھ ہم پیش کرتے ہیں۔ اس کے متعلق ان کو کہاں تک علم ہے۔ اور انہوں نے ہمارے مقاصد اور اغراض کو کہاں تک سمجھا ہے۔ اور جو اعتراض اندرونی یا بیرونی طور پر کیئے جاتے ہیں ان کی مدافعت کہاں تک کر سکتے ہیں۔ اگر ۴۰ آدمی بھی ایسے نکل آویں جن کے نفس منور ہو جائیں اور پوری بصیرت اور معرفت کی روشنی انہیں مل جائے تو وہ بہت فائدہ پہنچا سکیں گے۔

میں سولہ سترہ برس کی عمر سے عیسائیوں کی کتابیں پڑھتا ہوں۔ اور ان کے اعتراضوں پر غور کرتا رہا ہوں۔ میں نے اپنی جگہ ان اعتراضوں کو جمع کیا ہے جو عیسائی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کرتے ہیں۔ ان کی تعداد تین ہزار کے قریب پہنچی ہوئی ہے۔ لیکن جب میں ان لوگوں کے اعتراضوں کو پڑھتا ہوں جو میری ذات کی نسبت کرتے ہیں تو میں ہمیشہ یہی کہا کرتا ہوں کہ ابھی ان اعتراضوں میں پورا کمال نہیں ہوا۔ کیونکہ خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر جب اس قدر اعتراض کیئے گئے ہیں۔ تو ہم مخالفوں کا منہ کیونکر بند کر سکتے ہیں۔ پھر میں یہ بھی کہتا ہوں۔ کہ میری نسبت جس قدر اعتراض کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی ایسا اعتراض نہیں ہے جو اولوالعزم انبیاء علیہم السلام پر نہ کیا گیا ہو۔ اگر کسی کو اس میں شک ہو تو وہ میری ذات پر کوئی اعتراض کر کے دکھائے جو کسی پہلے نبی پر نہ کیا گیا ہو۔ مگر ہم دعوےٰ سے کہتے ہیں۔ کہ جس قسم کا اعتراض مجھ پر کیا جائیگا یا جو اب تک ہوئے ہیں اسی قسم کے اعتراض ان پر ہوئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ سلسلہ منہاج نبوۃ پر قائم ہوا ہے۔ اسلیئے اس سلسلہ کی سچائی کے لیئے وہی معیار ہے جو انبیاء علیہم السلام کی صداقت کے لیئے ہوتا ہے۔

یہ سلسلہ منہاج نبوۃ پر ہے۔

اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔ اور اُس سے بڑھکر ہم کس کو شہادت میں پیش کر سکتے ہیں کہ جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا ہے سولہ یا سترہ برس کی عمر سے عیسائیوں کی کتابیں پڑھتا رہا ہوں مگر ایک طرفۃ العین کے لیئے بھی ان اعتراضوں نے میرے دل کو مذبذب یا متاثر نہیں کیا اور یہ محض خدا تعالےٰ کا فضل ہے۔ میں جُوں جُوں انکے اعتراضوں کو پڑھتا جاتا تھا اسیقدر اُن اعتراضوں کی ذلّت میرے دل میں سماتی جاتی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور محبت سے دل عطر کے شیشہ کی طرح نظر آتا۔ مَیں نے یہ بھی غور کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جس پاک فعل پر یا قرآن شریف کی جس آیت پر مخالفوں نے اعتراض کیا ہے۔ وہاں ہی حقائق اور حکمت کا ایک خزانہ نظر آیا ہے۔ جو کہ ان بدباطن اور خبیث طینت مخالفوں کو عیب نظر آیا ہے ہنُنو! انسان کامل مومن اس وقت تک نہیں ہوتا جبتک کُفّار کی باتوں سے متاثر نہ ہونیوالی فطرت حاصل نہ کرلے۔ اور یہ فطرت نہیں ملتی جبتک اُس شخص کی صُحبت میں نہ رہے جو گم شُدہ متاع کو واپس دلانے کے واسطے آیا ہے پس جب تک کہ وہ اس متاع کو نہ لیلے۔ اور اس قابل نہ ہو جائے۔ کہ مخالف باتوں کا اس پر کچھ بھی اثر نہو۔ **اس وقت تک اس پر حرام ہے کہ اس صحبت سے** الگ ہو۔ کیونکہ وہ اس بچّہ کی مانند ہے۔ جو ابھی ماں کی گود میں ہے اور صرف دُودھ ہی پر اس کی پرورش کا انحصار ہے۔ پس اگر وہ بچہ ماں سے الگ ہو جاوے تو فی الفور اُس کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ اِسی طرح اگر وہ صحبت سے علیحدہ ہوتا ہے تو خطرناک حالت میں جا پڑتا ہے۔ پس بجائے اس کے کہ دوسروں کو درست کرنے کے لیئے کوشش کر سکتا ہو خود اُلٹ متاثر ہو جاتا ہے۔ اور اَوروں کے لیئے ٹھوکر کا باعث بنتا ہے۔ **اس لیئے ہم کو دن رات جلن اور افسوس یہی** ہے۔ کہ لوگ بار بار یہاں آئیں۔ اور دیر تک صحبت میں رہیں۔ انسان کامل ہونے کی حالت میں اگر ملاقات کم کرے اور تجربہ سے دیکھ لے کہ قوی ہو گیا ہوں۔ تو اُس وقت اُسے جائز ہو سکتا ہے کہ ملاقات کم کر دے۔ کیونکہ بعید ہو کر بھی قریب ہی ہوتا ہے لیکن جب تک کمزوری ہے وہ خطرناک حالت میں ہے +

دیکھو اس قدر لوگ جو عیسائی ہو گئے جن کی تعداد ۲۰ لاکھ تک پہنچی ہے میں نے ایک بشپ کے لیکچر کا خُلاصہ پڑھا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ ہم ۲۰ لاکھ عیسائی کر چکے ہیں

تو یہ لوگ اسی قسم کے تھے جو دوسروں کے اعتراضات سے متاثر ہو گئے اور ایمان کمزور ہو گیا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے مذہب کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے اور عیسائیت کو قبول کر لیا۔ سراج الدین عیسائی بھی ایسے ہی آدمیوں میں سے تھا۔ یہ لوگ کسی صادق کی صحبت میں کامل زمانہ نہیں گذارتے اور طرح طرح کی خواہشوں کے اسیر اور پابند ہو کر اپنے مذہب اور ایمان جیسی قیمتی چیز کے بدلے خرید لیتے ہیں +

غرض میرے دشمنوں اور مخالفوں کی تعداد ابھی ایسی خطرناک پیدا نہیں ہوئی جس قدر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمن اسلام میں سے نکل کر پیدا ہو گئے ہیں۔ صفدر علی اور عماد الدین وغیرہ نے کون سی کسر باقی رکھی ہے۔ اور میں تو سچ کہتا ہوں اللہ تعالےٰ گواہ ہے۔ کہ مجھے اپنی دشمنی اور اپنی توہین یا عزّت اور تعظیم کا تو کچھ بھی خیال نہیں ہے۔ میرے لئے جو امر سخت ناگوار ہے۔ اور ملال خاطر کا موجب ہمیشہ رہا ہے وہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جیسے کامل اور پاک انسان کی توہین کی جاتی ہے۔ اس صادقوں کے سردار سراسر صدق کو کاذب کہا جاتا ہے یہ امر ہے جو میرے لیئے ہمیشہ غم کا باعث رہا ہے۔ اسلیئے میں اسی فکر میں رہتا ہوں کہ اس مُردہ پرست قوم کے دجل اور مکر کو کھولکر ایسا دکھا دیا جائے کہ سب کھلا کھلا دیکھ لیں +

کل مجھے خیال آیا کہ مسیح موعود کے کام میں یکسر الصلیب تو آیا ہے پر یقتل الخنزیر کیوں آیا ہے۔ تو یہی سمجھ میں آیا کہ یہ تفنن عبارت کے طور پر آیا ہے وہ لوگ جو مرتد ہوئے اُن کے مادے چونکہ خراب تھے اس لیئے ایسے بد اتفاق بھی اُن کو پیش آتے گئے۔ یہاں تک کہ آخر مُرتد ہو گئے۔ اور صرف اپنے نفس کے غلام ہو کر زندگی بسر کرنے لگے +

عقل کے لئے آسمانی نور کی ضرورت ہے

وہ آدمی جو کسی تریاقی صحبت میں رہے اور اس طرح رہے جو رہنے کا حق ہے تو اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو ایسے زہروں سے بچا لیتا ہے۔ اور یہ بات کہ انبیاء علیہم السلام کی یا آسمانی کتابوں کی ضرورت کیوں ہوتی ہے؟ بہت صاف امر ہے۔ دیکھو آنکھ میں بھی ایک روشنی اور نور ہے لیکن وہ سورج کی روشنی کے بغیر دیکھ نہیں سکتی۔ آنکھ خدا نے دی ہے ساتھ ہی دوسری روشنی بھی پیدا کر دی ہے۔ کیونکہ یہ نور دوسرے نور کا محتاج ہے اسی طرح اپنی عقل جب آسمانی نور اور بصیرت اس کے ساتھ نہ ہو کچھ کام نہیں دے سکتی نادان ہے۔ وہ شخص جو کہتا ہے کہ ہم مجرد عقل سے بھی کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا نے

جو یہ طریق مقرر کیا ہے اس کو حقارت کی نگاہ سے مت دیکھو۔ بہت سے اسرار اور ہیں جو مجھ پر کھولے گئے ہیں۔ اگر میں ان کو بیان کروں تو خاص آدمیوں کے سوا جو صحبت میں رہتے ہیں باقی حیران ہو جائیں پس ان لوگوں کو دیکھ کر حیرت اور رونا آتا ہے۔ جو کسی صادق کی پاک صحبت میں نہیں رہے۔ ان لوگوں کو جو ذاتیات پر اعتراضات کرتے ہیں۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ وہ کوئی ایک اعتراض تو دکھائیں جو پہلے کسی نبی پر نہ کیا گیا ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو اعتراض آریوں نے کیے ہیں۔ کیا وہ ان اعتراضوں سے جو مجھ پر پڑے بڑھے ہوئے نہیں ہیں حضرت مسیح پر یہودیوں نے جس قدر اعتراض کیئے ہیں یا آریوں نے کیئے ہیں وہ دیکھو کس قدر ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر جس قدر الزام لگائے جاتے ہیں اُن کا شمار تو کرو۔ ہاں منہاج نبوت پر جو سلسلہ قائم ہو گا ضرور ہے کہ اس پر ایسے الزام لگائے جاویں۔ مگر آخر خدا تعالے اپنے مامور مقبول اور مطہر کی تطہیر کر دیتا ہے اور دکھا دیتا ہے کہ وہ ان الزاموں سے بالکل پاک ہے معترض کی آنکھ اور دل نے دھوکا کھایا ہے +

یہ لوگ جو اصل مقصد کو چھوڑ کر ذاتیات پر اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ خدا کا فرستادہ اپنے ساتھ دلائل اور براہین پر زور رکھتا ہے۔ اُس کی ہر ایک بات پکی اور محکم ہوتی ہے۔ اور ایسے تائیدی نشان اس کے لیئے ظاہر ہوتے ہیں۔ کہ دوسرے اُن سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ اس لیئے مخالف جب کوئی راہ گریز نہیں پاتے تو رکیک عذر کرنے لگتے ہیں۔ اور بیہودہ نکتہ چینیاں شروع کرتے ہیں۔ جن میں سے اکثر تو افترا ہوتے ہیں۔ اور بعض ایسے امور اور معاملات ہوتے ہیں۔ جو کہ اُن کے قصور فہم کا نتیجہ ہوتے ہیں +

اسی طرح جب ہمارے مخالفوں نے دیکھا کہ جو بات ہے وہ معقول ہے اور دلائل اور براہین کے ساتھ مؤکد کی جاتی ہے پھر قرآن شریف ہمارے ساتھ ہے۔ احادیث ہمارے ساتھ ہیں عقل اور قانون قدرت ہماری تائید کرتے ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر ہزاروں آسمانی نشان ہماری تائید میں ظاہر ہوئے۔ وہ نشانات بھی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بطور پیشگوئی بیان فرمائے تھے پورے ہوئے۔ اور ان کے علاوہ اور صدہا نشانات خود ہمارے ہاتھ پر پورے ہوئے۔ اب جب کہ یہ چاروں طرف سے گھر گئے یعنی زمانہ شہادت دے اُٹھا۔ کہ اس وقت **مامور من اللہ** کی ضرورت ہے۔ اور ضرورت وقت اور

واقعات پیش آمدہ نے بتا دیا کہ یہ زمانہ مسیح موعود ہی کا ہے۔ اور اس کی تائید بزرگان ملت کے کشوف رویا اور الہامات سے بھی ہو گئی۔ اور قرآن شریف ہماری ہی تائید میں ثابت ہوا اور دن بدن اس سلسلہ کی ترقی بھی ہوتی جاتی ہے۔ تب ان مخالفوں نے یہ چال بدلی کہ اور تو کہیں ہاتھ پڑنے کی جگہ باقی نہیں ہے ذاتیات پر ہی گفتگو شروع کر دی۔ اِس خیال سے کہ انسان جلد تر اس طرز سے متاثر ہو جاتا ہے۔ مگر کیا ان احمقوں کو یہ معلوم نہیں ہے۔ کہ عیسائی بھی ایسے ہی اعتراض کرتے ہیں۔ آریوں کی ایک چھوٹی سی کتاب میں نے دیکھی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق انہوں نے لکھی ہے۔ انھوں نے اس میں بہت سے اعتراض کئے ہیں۔ کہ بہت سے بچے انہوں نے قتل کرا دیئے مصریوں کا مال لے گئے۔ وعدہ خلافی کی جھوٹ بولا معاذاللہ غرض بڑے سے بڑا گناہ نہیں جو ان کے ذمہ نہ لگایا گیا ہو۔ گویا وہ اُن کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں۔

مَیں کہہ چکا ہوں کہ جب یہ لوگ نبوت کے طریق پر کامیاب نہیں ہوتے۔ اور کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تو یہ ایسے ہی اعتراض کر دیا کرتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق جو کتاب یہاں پڑھی گئی تھی اُس نے کیا کسر باقی رکھی ہے۔ اور ایسا ہی وہ اخبار جو آزاد خیال لوگوں کا یہاں آتا ہے۔ وہ کس قدر ہنسی اُڑاتا ہے۔ تاعجب کی بات ہے کہ صدق اور سچائی کے شعلے دم لینے نہیں دیتے تو موٹی عقل والوں کو یہ لوگ یوں دھوکا دینے لگتے ہیں۔ اور اپنے خیال میں ایک حد تک یہ لوگ کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جس قدر عیسائی ہوتے ہیں۔ اُس کا یہی باعث ہے جب تک انسان کو اُن علوم پر اطلاع نہ ہو جو تسلی اور اطمینان کا موجب ہوتے ہیں۔ اور انسان کو یقین کی حد تک پہنچاتے ہیں۔ ایسے خطرات اور توہمات کے پیش آنے کا اندیشہ ہی اندیشہ ہے۔

دُنیا میں دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک جسمانی تعلقات جیسے ماں باپ بھائی بہن وغیرہ کے تعلقات دوسرے رُوحانی اور دینی تعلقات۔ یہ دوسری قسم کے تعلقات اگر کامل ہو جائیں تو سب قسم کے تعلقات سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ اور یہ اپنے کمال کو تب پہنچتے ہیں۔ جب ایک عرصہ تک صحبت میں رہے۔ دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جماعت صحابہ کی تھی۔ اُس کے یہ تعلقات ہی کمال کو پہنچے ہوئے تھے جو انہوں نے نہ وطن کی پرواہ کی اور نہ اپنے مال و املاک کی اور نہ عزیز و اقارب کی

یہاں تک کہ اگر ضرورت پڑی تو انہوں نے بھیڑ بکری کی طرح اپنے سر خدا کی راہ میں رکھ دیئے۔ وہ شدائد و مصائب جو اُن کو پہنچ رہے تھے اُن کے برداشت کرنے کی قوّت اور طاقت اُن کو کیونکر ملی۔ اس میں یہی سر تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلّقات بہت گہرے ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا جو آپ لیکر آئے تھے۔ اور پھر دُنیا اور اُس کی ہر ایک چیز اُن کی نگاہ میں خدا تعالےٰ کے لقا کے مقابلہ میں کچھ ہستی رکھتی ہی نہیں تھی +

یاد رکھو کہ جب سچائی پُورے طور پر اپنا اثر پیدا کر لیتی ہے تو وہ ایک نُور ہو جاتی ہے جو کہ ہر تاریکی میں اُس کے اختیار کرنے والے کیلئے رہنما ہوتا ہے۔ اور ہر مشکل میں بچاتا ہے +

ذاتی حملوں کا جو بُغض اور حسد کی بنا پر کیئے جاتے ہیں اور سچائی کے مقابلہ سے عاجز آکر کمینہ اور سفیہ لوگ کرتے ہیں اُن پر ہی اثر ہوتا ہے جنھوں نے سچائی کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہوتا اور سچائی نے اُن کے دل کو منوّر نہیں کیا ہوتا!!

یہ بالکل سچی بات ہے کہ انسان اُس حد تک پژمردہ ہوتا ہے جب تک سچائی کو سمجھا ہوا نہیں۔ جُوں جُوں وہ اُسے سمجھتا جاتا ہے۔ اُس میں ایک تازگی اور شگفتگی آتی جاتی ہے۔ اور روشنی کی طرف آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب بالکل سمجھ لیتا ہے پھر تاریکی اس کے پاس نہیں آتی ہے۔ تاریکی تاریکی کو پیدا کرتی ہے۔ اندرونی روشنی اور روشنی کو لاتی ہے۔ اسی واسطے تاریکی کو شیطان سے تشبیہ دی ہے۔ اور روشنی رُوح القدس سے مشابہ ہے۔ اسی طرح معرفت اور یقین کی روشنی جہاں قائم ہو جاتی ہے وہاں تاریکی نہیں رہتی۔ اسلیئے میں کہتا ہوں کہ اپنے کاروبار کو چھوڑ کر کبھی یہاں آؤ۔ مُلک کی حالت خطرناک ہو رہی ہے **طاعون** بڑے زور کے ساتھ پھیلتی جاتی ہے۔ اور اس کے دورے بعض اوقات ساٹھ ساٹھ ستّر ستّر برس تک ہوتے رہتے ہیں۔ اور شہروں کے شہر تباہ کر دیتی ہے مولوی صاحب کے پاس بھی ایک خط آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض گاؤں بالکل خالی ہو گئے ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ ایک دو سال میں رُخصت ہو جائیگی یہ اپنا اثر کر کے جاتی ہے۔ پھر ہمارے تو مُلک سے دُور نہیں۔ اس وقت پانچ ضلع مُبتلا ہو رہے ہیں۔ پس بیخوف ہو کر مت رہو۔ **استغفار اور دُعاؤں میں لگ جاؤ**

اور ایک پاک تبدیل پیدا کرے +

اب غفلت کا وقت نہیں رہا - انسان کو نفس جھوٹی تسلی دیتا ہے کہ تیری عمر لمبی ہوگی موت کو قریب سمجھو +

خدا کا وجود برحق ہے جو ظلم کی راہ سے خدا کے حقوق دوسروں کو دیتا ہے وہ ذلت کی موت دیکھیگا - اب جیسا کہ سورہ **فاتحہ** میں **تین گروہوں** کا ذکر ہے ان تین کا ہی مزہ چکھا دیگا - اسمیں جو آخر تھے وہ مقدم ہو گئے - یعنی **ضالین** اسلام وہ تھا - کہ ایک شخص مرتد ہو جاتا تو قیامت برپا ہو جاتی تھی - مگر اب ۲۰ لاکھ عیسائی ہو چکے ہیں - اور خود ناپاک ہو کر پاک وجود کو گالیاں دیجاتی ہیں +

پھر **مغضوب کا نمونہ طاعون** سے دکھایا جا رہا ہے - اس کے بعد **انعمت علیہم کا گروہ** ہوگا +

یہ قاعدہ کی بات ہے - اور خدا کی قدیم سے سنت چلی آتی ہے کہ جب وہ کسی قوم کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ یہ کام نہ کرنا تو اُس قوم میں سے ایک گروہ ضرور خدا کی خلاف ورزی کرتا ہے کہ کوئی قوم ایسی دکھاؤ - کہ جس کو کہا گیا کہ تم یہ کام نہ کرنا اور اس نے نہ کیا ہو - خدا نے یہودیوں کو کہا کہ تحریف نہ کرو - اُنھوں نے تحریف کی - قرآن کی نسبت یہ نہیں کہا بلکہ یہ کہا انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون - غرض دُعاؤں میں لگے رہو کہ خدا تعالےٰ انعمت علیہم کے گروہ میں داخل کرے +

۱۹ - اپریل سنہ ۱۹۰۱ء کو لاہور سے فورمن کالج امریکن مشن کے دو پادری مع ایک دیسی عیسائی کے قادیان آئے تھے - اور اُنھوں نے سوالات حضرت سے کیے - جن کا جواب حضرت اقدس نے حسب ذیل دیا :-[1]

نبیوں سے بہت نشانات مانگنے والوں نے نشان مانگے - اُنھوں نے اُن کے جواب میں یہی کہا کہ عقلمند ایسے سوال نہیں کرتے - بلکہ مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں تو ایسے موقع پر جیسا انجیل سے پتہ لگتا ہے بہت سختی پائی جاتی ہے - یہ سچی بات ہے کہ جو شخص خدا کی طرف سے آتا ہے وہ نشانات لے کر آتا ہے - میں تو یہ کہتا ہوں کہ وہ

[1] الحکم جلد ۵ ملا تاریخ تقریر ۱۹ اپریل سنہ ۱۹۰۱ء +

خود ایک نشان ہوتا ہے لیکن تھوڑے ہوتے ہیں جو ان نشانات سے فائدہ اُٹھاتے اور اُن کی شناخت کرتے ہیں۔ مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد دُنیا دیکھ لیتی ہے کہ وہ کیسے عظیم نشان نشانات کے ساتھ آیا ہے یقیناً سمجھ لیں کہ وہ نہیں مرتا جب تک دنیا پر ثابت نہ کر دے کہ وہ صاحب نشان ہے +

سوال۔ آپ کی سمجھ میں خدا کا کلام کیا ہے۔ یعنے کیا آپ بھی کچھ نوشتے چھوڑ جائینگے جیسے انجیل یا تورات ہے +

جواب حضرت اقدس۔ بات اصل میں یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو لوگ مامور ہو کر دُنیا کی اصلاح کے واسطے آتے ہیں وہ دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو صاحب شریعت ہوتے ہیں۔ اور ایک نئی شریعت قائم کرتے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ وہ خدا تعالےٰ سے ہمکلام ہوتے تھے۔ اور مامور ہو کر آئے تھے۔ مگر اُن کو ایک شریعت جس کو آپ لوگ تورات کہتے ہیں اور مانتے ہیں کہ شریعت مُوسےٰ کی معرفت دی گئی +

مگر ایک وہ لوگ ہوتے ہیں جو خدا تعالےٰ سے ہمکلام تو ہوتے ہیں۔ اور اُن صاحب شریعت نبیوں کی طرح وہ بھی اصلاحِ خلق کے لیئے آتے ہیں۔ اور اپنے وقت پر ضرورت حقہ کے ساتھ آتے ہیں مگر وہ صاحب شریعت نہیں ہوتے۔ جیسے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کہ وہ کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے۔ بلکہ اُسی موسوی شریعت کے پابند تھے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کوئی لغو کام نہیں کرتا جب اُس کا زندہ کلام موجود ہو اور ایک مستقل شریعت وقت کی ضرورت کے موافق موجود ہو تو دوسری کوئی شریعت دی نہیں جاتی لیکن ہاں اُس وقت ایسا تو ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے۔ کہ جب اہل دُنیا کے دلوں سے خدا کی محبت سرد ہو جاوے۔ اور اعمال صالحہ کی بجائے چند رسمیں رہ جاویں تقوےٰ اور اخلاق فاضلہ نہ رہیں +

اُس وقت خدا تعالےٰ ایک شخص کو مبعوث کرتا ہے جو اسی شریعت پر عمل درآمد کی ہدایت کرتا ہے۔ اور اپنے عملی نمونہ سے اس شریعت حقہ کی کھوئی ہوئی عظمت اور بزرگی کو پھر لوگوں کے دلوں میں قائم کرتا ہے۔ اس کے مناسب حال اس میں سب باتیں موجود ہوتی ہیں۔ وہ خدا تعالےٰ سے ہمکلامی کا شرف رکھتا ہے کلام الٰہی

کا منشاء اسے عطا ہوتا ہے اور شریعت کے اسرار پر اسے اطلاع دی جاتی ہے وہ بہت سے خوارق اور نشان لیکر آتا ہے۔ غرض ہر طرح سے معزز اور مکرم ہوتا ہے۔ مگر دنیا اُس کو نہیں پہچانتی جیسے جیسے کسی کو آنکھیں ملتی جاتی ہیں وہ اُس کو اُسی حد تک شناخت کرتا جاتا ہے۔

یہ امر انسانی عادت میں داخل ہے۔ کہ جب کوئی نیا انسان اُس کے سامنے آتا ہے تو آنکھیں اُس کو تاڑتی ہیں کہ یہ اُس کا قد ہے۔ یہ رنگ ہے آنکھیں ایسی ہیں صورت شکل ایسی ہے۔ غرض سر سے لیکر پیر تک اُسکو تاڑتا ہے۔ یہانتک کہ نظر میں محدود ہو کر آخر کار اُس کا رُعب کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نبیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب وہ آتے ہیں تو وہ معمولی انسان ہوتے ہیں۔ تمام حوائج بشری اور ضروریات اُن کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اسلیئے جو کچھ وہ فوق الفوق باتیں بتاتے ہیں دنیا کی نظر میں وہ اچنبا ہوتی ہیں۔ اسلیئے انکار کیا جاتا ہے اُن کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ اُن سے ہنسی کیجاتی ہے ہر قسم کی تکالیف اور ایذا رسانی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ آپ کے دل میں حضرت موسےٰ اور حضرت مسیح کی ہی بڑی عزت کیوں نہ ہو؟ لیکن جس جگہ میں بیٹھا ہوں۔ اگر آج اسی جگہ حضرت موسےٰ یا حضرت مسیح ہوتے تو وہ بھی اسی نظر سے دیکھے جاتے جس نظر سے میں دیکھا جاتا ہوں +

یہی بھید ہے کہ ہر نبی کو دُکھ دیا گیا اور ضروری امر ہے کہ ہر ایک جو خدا کی طرف سے مامور اور مرسل ہو کر آوے وہ اپنی قوم میں کیسا ہی معزز اور امین اور صادق ہو۔ لیکن اُس کے دعوے کے ساتھ ہی اُس کی تکذیب شروع ہو جاتی اور اُسکی تذلیل اور ہلاکت کے منصوبے ہونے لگتے ہیں +

مگر ہاں جیسے یہ لازمی امر ہے کہ اُن کی تکذیب کیجاتی اُن کو دُکھ دیا جاتا ہے۔ یہ بھی سچی اور یقینی بات ہے کہ ایک وقت آجاتا ہے۔ کہ اُن کی جماعتیں مستحکم ہو جاتی ہیں وہ دُنیا میں صداقت کو قائم کر دیتے اور راستبازی کو پھیلا دیتے ہیں یہاں تک کہ اُن کے بعد ایک زمانہ آتا ہے کہ ایک دُنیا اُن کی طرف ٹوٹ پڑتی اور وہ اُن تعلیمات کو قبول کر لیتی ہے جو وہ لے کر آتے ہیں گو اپنے زمانہ میں اُن کو دُکھ دینے میں کوئی کسر نہ رکھی گئی ہو اور نہیں رکھی جاتی +

ہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ جنھوں نے رد کر دیا وہ دانشمند تھے؟ نہیں ہرگز نہیں صرف

زمانہ کی خاصیت ہے کہ اُن کو دانشمند کہا جاتا ہے ورنہ اُن سے بڑھ کر بیوقوف اور سطحی خیال کے
اور کون لوگ ہوں گے جو حق کو جھٹلا کر دانشمند بنتے ہیں۔ یہ ایک فطرت کی کجی ہوتی ہے جو
کوشش کی جاتی ہے کہ کسی طرح اُن کو ذلیل کیا جاوے۔ اِسی طرح خیالی طور پر اس قسم کے مجمع کہہ اُٹھتے
ہیں کہ ہم جیت گئے اور خدا کے راستبازوں کے مقابلہ میں ہم کامیاب ہو گئے۔ حالانکہ وہی ذلیل
نامُراد اور مغلوب ہوتے ہیں۔ آخر انجام دکھا دیتا ہے اور ایک روشن فیصلہ نمودار ہو جاتا ہے جس
سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حق کس کے ساتھ ہے راستباز کی کامیابی مخالفین کی سفاہت
اور جہالت پر مُہر کر دیتی ہے۔ کہ وہ جس قدر اعتراض کرتے تھے اپنی نادانی سے کرتے تھے +
میں یہ بار بار لکھ چکا ہوں کہ جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر آتے ہیں دُنیا اُن کو کم پہچانتی
ہے بجز اُن لوگوں کے جو دیکھنے کی آنکھیں رکھتے ہیں اُن کو دوسرے دیکھ ہی نہیں سکتے۔
کیونکہ وہ تو انہیں ہی ہے ایک کھاتے پیتے حوائج بشری رکھنے والے انسان ہوتے ہیں اور
یہ بات کہ میرے نوشتے باقی رہیں گے میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ خدا کی طرف سے مامور ہو کر آنیوالے
لوگوں کے دو طبقے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو صاحب شریعت ہوتے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام اور
ایک وہ جو احیاء شریعت کے لیئے آتے ہیں۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی طرح پر
ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کامل شریعت لے کر آئے جو
نبوت کے خاتم تھے اسلیئے زمانہ کی استعدادوں اور قابلیتوں نے
ختم نبوت کر دیا تھا۔ پس حضور علیہ السلام کے بعد ہم کسی دوسری شریعت
کے آنے کے قائل ہرگز نہیں۔ ہاں جیسے ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم
مثیل موسیٰ تھے۔ اِسی طرح آپ کے سلسلہ کا خاتم جو خاتم الخلفاء یعنے مسیح موعود
ہے ضروری تھا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح آتا پس میں وہی خاتم الخلفاء اور مسیح موعود
ہوں۔ جیسے مسیح کوئی شریعت لے کر نہ آئے تھے بلکہ شریعت موسوی کے احیاء کے لیئے
آئے تھے میں کوئی جدید شریعت لے کر نہیں آیا۔ اور میرا دل ہرگز
نہیں مان سکتا۔ کہ قرآن شریف کے بعد اب کوئی اور شریعت آسکتی
ہے۔ کیونکہ وہ کامل شریعت اور خاتم الکتب ہے۔ اِسی طرح خدا تعالےٰ نے مجھے شریعت
محمدی کے احیاء کے لیئے اس صدی میں خاتم الخلفاء کے نام سے مبعوث
فرمایا ہے +

میرے الہامات جو خدا تعالے کی طرف سے مجھے ہوتے ہیں اور جو ہمیشہ لاکھوں انسانوں میں شائع کیئے جاتے ہیں اور چھاپے جاتے ہیں اور ضائع نہیں کیئے جاتے۔ وہ ضائع نہ ہوں گے۔ اور وہ قائم رہینگے +

سوال - آپ کی رائے میں مذہب کے پھیلانے کا بہتر طریقہ کیا ہے ؟

جواب - میرے نزدیک اشاعت مذہب کا بہترین طریق یہی ہے۔ کہ وہ **مذہب اپنی خوبیوں اور حسن کی وجہ سے خود ہی اندر چلا جاوے**۔ اور اس کے لئے بڑی کوشش کرنی نہ پڑے۔ مثلاً بعض چیزیں ایسی ہیں کہ وہ اپنی روشنی کی وجہ سے خود بخود نظر آتی ہیں۔ جیسے سورج۔ چاند ستارے وغیرہ۔ اور ایک وہ چیزیں ہیں جو ان روشنیوں کے بغیر نظر ہی نہیں آسکتی ہیں۔ مثلاً چرند پرند وغیرہ کو ہم نہیں دیکھ سکتے جب تک روشنی نہ آوے۔ پس سچا مذہب اپنی روشنی اور حقانیت و صداقت کے نور سے خود بخود شناخت ہو کر روحوں میں اُترتا جاتا ہے۔ اور دلوں کو اپنی طرف کھینچتا جاتا ہے۔ اسی لئے میں نے کہا تھا کہ **تعلیم ایک بڑا نشان ہے** جس مذہب کے ساتھ تعلیم کا نشان نہیں ہوتا اُس کے دوسرے نشان کوئی فائدہ پہنچا نہیں سکتے۔ آسمانی تعلیم اپنے اندر ایک روشنی اور نور رکھتی ہے۔ وہ انسانی طریقوں سے بالاتر ہوتی ہے۔ ایک انسان جب بکلی مرجاوے اور گندی زندگی سے نکل آوے۔ اُس وقت وہ خدا میں زندگی پاتا ہے۔ اور سچے مذہب کا نشان محسوس کرتا ہے۔ مگر خدا کے فضل کے سوا یہ کس کا کام ہے کہ گندی زندگی سے مرکر نئی زندگی پاوے۔ یہ اُس خدا کے ہاتھ سے ہوتا ہے۔ جس نے دنیا کو زندگی بخشی ہے وہ جس انسان کو مبعوث کرتا ہے پہلے اُس کو یہ زندگی عطا کرتا ہے وہ بظاہر دنیا میں ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ اس دنیا کا انسان نہیں ہوتا۔ وہ خدا تعالیٰ کی چادر کے نیچے ہوتا ہے۔ پھر خدا تعالےٰ اُس کے مناسب حال تعلیم اسکو دیتا ہے۔ جس کو اسی مناسبت سے لوگ سیکھتے ہیں + اس میں گند۔ نفس پرستی۔ ظلم اور شہوانی خواہشات کو پورا نہیں کیا جاتا بلکہ وہ پاک باتیں ہوتی ہیں جو انسان پر ایک موت وارد کر کے اُس کو ایک نئی زندگی عطا کرتی ہیں۔ جس سے اُسکو گناہ سوز فطرت مل جاتی ہے۔ وہ ہر ایک قسم کی ناپاکی اور گند سے نفرت کرتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ میں زندگی بسر کرنے میں راحت اور لذت پاتا ہے۔ پس میرے نزدیک سچا مذہب اپنی اشاعت کا آپ ہی کفیل ہے۔ اس کے لئے کسی خارجی کوشش کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ اسکی صداقت کے اظہار کا ذریعہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو خدا کی طرف سے آ کر آتے ہیں۔ مقابلہ کے وقت اُن کو غلبہ ملتا ہے جو بطور نشان کے ہوتا ہے۔ اُن کی آمد اُس وقت ہوتی ہے جب دُنیا حق اور نُور کے لیئے بھُوکی پیاسی ہوتی ہے۔ غرض عمدہ تعلیم اور کامل نمونہ جو اس تعلیم کی عمدگی کا زندہ ثبوت ہوتا ہے وہی اشاعت کا بہترین طریق ہے +

سوال ہم آپ کو بہت تکلیف دینا نہیں چاہتے۔ یہ رُوحانی زندگی کس طرح مل سکتی ہے +

جواب۔ خدا کے فضل سے +

سوال ہمیں کیا کچھ کرنا چاہیئے کہ رُوحانی زندگی ہم کو مل جاوے +

جواب۔ ہاں دُعا کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ اور اُس کے ساتھ ہی نیک صحبت میں رہنا چاہیئے۔ سب تعصّبوں کو چھوڑ کر گویا دُنیا سے الگ ہو جاوے۔ جیسے جہاں طاعون پڑی ہوئی ہو۔ اور کوئی شخص وہاں سے الگ نہیں ہوتا ہے تو وہ خطرہ کی حالت میں ہے۔ اسیطرح جو شخص اپنی حالت کو بدل نہیں ڈالتا اور اپنی زمین میں تبدیلی نہیں کرتا۔ اور الگ ہو کر نہیں سوچتا کہ کس طرح پاک زندگی پاؤں۔ اور خدا سے دُعا نہیں مانگتا وہ خطرہ کی حالت میں ہے +

دُنیا میں کوئی نبی نہیں آیا جس نے دُعا کی تعلیم نہیں دی۔ یہ دُعا ایک ایسی شے ہے جو **عبُودیّت** اور **ربُوبیّت** میں ایک رشتہ پیدا کرتی ہے۔ اس راہ میں قدم رکھنا بھی مشکل ہے لیکن جو قدم رکھتا ہے پھر دُعا ایک ایسا ذریعہ ہے۔ کہ ان مشکلات کو آسان اور سہل کر دیتا ہے۔ **دعا** ایک ایسا باریک مضمُون ہے کہ اُس کا ادا کرنا بھی بہت ہی مشکل ہے۔ جبتک خود انسان **دُعا** اور اُس کی کیفیّتوں کا تجربہ کار نہو وہ اُسکو بیان نہیں کر سکتا ہے۔ غرض جب انسان خُدا تعالےٰ سے مُتواتر دُعائیں مانگتا ہے۔ تو وہ اور ہی انسان ہو جاتا ہے، اُس کی رُوحانی کدورتیں دُور ہو کر اُس کو ایک قسم کی راحت اور سرور ملتا ہے اور ہر قسم کے تعصّب اور ریاکاری سے الگ ہو کر وہ تمام مشکلات کو جو اُس کی راہ میں پیدا ہوں برداشت کر لیتا ہے، خدا کے لیئے اُن سختیوں کو جو دوسرے برداشت نہیں کرتے اور نہیں کر سکتے صرف اسلیئے کہ خدا تعالےٰ راضی ہو جاوے برداشت کرتا ہے تب خدا تعالےٰ جو رحمٰن رحیم خدا ہے اور سراسر رحمت ہے، اُس پر نظر کرتا ہے اور اُس کی ساری کلفتوں اور کدُورتوں کو سرُور سے بدل دیتا ہے +

زبان سے دعوےٰ کرنا کہ مَیں نجات پا گیا ہوں یا خدا تعالےٰ سے قوی رشتہ پیدا ہو گیا ہے آسان ہے۔ لیکن خدا تعالےٰ دیکھتا ہے کہ وہ کہاں تک ان تمام باتوں سے

الگ ہوگیا ہے۔ جن سے الگ ہونا ضروری ہے۔ یہ سچی بات ہے کہ جو ڈھونڈتا ہے وہ پالیتا ہے سچے دل سے قدم رکھنے والے کامیاب ہوجاتے ہیں منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں جب انسان کچھ دین کا اور کچھ دُنیا کا ہوتا ہے آخرکار دین سے الگ ہوکر دُنیا ہی کا ہو جاتا ہے

اگر انسان ربّانی نظر سے مذہب کو تلاش کرے تو تفرقہ کا فیصلہ بہت جلد ہو جاوے مگر نہیں یہاں مقصود اور غرض یہ ہوتی ہے کہ میری بات رہجاوے۔ دو آدمی اگر بات کرتے ہیں تو ہر ایک اُن میں سے یہی چاہتا ہے کہ دوسرے کو گراوے۔ اس وقت تو چیونٹی کی طرح تعصب ہٹ دھرمی اور ضد کی بلائیں لگی ہوئی ہیں۔ غرض میں آپ کو کہاں تک سمجھاؤں۔ بات بہت باریک ہے۔ اور دُنیا اُس سے بیخبر ہے اور یہ صرف خدا ہی کے اختیار میں ہے +

میرا مذہب یہ ہے کہ وہ خدا جس کو ہم دکھانا چاہتے ہیں وہ دُنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہے اور دُنیا اس سے غافل ہے اُس نے مجھ پر اپنا جلوہ ظاہر کیا ہے جو دیکھنے کی آنکھ رکھتا ہو دیکھے +

دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو خدا کو مانتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو نہیں مانتے اور دہریۃ کہلاتے ہیں۔ جو مانتے ہیں اُن میں بھی دہریت کی ایک رگ ہے۔ کیونکہ اگر وہ خدا کو کامل یقین کے ساتھ مانتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس قدر فسق و فجور اور بیحیائی میں ترقی ہورہی ہے۔ ایک انسان کو مثلاً سنکھیا یا سٹرکنیا دیا جاوے جبکہ اُس کو اس بات کا علم ہے کہ یہ زہر قاتل ہے۔ تو وہ اُس کو کبھی نہیں کھائیگا۔ خواہ اُس کے ساتھ تم اُسے کس قدر بھی لالچ روپیہ کا دو۔ اسلیئے کہ اُس کو اس بات کا یقین ہے کہ میں نے اسکو کھایا اور ہلاک ہؤا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ خدا تعالےٰ گُناہ سے ناراض ہوتا ہے اور پھر بھی اس زہر کے پیالے کو پی لیتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں زنا کرتے ہیں دُکھ دینے کو طیّار ہو جاتے ہیں۔ بارہ بارہ آنہ یا ایک روپیہ کے زیور پر معصوم بچّوں کو مار ڈالتے ہیں۔ اس قدر بیباکی اور شرارت و شوخی کا پیدا ہونا نتیجہ علم اور پورے یقین کے بعد تو ممکن نہیں اس سے معلوم ہؤا۔ کہ ان کو ہرگز یہ معلوم نہیں کہ یہ بدی کا زہر ہلاک کرنے میں سنکھیا یا سٹرکنیا کے زہر سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر ان کا ایمان اس بات پر ہوتا کہ خدا ہے اور وہ بدی سے ناراض ہوتا ہے۔ اور اُس کی پاداش میں سخت سزا ملتی ہے۔ تو گُناہ سے بیزاری ظاہر کرتے اور بدیوں سے ہٹ جاتے +

لیکن چونکہ گُناہ کی زندگی عام ہوتی جاتی ہے۔ اور بدی اور فسق و فجور سے نفرت کی بجائے محبت بڑھتی جاتی ہے۔ اسلیئے میں یہی کہوں گا اور یہی سچ ہے کہ آجکل دہریہ ّیت بہت پھیلا ہُوا ہے۔ فرق صرف اِتنا ہے کہ ایک گروہ زبان سے کہتا ہے کہ خدا ہے مگر مانتا نہیں۔ اور دوسرا گروہ صاف اِنکار کرتا ہے حقیقت میں دونوں ملے ہُوئے ہیں +

اسلیئے میں خدا تعالےٰ پر ایسا ایمان پیدا کرانا چاہتا ہوں کہ جو خدا تعالےٰ پر ایمان لاوے وہ گُناہ کی زہر سے بچ جاوے اور اُسکی فطرت اور سرشت میں ایک تبدیلی ہوجاوے اُس پر موت وارد ہوکر ایک نئی زندگی اُسکو ملے گناہ سے لذت پانے کی بجائے اُس کے دل میں نفرت پیدا ہو۔ جس کی یہ صُورت ہو جاوے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے خدا کو پہچان لیا ہے۔ خدا خوب جانتا ہے کہ اس زمانہ میں یہی حالت ہورہی ہے کہ خدا کی معرفت نہیں رہی۔ کوئی مذہب ایسا نہیں رہا جو اس منزل پر انسان کو پہنچاوے۔ اور یہ فطرت اُس میں پیدا کرے۔ ہم کسی خاص مذہب پر کوئی افسوس نہیں کر سکتے یہ بلا عام ہورہی ہے۔ اور یہ با خطرناک طور پر پھیلی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں خدا پر ایمان لانے سے انسان فرشتہ بن جاتا ہے بلکہ ملائکہ کا مسجود ہوتا ہے نُورانی ہوجاتا ہے۔ غرض جب اِس قسم کا زمانہ دُنیا پر آتا ہے کہ خدا کی معرفت باقی نہیں رہتی۔ اور تبہ کاری اور ہر قسم کی بدکاریاں کثرت سے پھیلجاتی ہیں خدا کا خوف اُٹھ جاتا ہے۔ اور خدا کے حقُوق بندوں کو دیئے جاتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ اسی حالت میں ایک اِنسان کو اپنی معرفت کا نُور دیکر مامُور فرماتا ہے اس پر لعن طعن ہوتا ہے اور ہر طرح سے اُس کو ستایا جاتا اور دُکھ دیا جاتا ہے لیکن آخر وہ خدا کا مامُور کامیاب ہو جاتا اور دُنیا میں سچائی کا نُور پھیلا دیتا ہے۔ اسی طرح اس زمانہ میں خدا نے مجھے مامُور کیا۔ اور اپنی معرفت کا نُور مجھے بخشا۔ کوئی گالی نہیں جو ہم کو نہیں دی گئی کوئی صُورت ایذا رسانی کی نہیں جو ہمارے لیئے نہیں نکالی گئی۔ مگر ہم ان ساری بدزبانیوں کو سُنتے ہیں۔ اور اُن ساری تکلیفوں کے برداشت کرنے کو ہر وقت آمادہ ہیں۔ خدا تعالےٰ بہتر جانتا ہے کہ بناوٹ سے نہیں بلکہ ہمارا فرض ہے کیُونکہ جس منصب پر ہمیں بٹھایا گیا ہے اُس پر بیٹھنے والوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے + غرض اس سلسلہ کو قائم ہُوئے پچیس سے زیادہ سال گُذر گئے۔ یہ ایک بڑا حصّہ زندگی

کا ہے۔ اس عرصہ میں ایک بچّہ پیدا ہو کر بھی صاحبِ اولاد ہو سکتا ہے۔ یہ خُدا کا فضل ہے کہ اُس نے عین وقت پر ہماری دستگیری کی۔ اور مخلُوق پر رحم فرمایا۔ چُونکہ خُود اُس نے ایک غیر معمُولی ہمّت اور استقلال ہم کو دیا ہے۔ جو اپنے مامُوروں کو ہمیشہ دیا کرتا ہے۔ اسی لیئے اِسی قوّت اور طاقت کی وجہ سے ہم نہیں تھکتے۔ اور یہ ساری مخالفتیں جو اس وقت کیجاتی ہیں ایک وقت آتا ہے کہ ان کا نام و نشان مٹ جاویگا۔ اور ہم اُمّید وار ہیں کہ وہ زمانہ آنے والا ہے ✦

میں سچ کہتا ہوں کہ اس وقت **آسمان** باتیں کر رہا ہے۔ خُدا چاہتا ہے۔ کہ زمین کے رہنے والوں میں ایک پاک تبدیلی ہو۔ جس طرح سے ہر ایک بادشاہ طبعاً چاہتا ہے۔ کہ اُس کا جلال ظاہر ہو۔ اسی طرح منشاء الٰہی اس وقت یُوں ہی ہو رہا ہے۔ کہ اُسکی عظمت و جبرُوت کا اہل دُنیا کو علم ہو۔ اور وہ خُدا جو پوشیدہ ہو رہا ہے دُنیا پر اپنا ظہُور دکھائے۔ اسلیئے اُس نے اپنا ایک مامُور بھیجا تاکہ دُنیا کا جذام جاتا رہے ✦

اگر یہ سوال ہو کہ تُم نے آکر کیا بنایا۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے دُنیا کو خُود معلُوم ہو جاوے گا کہ کیا بنایا۔ ہاں اِتنا ہم ضرور کہتے ہیں۔ کہ لوگ آکر ہمارے پاس گُناہوں سے توبہ کرتے ہیں اُن میں اِنکسار فروتنی پیدا ہوتی ہے۔ اور رذائل دُور ہو کر اخلاق فاضلہ آنے لگتے ہیں اور سبزہ کی طرح آہستہ آہستہ بڑھتے ہیں۔ اور اپنے اخلاق اور عادات میں ترقّی کرنے لگتے ہیں انسان ایک دم میں ہی ترقّی نہیں کر لیتا۔ بلکہ دُنیا میں قانُون قُدرت یہی ہے۔ کہ ہر شے تدریجی طور پر ترقّی کرتی ہے۔ اِس سلسلہ سے باہر کوئی شے ہو نہیں سکتی۔ ہاں ہم یہ اُمّید رکھتے ہیں۔ کہ آخر **سچّائی پھیلیگی اور پاک تبدیلی ہو گی**۔ یہ میرا کام نہیں ہے۔ بلکہ خدا کا کام ہے۔ اُس نے ارادہ کیا ہے کہ پاکیزگی پھیلے۔ دُنیا کی حالت مسخ ہو چکی ہے۔ اور اسے ایک کیڑا لگا ہوُا ہے۔ پوست ہی پوست باقی ہے مغز نہیں رہا۔ مگر خُدا نے چاہا ہے کہ انسان پاک ہو جاوے۔ اور اس پر کوئی داغ نہ رہے۔ اسی واسطے اُس نے محض اپنے فضل سے **یہ سلسلہ قائم کیا ہے** ✦

سوال۔ آپ کی کتابوں کے مُوافق آپ کا لقب مسیح موعُود ہے۔ اس کے ٹھیک معنے کیا ہوتے ہیں ؟

جواب۔ اس راز کو سمجھنے کے واسطے یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ خُدا تعالےٰ جس نے نبوّتوں

کی بنیاد ڈالی ہے۔ نبوت کا ایک سلسلہ پہلے قائم کیا تھا اس سلسلے کی بنیاد حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی نے ڈالی تھی۔ اُن سے پیشتر جو نبی دُنیا میں گذرے تھے اُن کے آثار نہ رہے تھے حضرت موسیٰ ہی تھے جن کی کتاب میں نوح کا آدم کا اور بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا گیا۔ غرض جیسے کسی خاندان کا مورث اعلےٰ ہوتا ہے۔ اُسی طرح پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاندان نبوت کا مورث اعلےٰ ٹھیرایا۔ اور توریت کے ذریعہ اُن کو اپنی شریعت دی۔ موسیٰ مرد خدا کے انتقال کے بعد اللہ تعالےٰ نے اِس سلسلہ کی خدمت کے لیئے کہ اُس میں زوال نہ ہو اور نبی بھیجتا رہا۔ جو اس سلسلہ موسویہ کے خادم ہوتے تھے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (جس کو آپ لوگ یسوع کہتے ہیں) اسی سلسلہ کا مؤید بنا کر بھیجا وہ اس سلسلہ موسویہ کی آخری اینٹ تھے جیسے آخری اینٹ مکان کو ختم کر دیتی ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح پر سلسلہ موسویہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس سلسلے کو خدا نے پورا کیا۔ اور ایک نئے سلسلے کی بنیاد رکھی جو اسمٰعیل کی نسل سے قائم ہوا۔ اور سلسلہ محمدیہ کہلایا۔ جیسا کہ خود اسمٰعیل کے لفظ سے بھی معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ خدا تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی معرفت خبر دی تھی کہ نبی اسمٰعیل میں ایک سلسلہ موسویہ سلسلہ کی طرح قائم کیا جاویگا +

چونکہ بنی اسرائیل یعنے یہودیوں نے نہ اوّل کے ساتھ جو موسیٰ علیہ السلام تھے اچھا سلوک کیا اور نہ آخری کے ساتھ جو مسیح تھا اچھا سلوک اور ایسا ہی نہ درمیانی نبیوں سے اچھا سلوک کیا۔ یہ قوم ایسی سنگدل اور بیباک تھی کہ صفحۂ روزگار میں اُس کی نظیر نہ ملیگی۔ نبیوں کی تکذیب اور ایذا رسانی میں اس قوم نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اُنہوں نے خُدا کے نورانی بندوں کی قدر نہیں کی۔ اس لیئے حضرت عیسیٰ پر اس سلسلہ کو ختم کر دیا۔ یہ ختم رضامندی کی وجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ ناراضگی کی وجہ سے تھا۔ خود حضرت مسیح کی پیدائش بطور نشان کے تھی یعنے وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ چونکہ نسل باپ سے جاری ہوتی ہے۔ اسلیئے حضرت عیسیٰ کو بن باپ پیدا کر کے خدا نے بنی اسرائیل کو متنبہ کیا کہ تمہاری شامت اعمال کی وجہ سے اس سلسلہ کو ختم کیا جاتا ہے۔ دو باتوں کا خود تم لوگوں نے اعتراف کیا ہے اوّل یہ کہ خدا نے اُن کو بدوں باپ پیدا کیا جو یہ کہتا ہے کہ اُن کا باپ ہے وہ خدا تعالےٰ کے قانون کو توڑنا چاہتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کے اس نشان کو جو اُن کی پیدائش میں رکھا ہوا تھا بیحرمتی کرتا ہے +

دوسری بات جس کا تم کو اعتراف ہے یہ ہے کہ وہ آخری اینٹ تھے۔ اُس کی مثال انجیل میں باغ والی تمثیل میں بیان کی گئی ہے۔ کہ ایک شخص نے باغ لگایا۔ اُس کے ٹھیکیداروں نے نوکر کو بھیجا وغیرہ آخر تک اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کی نظر مہر اور نظر رحم یہود پر نہیں تھی +

پھر تیسری نشانی اس امر پر کہ سلسلۂ موسویہ کا خاتمہ مسیح پر ہو گیا یہ ہے کہ اُن کا ملک بھی چھن گیا +

غرض مسیح علیہ السلام کا بن باپ پیدا ہونا بطور ایک نشان کے تھا۔ اسی خاندان میں سے جو ایک ہی جز رکھتا تھا۔ اور جس میں آج تک نبی آتے رہے تھے خدا نے ایک اور شاخ پیدا کر دی اور ایک دوسری بُنیاد بنی اسمٰعیل میں سے ڈالی یہود کی حکومت کی تباہی کا ذکر میں نے اسلئے کیا ہے۔ کہ نبوّت اور حکومت خدا نے اُس قوم میں رکھ دی تھی لیکن مسیح کو جبکہ بن باپ پیدا کر کے یہ بتایا کہ تمہاری بداعمالیاں اور شوخیاں نبیوں کی تکذیب اور خدا تعالےٰ کے ماموروں سے عداوت اس درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ اب تم بجائے منعم علیہم ہونے کے مغضوب ہوتے ہو اور نبوت کے خاندان کے انقطاع کے لیئے یہ نشان اُن کو دیا گیا کہ بنی اسرائیل میں سے مسیح کا کوئی باپ نہ ہوا۔ یعنے اُس کو بن باپ پیدا کر کے بتایا۔ کہ آئندہ نبوّت تم میں سے گئی +

اور یہ انتقالِ نبوّت چونکہ خدا کے غضب کے سبب سے ہوا تھا۔ اسلیئے حکومت جو نبوّت کے ساتھ دوسرا فضل اُس قوم کو ملا ہوا تھا وہ بھی جاتا رہا میرا مطلب اس بیان سے یہ ہے کہ ایک وہ سلسلہ تھا جو سلسلہ موسویّہ کہلاتا ہے۔ اور جس کی آخری اینٹ مسیح ابنِ مریم تھے۔ جن کی بن باپ پیدائش نے اِس سلسلہ کے خاتمہ کی خبر دی۔ اور خدا نے بنی اسماعیل میں اپنے وعدہ کے موافق ایک اور عظیم الشان سلسلہ موسوی سلسلہ کے ہمرنگ پیدا کیا۔ چنانچہ ہمارے نبی کریم محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ کے بانی ہوئے۔ اور اس طرح پر مثیل موسیٰ قرار پائے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام جیسے ایک سلسلہ کے بانی تھے۔ اسیطرح ہمارے نبی کریم بھی ایک سلسلے کے بانی قرار پائے۔ اور اس طرح پر بھی کہ جیسے فرعون پر موسیٰ علیہ السلام کو فتح ہوئی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی آخر میں پوری کامیابی عطا ہوئی اور ابوجہل جو اس اُمّت کا فرعون تھا ہلاک ہوا۔ اور بھی بہت سے وجوہ مماثلت کے ہیں۔ جن کو ہم اس وقت بیان نہیں کر سکتے

کیونکہ اصل مطلب تو یہ بنتا ہے کہ یہ سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے سلسلے کا مثیل ہے۔ پس جس طرح پر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا سلسلہ حضرت مسیح پر آ کر ختم ہُوا یہاں بھی ضرور تھا کہ خاتم الخلفاء مسیح موعود ہی ہوتا +

اور جیسے حضرت مسیح علیہ السّلام موسیٰ کے زمانہ کے بعد چودھویں صدی میں آئے تھے۔ اسی طرح پر ضرور تھا کہ اُمّت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آنیوالے مسیح موعود کا زمانہ بھی چودھویں صدی ہی ہوتا تاکہ مُشابہت پوری ہو۔ وہ وقت اور یہ وقت دونوں ملگئے +

اور ایسا ہی خدا نے یہ بھی مقرر کر رکھا تھا۔ کہ جیسے یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے وقت میں بہت ہی بگڑ گئے تھے۔ اور اُن کی اخلاقی ایمانی حالتیں مسخ ہو گئی تھیں۔ اور حقیقت باقی نہ رہی تھی۔ ایسے وقت میں انجیل اُن کو حقیقت دکھانے کے لئے آئی تھی۔ اور پاک باطنی اور اخلاقی قانون سے باخبر کرنے آئی تھی۔ جس سے وہ لوگ بالکل بیخبر ہو چکے تھے اسی طرح اس وقت زمانہ کا حال ہو رہا ہے۔ فسق و فجور کا ایک دریا بہہ رہا ہے۔ یورپ کی نمائشی تہذیب نے اخلاق کے تمام اعلیٰ اصُولوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ اور دہریّت کو پھیلا دیا ہے۔ مذہب جس شئے کا نام تھا۔ اُس کا نام و نشان مٹ چکا ہے +

یوُرپ کی قوموں کا ہی اگر یہ حال ہوتا تب بھی ضرور تھا۔ کہ کوئی رُوحانی مُعلّم آتا مگر مسلمانوں کی حالت بھی بگڑ گئی۔ اُن کے ایمانیات اخلاق و عادات میں ایک عظیم زلزلہ آیا ہے۔ وہ اسلام کے صرف نام سے آشنا ہیں۔ اُس کی حقیقت اور مغز سے بیخبر ہو رہے ہیں۔ اُن کی عملی اور علمی قوتیں کمزور ہو گئی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ غیر قوموں نے اُن کے مذہب اور ایمان پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ جب ایسی حالت ہو گئی۔ تو خدا نے اپنے وعدے کے موافق اور اُس مشابہت اور مماثلت کے لحاظ سے جو سلسلہ محمدیہ کو سلسلۂ موسویہ سے ہے۔ اس چودھویں صدی کے سر پر مجھے مسیح موعود کے نام سے بھیجا قرآن کریم میں خاتم الخلفاء کی پیشگوئی تھی۔ اور یہی ذکر تھا۔ کہ ایک مسیح اس اُمّت میں آئیگا۔ اور انجیل میں مسیح نے کہا۔ کہ آخری زمانہ میں مَیں آؤں گا وہ مَیں ہی ہوں۔ اور اس کا راز خدا نے مجھ پر یہ کھولا ہے کہ جو لوگ یہاں سے چلے جاتے ہیں۔ اُن کی خُو خصلت اور اخلاق پر ایک اَور شخص آتا ہے۔ اور اُس کا آنا گویا اُسی شخص کا آنا ہوتا ہے۔ اور یہ بات بے معنی اور بے سند بھی نہیں ہے۔ خُود انجیل نے اِس عُقدہ کو حل کیا ہے

یہود جو مسیح بن مریم سے پیشتر ایلیا نبی کے آنے کے منتظر تھے اور ملاکی نبی کی کتاب کے وعدہ کے موافق اُن کا حق تھا کہ وہ انتظار کرتے لیکن وہ چونکہ ظاہر بین اور الفاظ پرست تھے اسلئے وہ حقیقت سے آشنا نہ ہوئے۔ اور ایلیا ہی کا انتظار کرتے رہے۔ جیسا کہ توریت اور نبیوں کی کتابوں میں لکھا تھا۔ جو وعدہ پر آنا ہے وہی موعود ہوتا ہے۔ انکو یہ غلطی لگی کہ مسیح موعود سے پہلے ایلیا آئیگا۔ اُن کی نظر چونکہ موٹی تھی وہ انتظار کرتے رہے کہ ایلیا پہلے آئے:۔ چنانچہ ایکبار وہ مسیح کے پاس گئے۔ اور اُنہوں نے یہ سوال کیا۔ آپ نے یہی جواب دیا کہ ایلیا تو آ گیا اور وہ یہی **یوحنا** ہے پھر وہ یوحنا کے پاس گئے۔ اُس سے پوچھا انہوں نے کہا۔ کہ میں ایلیا نہیں ہوں۔ چونکہ اُن کے دل پاک نہ تھے۔ اسلیئے اُس کو تناقض پر محمول کیا اور اُس سے یہ نتیجہ نکال لیا۔ کہ یہ مسیح سچا مسیح نہیں ہے۔ حالانکہ مسیح علیہ السلام نے جو کچھ کہا وہ بالکل درست تھا۔ اور اُس میں کوئی تناقض نہ تھا مسیح کا مطلب صرف یہ تھا۔ کہ یہ یوحنا جس کو مسلمان لوگ یحییٰ کہتے ہیں ایلیا کی خُو اور طبیعت اور قوت پر آیا ہے۔ مگر اُنہوں نے یہ سمجھا کہ سچ مچ وہی ایلیا جو ایک بار پہلے آ چکا تھا پھر آ گیا ہے حالانکہ خدا تعالیٰ کے قانون مقررہ کے یہ خلاف ہے۔ اس کا قانون یہی ہے کہ جو لوگ ایکبار اِس دُنیا سے اُٹھائے جاتے ہیں۔ پھر وہ نہیں آتے۔ ہاں خدا تعالے چاہے تو اُن کی **خُو اور طبیعت** پر کسی دوسرے بندے کو بھیج دیتا ہے۔ اور شدت مناسبت کے لحاظ سے وہ دونوں دو جُدا جُدا انسان نہیں ہوتے بلکہ ایک ہی ہوتے ہیں۔ غرض حضرت مسیح نے اپنے آنے سے پیشتر ایلیا کے آنے کے وعدہ اور عقدہ کو اس طرح پر حل کر کے ایک فیصلہ ہمارے ہاتھ میں دیدیا ہے۔ **یہ وہ فیصلہ ہے جو خود مسیح نے اپنی عدالت میں اپنی سچائی کے ثبوت میں اپنے سے پہلے ایک نبی کے دوبارہ آنے کے متعلق کیا ہے**۔ کہ کسی کے دوبارہ آنے سے مُراد اُس کی خُو اور طبیعت پر آنے والے سے ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ ایلیا تو نُوں آیا یعنے یوحنا ہی اُسکی خُو اور طبیعت پر آ گیا لیکن میں خود ہی آؤنگا۔ اگر اس قسم کی صراحت اُنہوں نے انجیل میں کی ہے تو وہ بتانی چاہیئے۔ مگر ایک بھی ایسا مقام نہیں ہے جہاں اُنہوں نے اپنی آمد اور ایلیا کی آمد میں تفریق کی ہو۔ بلکہ ایلیا کے قصہ کا فیصلہ کر کے اپنی آمد ثانی کے مسئلہ کو بھی حل کر دیا۔ پس ایسی صورت میں ہر ایک طالب حق کے لیئے ضرور ہے۔ کہ وہ

اِس فیصلہ کے بعد چُون وچرا نہ کرے۔ اور کوئی ایسی بحث نہ کرے جس میں وقت ضائع ہو۔ کیونکہ یہ تو بالکل ایک سیدھی سی بات ہے۔ مثلاً ایک آدمی کہے کہ ہر انسان کی دو ہی آنکھیں ہوتی ہیں۔ اور وہ وہیں بیں انسان کیا ہر سامنے آنیوالے انسان کو دکھادے۔ مگر ایک اور ہو جو کہے کہ نہیں دو نہیں پچاس آنکھیں ہوتی ہیں لیکن وہ کسی کی پچاس آنکھیں دکھا دے نہیں تو کون صرف اُس کے کہنے ہی پر مان لیگا +

جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ مسیح کی آمد ثانی ایلیا کے رنگ میں نہیں ہے۔ اُن کی مثال اُس آدمی کی سی ہی ہے۔ جو پچاس آنکھیں بتا تا ہے +

سچی بات یہی ہے کہ مسیح کی آمد ثانی ایلیا ہی کے رنگ میں ہے میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔ کہ میں تناسخ کے مسئلہ کو نہیں مانتا میرا آنا ایلیا کے رنگ پر ہے۔ خدا نے مجھے مسیح کے رنگ پر بھیجا ہے۔ اور اصلاح اخلاق کے لیئے بھیجا ہے +

نا فہم مخالف یہ کہتے ہیں۔ کہ جہاد کے ذریعہ اسلام پھیلایا جاتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اسلام کی کامل تعلیم خود اُسکی اشاعت کا موجب ہے نفس اسلام کے لیئے ہرگز کسی تلوار یا بندوق کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام کی گذشتہ لڑائیاں وہ دفاعی لڑائیاں تھیں انہوں نے غلطی اور سخت غلطی کھائی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ جبراً مسلمان بنانے کے واسطے تھیں غرض میرا ایمان ہے کہ اسلام تلوار کے ذریعہ نہیں پھیلایا جاتا۔ بلکہ اُس کی تعلیم جو اپنے ساتھ اعجازی نشان رکھتی ہے خود دلوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے +

چنانچہ جن لوگوں نے میری کتابوں کو پڑھا ہے۔ اور میری کارروائی کو دیکھا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ساری کارروائی مسیح کے رنگ میں ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے۔ کہ میں اخلاقی قوتوں کی تربیت کروں۔ چونکہ یہ سارا سلسلہ اور ساری کارروائی مسیحی رنگ اپنے اندر رکھتی ہے۔ اسلیئے اللہ تعالےٰ نے میرا نام مسیح موعود رکھا +

اب جبکہ میں نے اِس حد تک بات کو پہنچایا ہے۔ تو میں جانتا ہوں کہ مسیحی بھی میرے مخالف ہوں گے لیکن میں کسی کی مخالفت سے کب ڈر سکتا ہوں۔ جبکہ خدا نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے۔ اگر یہ دعویٰ میری اپنی تراشی ہوئی بات ہوتی تو مجھے ایک ادنیٰ سی مخالفت بھی تھکا کر بیٹھا دیتی۔ مگر یہ میرے اپنے اختیار کی بات نہیں ہے۔ ہر سلیم الفطرت کو جس طرح وہ چاہے سمجھانے

کے لیئے میں طیار رہوں اور اُس کی تسلی کے لیئے ہر جائز اور مسنون راہ میں اختیار کرسکتا ہوں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہی وہ زمانہ ہے جس کے لیئے مسلمان اپنے اعتقاد کے موافق اور عیسائی اپنے خیال پر منتظر تھے۔ یہی وہ وقت تھا جس کا وعدہ تھا +

اب آنے والا آگیا خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے خدا تعالےٰ اپنے بھیجے ہوئے لوگوں کی تائید میں زبردست نشان ظاہر کیا کرتا ہے اور دلوں کو منوا دیتا ہے جو کچھ مسیح موعود کے لیئے مقدر تھا وہ ہوگیا اب کوئی مانے نہ مانے۔ مسیح موعود آگیا اور وہ میں ہوں +

سوال ۔ اور کیا مشابہت ہے +

جواب ۔ تعلیم میں مشابہت ہے +

سوال ۔ آپ کی رسالت کا نتیجہ کیا ہوگا +

جواب ۔ خدا تعالےٰ کے ساتھ جو رابطہ کم ہوگیا ہے۔ اور دُنیا کی محبت غالب آگئی ہے اور پاکیزگی کم ہوگئی ہے ۔ خدا تعالےٰ اس رشتہ کو جو عبودیت اور الوہیت کے درمیان ہے پھر مستحکم کریگا۔ اور گمشدہ پاکیزگی کو پھر لائے گا۔ دُنیا کی محبت سرد ہو جائیگی +

سوال ۔ جبکہ مختلف مذاہب ہیں پھر کس طرح پہچانیں کہ سچا مذہب خدا کی طرف سے کون ہے؟

جواب ۔ یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ دُنیا میں ہر کھوٹے اور کھرے کے درمیان ایک امتیاز ہے رات اور دن میں صریح فرق ہے۔ پھر سچا مذہب بھی کبھی مخفی رہ سکتا ہے خدا پاک ہے اور وہ محبت رحمت کرنے والا ہے اور وہ نفسانی امور جو گناہ کے کام ہیں بدکاری تعصب ۔ تکبر اور تمام گناہ جو دل میں جمع ہوکے پھر آنکھوں کے ذریعہ یا اور ذریعوں سے صدور پاتے ہیں۔ ان سے ناراض ہوتا ہے۔ پھر یہ کیونکر مشکل ہوسکتا ہے کہ انسان تمیز نہ کرسکے کہ خدا انسانوں کو پاک بنانا چاہتا ہے۔ اور وہ ان سے گناہ کے صدور کو پسند نہیں کرتا ۔ پس جس مذہب کی تعلیم عملی طور پر ایسی فطرت عطا کرتی ہو کہ انسان خدا سے ڈر کر اُسکی صفات کے نیچے رہکر پاکیزگی اور محبت میں ترقی کرے اور

گناہ سے بچے وہی مذہب خدا کی طرف سے ہوگا۔ خدائی مذہب کے ساتھ اسکی صداقت کے زندہ نشان ہوتے ہیں۔ جو ہر زمانے میں موجود رہتے ہیں +

از اخبار الحکم ۲۴ مئی سنہ ۱۹۰۱ء

سوال۔ آپ کا خیال مسیح کی صلیب کی نسبت کیا ہے ؟

جواب۔ میں اسکو نہیں مانتا کہ وہ صلیب پر مرے ہوں۔ بلکہ میری تحقیقات سے یہی ثابت ہؤا ہے کہ وہ صلیب پر سے زندہ اُتر آئے۔ اور خود مسیح علیہ السلام بھی میری رائے کے ساتھ متفق ہیں حضرت مسیح علیہ السلام کا بڑا معجزہ یہی تھا کہ وہ صلیب پر نہیں مریں گے۔ کیونکہ یونس نبی کے نشان کا انھوں نے وعدہ کیا تھا۔ اب اگر یہ مان لیا جائے جیساکہ عیسائیوں نے غلطی سے مان رکھا ہے کہ وہ صلیب پر مر گئے تھے تو پھر یہ نشان کہاں گیا ؟ اور یونس نبی کے ساتھ مماثلت کیسی ہوگی۔ یہ کہنا کہ وہ قبر میں داخل ہوکر تین دن کے بعد زندہ ہوئے بہت بیہودہ بات ہے۔ اسلیئے کہ یونس تو زندہ مچھلی کے پیٹ میں داخل ہوئے تھے نہ مرکر۔ یہ نبی کی بے ادبی ہے اگر ہم اُسکی تاویل کرنے لگیں اصل بات یہی ہے کہ وہ صلیب پر سے زندہ اُتر آئے۔ ہر ایک سلیم الفطرۃ انسان کو ماننا پڑتا ہے کہ جو کچھ مسیح نے صاف لفظوں میں کہا اُس کو محکم طور پر پکڑیں۔ حضرت عیسیٰ پر ایک غشی کی حالت تھی۔ انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اور اسباب اور واقعات بھی اس قسم کے پیش آگئے تھے کہ وہ صلیب کی موت سے بچ جائیں۔ چنانچہ سبت کے شروع ہونے کا خیال۔ حاکم کا مسیح کے خون سے ہاتھ دھونا اُس کی بیوی کا خواب دیکھنا وغیرہ۔ خدا تعالےٰ نے ہم کو سمجھا دیا ہے۔ اور ایک بہت بڑا ذخیرہ دلائل اور براہین کا دیا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ ہرگز ہرگز صلیب پر نہیں مرے صلیب پر سے زندہ اُتر آئے۔ غشی کی حالت بجائے خود موت ہوتی ہے۔ دیکھو سکتہ کی حالت میں نہ نبض رہتی ہے نہ دل کا مقام حرکت کرتا ہے بالکل مُردہ ہی ہوتا ہے۔ مگر پھر وہ زندہ ہو جاتا ہے مسیح کے نہ مرنے کے دو بڑے زبردست گواہ ہیں ۔ اوّل تو یہ ہے کہ یہ ایک نشان اور معجزہ تھا ہم نہیں چاہتے کہ اسکی کسرِ شان کی جاوے اور وہ آدمی سخت حقارت اور لعنت کے لائق ہے جو اللہ تعالےٰ کے نشانات کو حقیر سمجھ لیتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی تصدیق نہیں کرتے کہ وہ صلیب پر مرے ہیں۔ بلکہ صلیب پر سے زندہ اُتر آئے۔ اور پھر اپنی طبعی موت سے مرنے کی تصدیق

فرماتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اگر انجیل کی ساری باتوں کو جو اس واقعہ صلیب کے متعلق ہیں یکجائی نظر سے دیکھیں تو صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ صلیب پر مرے ہوں۔ حواریوں کو ملنا۔ زخم دکھانا۔ کباب کھانا۔ سفر کرنا یہ سب امور ہیں جو اس بات کی نفی کرتے ہیں۔ اگرچہ خوش اعتقادی سے ان واقعات کی کچھ بھی تاویل کیوں نہ کی جاوے لیکن ایک منصف مزاج کہہ اٹھیگا کہ زخم لگے رہے اور کھانے کے محتاج رہے۔ یہ زندہ آدمی کے واقعات ہیں۔ یہ واقعات اور صلیب کے بعد کے دوسرے واقعات گواہی دیتے ہیں اور تاریخ شہادت دیتی ہے۔ کہ دو تین گھنٹہ سے زیادہ صلیب پر نہیں رہے اور وہ صلیب اس قسم کی نہ تھی جیسے آج کل کی پھانسی ہوتی ہے جس پر لٹکاتے ہی دو تین منٹ کے اندر ہی کام تمام ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس میں تو کیل وغیرہ ٹھونک دیا کرتے تھے اور کئی دن رہکر انسان بھوکا پیاسا مر جاتا تھا۔ مسیح کے لئے اس قسم کا واقعہ پیش نہیں آیا وہ صرف دو تین گھنٹہ کے اندر ہی صلیب سے اُتار لیئے گئے۔ یہ تو وہ واقعات ہیں جو انجیل میں موجود ہیں جو مسیح کے صلیب پر نہ مرنے کے لئے زبردست گواہ ہیں +

پھر ایک اور بڑی شہادت ہے جو اس کی تائید میں ہے وہ مرہم عیسیٰ ہے جو طب کی ہزاروں کتابوں میں برابر درج ہے۔ اور اس کے متعلق لکھا گیا ہے۔ کہ یہ مرہم مسیح کے زخموں کے واسطے حواریوں نے طیار کی تھی یہودیوں۔ عیسائیوں کی طبی کتابوں میں اس مرہم کا ذکر موجود ہے پھر یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ صلیب پر مر گئے تھے +

ان سب باتوں کے علاوہ ایک اور امر پیدا ہو گیا ہے جس نے قطعی طور سے ثابت کر دیا ہے کہ مسیح کا صلیب پر مرنا بالکل غلط اور جھوٹ ہے وہ ہرگز ہرگز صلیب پر نہیں مرے اور وہ ہے

مسیح کی قبر +

مسیح کی قبر سرینگر خان یار کے محلہ میں ثابت ہو گئی ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جو دنیا کو ایک زلزلہ میں ڈال دیگی۔ کیونکہ اگر مسیح صلیب پر مرے تھے تو یہ قبر کہاں سے آگئی ؟

سوال ۔ آپ نے خود دیکھا ہے ؟

جواب ۔ میں خود وہاں نہیں گیا۔ لیکن میں نے اپنا ایک مخلص ثقہ مُرید وہاں بھیجا تھا وہ وہاں ایک عرصہ تک رہا اور اس نے پوری تحقیقات کر کے پانسو معتبر آدمیوں کے دستخط کرائے

جنھوں نے اس خبر کی تصدیق کی۔ وہ لوگ اس کو شاہزادہ نبی کہتے ہیں اور عیسیٰ صاحب کی قبر کے نام سے بھی پکارتے ہیں۔ آج سے گیارہ سو سال پہلے اکمال الدین نام ایک کتاب چھپی ہے۔ وہ بعینہ انجیل ہے وہ کتاب یوز آسف کی طرف منسوب ہے اُس نے اس کا نام بُشریٰ یعنی انجیل رکھا ہے یہی تمثیلیں۔ یہی قصے یہی اخلاقی باتیں جو انجیل میں ہیں پائی جاتی ہیں اور بسا اوقات عبارتوں کی عبارتیں انجیل سے ملتی ہیں۔ اب یہ ثابت شدہ بات ہے کہ یوز آسف کی قبر ہے۔ یوز آسف وہی ہے جس کو یسوع کہتے ہیں۔ اور آسف کے معنی ہیں پراگندہ جماعتوں کو جمع کرنیوالا۔ چونکہ مسیح علیہ السلام کا کام بھی بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو جمع کرنا تھا اور اہل کشمیر بہ اتفاق اہل تحقیق بنی اسرائیل ہی ہیں۔ اسلیئے اُن کا یہاں آنا ضروری تھا۔ اُس کے علاوہ خود یوز آسف کا قصہ یورپ میں مشہور ہے۔ بلکہ یہاں تک کہ اٹلی میں اس نام پر ایک گرجا بھی بنایا گیا ہے۔ اور ہر سال وہاں ایک میلہ بھی ہوتا ہے۔ اب اس قدر صرف کثیر سے ایک مذہبی عمارت کا بنانا اور پھر ہر سال اُس پر ایک میلہ کرنا کوئی ایسی بات نہیں ہے جو سرسری نگاہ سے دیکھی جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ یوز آسف مسیح کا حواری تھا ہم کہتے ہیں۔ یہ بات سچی نہیں ہے۔ یوز آسف خود ہی مسیح تھا اگر وہ حواری ہے تو یہ تمہارا فرض ہے۔ کہ تم ثابت کرو کہ مسیح کے کسی حواری کا نام شہزادہ نبی ہو +

یہ ایسی باتیں ہیں جو صلیب کے واقعہ کا سارا پردہ اُن سے کُھلجاتا ہے۔ ہاں اگر مسیحی اسباب کے قائل نہ ہوتے۔ تو البتہ بحث بند ہو جاتی۔ لیکن جب کہ اُنھوں نے قبول کر لیا ہے کہ یوز آسف۔ ایک شخص ہوا ہے۔ اور اسکی تعلیم انجیل ہی کی تعلیم ہے اور اُس نے بھی اپنی کتاب کا نام انجیل ہی رکھ لیا ہے۔ اور جس طرح پر شہزادہ نبی مسیح کا نام ہے اُسکو بھی شہزادہ نبی کہتے ہیں۔ اب غور کرنے کے قابل بات ہے۔ کہ اگر یہ خود مسیح نہیں تو اور کون ہے؟ خدا کیلئے سوچو جو شخص دُنیا سے دل نہیں لگاتا اور سچائی سے پیار کرتا ہے اسکو تو ماننے میں ذرا بھی عذر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب مان لیا۔ کہ یوز آسف واقعی ایک شخص تھا جس کا مسیح سے تعلق تھا۔ اور پھر اٹلی میں اُس کا گرجا بھی بنا دیا۔ اور ہر سال وہاں میلہ بھی ہوتا ہے اور پھر یہ بھی اقرار کر لیا۔ کہ اسکی تعلیم انجیل ہی کی تعلیم ہے۔ پھر یہ کون

کہ سکتا ہے کہ وہ خود مسیح نہیں ہے؟ یہ چار باتیں جب تسلیم کر لیں تو میں ایک خبر لے کر آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ آپ جو کہتے ہیں کہ وہ حواری تھا ثابت کر کے دکھائیے۔ کہ یوزآسف کسی حواری کا بھی نام تھا۔ اور یوزآسف تو یسُوع سے بگڑا ہُوا ہے۔ اب ایک ہی بات سے فیصلہ ہوتا ہے۔ اگر یہ ثابت کر کے دکھایا جاوے کہ مسیح کے کسی حواری کا نام یوزآسف شہزادہ نبی اور عیسے صاحب ہے۔ تو بے شک یہ قبر کسی حواری کی قبر ہو گی۔ اگر یہ ثابت نہ ہو۔ اور ہرگز ہرگز ثابت نہ ہو گا تو پھر میری بات کو مان لو کہ اس قبر میں خود حضرت مسیح ہی سوتے ہیں +

مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ بُردباری کے ساتھ سنتے ہیں جو بُردباری سے سنتا ہے وہ تحقیق کر سکتا ہے۔ جس قدر باتیں آپ نے سُنی ہیں دوسرے کم سُنتے ہیں۔ آپ خدا کے لیئے غور کریں کہ جس حالت میں یہ قصہ مشترک ہو گیا ہے۔ کہ وہ حواریوں میں سے تھا بہر حال تعلق تو مانا گیا۔ اور پھر گرجا بنا دیا گیا اور ہر سال میلہ ہونے لگا تو اب آپ بتائیں کہ یہ ثبوت کس کے ذمہ ہے؟ اگر مسیحی تعلق نہ مان لیتے تو بارِ ثبوت بے شک میرے ذمہ ہوتا لیکن جب آپ لوگوں نے خود اس کو مان لیا ہے تو میں آپ سے ثبوت مانگتا ہوں کہ کسی ایسے حواری کا پتہ دیں جو شاہزادہ نبی کہلایا ہو +

پادری صاحب۔ ہم آپ کی مہربانی اور خاطرداری کے لیئے بہت مشکور ہیں +

حضرت اقدس۔ یہ تو ہمارا فرض منصبی ہے۔ جس کام کے لیئے اللہ تعالےٰ نے ہم کو بھیجا ہے اُسکو کرنا ضروری ہے +

حضرت اقدس حجۃ اللہ کی یہ تقریر سُنکر **مسٹر فضل** نے (جو غالباً لاہور کی ٹریکٹ سوسائٹی میں ملازم ہیں) اپنی قابلیت کے اظہار کے لیئے زبان کھولی۔ لیکن اس سے بہتر ہوتا کہ وہ خاموش رہتے۔ اور اُن کی دانش اور غور طلب طبیعت کا راز نہ کھلتا۔ حضرت اقدس نے اس قدر طول طویل تقریر یوز آسف کے متعلق فرمائی۔ اور اُسکو تاریخی شہادتوں کے ساتھ مؤکد فرمایا۔ مگر مسٹر فضل کے سوال پر نگاہ کی جائے کہ آپ کیا فرماتے ہیں +

مسٹر فضل۔ قبر کے متعلق کوئی تاریخی ثبوت ملا ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ گیارہ سو برس کی کتاب موجود ہے۔ خود عیسائیوں میں اس کا گرجا موجود ہے وہاں میلہ ہوتا ہے۔ اور ابھی آپ تاریخی ثبوت ہی پوچھتے

ہیں۔ یہ کیا ہے؟ یہ تاریخی ثبوت نہیں تو کیا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ تم لوگ کچھ نہیں سمجھتے صرف دھوکا دینا چاہتے ہو۔ میں ہر ایک انسان کو یہی وصیت کرتا ہوں کہ وہ پاک دل بنے ریاکاری اور تعصب سے اپنے دل کو صاف کرے۔ اور جہاں سے صداقت اور حکمت کی بات ملے اسکو نہایت فراخ دلی کے ساتھ قبول کرے۔ میں ہر وقت سننے کو طیار ہوں۔ اگر آپ صفائی سے جواب دیں کہ مسیح کے اس حواری کو اس وجہ سے شہزادہ نبی کہتے ہیں۔ اور اگر آپ کوئی جواب نہ دیں اور جواب ہے بھی نہیں اور صرف اعتقادی طور پر بتائیں کہ ہم ایسا مانتے ہیں تو ایسی بات ہے جیسے کسی ہندو سے پوچھیں کہ تم جو کہتے ہو کہ گنگا مہادیو کی جٹوں سے نکلتی ہے یا اُس میں ست ہے۔ اور وہ اس کے جواب میں صرف یہی کہے کہ میں اس کے دلائل تو نہیں دے سکتا مگر ضروری مانتا ہوں کہ اس میں ست ہے تو یہ معقول بات نہ ہوگی۔ غرض میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے نہ اعتقاد کے طور پر بلکہ تحقیقات سے ثابت کر لیا ہے کہ یہ قبر واقعی حضرت مسیح ہی کی قبر ہے۔ واقعات اسکی تصدیق کرتے ہیں۔ تاریخ اسکی شہادت دیتی ہے۔ جرمن میں ایسے مسیحی بھی ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں مرے۔ یہ بات بہت صاف ہے اور غور کرنے کے بعد اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا +

سوال۔ آپ کی سمجھ میں عیسائیوں کا فرض کیا ہے؟

جواب۔ ہر ایک انسان کا فرض یہ ہونا چاہئے۔ کہ حق کی تلاش کرے اور حق جہاں اُسے ملے اسکو فوراً لیلے عیسائیوں کی کوئی خصوصیت نہیں ہے +

اس کے بعد پادریوں نے مکرر حضرت اقدس کا شکریہ ادا کیا۔ اور پھر کتب خانہ حضرت اقدس علیہ الصلوۃ والسلام اور دفتر اخبار الحکم سے کچھ کتابیں لیں۔ اور واپس چلے گئے +

۱۸[1] اپریل سنہ ۱۹۰۱ء کو آپ نے ایک الہام سُنایا تھا

سال دیگر را کہ میداند حساب تا کجا رفت آنکہ با ما بود یار

۱۹ مئی سنہ ۱۹۰۱ء کو آپ نے یہ الہام سُنایا۔ **آج سے یہ شرف دکھائیں گے ہم** +

اسبات کا ذکر آیا کہ آجکل لوگ بغیر سچے علم اور واقفیت کے تفسیریں لکھنے بیٹھ جاتے ہیں اس پر فرمایا:۔ تفسیر قرآن میں دخل دینا بہت نازک امر ہے۔ مبارک اور سچا دخل اُس کا ہے جو خدا کے

[1] الحکم جلد ۵ ۱۵ تاریخ تقریر ۱۸ اپریل سنہ ۱۹۰۱ء

رُوح القدس سے مدد لیکر دخل دے ورنہ علوم مُروجہ کی شیخی پر لکھنا دُنیا داروں کی چالاکیاں ہیں +

ایک شخص کا سوال پیش ہُوا ۔ کہ میرا بھائی فوت ہو گیا ہے میں اس کی قبر بناؤں یا نہ بناؤں فرمایا:۔

اگر نمود اور دکھلاوے کے واسطے پکّی قبریں اور نقش و نگار اور گنبد بنائے جائیں تو یہ حرام ہے لیکن اگر خشک مُلّا کی طرح یہ کہا جائے ۔ کہ ہر حالت اور ہر مقام میں کچّی ہی اینٹ لگائی جائے تو یہ بھی حرام ہے انما الاعمال بالنیات عمل نیّت پر موقوف ہے ۔ ہمارے نزدیک بعض وجُوہ میں پکّی کرنا درست ہے ۔ مثلاً بعض جگہ سیلاب آتا ہے بعض جگہ قبر میں سے میّت کو کُتّے اور بجّو وغیرہ نکال لیجاتے ہیں ۔ مُردے کے لئے بھی ایک عزّت ہوتی ہے ۔ اگر ایسے وجُوہ پیش آجائیں تو اُس حد تک نمُود اور شان نہو بلکہ صدمہ سے بچانے کے واسطے قبر کا پکّا کرنا جائز ہے ۔ اللہ اور رسُول نے مومن کی لاش کے واسطے بھی عزّت رکھی ہے ۔ ورنہ عزّت ضروری نہیں تو غُسل دینے کفن دینے خوشبُو لگانے کی کیا ضرورت ہے مجُوسیوں کی طرح جانوروں کے آگے پھینک دو مومن اپنے لئے ذلّت نہیں چاہتا حفاظت ضروری ہے ۔ جہاں تک نیّت صحیح ہے ۔ خدا تعالےٰ مواخذہ نہیں کرتا ۔ دیکھو مصلحت الٰہی نے یہی چاہا کہ حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر کی پُختہ گنبد ہو اور کئی بزرگوں کے مقبرے پُختہ ہیں مثلاً نظام الدین ۔ فرید الدین قطب الدین معین الدین رحمۃ اللہ علیہم یہ سب صُلحا تھے +

ایک شخص کا تحریری سوال پیش ہُوا ۔ کہ محرم کے دنوں میں امامین کی رُوح کو ثواب دینے کے واسطے روٹیاں وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں ۔ فرمایا:۔

عام طور پر یہ بات ہے کہ طعام کا ثواب میّت کو پہنچتا ہے لیکن اس کے ساتھ شرک کی رسُومات نہیں چاہئیں ۔ رافضیوں کی طرح رسُومات کا کرنا ناجائز ہے +

ایک شخص کا سوال پیش ہُوا ۔ کہ اگر آپ کو ہر طرح سے بزرگ مانا جائے اور آپکے ساتھ صدق اور اخلاص ہو مگر آپ کی بیعت میں انسان شامل نہ ہووے ۔ تو اس میں کیا حرج ہے ۔ فرمایا:۔

بیعت کے معنے ہیں اپنے تئیں بیچ دینا ۔ اور یہ ایک کیفیت ہے جس کو قلب محسُوس کرتا ہے ۔ جب کہ انسان اپنے صدق اور اخلاص میں ترقی کرتا کرتا اُس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اُس میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو وہ بیعت کے لئے خود بخود مجبور ہو جاتا ہے ۔ اور جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو جائے تو انسان سمجھ لے ۔ کہ ابھی اُس کے صدق و اخلاص میں

کمی ہے۔

اس بات کا ذکر آیا کہ لاہوری علماء نے الٰہی بخش ملہم سے سوال کیا ہے کہ آیا تمہارا الہام تلبیس ابلیس سے معصوم ہے یا نہیں جس کے جواب میں الٰہی بخش نے کہا کہ میرا الہام دخل شیطان سے پاک نہیں اس پر حضرت اقدس امام علیہ السلام نے فرمایا :-

یہ لوگ نہیں جانتے کہ اس میں کیا سِر ہے۔ اور کسی کا الہام یا کشف شیطان کے دخل سے کہاں تک پاک ہوتا ہے! انسان کے اندر دو قسم کے گناہ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن سے انسان خدا کی نافرمانی دیدہ و دانستہ کرتا ہے۔ اور بیباکی سے گناہ کرتا ہے ایسے لوگ مجرم کہلاتے ہیں۔ یعنی خدا سے اُن کا بالکل قطع تعلق ہو جاتا ہے۔ اور وہ شیطان کے ہو جاتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ جو ہر چند بدی سے بچتے ہیں مگر بعض بسبب کمزوری کے کوئی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ سو جس قدر انسان گناہوں کو چھوڑتا اور خدا کی طرف آتا ہے اُسیقدر اُس کی خواب اور کشف دخل شیطانی سے پاک ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ اُن تمام دروازوں کو بند کرتا ہے جو شیطان کے اندر آنے کے ہیں تب اُس میں سوائے خدا کے اور کچھ نہیں آتا۔

جب تم سنو کہ کسی کو الہام ہوتا ہے تو پہلے اُس کے الہام کی طرف مت جاؤ۔ جب تک کہ انسان اپنے تئیں شیطان کے دخل سے پاک نہ کرلے اور بیجا تعصبوں اور کینوں اور حسدوں سے اور ہر ایک خدا کو ناراض کرنیوالی بات سے اپنے آپ کو صاف نہ کرلے۔ دیکھو اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک حوض ہے۔ اور اُس میں بہت سی نالیاں پانی کی گرتی ہیں پھر اُن نالیوں میں سے ایک کا پانی گندہ ہے تو کیا وہ سارے پانی کو گندہ نہ کرے گا۔ یہی راز ہے جو حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا گیا کہ ما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحٰی۔ ہاں انسان کو ان کمزوریوں کے دور کرنے کے واسطے استغفار بہت پڑھنا چاہیئے۔ گناہ کے عذاب سے بچنے کے واسطے استغفار ایسا ہے جیسا کہ ایک قیدی جرمانہ دے کر اپنے تئیں قید سے آزاد کرا لیتا ہے مگر استغفار سے خدا اُسکو نیچے دبا دیتا ہے۔

۵۱
۱۷ مئی ۱۹۰۱ء سوال ہوا کیا آپ دوسرے صوفیا اور مشائخ کی طرح علم طور پر بیعت لیتے ہیں۔ یا بیعت لینے کیلئے آپ کو اللہ تعالے کی طرف سے حکم ہے۔ فرمایا:-

۵۱ الحکم جلد ۵ ۱۹ تاریخ تقریر ۱۷ مئی سنہ ۱۹۰۱ء

ہم تو امر الٰہی سے بیعت کرتے ہیں جیسا کہ ہم اشتہار میں بھی یہ الہام لکھ چکے ہیں۔ کہ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ✦

فرمایا "جذبات اور گناہ سے چھوٹ جانے کے لئے اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا کرنا چاہئے جب سب سے زیادہ خدا کی عظمت اور جبروت دل میں بیٹھ جائے تو گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ ایک ڈاکٹر کے خوف دلانے سے بسا اوقات لوگوں کے دل پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ وہ مر جاتے ہیں۔ تو پھر خوف الٰہی کا اثر کیونکر نہ ہو۔ چاہیئے کہ اپنی عمر کا حساب کرتے رہیں۔ اُن دوستوں کو اور رشتہ داروں کو یاد کریں جو اُنہیں میں سے نکلکر چلے گئے لوگوں کی صحت کے ایام یونہی غفلت میں گذر جاتے ہیں ایسی کوشش کرنی چاہئے کہ خوف الٰہی دل پر غالب رہے۔ جب تک انسان طول امل کو چھوڑ کر اپنے پر موت وارد نہ کرلے تب تک اُس سے غفلت دور نہیں ہوتی۔ چاہیئے کہ انسان دُعا کرتا رہے۔ یہانتک کہ خدا اپنے فضل سے نور نازل کرے۔ جوئیندہ یابندہ ✦

فرمایا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسیح آوے اُس کو میرا سلام کہنا اِس حدیث کے مطلب میں غور کرنا چاہئے اگر مسیح علیہ السلام زندہ آسمان پر موجود تھے۔ تو خود حضرت رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کی ملاقات معراج میں کی تھی اور نیز حضرت جبرئیل ہر روز وہاں سے آتے تھے کیوں نہ اُن کے ذریعہ سے اپنا سلام پہنچایا۔ اور پھر حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی بعد از وفات آسمان پر ہی گئے تھے۔ اور وہاں ہی حضرت مسیح بھی ہیں۔ اور حضرت مسیح کو تو خود رسُول کریمؐ کے پاس سے ہو کر زمین پر اُترنا تھا تو پھر اُس کے کیا معنے ہوئے کہ زمین والے ان کو آنحضرتؐ کا سلام پہنچائیں۔ کیا اس صورت میں حضرت عیسیٰ اُن کو یہ جواب نہ دینگے۔ کہ میں تو خود اُن کے پاس سے آتا ہوں تو تم یہ سلام کیسا دیتے ہو۔ یہ تو مثال ہوئی۔ کہ گھر سے میں آؤں اور خبریں تم دو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت رسُول کریمؐ اور آپ کے اصحاب کا یہی عقیدہ اور مذہب تھا۔ کہ حضرت مسیح فوت ہو گئے اور دُنیا میں واپس نہیں آسکتے۔ اور آنیوالا مسیح اسی اُمّت میں سے بروزی رنگ میں ہوگا ✦ اللھم اید و انصر و اخذل اعدائہ امین ✦

سوال ہوا کہ فواحشات کی طرف لوگ جلد جُھک جاتے ہیں۔ اور اُن سے لذت اُٹھاتے ہیں

جن سے خیال ہو سکتا ہے کہ اُن میں بھی ایک تاثیر ہے۔ فرمایا:-

بعض اشیاء میں نہاں در نہاں ایک ظل اصلی شے کا آجاتا ہے وہ شے طفیلی طور پر کچھ حاصل کر لیتی ہے۔ مثلاً راگ اور خوش الحانی لیکن در اصل سچی لذت اللہ تعالےٰ کی محبت کے سوا اور کسی شے میں نہیں ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ دوسری چیزوں سے محبت کرنیوالے آخر اپنی حالت سے توبہ کرتے اور گھبراتے اور اضطراب دکھاتے ہیں۔ مثلاً ہر ایک فاسق اور بدکار سزا کے وقت اور پھانسی کے وقت اپنے فعل سے پشیمانی ظاہر کرتا ہے لیکن اللہ تعالےٰ سے محبت کرنیوالوں کو ایسی استقامت عطا ہوتی ہے کہ وہ ہزارہا ایذائیں دیئے جائیں مارے جائیں قتل کیئے جائیں وہ ذرہ جنبش نہیں کھاتے۔ اگر وہ شے جو اُنہوں نے حاصل کی ہے اصل نہ ہوتی اور فطرت انسانی کے ٹھیک مناسب نہ ہوتی تو کروڑوں موتوں کے سامنے ایسے استقلال کے ساتھ وہ اپنی بات پر قائم نہ رہ سکتے۔ یہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ فطرت انسانی کے نہایت ہی قریب یہی بات ہے جو ان لوگوں نے اختیار کی ہے اور کم از کم بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمیوں نے اپنے سوانح سے اس بات کی صداقت پر مہر لگا دی ہے؎

فرمایا۔ آیندہ زندگی میں مومن کے واسطے بڑی تجلی کے ساتھ ایک بہشت ہے لیکن اس دُنیا میں بھی اُسکو ایک مخفی جنّت ملتی ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ دنیا مومن کے لئے سجن یعنی قید خانہ ہے اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ ابتدائی حالت میں جب کہ انسان اپنے آپ کو شریعت کی حدود کے اندر ڈال دیتا ہے۔ اور وہ اچھی طرح اس کا عادی نہیں ہوتا تو وہ وقت اُس کے لیئے تکلیف کا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ لا مذہبی کی بیقیدی سے نکلکر نفس کے مخالف اپنے آپ کو احکام الٰہی کی قید میں ڈال دیتا ہے۔ مگر رفتہ رفتہ وہ اس سے ایسا اُنس پکڑتا ہے کہ وہی مقام اُس کے لیئے بہشت ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال اُس شخص کی طرح ہے جو قید خانہ میں کسی پر عاشق ہو گیا ہو پس کیا تم خیال کرتے ہو کہ وہ قید خانہ سے نکلنا پسند کریگا؎

سوال ہؤا کہ آیا نماز میں اپنی زبان میں دُعا مانگنا جائز ہے حضرت اقدس نے فرمایا:- اپنی زبان میں دُعا

کہ سب زبانیں خدا نے بنائی ہیں۔ چاہیئے کہ اپنی زبان میں جس کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے نماز کے اندر دُعائیں مانگے کیونکہ اس کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ تا کہ عاجزی اور خشوع پیدا ہو کلام الٰہی کو ضرور عربی میں پڑھو اور اُس کے معنی یاد رکھو اور دُعا بیشک اپنی زبان میں مانگو جو لوگ نماز کو جلدی جلدی پڑھتے ہیں اور پیچھے لمبی دُعائیں کرتے ہیں۔ وہ حقیقت سے نا آشنا

ہیں ۔ دُعا کا وقت نماز ہے ۔ نماز میں بہت دُعائیں مانگو ۔

۸ مئی سنہ ۱۹۰۱ء ۔ فرمایا ۔ اگر حاکم ظالم ہو تو اُسکو بُرا نہ کہتے پھرو ۔ بلکہ اپنی حالت میں اصلاح کرو ۔ خدا اُس کو بدل دیگا یا اُسی کو نیک کر دیگا ۔ جو تکلیف آتی ہے وہ اپنی ہی بد عملیوں کے سبب آتی ہے ۔ ورنہ مومن کے ساتھ خدا کا سایہ ہوتا ہے ۔ مومن کے لیئے خدا تعالےٰ آپ سامان مُہیا کر دیتا ہے ۔ میری نصیحت یہی ہے کہ ہر طرح سے تم نیکی کا نمونہ بنو ۔ خدا کے حقوق بھی تلف نہ کرو ۔ اور بندوں کے حقوق بھی تلف نہ کرو ۔

۲۶ مئی سنہ ۱۹۰۱ء ۔ کہیں سے خط آیا ۔ کہ ہم ایک مسجد بنانا چاہتے ہیں ۔ اور تبرکاً آپ سے بھی چندہ چاہتے ہیں ۔ حضرت اقدس نے فرمایا :-

کہ ہم تو دے سکتے ہیں ۔ اور یہ کچھ بڑی بات نہیں مگر جبکہ خود ہمارے ہاں بڑے بڑے اہم اور ضروری سلسلے خرچ کے موجود ہیں جن کے مقابل میں اس قسم کے فرضوں میں شامل ہونا اسراف معلوم ہوتا ہے تو ہم کس طرح سے شامل ہوں ۔ یہاں جو مسجد خدا بنا رہا ہے ۔ اور وہی مسجد اقصےٰ ہے وہ سب سے مقدم ہے ۔ آپ لوگوں کو چاہیئے ۔ کہ اس کے واسطے روپیہ بھیج کر ثواب میں شامل ہوں ۔ ہمارا دوست وہ ہے جو ہماری بات کو مانے ۔ نہ وہ کہ جو اپنی بات کو مقدم رکھے ۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے پاس ایک شخص آیا ۔ کہ ہم ایک مسجد بنانے لگے ہیں ۔ آپ بھی اس میں کچھ چندہ دیں ۔ انہوں نے عُذر کیا کہ میں اس میں کچھ نہیں دے سکتا ۔ حالانکہ وہ چاہتے تو وہ بہت کچھ دیتے ۔ اُس شخص نے کہا کہ ہم آپ سے بہت نہیں مانگتے صرف تبرکاً کچھ دیدیجئے ۔ آخر اُنہوں نے ایک دوانی کے قریب سکہ دیا شام کے وقت وہ شخص دوانی لے کر واپس آیا اور کہنے لگا کہ حضرت یہ تو کھوٹی نکلی ہے وہ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا خوب ہوا ۔ اور اصل میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ میں کچھ دوں مسجدیں بہت ہیں ۔ اور مجھے اس میں اسراف معلوم ہوتا ہے ۔

۵۱

یاد رکھو کہ فضائل بھی امراض متعدیہ کی طرح متعدی ہونے ضروری ہیں ۔ مومن کیلئے حکم ہے کہ وہ اپنے **اخلاق** کو اس درجہ پر پہنچائے کہ وہ متعدی ہو جائیں ۔ کیونکہ کوئی عمدہ سے عمدہ بات قابل پذیرائی اور واجب التعمیل نہیں ہو سکتی جب تک اُس کے اندر

۵۱ الحکم جلد ۵ نمبر ۳ تاریخ تقریر ۱۳ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء ۔

ایک چمک اور جذب ہو۔ اس کی درخشانی دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اور جذب اُن کو کھینچ لاتا ہے۔ اور پھر اس فعل کی اعلےٰ درجہ کی خوبیاں خود بخود دوسرے کو عمل کی طرف توجہ دلاتی ہیں۔ دیکھو حاتم کا نیکنام ہونا سخاوت کے باعث مشہور ہے گو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ خلوص سے تھی۔ ایسا ہی رستم و اسفندیار کی بہادری کے فسانے عام زبان زد ہیں اگرچہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ خلوص سے تھے میرا ایمان اور مذہب یہ ہے کہ جب تک انسان سچا مومن نہیں بنتا اُس کی نیکی کے کام خواہ کیسے ہی عظیم الشان ہوں لیکن وہ ریاکاری کے مُلمع سے خالی نہیں ہوتے۔ لیکن چونکہ ان میں نیکی کی اصل موجود ہوتی ہے۔ اور یہ وہ قابلِ قدر جوہر ہے۔ جو ہر جگہ عزّت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اسلئے باایں ہمہ مُلمع سازی و ریاکاری وہ عزّت سے دیکھے جاتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے میرے پاس ایک نقل بیان کی تھی۔ اور خود میں نے بھی اس قصّہ کو پڑھا ہے۔ کہ سر فلپ سڈنی ملکہ الزبتھ کے زمانہ میں قلعہ ذلفن مُلک ہالینڈ کے محاصرہ میں جب زخمی ہؤا تو اُس وقت عین نزع کی تلخی اور شدّت پیاس کے وقت جب اُس کے لیئے ایک پیالہ پانی کا جو وہاں بہت کمیاب تھا مُہیّا کیا گیا۔ تو اُس کے پاس ایک اور زخمی سپاہی تھا جو نہایت پیاسا تھا وہ سر فلپ سڈنی کی طرف حسرت اور طمع کے ساتھ دیکھنے لگا۔ سڈنی نے اُس کی یہ خواہش دیکھ کر وہ پانی کا پیالہ خود نہ پیا بلکہ بطور ایثار یہ کہہ کر اُس سپاہی کو دیدیا کہ "تیری ضرورت مجھ سے زیادہ ہے"۔ مرنے کے وقت بھی لوگ ریاکاری سے نہیں رُکتے۔ ایسے کام اکثر ریاکاروں سے ہو جاتے ہیں جو اپنے آپ کو اخلاق فاضلہ والے انسان ثابت کرنا یا دکھلانا چاہتے ہیں غرض کوئی انسان ایسا نہیں ہے۔ کہ اُسکی ساری باتیں بُری حالت کی ہوں اچھی ہوں لیکن سوال یہ ہے کہ انسان اچھی باتوں کی کیوں پیروی نہیں کرتے ہیں اس کے جواب میں یہی کہوں گا کہ اصل بات یہ ہے کہ انسان فطرتاً کسی بات کی پیروی نہیں کرتا جب تک کہ اُس میں کمال کی مہک نہ ہو۔ اور یہی ایک سِر ہے جو اللہ تعالےٰ ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرتا رہا ہے۔ اور خاتم النبیینؐ کے بعد مجددین کے سلسلہ کو جاری رکھا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے عملی نمونہ کے ساتھ ایک جذب اور اثر کی قوّت رکھتے ہیں۔ اور نیکیوں کا کمال اُن کے وجود میں نظر آتا ہے۔ اسلیئے کہ انسان بالطبع کمال کی پیروی کرنا چاہتا ہے۔ اگر انسان کی فطرت میں یہ قوت نہ ہوتی تو انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ کی بھی ضرورت نہ رہتی۔ لیکن یہ بات کہ

انبیاء علیہم السلام اور خدا تعالیٰ کے ماموروں کی مخالفت کیوں کی جاتی ہے۔ اور اُن کی تعلیم کی طرف عدم توجہی کیوں کی جاتی ہے۔ اس کا باعث زمانہ کی وہ حالت ہوتی ہے جو ان پاک وجودوں کی بعثت کا موجب ہوتی ہے۔ زمانہ میں فسق و فجور کا ایک دریا رواں ہوتا ہے اور ہر قسم کی بدکاریاں اور برائیاں خدا تعالیٰ سے بُعد اور حرمان اس نیک عمدہ مادے کو اپنے نیچے دبا لیتا ہے چونکہ بدکاریوں کے کمال کا ظہور ہوا ہوا ہوتا ہے۔ اسلئے طبیعت کا یہ مادہ کہ وہ ہر کمال کی پیروی کرنا چاہتی ہے اس طرف رجوع کر گیا ہوتا ہے۔ اور یہی وہ سر ہوتا ہے کہ ابتداءً انبیاء علیہم السلام اور ماموروں کی مخالفت اور ان کی تعلیم سے بے پروائی ظاہر کی جاتی ہے۔ آخر ایک وقت آجاتا ہے۔ کہ اس نیکی کے بروز اور کمال کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرماتا ہے کہ والعاقبۃ عند ربک للمتقین +

غرض انسانی فطرت میں یہ بات رکھی گئی ہے۔ کہ وہ ہر کمال کی پیروی کرنا چاہتی ہے۔ دیکھ لو انگریزوں کی نئی ایجادات سوئی چاقو وغیرہ تک کی کسقدر عزت کی جاتی ہے۔ اور دیسی اشیا کے مقابلہ میں اُن کو کس قدر پسند کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اُن میں بعض اشیا نہیں بلکہ اکثر ملمع کی ہوئی ہوتی ہیں۔ مگر ظاہری چمک دمک ایسی ہوتی ہے کہ آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔ اور اس کی روشنی ایک کشش کے ساتھ اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ یہ چھوٹے زیور جو ملمع کئے ہوئے بکتے ہیں اُن کی تجارت کیسی سرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہے اصلی اشیا کے مقابلہ میں اُن کو رکھ کر دیکھو گے تو معلوم ہوگا۔ کہ اصلی نقلی معلوم ہوتا ہے۔ اور نقلی اصلی ان اشیاء کی ظاہری چمک دمک میں ایک روشنی ہے۔ جو ہمارے دیسی صناع اُسکو دکھا نہیں سکتے۔ اسلئے کہ باوجودیکہ لوگ صاف جانتے ہیں۔ کہ یہ اشیاء ملمع شدہ ہیں لیکن اس جل کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے۔ ہر ایک چیز ان کی دیکھو دیسی کپڑے دیسی جوتے جنٹلمین۔ تعلیمیافتہ اُن سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔ کیوں؟ صرف اسلئے کہ انگریزی اشیاء میں ایک خاص قسم کی نفاست اور عمدگی ہوتی ہے۔ یہ لوگ چمڑے کو ایسا کماتے ہیں۔ کہ اس میں نرمی اور چمک پیدا کر لیتے ہیں۔ یہ کیا ہر ایک ادنیٰ سی چیز کو دیکھو ایک تاگے ہی کو دیکھو کیسا خوبصورت ہوتا ہے۔ غرض ہر ایک

دلیسی چیز کو بالمقابل ہِکمت کر دیا ہے۔ بلکہ میں نے تو سُنا ہے کہ بعض دلیسی رئیس دلیسی چیزوں سے یہاں تک متنفر ہیں کہ اُن کے کپڑے بھی پیرس سے دُھل کر آتے ہیں۔ اور پینے کا پانی بھی ولایت سے منگواتے ہیں +

اِس خریداری کا سِرّ کیا ہے۔ اُنھوں نے ظاہری خوبصورتی اور چمک اور خوشنمائی رکھ دی ہے۔ اسلیئے لوگ ادھر جُھک گئے ہیں۔ جب یہ حالت ہے کہ دیانتدار اور بھی ہیں اور کفار کا گروہ بھی ہے لیکن کفّار کی طرف رجوع اُن کی نفاست اور چمک کی وجہ سے ہے۔ یہی حال اخلاق اور اعمال کا ہے۔ پس جب تک اُن کی چمک تک یہاں تک نہ پہنچائی جائے ابنوع انسان پر اثر نہیں پڑ سکتا۔ جو لوگ خود کمزور ہوتے ہیں۔ وہ دوسرے کمزوروں کو جذب نہیں کر سکتے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا و عملوا الصالحات وتواصوا بالحق و تواصوا بالصبر۔ قسم ہے اُس زمانہ کی یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی آجکل ہمارے زمانہ کے کوتاہ اندیش مخالف یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ قرآن شریف میں مخلوق کی قسمیں کیوں کھائی گئی ہیں۔ حالانکہ دوسروں کو منع کیا ہے۔ اور کہیں انجیر کی قسم ہے۔ کہیں دن اور رات کی اور کہیں زمین کی۔ اور کہیں نفس کی؟ اس قسم کے اعتراضوں کا بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ تمام قرآن شریف میں یہ ایک عام سُنّت اور عادتِ الٰہی ہے۔ کہ وہ بعض نظری امور کے اثبات و احقاق کے لیئے کسی ایسے امور کا حوالہ دیتا ہے جو اپنے خواص کا عام طور پر بیّن اور کھلا کھلا اور بدیہی ثبوت رکھتے ہیں۔ پس اُن کی قسم کھانا اُن کو بطور دلیل اور نظیر کے پیش کرنا ہوتا ہے۔ ہم اس اعتراض کا واضح جواب دینے سے پیشتر ایک ضروری امر اور بیان کرنا چاہتے ہیں ہر ایک مسلمان کو یاد رہے کہ ہم **بلحاظ گورنمنٹ کے ہندوستان کو دار الحرب نہیں کہتے اور یہی ہمارا مذہب ہے**۔ اگرچہ اس مسئلہ میں عُلماء مخالفین نے ہم سے سخت اختلاف کیا ہے۔ اور اپنی طرف سے کوئی دقیقہ ہم کو تکلیف دہی کا اُنھوں نے باقی نہیں رکھا۔ مگر ہم **ان عارضی تکالیف اور** آنی **ضرر رسانیوں کے خوف سے** حق کو کیونکر چھوڑ سکتے ہیں ہم اسباب **پا یمان** رکھتے ہیں کہ حکومت کے لحاظ سے ہندوستان ہرگز **دار الحرب** نہیں ہے۔

ہمارا مقدمہ ہی دیکھ لو۔ اگر یہی مقدمہ سکھوں کے عہد حکومت میں ہوتا اور دوسری طرف اُن کا کوئی گرو یا برہمن ہوتا تو بدون کسی قسم کی تحقیق و تفتیش کے ہم کو پھانسی دیدینا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ مگر انگریزوں کی سلطنت اور عہد حکومت ہی کی یہ خوبی ہے کہ مقابل میں ایک ڈاکٹر اور پھر مشہور پادری ہے لیکن تحقیقات اور عدالت کی کارروائی میں کوئی سختی کا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ کیپٹن ڈگلس نے اسبات کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی۔ کہ پادری صاحب کی ذاتی وجاہت یا اُن کے اپنے عُہدہ اور درجہ کا لحاظ کیا جاوے۔ چنانچہ انہوں نے لیمارچنڈ صاحب سے جو پولیس گورداسپور کے اعلےٰ افسر ہیں یہی کہا۔ کہ ہمارا دل تسلی نہیں پکڑتا پھر عبدالحمید سے دریافت کیا جاوے۔ آخر کار انصاف کی رُو سے ہم کو اُس نے بری ٹھیرایا۔ پھر یہ لوگ ہم کو ارکان مذہب کی بجا آوری سے نہیں روکتے۔ بلکہ بہت سے برکات اپنے ساتھ لیکر آئے جس کی وجہ سے ہم کو اپنے مذہب کی اشاعت کا خاطرخواہ موقع ملا اور اس قسم کا امن اور آرام نصیب ہوا کہ پہلی حکومتوں میں اُن کی نظیر نہیں ملتی۔ پھر یہ صریح ظلم اور اسلامی تعلیم اور اخلاق سے بعید ہے کہ ہم ان کے شکر گذار نہ ہوں۔ یاد رکھو انسان جو اپنے جیسے انسان کی نیکیوں کا شکر گذار نہیں ہوسکتا وہ خدا تعالےٰ کا شکر گذار نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ وہ اسے دیکھتا ہے تو غیب الغیب ہستی کے انعامات کا شکر گذار کیونکر ہوگا جس کو وہ دیکھتا بھی نہیں۔ اسلیئے محض حکومت کے لحاظ سے ہم اسکو دارالحرب نہیں کہتے۔ ہاں ہمارے نزدیک ہندوستان دارالحرب ہے بلحاظ قلم کے پادری لوگوں نے اسلام کے خلاف ایک خطرناک جنگ شروع کی ہوئی ہے اس میدان جنگ میں وہ نیزہ ہائے قلم لے کر نکلے ہیں نہ سنان و تفنگ لیکر اسلیئے اس میدان میں ہم کو جو ہتھیار لے کر نکلنا چاہیئے وہ قلم اور صرف قلم ہے ہمارے نزدیک ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس جنگ میں شریک ہو جاوے۔ اللہ اور اُس کے برگزیدہ رسُول صلے اللہ علیہ وسلم پر وہ دل آزار حملے کیئے جاتے ہیں کہ ہمارا تو جگر پھٹ جاتا اور دل کانپ اُٹھتا ہے۔ کیا اُمہات المومنین یا دربار مصطفائی کے اسرار جیسی گندی کتاب دیکھ کر ہم آرام کر سکتے ہیں جس کا نام ہی اس طرز پر رکھا گیا ہے۔ جیسے ناپاک ناولوں کے نام ہوتے ہیں۔ تعجب کی بات ہے۔ کہ دربار لندن کے اسرار جیسی کتابیں تو گورنمنٹ کے اپنے علم میں بھی اس قابل

ہوں ۔ کہ انکی اشاعت بند کیجائے ۔ مگر آٹھ کروڑ مسلمانوں کی دل آزاری کرنیوالی کتاب کو بند ہو کا جائے ۔ ہم خود گورنمنٹ سے اس قسم کی درخواست کرنا ہرگز ہرگز نہیں چاہتے ۔ بلکہ اس کو بہت ہی نامناسب خیال کرتے ہیں ۔ جیسا کہ ہم نے اپنے میموریل کے ذریعہ سے واضح کر دیا لیکن یہ بات ہم نے محض اس بنا پر کہی ہے کہ بجائے خود گورنمنٹ کا اپنا فرض ہے کہ وہ ایسی تحریروں کا خیال رکھے ۔ بہر حال گورنمنٹ نے عام آزادی دے رکھی ہے ۔ کہ اگر عیسائی ایک کتاب اسلام پر اعتراض کرنے کی غرض سے لکھتے ہیں تو مسلمانوں کو آزادی کے ساتھ اُس کا جواب لکھنے اور عیسائی مذہب کی تردید میں کتابیں لکھنے کا اختیار ہے ۔ میں حلفاً کہتا ہوں کہ جب کوئی ایسی کتاب نظر پڑتی ہے تو دُنیا اور مافیہا ایک مکھی کے برابر نظر نہیں آتا ۔ میں پُوچھتا ہوں ۔ کہ جس کو وقت پر جوش نہیں آتا کیا وہ مسلمان ٹھیر سکتا ہے ۔ کسی کے باپ کو بُرا بھلا کہا جائے تو وہ مرنے مارنے کو تیار ہو جاتا ہے لیکن اگر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیجائیں تو اُنکی رگ حمیت میں جنبش بھی نہ آوے ۔ اور پرواہ بھی نہ کرے ۔ یہ کیا ایمان ہے ؟ پھر کس مُنہ سے مر کر خدا کے پاس جائیں گے ۔ اگر مسلمانوں کا نمونہ دیکھنا چاہو تو صحابۂ کرام کی جماعت کو دیکھو جنہوں نے اپنے جان و مال کے کسی قسم کے نقصان کی پرواہ نہیں کی ۔ اللہ اور اُس کے رسُول کی رضا کو مقدم کر لیا ۔ خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جانا ہی ایک فعل تھا ۔ جو سارا قرآن شریف اُن کی تعریف سے بھرا ہؤا ہے ۔ اور رضی اللہ عنہم کا تمغہ اُن کو ملگیا پس جب تک تم اپنے اندر وہ امتیازی وہ جوش اور حمیت اسلام کے لیئے محسوس نہ کر لو ۔ ہرگز اپنے آپ کو کامل نہ سمجھ لو ؛

ہماری جماعت یاد رکھے کہ ہم ہندوستان کو بلحاظ حکومت ہرگز ہرگز دارالحرب قرار نہیں دیتے بلکہ اس امن اور برکات کی وجہ سے جو اس حکومت میں ہمکو ملی ہیں ۔ اور اس آزادی کو جو اپنے مذہب کے ارکان کی بجا آوری اور اُس کی اشاعت کے لیئے گورنمنٹ نے ہم کو دے رکھی ہے ہمارا دل عطر کے شیشہ کی طرح وفاداری اور شکر گذاری کے جوش سے بھرا ہؤا ہے ۔ لیکن پادریوں کی وجہ سے ہم اسکو دارالحرب قرار دیتے ہیں ۔ پادریوں نے چھ کروڑ کے قریب کتابیں اسلام کے خلاف شائع کی ہیں

میرے نزدیک وہ لوگ مسلمان نہیں ہیں جو ان حملوں کو دیکھیں اور سُنیں اور اپنے ہی ہم وغم میں مبتلا رہیں۔ اس وقت جو کچھ کسی سے ممکن ہو وہ اسلام کی تائید کے لئے کرے اور اس قلمی جنگ میں اپنی وفاداری دکھائے۔ جبکہ خود عادل گورنمنٹ نے ہم کو منع نہیں کیا ہے۔ کہ ہم اپنے مذہب کی تائید اور غیر قوموں کے اعتراضوں کی تردید میں کتابیں شائع کریں۔ بلکہ پریس ڈاکخانے اور اشاعت کے دوسرے ذریعوں سے مدد دی ہے تو ایسے وقت میں خاموش رہنا سخت گناہ ہے۔ ہاں ضرورت ہے۔ اس امر کی کہ جو بات پیش کیجاوے۔ **وہ معقول ہو اس کی غرض دل آزاری نہ ہو۔** جو اسلام کے لئے سینہ بریاں اور چشم گریاں نہیں رکھتا۔ وہ یاد رکھے کہ خدا تعالےٰ نے ایسے انسان کا ذمہ وار نہیں ہوتا ہے۔ اسکو سوچنا چاہیئے کہ جس قدر خیالات اپنی کامیابی کے آتے ہیں۔ اور جتنی تدابیر اپنی دُنیوی اغراض کے لئے کرتا ہے۔ اُسی سوزش اور جلن اور درد دل کے ساتھ کبھی یہ خیال بھی آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر حملے ہو رہے ہیں۔ میں اُن کے اندفاع کی بھی سعی کروں۔ اور اگر کچھ اور نہیں ہو سکتا تو کم از کم پرسوز دل کے ساتھ خدا تعالےٰ کے حضور دعا کروں اگر اس قسم کی جلن اور درد دل میں ہو تو ممکن نہیں کہ سچی محبت کے آثار ظاہر نہوں۔ اگر ٹوٹی ہانڈی بھی خریدی جائے تو اس پر بھی رنج ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک سوئی کے گم ہو جانے پر بھی افسوس ہوتا ہے۔ پھر یہ کیسا ایمان اور اسلام ہے کہ اس خوفناک زمانہ میں کہ اسلام پر حملوں کی بوچھاڑ ہو رہی ہے۔ امن اور آرام کے ساتھ خواب راحت میں سو رہے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہفتہ وار اور ماہواری اخباروں اور رسالوں کے علاوہ ہر روز وہ کس قدر دو ورقہ اشتہار اور چھوٹے چھوٹے رسالے تقسیم کرتے ہیں۔ جن کی تعداد پچاس پچاس ہزار اور بعض وقت لاکھوں تک ہوتی ہے! اور کئی کئی مرتبہ اُن کو شائع کرنے میں کروڑہا روپیہ پانی کی طرح بہا دیا جاتا ہے۔ یہ خوب یاد رکھو کہ پادریوں کے ذہن اور تصور میں ہندو کچھ چیز نہیں ہیں۔ اور نہ دوسرے مذاہب وغیرہ کی اُن کو چنداں پرواہ ہے۔ چنانچہ کبھی نہیں سُنا ہوگا۔ کہ جس قدر کتابیں اسلام کی تردید میں یہ لوگ شائع کرتے ہیں۔ اُس کے مقابلہ میں آدھی بھی ہندو مذہب کے خلاف لکھتے ہوں۔ یہ لوگ دوسرے مذاہب سے چنداں غرض نہیں رکھتے

اسلئے کہ اُن میں بجائے خود کوئی حقانیت اور صداقت کی رُوح نہیں ہے وہ عیسویت کی طرح خود مُردہ مذاہب ہیں لیکن اسلام جو ایک زندہ مذہب ہے جو حیٌّ قیّوم خُدا کی طرف سے ہے۔ اُس کے خلاف یہ سر توڑ کوشش کرکے اسکو بھی مُردہ ملت بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اُن کے اعتراضوں کو ایک وقت شمار کیا تھا۔ اُن کی تعداد تین ہزار تک پہنچ چکی ہے۔ اور اب تو اس میں اَور بھی اضافہ ہُوا ہوگا +

یاد رکھو مفتری انسان وسوسہ میں ڈالتا ہے۔ چونکہ اُن میں صدق عفت یا اُس بازی نہیں ہوتی اسلئے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں امرتسری انبغالوں کا پکّا یقین ہے۔ کہ یہ لوگ تارک الصلوٰہ ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ جب دوسروں کے سامنے وہ اس قسم کے اعتراض کرتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگ زادہ ہیں کیا جھوٹ بولیں گے؟ اِس سے وہ وسوسہ میں پڑتے ہیں۔ اور مان لیتے ہیں کہ ہاں سچ ہی ہے۔ اسی طرح یہ لوگ ریشہ دوانیاں کرتے ہیں۔ غرض ایک تو پادری ہیں جو کھلے طور پر اسلام کے خلاف کتابیں لکھتے اور شائع کرتے ہیں۔ دوسرے انگریزی طرز تعلیم اور کتابوں میں بھی پوشیدہ طور پر زہریلا مادہ رکھا ہُوا ہے فلسفی اپنے طرز پر اور مؤرخ اپنے رنگ میں واقعات کو بڑی صورت میں پیش کرکے اسلام پر حملہ کرتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس وقت دو ہی قسم کے حملے ہوتے ہیں ایک پادریوں کے اور دوسرے فلسفیوں کے پس اس وقت اپنے اسلام کو ٹٹولنا چاہیئے +

میں پھر اصل کلام کی طرف رجوع کرکے کہتا ہوں۔ کہ قرآن شریف کی قسموں پر جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ بھی اسی قسم کا ہے بڑے غور اور فکر کے بعد یہ راز ہم پر کھلا ہے کہ قرآن شریف کے جس جس مقام پر کوتاہ اندیشوں نے اعتراض کیئے ہیں۔ اُسی مقام پر اعلےٰ درجہ کی صداقتوں اور معارف کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ جس پر ان کو اس وجہ سے اطّلاع نہیں ملی کہ وہ حق کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں۔ اور قرآن شریف کو محض اسلیئے پڑھتے ہیں کہ اُس پر نکتہ چینی اور اعتراض کریں۔ یاد رکھو قرآن شریف کے دو حصّے ہیں بلکہ تین ایک تو وہ حصہ ہے جس کو ادنےٰ درجہ کے لوگ بھی جو اُمّی ہوتے ہیں سمجھ سکتے ہیں اور دوسرا وہ حصہ ہے جو اوسط درجہ کے لوگوں پر کھلتا ہے۔ اگرچہ وہ پُورے طور پر اُمّی نہیں ہوتے لیکن بہت بڑی استعداد علوم کی بھی نہیں رکھتے۔ اور تیسرا حصہ اُن لوگوں کیلئے ہے جو اعلےٰ درجہ کے عُلوم سے بہرہ مند ہیں۔ اور فلاسفر کہلاتے ہیں۔ یہ قرآن ہی کا خاصہ ہے

کہ وہ تینوں قسم کے آدمیوں کو یکساں تعلیم دیتا ہے۔ ایک ہی بات ہے جو اُمّی اور اوسط درجہ کے آدمی اور اعلےٰ درجہ کے فلاسفر کو تعلیم دیجاتی ہے۔ یہ قرآن شریف کا ہی فخر ہے کہ ہر طبقہ اپنی استعداد اور درجہ کے موافق فیض پاتا ہے۔ الغرض یہ جو قرآن شریف کی قسم پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قسم ایک ایسی شے ہے جس کو ایک شاہد کے مفقود ہونے کی بجائے دوسرا شاہد قرار دیا جاتا ہے۔ قانوناً شرعاً عُرفاً یہ عام مسلم بات ہے کہ جب گواہ مفقود ہو اور موجود نہ ہو تو صرف قسم پر اکتفا کی جاتی ہے۔ اور وہ قسم گواہ ہی کے قائم مقام ہوتی ہے۔ اسی طرح پر اللہ تعالےٰ کی سُنّت قرآن کریم میں اس طرح پر جاری ہے۔ کہ نظریات کو ثابت کرنے کے واسطے بدیہیات کو بطور شاہد پیش کرتا ہے تا کہ نظری اُمور ثابت ہوں ✤

ازاخبار الحکم ۱۰ جون ۱۹۰۱

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف میں یہ طرز اللہ تعالےٰ نے رکھا ہے کہ نظری امور کے اثبات کے لیئے اُمور بدیہی کو بطور شواہد پیش کرتا ہے۔ اور یہ پیش کرنا قسموں کے رنگ میں ہے اِس بات کو بھی ہرگز نہ بھولنا چاہیئے کہ اللہ جلشانہٗ کی قسموں کو انسانی قسموں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اللہ تعالےٰ نے جو انسان کو غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع کیا تو اس کا سبب یہ ہے کہ انسان جب قسم کھاتا ہے تو اُس کا مدّعا یہ ہوتا ہے۔ کہ جس چیز کی قسم کھائی ہے اُسکو ایک ایسے گواہ رویت کا قائم مقام ٹھیراوے۔ کہ جو اپنے ذاتی علم سے اُس کے بیان کی تصدیق یا تکذیب کر سکتا ہے۔ کیونکہ اگر سوچ کر دیکھا جاوے تو قسم کا اصل مفہوم جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا تھا شہادت ہی ہوتا ہے۔ جب انسان معمولی شاہدوں کے پیش کرنے سے عاجز آجاتا ہے تو پھر قسم کا محتاج ہوتا ہے۔ تا اس سے وہ فائدہ اُٹھاوے جو ایک شاہد رویت کی شہادت سے اُٹھانا چاہتا ہے لیکن ایسا تجویز کرنا یا اعتقاد رکھنا کہ بجز خدا تعالےٰ کے کوئی اور بھی حاضر ناظر ہے اور تصدیق یا تکذیب یا سزا دہی یا کسی اور امر پر قادر ہے صریح کلمۂ کُفر ہے۔ اسلیئے اللہ تعالےٰ نے اپنی تمام کتابوں میں انسان کو یہی ہدایت فرمائی ہے کہ غیر اللہ کی ہرگز قسم نہ کھاوے ✤

اب اِس بیان سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالےٰ کا قسم کھانا کوئی اور رنگ اور شان رکھتا ہے۔ اور غرض اس سے یہی ہے کہ تا صحیفۂ قدرت کے بدیہیات کو شریعت کے اسرار دقیقہ کے حل و انکشاف کے لیئے بطور شاہد پیش کرے۔ اور چونکہ اس مدّعا کو قسم سے ایک مناسبت تھی۔ اور وہ یہ کہ جیسا ایک قسم کھانیوالا جب مثلاً خدا تعالےٰ کی قسم کھاتا ہے تو اُس کی غرض

یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اس واقعہ پر گواہ ہے۔ اِسی طرح اور ٹھیک اسی رنگ میں اللہ تعالےٰ کے بعض ظاہر در ظاہر افعال نہاں در نہاں اسرار اور افعال پر بطور گواہ ہیں۔ اسلیئے اُس نے قسم کے رنگ میں اپنے افعال بدیہیہ کو اپنے افعال نظریہ کے ثبوت میں جا بجا قرآن شریف میں پیش کیا اور یہ کہنا سراسر نادانی اور جہالت ہے کہ اللہ تعالےٰ نے غیر اللہ کی قسم کھائی۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ درحقیقت اپنے افعال کی قسم کھاتا ہے نہ کسی غیر کی اور اُس کے افعال اُس کے غیر نہیں ہیں مثلاً اُس کا آسمان یا ستارہ کی قسم کھانا اس قصد سے نہیں ہے کہ وہ کسی غیر کی قسم ہے۔ بلکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ جو کچھ اُس کے ہاتھوں کی صنعت اور حکمت آسمان اور ستاروں میں موجود ہے۔ اس کی شہادت بعض اپنے افعال مخفیہ کے سمجھانے کے لئے پیش کرے +

غرض خدا تعالےٰ کی قسمیں اپنے اندر لا محدود اسرار معرفت کے رکھتی ہیں جن کو اہل بصیرت ہی دیکھ سکتے ہیں۔ پس خدا تعالےٰ قسم کے لباس میں اپنے قانون قدرت کے بدیہات کی شہادت اپنی شریعت کے بعض دقائق حل کرنے کے لئے پیش کرتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کی فعلی کتاب (قانون قدرت) اُسکی قولی کتاب (قرآن شریف) پر شاہد ہو جاوے۔ اور اس کے قول اور فعل میں باہم مطابقت ہو کر طالب صادق کے لئے مزید معرفت اور سکینت اور یقین کا موجب ہو۔ اور یہ طریق قرآن شریف میں عام ہے۔ مثلاً خدا تعالےٰ نبیوں اور الہام کے منکروں پر یوں اتمام حجت کرتا ہے +

والسماء ذات الرجع قسم ہے بادلوں کی جن سے مینہ برستا ہے رجع بارش کو بھی کہتے ہیں۔ بارش کا بھی ایک مستقل نظام ہے۔ جیسے نظام شمسی ہے رات اور دن کا اور کسوف خسوف کا بجائے خود ایک ایک نظام ہے۔ مرض کا بھی ایک نظام ہوتا ہے طبیب اِس نظام کے مُوافق کہہ سکتا ہے۔ کہ فلاں دن بحران ہو گا۔ غرض یہ نظام ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کا قانون قدرت اپنے اندر ایک ترتیب اور کامل نظام رکھتا ہے۔ اور کوئی فعل اُس کا ایسا نہیں ہے۔ جو نظام اور ترتیب سے باہر ہو +

اللہ تعالےٰ جیسے یہ چاہتا ہے۔ کہ لوگ اُس سے ڈریں ویسے ہی یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگوں میں علوم کی روشنی پیدا ہووے۔ اور اس سے وہ معرفت کی منزلوں کو طے کر جاویں۔ کیونکہ علوم حقہ سے واقفیت جہاں ایک طرف سچی خشیت پیدا کرتی ہے۔ وہاں دوسری طرف اُن علوم سے خدا پرستی پیدا ہوتی ہے بعض بدقسمت ایسے بھی ہیں جو علوم میں منہمک ہو کر قضاء وقدر سے دُور

جا پڑتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے وجود پر ہی تشکوک پیدا کر بیٹھتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو قضا و قدر کے قائل ہو کر علوم ہی سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ مگر قرآن شریف نے دونوں تعلیمیں دی ہیں اور کامل طور پر دی ہیں۔ قرآن شریف علوم حقہ سے اسلیئے واقف کرنا چاہتا ہے۔ اور اسلیئے ادھر انسان کو متوجہ کرتا ہے کہ اس سے خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ اور خدا تعالےٰ کی معرفت میں جُوں جُوں ترقی ہوتی ہے۔ اُسی قدر خدا تعالےٰ کی عظمت اور اُس سے محبت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اور انسان کو قضا و قدر کے نیچے رہنے کی اسلیئے تعلیم دیتا ہے کہ اُس میں اللہ تعالےٰ کی ذات پر توکل اور بھروسہ کی صفت پیدا ہو اور وہ راضی بہ رضا رہنے کی حقیقت سے آشنا ہو کر وہ سچی سکینت اور اطمینان جو نجات کا اصل مقصد اور منشا ہے حاصل کرے +

ابھی جو مثال میں نے قرآن شریف سے قسم کے متعلق دی ہے کہ والسماء ذات الرجع یعنی قسم ہے آسمان کی جس میں اللہ تعالےٰ نے رجع کو رکھا ہے سماء کا لفظ قضا اور جوّ اور بارش اور بلندی کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ رجع بار بار وقت پر آنیوالی چیز کو کہتے ہیں بارش برسات میں بار بار آتی ہے۔ اسلیئے اس کا نام بھی رجع ہے۔ اسی طرح آسمانی بارش بھی اپنے وقتوں پر آتی ہے والارض ذات الصدع اور قسم ہے۔ زمین کی کہ وہ اُن وقتوں میں پھوٹ نکلتی ہے اور سبزہ نکالتی ہے +

بارش کی جڑھ زمین ہے زمین کا پانی جو بخارات بن کر اُوپر اُڑ جاتا ہے وہ کُرہ زمہریر میں پہنچ کر بارش بن کر واپس آتا ہے۔ اور اس صُورت میں چُونکہ وہ آسمان سے آتا ہے۔ اسلیئے آسمانی کہلاتا ہے پھر بارش کی ضرورت کے لیئے ایک اور وقت خاص ہے۔ جب مزارعین کو ضرورت ہوتی ہے۔ اگر بیائی کے بعد پڑے تو کچھ بھی نہ رہے۔ اور پھر بعض اوقات نشوونما کے لیئے ضرورت ہوتی ہے۔ غرض بارش اور مینہ کی ضرورت اور اُس کے مفاد اور اُس کے آسمان سے آنے کا نظارہ بالکل بدیہی ہے۔ اور ایک ادنےٰ درجہ کی عقل رکھنے والا گنوار دہقان بھی جانتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر آسمانی بارش نہ ہو تو زمینی پانی بھی خشک ہونے لگتے ہیں۔ چنانچہ امساک باراں کے دنوں میں بہت سے کنوئیں خشک ہو جاتے ہیں۔ اور اکثروں میں پانی بہت ہی کم رہجاتا ہے لیکن جب آسمان سے بارش آتی ہے۔ تو زمینی پانیوں میں بھی ایک جوش اور تموّج پیدا ہونے لگتا ہے میرا

مطلب اس مقام پر اس مثال کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان قسموں کو ایک اور امر کیلئے بطور شاہد قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان نظاروں سے تو ایک معمولی زمیندار بھی واقف ہی ہے۔ اور وہ امر جو ان کے ذریعہ ثابت کیا ہے وہ یہ ہے ۱۰ انہ لقول فصل وما ھو بالھزل۔ بیشک یہ خدا کا کلام ہے۔ اور قول فصل ہے۔ اور وہ عین وقت پر ضرورت حقہ کے ساتھ اور حق و حکمت کے ساتھ آیا ہے بیہودہ طور پر نہیں آیا +

اب دیکھو کہ قرآن شریف جس وقت نازل ہوا ہے۔ کیا اُس وقت نظام رُوحانی نہیں چاہتا تھا۔ کہ خدا کا کلام نازل ہو۔ اور کوئی مرد آسمانی آوے جو اس گمشدہ متاع کو واپس دلائے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت کی تاریخ پڑھو تو معلوم ہو جاویگا۔ کہ دُنیا کی کیا حالت تھی۔ خدا تعالےٰ کی پرستش دُنیا سے اُٹھ گئی تھی۔ اور توحید کا نقش پامٹ چکا تھا باطل پرستی اور معبودان باطلہ کی پرستش نے اللہ جلشانہٗ کی جگہ لے رکھی تھی۔ دُنیا پر جہالت اور ظلمت کا ایک خوفناک پردہ چھایا ہوا تھا۔ دُنیا کے تختہ پر کوئی مُلک کوئی قطعہ کوئی سرزمین ایسی نہ رہگئی تھی جہاں خدائے واحد ہاں حیّ و قیّوم خدا کی پرستش ہوتی ہو۔ عیسائیوں کی مُردہ پرست قوم تثلیث کے چکّر میں پھنسی ہوئی تھی۔ اور ویدوں میں توحید کا بیجا دعوے کرنے والے ہندوستان کے رہنے والے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کے پجاری تھے۔ غرض خود خدا تعالےٰ نے جو نقشہ اُس وقت کی حالت کا ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ ظہر الفساد فی البر والبحر یہ بالکل سچا ہے۔ اور اس سے بہتر انسانی زبان اور قلم اس حالت کو بیان نہیں کر سکتی۔ اب دیکھو کہ جیسے خدا تعالیٰ کا قانون عام ہے کہ عین امساک بارش کے وقت آخر اُس کا فضل ہوتا ہے۔ اور باران رحمت برس کر شادابی بخشتا ہے۔ اسی طرح پر ایسے وقت میں ضرور تھا کہ خدا تعالےٰ کا کلام آسمان سے نازل ہوتا۔ گویا اُن جسمانی بارش کے نظام کو دکھا کر رُوحانی بارش کے نظام کی طرف رہبری کی ہے۔ اب اس سے کون انکار کرے گا۔ کہ بارش ہمارے مقاصد کے موافق ہُوئی۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ جیسے وہ نظام رکھا ہے اسی طرح دوسری بارشوں کے لیئے وقت رکھے ہیں۔ اب دیکھو کہ کیا یہ بارش رُوحانی کا ذکر نہ تھا۔ کس قدر جھگڑے تم لوگوں میں بپا تھے۔ اعمال گندے اور ایمان بھی گندے تھے۔ اور دُنیا ہلاکت کے گڑھے میں گرنے والی تھی۔ پھر دیکھو کہ اپنے فضل کا مینہ

نہ برساتا جس نے جسم فانی کی حفاظت کے لئے ایک خاص نظام رکھا ہے۔ پھر روحانی نظام کو کیونکر چھوڑتا۔ اسلئے بارش کے نظام کو بطور شاہد پیش کر کے قسم کے رنگ میں استعمال کیا۔ کیونکہ امر نبوت ایک رُوحانی اور نظری امر تھا۔ اور کفّار عرب اس نظام کو نہ سمجھ سکتے تھے۔ اسلئے وہ پہلا نظام پیش کر کے اُن کو سمجھا دیا ⁂

غرض یہ ایک سرّ ہے جس کو جاہلوں نے سمجھا نہیں اور اپنی نادانی اور عداوت حق کی بنا پر اعتراض کر دیا ہے۔ اصل مفہوم کو جو اللہ تعالےٰ نے اس میں مقصود رکھا تھا چھوڑ دیا۔ اسی طرح پر ایک نادان کہتا ہے کہ من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسنا (کون شخص ہے جو اللہ کو قرض دے) اس کا مفہوم یہ ہے کہ گویا معاذ اللہ خدا بھوکا ہے احمق نہیں سمجھتا۔ کہ اس سے بھوکا ہونا کہاں سے نکلتا ہے۔ یہاں قرض کا مفہوم اصل تو یہ ہے کہ ایسی چیزیں جن کے واپس کرنے کا وعدہ ہوتا ہے اس کے ساتھ افلاس اپنی طرف سے لگا لیتا ہے۔ یہاں قرض سے مراد یہ ہے کہ کون ہے جو خدا تعالےٰ کو اعمال صالحہ دے۔ اللہ تعالےٰ اُن کی جزا اُسے کئی گُنا کر کے دیتا ہے۔ یہ خدا کی شان کے لائق ہے جو سلسلہ عبُودیت کا رُبوبیّت کے ساتھ ہے اس پر غور کرنے سے اس کا یہ مفہوم صاف سمجھ میں آتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ بدون کسی نیکی۔ دُعا اور التجا اور بدون تفرقہ کافر و مومن کے ہر ایک کی پرورش فرما رہا ہے۔ اور اپنی رُبوبیت اور رحمانیت کے فیض سے سب کو فیض پُہنچا رہا ہے پھر وہ کسی کی نیکیوں کو کب ضائع کریگا۔ اسکی شان تو یہ ہے من یعمل مثقال ذرة خیرا یرہ جو ذرہ بھی نیکی کرے اُس کا بھی اجر دیتا ہے اور جو ذرہ بدی کریگا۔ اُس کی پاداش بھی ملیگی۔ یہ ہے قرض کا اصل مفہوم جو اس آیت سے پایا جاتا ہے۔ چُونکہ اصل مفہوم قرض کا اس سے پایا جاتا تھا۔ اسلئے یہی کہدیا من یقرض اللہ قرضاً حسنا۔ اور اس کی تفسیر اس آیت میں موجود ہے من یعمل مثقال ذرة خیرا یرہ۔ جاہل عیسائی جنھوں نے ایک عاجز اور ناتوان انسان کو خدا بنا لیا ہے اور اپنی بدکاریوں اور گناہوں کی گٹھڑی اُس کے سر پر رکھ دی ہے اور اُسے ملعُون تسلیم کیا ہے۔ باوجودیکہ اُن کے پاس لعنت کے سوا کچھ بھی نہیں دوسروں پر اعتراض کرتے ہیں۔ چونکہ خدا تعالےٰ کی پاک شریعت کو کفّارہ کی بنا پر رد کر چکے ہیں۔ اعمال صالحہ میں جو ایک لذّت اور سرور ہوتا ہے وہ اُنہیں حاصل نہیں رہا اور

خدا تعالےٰ کے سارے راستبازوں کو بٹ مار اور ڈاکو قرار دینے کی وجہ سے اُن پر وہ لعنت پڑی ہے۔ اسلئے یہ بات کبھی بھولنی نہیں چاہئے۔ کہ خدا تعالےٰ کے راستبازوں کا انکار اور تکذیب ایک ایسی شے ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اور اسکی رُوحانی طاقتوں اور قوتوں کے لئے زہر قاتل کا کام کرتی ہے۔ جو صادق کی نسبت سوء ظن کرتا ہے۔ اور اُسکی بےادبی کرتا ہے وہ حقائق اور معارف سے بے نصیب کر دیا جاتا ہے۔ یہ لعنت عیسائیوں پر پڑی ہے۔ کہ اُنہوں نے سارے راستبازوں کو خطا کار ٹھیرایا +

غرض اس آیت میں یہ لطیفہ ہے کہ بارشوں کا جسمانی طور پر ایک نظام ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ اب بارش کے دن قریب ہیں مثلاً یہ جانتے ہیں۔ کہ پوہ اور ماگھ کے دنوں میں بارش ہوتی ہے۔ اور ساون اور بھادوں کے دنوں میں ہوتی ہے۔ پھر ایک یہ راز ہے کہ بارش بیہودہ کبھی نہیں ہوتی درحقیقت وہی اوقات بارش کے لئے مفید ہوتے ہیں۔ اسی طرح پر رُوحانی بارشوں کا سلسلہ چلتا ہے۔ یہ ایک نظری بحث ہے اسلئے خدا تعالیٰ نے موٹی موٹی باتوں کو بطور شواہد کے پیش کیا ہے۔ اور قسم کا لفظ شاہد کے قائم مقام بیان فرمایا اس لفظ کو اسطرح بیان کیا ہے جس طرح پر قرض کے لفظ کو جسے میں ابھی بیان کر چکا ہوں +

اب ایک بات اَور قابل غور ہے۔ کہ ایک بارش تخم ریزی کے لئے ہوتی ہے اور پھر ایک بارش اس تخم کے نشوونما اور سرسبزی کے لئے ہوتی ہے۔ اس طرح پر نبوت کی بارش تخم ریزی کے لئے ہوتی ہے۔ اور محدثین اور مجددین کی بارش جو نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحٰفظون کے ضمن میں داخل ہیں۔ اس تخم کے بارور کرنے اور نشوونما دینے کے لئے۔ میں نے بارہا اس امر کا ذکر کیا ہے کہ نبوت الوہیت کیلئے بطور میخ کے ہوتی ہے۔ جو شخص نبوت کا انکار کرتا ہے رفتہ رفتہ وہ الوہیت کے انکار تک پہنچ جاتا ہے۔ اور نبوت کے لئے ولایت بطور میخ کے ہوتی ہے۔ ولی کے انکار سے رفتہ رفتہ سلب ایمان ہو جاتا ہے +

اِس وقت دیکھو کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو تیرہ سو برس سے زائد عرصہ گذر گیا اگر خدا تعالےٰ اس وقت تک بالکل خاموش رہتا۔ اور اپنی تجلی نہ فرماتا۔ تو اسلام ایک قصہ اور کہانی سے بڑھ کر کوئی وقعت نہ رکھتا اور اُسکو دوسرے مذاہب پر کوئی خصوصیت اور فضیلت نہ ہوتی جیسے ہندو اپنے بزرگوں سے منسوب خوارق کو

پرانوں اور شاستروں میں لکھا ہُوا بیان کرتے ہیں اور دکھا کچھ نہیں سکتے۔ اِسی طرح پر اسلام کے اعجازی نشانوں کا ذکر مسلمانوں کی کتابوں ہی میں بتاتے اور دکھا کچھ نہ سکتے تو دوسرے مذاہب پر اُس کو کیا فضیلت رہتی۔ اور انسان کی فطرت اِس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ اگر اُسے دوسرے پر کوئی فضیلت نظر نہ آئے تو اُس سے بے رغبتی اور بے دلی ظاہر کرتا ہے اِس طرح پر گویا اسلام سے ایک قسم کا ضعف ایمان پیدا ہوتا... کیونکہ بدوں فضیلت کے ایمان قوی رہ سکتا ہی نہیں اس لیئے نبوت کی زراعت کے واسطے ولایت ایک باڑ لگا دی گئی ہے پس غور کرکے دیکھو کہ قسم پر اعتراض کرنے والوں کا جواب کیسا صاف اور لطیف ہے+

اِس مضمون کو دیکھ کر انسان کس قدر انشراح کے ساتھ قبول کر سکتا ہے کہ قرآن کریم کس قدر عالی مضامین کو کیسے انداز اور طرز سے بیان کرتا ہے۔ پھر قرآن شریف میں ایک مقام پر رات کی قسم کھائی ہے کہتے ہیں کہ یہ اسی وقت کی قسم ہے جب وحی کا سلسلہ بند تھا۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ ایک مقام ہے جو ان لوگوں کے لیئے جو سلسلۂ وحی سے افاضہ حاصل کرتے ہیں آتا ہے۔ وحی کے سلسلہ سے شوق اور محبت بڑھتی ہے لیکن مفارقت میں بھی ایک کشش ہوتی ہے۔ جو محبّت کے مدارج عالیہ پر پہنچاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو بھی ایک ذریعہ قرار دیا ہے کیونکہ اس سے قلق اور کرب میں ترقی ہوتی ہے۔ اور رُوح میں ایک بیقراری اور اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ جس سے وہ دُعاؤں کی رُوح اُس میں نفخ کی جاتی ہے کہ وہ آستانۂ اُلوہیت پر یا رب یا رب کہہ کر اور بڑے جوش اور شوق اور جذبہ کے ساتھ دوڑتی ہے جیسا کہ ایک بچہ جو تھوڑی دیر کے لیئے ماں کی چھاتیوں سے الگ رکھا گیا ہو بے اختیار ہو ہو کر ماں کی طرف دوڑتا اور چلاتا ہے۔ اِسی طرح پر بلکہ اُس سے بھی بےحد اضطراب کے ساتھ روح اللہ کی طرف دوڑتی ہے۔ اور اس دوڑ دھوپ اور قلق و کرب میں وہ لذت اور سرور ہوتا ہے۔ جس کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ یاد رکھو رُوح میں جسقدر اضطراب اور بیقراری خدا تعالےٰ کے لیئے ہوگی اُسی قدر دُعاؤں کی توفیق ملیگی۔ اور اُن میں قبولیت کا نفخ ہوگا۔ غرض یہ ایک زمانہ ماموروں اور مُرسلوں اور اُن لوگوں پر جن کے ساتھ مکالماتِ الٰہیہ کا ایک تعلق ہوتا ہے آتا ہے اور اس سے غرض اللہ تعالیٰ کی یہ ہوتی ہے۔ کہ تا اُن کو محبت کی چاشنی اور قبولیت دُعا کے ذوق سے حصہ دے۔ اور اُن کو اعلےٰ مدارج پر پہنچا دے۔ تو یہاں جو ضحیٰ اور لیل کی قسم کھائی۔ اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مدارج عالیہ اور مراتب محبت کا اظہار ہے۔ اور آگے پیغمبر خدا کا امر کیا

کہ دیکھو دن اور رات جو بنائے ہیں اُن میں کس قدر وقفہ ایک دوسرے میں ڈال دیا ہے ضحیٰ کا وقت بھی دیکھو اور تاریکی کا وقت بھی خیال کرو۔ ما ودعك ربك خدا تعالیٰ نے تجھے رخصت نہیں کر دیا۔ اس نے تجھ سے کینہ نہیں کیا بلکہ ہمارا یہ ایک قانون ہے جیسے رات اور دن کو بنایا ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ایک قانون ہے کہ بعض وقت وحی کو بند کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ اُن میں دُعاؤں کے لیئے زیادہ جوش پیدا ہو۔ اور ضحیٰ اور لیل کو اسلیئے بطور شاہد بیان فرمایا تا آپ کی اُمید وسیع ہو اور تسلی اور اطمینان پیدا ہو مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان قسموں کے بیان کرنے سے اصل مدعا یہ رکھا ہے کہ تا بدیہیات کو نظریات کے ذریعہ سمجھاوے۔ اب سوچ کر دیکھو کہ یہ کیسا پُر حکمت مسئلہ تھا مگر ان بدبختوں نے اس پر بھی اعتراض کیا ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

اِن قسموں میں ایسا فلسفہ بھرا ہوا ہے کہ حکمت کے ابواب کھلتے ہیں۔ غرض یہ حرب ہمارا کام ہے جس کی آج ضرورت ہے۔ اس سے علوم کے دروازے بھی کھلتے ہیں۔ اور مخالف بھی حجّت اور بیّنہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اور یہ خدا کا فضل ہے کہ پنجاب کے لوگ جن معارف اور حقائق سے آگاہ ہوتے جاتے ہیں۔ بلاد شام اور دیگر ممالک اسلامیہ میں اُن کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ اسلیئے کہ ہم پر تو یہ مصیبت آچکی ہے۔ ہر طرف سے حملہ پر حملہ ہو رہا ہے۔ اسلیئے ہم کو قوّت متفکرہ سے کام لینا پڑتا ہے اور دُعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے حضور اُن مشکلات کو پیش کرنا پڑتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہماری دستگیری فرماتا ہے۔ اور اپنی پاک کتاب کے حقائق اور معارف سے اطلاع دیتا ہے۔ حکما کہتے ہیں۔ کہ جس قوّت کو چالیس دن استعمال نہ کیا جائے وہ بیکار ہو جاتی ہے۔ ہمارے ایک ماموں صاحب تھے وہ پاگل ہو گئے اُن کی فصد لی گئی۔ اور اُن کو تاکید کی گئی کہ ہاتھ نہ ہلائیں۔ اُنھوں نے چند مہینے تک ہاتھ نہ ہلایا نتیجہ یہ ہوا کہ ہاتھ لکڑی کی طرح ہو گیا۔ غرض یہ ہے کہ جس عضو سے کام نہ لیا جائے وہ بیکار ہو جاتا ہے ✤

ہندوؤں میں جوگی اور ایسا ہی راہب وغیرہ جو عورتوں کے قابل نہیں رہتے اس کے دو ہی سبب ہوتے ہیں۔ یا تو بدمعاشیوں کی کثرت کی وجہ سے یا انقطاع کُلّی کے بعد اور

از اخبار الحکم ۱۷ جون ۱۹۰۱ء

اس امر کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ کہ جن اعضا کو بیکار چھوڑا گیا وہ آخر بالکل نکمے ہو گئے +

اس وقت جو ہم پر قلم کی تلواریں چلائی جاتی ہیں۔ اور اعتراضوں کے تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی ہے۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ اپنی قوتوں کو بیکار نہ کریں۔ اور خدا کے پاک دین اور اُس کے برگزیدہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات کے لئے اپنے قلموں کے نیزوں کو تیز کریں خصوصاً ایسی حالت میں کہ اللہ تعالےٰ نے سب سے بڑھ کر ہم کو یہ موقع دیا کہ اُس نے سلطنت انگریزی میں ہم کو پیدا کیا۔ مُحسن کے احسانات کی شکر گذاری کے اصول سے ناواقف جاہل ہمارے اس قسم کے بیانات اور تحریروں کو خوشامد کہتے ہیں۔ مگر ہمارا خدا بہتر جانتا ہے۔ کہ ہم دُنیا میں کسی انسان کی خوشامد کر سکتے ہی نہیں۔ یہ قوت ہی ہم میں نہیں ہے۔ ہاں احسان کی قدر کرنا ہماری سرشت میں ہے۔ اور محسن کُشی اور غدّاری کا ناپاک مادہ اُس نے اپنے فضل سے ہم میں نہیں رکھا۔ ہم گورنمنٹ انگلشیہ کے احسانات کی قدر کرتے ہیں۔ اور اس کو خدا کا فضل سمجھتے ہیں۔ کہ اُس نے ایک عادل گورنمنٹ کو سکھوں کے پُر جفا زمانہ سے نجات دلانے کے لیئے ہم پر حکومت کرنے کو کئی ہزار کوس سے بھیج دیا۔ اگر اس سلطنت کا وجود نہ ہوتا تو میں سچ کہتا ہوں کہ ہم اس قسم کے اعتراضوں کی بابت ذرا بھی سوچ نہ سکتے۔ چہ جائیکہ ہم اُن کا جواب دے سکتے +

اب ہم ان اعتراضوں کا جواب بڑی آزادی سے دے سکتے ہیں۔ پھر اگر ہم اللہ تعالےٰ کے اس فضل کی قدر نہ کریں تو یقیناً سمجھو کہ بڑے ناقدر شناس اور ناشکر گذار ہوں گے۔ ہم کو غور اور فکر کا موقع ملا۔ دُعاؤں کا موقع ملا۔ اور اس طرح پر خدا تعالےٰ نے اپنے فضل کے ابواب ہم پر کھولے۔ اگرچہ مبدء فیاض وہی ہے لیکن انسان اپنے میں ایک شئے قابل بناتا ہے۔ اس پر بلحاظ اُسکی استعداد اور ظرف کے فیض ملتا ہے یہ خوشی کی بات ہے کہ اس تقریب کی وجہ سے ہندوستان اور پنجاب کے رہنے والے جوہر قابل بن رہے ہیں۔ اور ان کی علمی طاقتیں بھی ترقی کر رہی ہیں +

مختصر یہ کہ یہ مقام دار الحرب ہے، پادریوں کے مقابلہ میں۔ اسلیئے ہم کو چاہیئے کہ ہرگز بیکار نہ بیٹھیں۔ مگر یاد رکھو کہ ہماری حرب اُن کے ہمرنگ ہو۔ جس قسم کے ہتھیار لے کر میدان میں وہ آئے ہیں اُسی طرز کے ہتھیار ہم کو لیکر نکلنا چاہیئے۔ اور وہ ہتھیار ہے۔

قلم

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس عاجز کا نام

سلطان القلم

رکھا اور میرے قلم کو

ذو الفقار علی

فرمایا۔ اس میں یہی سِرّ ہے کہ یہ زمانہ جنگ وجدل کا نہیں ہے۔ بلکہ قلم کا زمانہ ہے پھر جب یہ بات ہے تو یاد رکھو کہ حقائق اور معارف کے دروازوں کے کھلنے کے لیئے

ضرورت ہے **تقویٰ** کی۔ اِس لیئے

تقوےٰ اختیار کرو

کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون اور میں گن نہیں سکتا۔ کہ یہ **الہام** مجھے کتنی مرتبہ ہُوا ہے۔ بہت ہی کثرت سے ہُوا ہے۔ اگر ہم نری باتیں ہی باتیں کرتے ہیں۔ تو یاد رکھو کچھ فائدہ نہیں ہے فتح کیلئے ضرورت ہے تقویٰ کی فتح چاہتے ہو تو

مُتقی بنو

میں ہندوؤں اور عیسائیوں میں دیکھتا ہوں کہ عورتیں بھی بہت بڑی جائیدادیں اور روپیہ اس کام کے لیئے وصیّت کر جاتے ہیں۔ آجکل کے مسلمانوں میں اس قسم کی نظیر نہیں ملتی ہے ہمارے لئے جو بڑی سے بڑی مشکل ہے وہ **اشاعت** کے لیئے مالی امداد کی ضرورت ہے۔ یہ تو تم یاد رکھو کہ آخر خدا تعالےٰ نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے اُس نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے وہ خود ہی اس کا حامی وناصر ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ اپنے بندوں کو ثواب کا مستحق بناوے۔ اسلیئے نبیوں کو مالی امداد کی ضرورت ظاہر کرنی پڑتی ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدد مانگی۔ اور اسی طرز پر جو منہاج نبوت کی طرز ہے۔ ہم بھی اپنے دوستوں کو سلسلہ کی ضروریات سے اطلاع دیا۔

کرتے ہیں۔ مگر میں پھر یہی کہوں گا کہ اگر ہم کچھ روپیہ بھی اشاعت کے لیے جمع کرلیں تو یہ تو ظاہر بات ہے کہ اس قدر نہیں کرسکتے جس قدر پادریوں کے پاس ہے۔ اور اگر اتنا بھی کرلیں توبھی میرا ایمان یہی ہے کہ فتح اسی کو ملتی ہے جس سے خدا خوش ہو۔ اسلیئے ضروری امر ہے کہ ہم اپنے اخلاق اور اعمال میں ترقی کریں اور تقویٰ اختیار کریں تاکہ خدا تعالیٰ کی نصرت اور محبت کا فیض ہمیں ملے۔ پھر خدا کی مدد کو لے کر ہمارا فرض ہے۔ اور ہر ایک ہم میں سے جو کچھ کرسکتا ہے۔ اسکو لازم ہے کہ وہ ان حملوں کے جواب دینے میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ ہاں جواب دیتے وقت نیت یہی ہو کہ خدا تعالیٰ کا جلال ظاہر ہو۔

؎ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ دین کی تائید میں عجیب در عجیب پُرزور مضامین کے لکھے جانے پر گفتگو تھی۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا:۔

لاہور کے جلسہ اعظم مذاہب کے واسطے جب ہم نے مضمون لکھا تو طبیعت بہت علیل تھی اور وقت نہایت تنگ تھا۔ اور ہم نے مضمون جلدی کے ساتھ اسی تکلیف کی حالت میں لیٹے ہوئے لکھایا۔ اسکو سُنکر احباب میں سے ایک نے کچھ ناپسندیدگی کا مُنہ بنایا اور پسند نہ کیا کہ ایسا مضمون اتنے بڑے عظیم الشان جلسہ میں وہ مضمون پڑھا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مضمون کے غالب رہنے کی خبر دیگئی۔ اور بالآخر جب وہ مضمون پڑھا گیا تو مخالفین نے بھی اُسی جلسہ میں اقرار کیا کہ اسلام کی فتح ہوگئی۔ شروع میں اس مضمون پر راضی نہ ہونے والے دوست کی مثال اُس شخص کی طرح ہے۔ جس کو ایک دفعہ دہلی جانے کا اتفاق ہُوا۔ تو اُسے کہا گیا کہ واپس ہوتے ہوئے ہمارے واسطے فلاں عطار کی دکان سے عطر کی ایک شیشی لیتے آنا جب وہ شخص دہلی میں اُس عطار کی دکان پر پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ قسم قسم کے عطر نہایت خوبصورت شیشوں میں بھرے پڑے ہیں اور دُکان خوشبو سے مہک رہی ہے۔ اور لوگ اپنی اپنی ضرورت کے موافق عطر خرید رہے ہیں۔ پس اُس نے بھی فرمائش کے مطابق ایک شیشی عطر کی خریدی۔ پر اس قدر خوشبودار عطروں کے پاس ہونے کے سبب اُسکو اپنی خریدی ہوئی شیشی چنداں خوشبودار معلوم نہ ہوئی یہاں تک کہ اُس نے جرأت کرکے عطار کو شکایت کے طور پر کہا کہ یہ شیشی عطر کی تو مجھ کو بہت دُور لیجانی ہے۔ اور لوگ شوق سے آکر اس کو دیکھیں گے کہ یہ مشہور

؎ الحکم جلد ۵ نمبر ۲۱ تاریخ تقریر یکم جون ۱۹۰۱ء

دکان سے آئی ہے۔ پر افسوس کہ تُو نے اپنے نام کی عزت کے لائق مجھے عطر نہیں دیا جو بہت خوشبودار اور لطیف ہوتا۔ عطار نے جواب دیا۔ کہ تُو اس کو لیجا اور ایسا نہ سمجھ کہ یہ ادنےٰ عطر ہے باہر جاکر تُو اس کی قدر و قیمت کو معلوم کر لیگا۔ پس وہ وہاں سے چل پڑا اور اپنے وطن کا راہ کیا۔ اور اُس شیشی کو اپنے ساتھ رکھا۔ وہ جس راہ سے گذرتا تھا۔ اُس راہ پر پیچھے سے آنیوالے اُس عطر کی خوشبو کو پاتے اور آپس میں کہتے کہ یہاں سے کوئی شخص نہایت خوشبودار عطر لیکر گذرا ہے +

یہ بات پیش ہُوئی کہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ حضور کے اس الہام (وحی) میں کہ انا انزلناہ قریبًا من القادیان لفظ قادیان پر ال کیوں آیا ہے۔ حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا:۔

اوّل تو اور بھی کئی ایک گاؤں کا نام قادیان ہے۔ اس واسطے ال آیا ہے۔ اور دوئم یہ کہ یہ لفظ اصل میں قاضیان تھا یعنی اس گاؤں کا پہلا نام قاضیان تھا اور اس نام میں خدا تعالےٰ نے ایک پیشگوئی رکھی ہُوئی تھی۔ کہ اس جگہ وہ شخص پیدا ہوگا جو حکماً عدلاً ہوگا اسلیئے ایک وصفی مادہ کے محفوظ رکھنے کے واسطے اس لفظ پر ال لایا گیا +

۳ جون ۱۹۰۱ء۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف کی تعریف میں فرمایا ہے۔ لو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل لرایتہ خاشعًا متصدعًا من خشیۃ اللہ۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ:۔

ایک تو اُس کے یہ معنے ہیں کہ قرآن شریف کی ایسی تاثیر ہے۔ کہ اگر پہاڑ پر وہ اُترتا تو پہاڑ خوف خدا سے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا اور زمین کے ساتھ ملجاتا۔ جب جمادات پر اُس کی ایسی تاثیر ہے تو بڑے ہی بیوقوف وہ لوگ ہیں جو اُسکی تاثیر سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور دوسرے اسکے معنے یہ ہیں۔ کہ کوئی شخص محبت الٰہی اور رضائے الٰہی کو حاصل نہیں کرسکتا جبتک دو صفتیں اُسمیں پیدا نہو جائیں۔ اوّل تکبر کو توڑنا جس طرح کہ کھڑا ہُوا پہاڑ جس نے سر اونچا کیا ہُوا ہوتا ہے گر کر زمین سے ہموار ہوجائے۔ اسی طرح انسان کو چاہیئے کہ تمام تکبر اور بڑائی کے خیالات کو دُور کرے۔ عاجزی اور خاکساری کو اختیار کرے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ پہلے تمام تعلقات اُس کے ٹوٹ جائیں۔ جیسا کہ پہاڑ گر کر متصدعاً ہوجاتا ہے اینٹ سے اینٹ جدا ہوجاتی ہے۔ ایسا ہی اُس کے پہلے تعلقات جو موجب گندگی اور الٰہی نارضامندگی

سے تھے وہ سب تعلقات ٹوٹ جائیں۔ اور اب اس کی ملاقاتیں اور دوستیاں اور محبتیں اور عداوتیں صرف اللہ تعالےٰ کیلئے رہجائیں +

فرمایا۔ حضرت رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جو مسیح موعود کو السلام علیکم کہا ہے۔ اس میں ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی۔ کہ باوجود لوگوں کی سخت مخالفتوں کے اور اُن کے طرح طرح کے برادر جانستاں منصُوبوں کے وہ سلامتی میں رہیگا اور کامیاب ہوگا ہم کبھی اسبات پر یقین اور اعتقاد نہیں کر سکتے۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی طور سے سلام فرمایا۔ آنحضرتؐ کے لفظ لفظ میں معارف و اسرار ہیں +

عدالتوں کا ذکر اور عدالتوں میں گواہوں کا وکلا اور حُکّام کے رُعب میں آجانے کا کچھ ذکر ہو رہا تھا۔[1] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

عدالتوں میں اکثر گواہوں پر حاکموں اور وکیلوں کا ایسا رُعب پڑجاتا ہے کہ وہ انسانوں کے حقوق کو محفُوظ نہیں رکھ سکتے۔ اور کچھ نہ کچھ بیجا اور غلط بات مُنہ سے نکال دیتے ہیں جس سے ظلم پیدا ہوتا ہے۔ عدالتوں کا رُعب بھی ایک شرک ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ +

فرمایا۔ بعض انگریز مقدمات کے فیصلہ کرنے میں بہت چھان بین کرتے اور غور سے سوچ سوچ کر فیصلہ کرتے ہیں۔ قُدرت کی بات ہے۔ کہ مرزا صاحب (والد صاحب) کے وقت میں زمینداروں کے ساتھ ایک مقدمہ پر تھا میں امرتسر میں کمشنر کی عدالت میں تھا فیصلہ سے ایک دن پہلے کمشنر زمینداروں کی نہایت رعایت کرتا ہوُا اور اُن کی شرارتوں کی پرواہ نہ کرکے عدالت میں کہتا تھا کہ یہ غریب لوگ ہیں تم ان پر ظلم کرتے ہو۔ اُس رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ انگریز ایک چھوٹے سے بچہ کی شکل میں میرے پاس کھڑا ہے۔ اور میں اُس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا ہوں صبحکو جب ہم عدالت میں گئے۔ تو اُس کی حالت ایسی بدلی ہوُئی تھی کہ گویا وہ پہلا انگریز ہی نہ تھا۔ اُس نے زمینداروں کو بہت ہی ڈانٹا اور مقدمہ ہمارے حق میں فیصلہ کیا اور ہمارا سارا خرچہ بھی اُن سے دلایا +

فرمایا۔ حاکم کے لیئے دین کا ایک حصہ یہ ہے کہ وہ مقدمات میں اچھی طرح غور کرے تا کسی کا حق تلف نہ ہو جائے +

فرمایا۔ دیکھو جب تک انسان مستقل مزاج اور ٹھنڈی طبیعت کا نہو تو اُن زمینی حاکموں

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۲۲ تاریخ تقریر، جون ۱۹۰۱ء +

کے سامنے کھڑا ہونا مشکل ہوتا ہے تو کیا حال ہو گا اُس وقت جبکہ احکم الحاکمین کے سامنے کھڑے کیئے جاویں گے +

فرمایا۔ توراۃ کی رُو سے جو زنا کا نُطفہ ہو وہ ملعون ہوتا ہے۔ اور جو صلیب دیا جائے وہ بھی ملعون ہوتا ہے تعجب ہے کہ عیسائیوں نے اپنی نجات کے واسطے کفارہ کا مسئلہ گھڑنے کے واسطے یہ تسلیم کرلیا۔ کہ یسوع صلیب پر جاکر ملعون ہو گیا۔ جب ایک لعنت کو اُنہوں نے یسوع کے واسطے روا رکھا ہے تو پھر دوسری لعنت کو بھی کیوں روا نہیں رکھ لیتے۔ تاکہ کفارہ زیادہ پختہ ہو جائے۔ جب لعنت کا لفظ آ گیا۔ تو پھر کیا ایک اور کیا دو۔ مگر قرآن شریف نے ان دونوں لعنتوں کا رد کیا ہے۔ اور دونوں کا جواب دیا ہے۔ کہ اُن کی پیدائش بھی پاک تھی۔ اور اُن کا مرنا عام لوگوں کی طرح تھا صلیب پر نہ تھا +

فرمایا متقی خدا کی طرف جاتا ہے۔ اور دُنیا اُس کے پیچھے خود بخود آتی ہے۔ پر دُنیادار دنیا کی خاطر رنج اور تکلیف اُٹھاتا ہے۔ پھر بھی اُسے دنیا سے آرام نہیں ملتا۔ دیکھو صحابہ نے دُنیا کو ترک کیا اور وہ دُنیا میں بھی بڑے مالدار ہوئے اور عاقبت کا بھی پھل کھایا +

سوال ہوا کہ بعض مخالف بھی الہامات کا دعویٰ کرتے ہیں تو صادق اور کاذب میں کیا شناخت ہے؟ فرمایا یہ بہت آسان ہے وہ ہمارے مقابل میں آکر یہ دعویٰ شائع کریں۔ کہ اگر ہم سچے ہیں تو ہمارا مخالف ہم سے پہلے مر جائیگا۔ تو ہمیں پختہ یقین خدا تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے۔ کہ اگر ایک دس برس کا بچہ جس کے واسطے زندگی کے تمام سامان موجود ہوں اور کثیر حصہ اُس کی عمر کا باقی ہووے یہ دعویٰ کرکے ہمارے برخلاف کھڑا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اُسے ہم سے پہلے موت دے گا +

۵۱ فرمایا۔ لوگوں کو لازم ہے کہ آخرت پر نظر رکھیں۔ عذاب سے پہلے ڈرنا چاہیئے

مرد آخر بین مبارک بندہ ایست

دیکھو لوط وغیرہ قوموں کا انجام کیا ہوا۔ ہر ایک کو لازم ہے۔ کہ دل اگر سخت بھی ہو تو اُسکو ملامت کرکے خشوع خضوع کا سبق دے۔ ہماری جماعت کے لیئے سب سے ضروری ہے کیونکہ اُن کو تازہ معرفت ملتی ہے۔ اگر کوئی دعویٰ تو معرفت کا کرے۔ مگر اُس پر چلے نہیں تو یہ لاف وگزاف ہی ہے۔ اسلیئے ہماری جماعت دوسروں کی غفلت سے خود غافل نہ رہے۔ اور اُن کی محبت کو سرد دیکھ کر اپنی محبت کو ٹھنڈی نہ کرے۔ انسان

۵۱ تاریخ تقریر ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۹۸ء +

بہت تمنائیں رکھتا ہے غیب کی قضا و قدر کی کس کو خبر ہے آرزوؤں کے موافق زندگی کبھی نہیں چلتی ہے آرزوؤں کا سلسلہ اور ہے اور قضاء وقدر کا سلسلہ اور ہے اور یہی سلسلہ سچا ہے۔ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے پاس انسان کے سوانح ہیں اسے کیا معلوم ہے کہ اس میں کیا کیا لکھا ہے۔ اسلیئے دل کو جگا جگا کر متوجہ کرنا چاہیئے +

فرمایا[۵۱]۔ افسوس کی بات ہے کہ عام طور پر مصائب کے آنے کی وجہ سے لوگوں کا عجب و نخوت دُور نہیں ہوا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ دور نہ ہوگی۔ جب تک لوگوں کی ضد اور اڑ دور نہ ہوگی۔ میں دیکھتا ہوں کہ لوگ خدا تعالیٰ سے پُوری مصالحت کے لئے طیار نہیں ہیں قحط کے دوران میں لوگوں نے محسوس نہیں کیا ابتدا میں مکہ و مدینہ کا فتویٰ بھی ڈرا دیا کرتا تھا۔ جب کبھی کوئی کہتا کہ مکہ معظمہ سے یہ فتویٰ آیا ہے تو لوگ ڈر جاتے تھے۔ لیکن اب ان مصائب کو دیکھ کر بھی لوگ نہیں ڈرتے۔ میری رائے ہے۔ جب تک کہ لوگ کامل طور پر رجوع نہ کریں تقدیر نہ بدلیگی۔ ان اللّٰہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم

[۵۲] فرمایا۔ شیعہ مذہب اسلام کا سخت مخالف ہے۔ اوّل شیعہ کا اعتقاد ہے کہ جبرئیل وحی لانے میں غلطی کھا گیا ہے۔ دوم صحابہ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں کے بعد حاصل ہوئے تھے ان کے نزدیک معاذ اللہ مسلمان نہ تھے سوم قرآن شریف جو اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب ہے۔ اور جس کی حفاظت کا خود اللہ تعالےٰ وعدہ کر چکا ہے۔ شیعہ کے اعتقاد کے موافق قرآن شریف اصلی نہیں ہے امام مہدی اصل قرآن غار میں لیکر چُھپ رہے ہے۔ چہارم۔ بارہ اماموں تک ولایت ختم ہو چکی باقی قیامت تک آدمی وحشیوں کی طرح رہے۔ اور خدا کا ان سے محبت نہیں۔ پنجم خدا تعالیٰ کے حبیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو گالیاں دینا درود شریف کے پڑھنے سے بھی زیادہ ثواب سمجھتے ہیں۔ ششم۔ کسی اکابر اور اہل اللہ کو نیک نہیں سمجھتے۔ میں نے اپنے اُستاد سے حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحؒ کی نسبت سُنا ہے کہ وہ گالیاں دیتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ بدنام یزید ہے۔ اگر اسکی شراکت سے امام حسینؓ کی شہادت ہوئی تو بُرا کیا لیکن آج کل کے شیعہ بھی ملکر وہ دینی کام نہیں کرسکتے جو اُس نے کیا +

اہل کتاب کے کھانا کھانے پر بابو محمد افضل صاحب کے سوال پر حضرت اقدس نے جواب دیا:۔

کہ تمدن کے طور پر ہندوں کی چیز بھی کھالیتے ہیں۔ اسی طرح عیسائیوں کا کھانا بھی

[۵۱] تاریخ تقریر ۱۴ جنوری ۱۸۹۸ء
[۵۲] تاریخ تقریر ۱۵ جنوری ۱۸۹۸ء

درست ہے۔ مگر بایں ہمہ یہ خیال ضروری ہے کہ برتن پاک ہوں کوئی ناپاک چیز نہ ہو +

۱۵ جنوری ۱۸۹۸ء کو خواجہ کمال الدین صاحب بی اے کے ایل ایل بی کے امتحان میں کامیاب ہونے کی خبر آئی فجر کی نماز کے بعد حضرت اقدس امام ہمام علیہ السلام بیٹھ گئے اور مندرجہ ذیل مختصر سی تقریر فرمائی :۔[۵۱]

انسان کو ہر قسم کی کامیابی کے موقعہ پر ایک خوشی ہوتی ہے۔ قرآن شریف سے تین قسم کی خوشیاں لہو لعب تفاخر معلوم ہوتی ہیں۔ لہو میں اشیاء خوردنی شامل ہیں اور لعب میں شادی وغیرہ کی خوشیاں اور تفاخر میں مال وغیرہ کی خوشیاں۔ یہ تین قسم کی خوشیاں ہیں۔ ان سے باہر کوئی خوشی نہیں ہے۔ مگر یاد رکھو کہ کامیابیاں اور یہ خوشیاں دائمی نہیں ہوتی ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ دل لگاؤ گے تو سخت حرج ہوگا اور رفتہ رفتہ ایک وقت آتا جاتا ہے۔ کہ ان خوشیوں کا زمانہ تلخیوں سے بدلنے لگتا ہے +

دُنیا کی کامیابیاں ابتلا سے خالی نہیں ہوتی ہیں۔ قرآن شریف میں آیا ہے خلق الموت والحیات لیبلوکم یعنی موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ ہم تمہیں آزمائیں۔ کامیابی اور ناکامی بھی زندگی اور موت کا سوال ہوتا ہے۔ کامیابی ایک قسم کی زندگی ہوتی ہے جب کسی کو اپنے کامیاب ہونے کی خبر پہنچتی ہے تو اس میں جان پڑ جاتی ہے۔ اور گویا نئی زندگی ملتی ہے اور اگر ناکامی کی خبر آجائے تو زندہ ہی مر جاتا ہے۔ اور بسا اوقات بہت سے کمزور دل آدمی ہلاک بھی ہو جاتے ہیں +

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ عام زندگی اور موت تو ایک آسان امر ہے لیکن جہنمی زندگی اور موت دشوار ترین چیز ہے۔ سعید آدمی ناکامی کے بعد کامیاب ہو کر اور بھی سعید ہو جاتا ہے اور خدا تعالےٰ پر ایمان بڑھ جاتا ہے اُسکو ایک مزہ آتا ہے۔ جب وہ غور کرتا ہے کہ **میرا خدا کیسا ہے**۔ اور دُنیا کی کامیابی خداشناسی کا ایک بہانہ ہو جاتا ہے ایسے آدمیوں کے لیئے یہ دُنیوی کامیابیاں حقیقی کامیابی کا (جس کو اسلام کی اصطلاح میں فلاح کہتے ہیں) ایک ذریعہ ہو جاتی ہیں۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ سچی خوشحالی سچی راحت دُنیا اور دُنیا کی چیزوں میں ہرگز نہیں ہے حقیقت یہی ہے کہ دُنیا کے تمام شعبے دیکھ کر بھی انسان سچا اور دائمی سرور حاصل نہیں کر سکتا۔ تم دیکھتے ہو کہ دولتمند زیادہ مال و دولت

---

۵۱ الحکم جلد ۵ نمبر ۲۳ تاریخ تقریر ۱۵ جنوری ۱۸۹۸ء

رکھنے والے ہر وقت خنداں رہتے ہیں مگر اُن کی حالت جرب یعنی خارش کے مریض کی سی ہوتی ہے جس کو کھجلانے سے راحت ملتی ہے لیکن اس خارش کا آخری نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ یہی کہ خون نکل آتا ہے۔ پس ان دُنیوی اور عارضی کامیابیوں پر اس قدر خوش مت ہو کہ حقیقی کامیابی سے دُور چلے جاؤ۔ بلکہ ان کامیابیوں کو خدا شناسی کا ایک ذریعہ قرار دو۔ اپنی ہمّت اور کوشش پر ناز مت کرو۔ اور مت سمجھو کہ یہ کامیابی ہماری کسی قابلیّت اور محنت کا نتیجہ ہے۔ بلکہ یہ سوچو کہ اس رحیم خدا نے جو کبھی کسی کی سچّی محنت کو ضائع نہیں کرتا ہے ہماری محنت کو بارور کیا۔ ورنہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ صدہا طالب علم آئے دن امتحانوں میں فیل ہوتے ہیں۔ کیا وہ سب کے سب محنت نہ کرنیوالے اور بالکل غبی اور بلید ہی ہوتے ہیں؟ نہیں بلکہ بعض ایسے ذکی اور ہوشیار ہوتے ہیں کہ پاس ہونیوالوں میں سے اکثر کے مقابلہ میں ہوشیار ہوتے ہیں! اسلیئے واجب اور ضروری ہے کہ ہر کامیابی پر مومن خدا تعالےٰ کے حضور سجدات شکر بجا لائے کہ اس نے محنت کو اکارت تو نہیں جانے دیا۔ اس شکر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا تعالےٰ سے محبّت بڑھیگی! اور ایمان میں ترقی ہوگی۔ اور نہ صرف یہی بلکہ اور بھی کامیابیاں ملیں گی۔ کیونکہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے۔ تو البتّہ میں نعمتوں کو زیادہ کروں گا۔ اور اگر کفران نعمت کرو گے تو یاد رکھو عذاب سخت میں گرفتار ہو گے +

اِس اصُول کو ہمیشہ مدنظر رکھّو۔ مومن کا کام یہ ہے کہ وہ کسی کامیابی پر جو اسے دیجاتی ہے شرمندہ ہوتا ہے اور خدا کی حمد کرتا ہے کہ اس نے اپنا فضل کیا۔ اور اِسطرح پر وہ قدم آگے رکھتا ہے۔ اور ہر ابتلا میں ثابت قدم رہکر انعام پاتا ہے۔ بظاہر ایک ہندو اور مومن کی کامیابی ایک رنگ میں مشابہ ہوتی ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ کافر کی کامیابی ضلالت کی راہ ہے اور مومن کی کامیابی سے اس کے لیئے نعمتوں کا دروازہ کھلتا ہے۔ کافر کی کامیابی اِس لیئے ضلالت کیطرف لیجاتی ہے کہ وہ خدا کی طرف رجوع نہیں کرتا بلکہ اپنی محنت دانش اور قابلیّت کو خدا بنا لیتا ہے۔ مگر مومن خدا کی طرف رجوع کرکے خدا سے ایک نیا تعارف پیدا کرتا ہے۔ اور اِس طرح پر ہر ایک کامیابی کے بعد اس کا خدا سے ایک نیا معاملہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور اس میں تبدیلی ہونے لگتی ہے اِن اللہ مع الذین اتقوا خدا اُن کے ساتھ ہوتا ہے جو متّقی ہوتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف میں تقویٰ کا لفظ بہت مرتبہ آیا ہے۔ اسکے معنے پہلے لفظ سے کیئے جاتے

ہیں یہاں مع کا لفظ آیا ہے یعنی جو خدا کو مقدم سمجھتا ہے خدا اُس کو مقدم رکھتا ہے اور دنیا میں ہر قسم کی ذلتوں سے بچا لیتا ہے میرا ایمان یہی ہے۔ کہ اگر انسان دنیا میں ہر قسم کی ذلت اور سختی سے بچنا چاہے تو اُس کے لئے ایک ہی راہ ہے کہ متقی بن جائے پھر اسکو کسی چیز کی کمی نہیں۔ پس مومن کی کامیابیاں اسکو آگے لیجاتی ہیں۔ اور وہ وہیں ہی نہیں ٹھیر جاتا +

اکثر لوگوں کے حالات کتابوں میں لکھے ہیں۔ کہ اوائل میں دُنیا سے تعلق رکھتے تھے اور شدید تعلق رکھتے تھے لیکن انہوں نے کوئی دُعا کی اور وہ قبول ہوگئی۔ اس کے بعد ان کی حالت ہی بدل گئی۔ اسلیئے اپنی دُعاؤں کی قبولیت اور کامیابیوں پر نازاں نہ ہو۔ بلکہ خدا کے فضل اور عنایت کی قدر کرو۔ قاعدہ ہے کہ کامیابی پر ہمت اور حوصلہ میں ایک نئی زندگی آجاتی ہے۔ اس زندگی سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ترقی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ سب سے اعلےٰ درجہ کی بات جو کام آنیوالی ہے وہ یہی معرفت الٰہی ہے اور یہ خدا تعالےٰ کے فضل و کرم پر غور کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا +

بہت تنگدستی بھی انسان کو مصیبت میں ڈال دیتی ہے۔ اسلیئے حدیث میں آیا ہے الفقر سواد الوجہ۔ ایسے لوگ خود میں نے دیکھے ہیں جو اپنی تنگدستیوں کی وجہ سے دہریہ ہوگئے ہیں مگر مومن کسی تنگی پر بھی خدا سے بدگمان نہیں ہوتا اور اس کو اپنی غلطیوں کا نتیجہ قرار دیکر اس سے رحم اور فضل کی درخواست کرتا ہے۔ اور جب وہ زمانہ گذر جاتا ہے اور اسکی دُعائیں بارور ہوتی ہیں۔ تو وہ اس عاجزی کے زمانہ کو بھولتا نہیں۔ بلکہ اسے یاد رکھتا ہے۔ غرض اگر اس پر ایمان ہے کہ اللہ تعالےٰ سے کام پڑنا ہے تو تقویٰ کا طریق اختیار کرو۔ مبارک وہ ہے جو کامیابی اور خوشی کے وقت تقویٰ اختیار کرلے۔ اور بدقسمت وہ ہے جو ٹھوکر کھا کر اس کی طرف نہ جھکے +

فرمایا۔[۵۱] تقویٰ والے پر خدا کی ایک تجلّی ہوتی ہے وہ خدا کے سایہ میں ہوتا ہے۔ مگر چاہیئے کہ تقویٰ خالص ہو اور اس میں شیطان کا کچھ حصّہ نہ ہو۔ ورنہ شرک خدا کو پسند نہیں اور اگر کچھ حصّہ شیطان کا ہو تو خدا تعالےٰ کہتا ہے کہ سب شیطان کا ہے۔ خدا کے پیارو

[۵۱] الحکم جلد ۵ نمبر ۲۳ تاریخ تقریر ۱۷ جون ۱۹۰۱ء +

کو جو دکھ آتا ہے وہ مصلحت الٰہی سے آتا ہے ورنہ ساری دنیا اکٹھی ہو جائے۔ تو اُن کو ایک ذرہ بھر تکلیف نہیں دے سکتی۔ چونکہ وہ دنیا میں نمونہ قائم کرنے کے واسطے ہیں اس واسطے ضروری ہوتا ہے۔ کہ خدا کی راہ میں تکالیف اٹھانے کا نمونہ بھی وہ لوگوں کو دکھائیں ورنہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ مجھے کسی بات میں اس سے بڑھ کر تردد نہیں ہوتا کہ اپنے ولی کی قبض روح کروں۔ خدا تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کے ولی کو کوئی تکلیف آوے مگر ضرورت اور مصالح کے واسطے وہ دکھ دیئے جاتے ہیں۔ اور اس میں خود اُن کے لئے نیکی ہے۔ کیونکہ ان کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء اللہ کے لئے تکلیف اس قسم کی نہیں ہوتی جیسی کہ یہود کو لعنت اور ذلت ہو رہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے غضب اور اسکی ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے۔ بلکہ انبیاء شجاعت کا ایک نمونہ قائم کرتے ہیں خدا تعالیٰ کو اسلام کے ساتھ کوئی دشمنی نہ تھی۔ مگر دیکھو جنگ احد میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے۔ اس میں یہی بھید تھا کہ آنحضرتؐ کی شجاعت ظاہر ہو جبکہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم دس ہزار کے مقابلہ میں اکیلے کھڑے ہو گئے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ ایسا نمونہ دکھانے کا کسی نبی کو موقعہ نہیں ملا ہم اپنی جماعت کو کہتے ہیں کہ صرف اتنے پر وہ مغرور نہ ہو جائے کہ ہم نماز روزہ کرتے ہیں یا موٹے موٹے جرائم مثلاً زنا چوری وغیرہ نہیں کرتے۔ ان خوبیوں میں تو اکثر غیر فرقہ کے لوگ مشرک وغیرہ تمہارے ساتھ شامل ہیں۔ **تقویٰ** کا مضمون باریک ہے اسکو حاصل کرو۔ خدا کی عظمت دل میں بٹھاؤ۔ جس کے اعمال میں کچھ بھی **ریاکاری** ہو خدا اس کے عمل کو واپس اُلٹا کر اس کے منہ پر مارتا ہے **متقی** ہونا مشکل ہے مثلاً اگر کوئی تجھے کہے کہ تو نے قلم چرایا ہے تو تو کیوں غصہ کرتا ہے۔ تیرا پرہیز تو محض خدا کے لئے ہے۔ یہ طیش اس واسطے ہوا کہ روبحق نہ تھا۔ جب تک واقعی طور پر انسان پر بہت سی موتیں نہ آجائیں وہ **متقی** نہیں بنتا معجزات اور الہامات بھی **تقویٰ** کی فرع ہیں اصل تقویٰ ہے۔ اسلئے تم الہامات اور رؤیا کے پیچھے نہ پڑو۔ بلکہ حصول تقویٰ کے پیچھے لگو جو متقی ہے اسی کے الہامات بھی صحیح ہیں۔ اور اگر تقوےٰ نہیں تو الہامات بھی قابل اعتبار نہیں ان میں شیطان کا حصہ ہو سکتا ہے کسی کے تقویٰ کو اس کے ملہم ہونے سے نہ پہچانو بلکہ اسکے الہاموں کو اسکی حالت تقویٰ سے جانچو اور اندازہ کرو۔ سب طرف سے آنکھیں بند کر کے پہلے تقویٰ کے منازل کو طے کرو۔

انبیاء کے نمونہ کو قائم رکھو۔ جتنے نبی آئے سب کا مدعا یہی تھا۔ کہ تقوی کا راہ سکھلائیں۔ ان اولیاؤہ الا المتقون۔ مگر قرآن شریف نے تقوی کی باریک راہوں کو سکھلایا ہے کمال نبی کا کمال اُمت کو چاہتا ہے۔ چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تھے اسلئے آنحضرتؐ پر کمالات نبوت ختم ہوئے۔ کمالات نبوت ختم ہونے کے ساتھ ہی ختم نبوت ہوا۔ جو خداتعالے کو راضی کرنا چاہے اور معجزہ دیکھنا چاہے۔ اور خارق عادت دیکھنا منظور ہو تو اسکو چاہیئے کہ وہ اپنی زندگی بھی خارق عادت بنالے۔ دیکھو امتحان دینے والے محنتیں کرتے کرتے مدقوق کی طرح بیمار اور کمزور ہو جاتے ہیں پس تقوی کے امتحان میں پاس ہونے کیلئے ہر ایک تکلیف اُٹھانے کیلئے طیار رہو جاؤ۔ جب انسان اس راہ پر قدم اُٹھاتا ہے تو شیطان اس پر بڑے بڑے حملے کرتا ہے لیکن ایک حد پر پہنچ کر آخر شیطان ٹھیر جاتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ جب انسان کی سفلی زندگی پر موت آکر وہ خدا کے زیر سایہ ہو جاتا ہے۔ وہ مظہر الٰہی اور خلیفۃ اللہ ہوتا ہے۔ مختصر خلاصہ ہماری تعلیم کا یہی ہے کہ انسان اپنی تمام طاقتوں کو خدا کی طرف لگادے +

حضرت مسیح کے بے باپ پیدا ہونے کے متعلق ذکر تھا۔ فرمایا:-

ہمارا ایمان اور اعتقاد یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ تھے اور اللہ تعالے کو سب طاقتیں ہیں نیچری جو یہ دعوی کرتے ہیں۔ کہ ان کا باپ تھا وہ بڑی غلطی پر ہیں۔ ایسے لوگوں کا خدا مُردہ خدا ہے ایسے لوگوں کی دُعا قبول نہیں ہوتی۔ جو یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالے کسی کو بے باپ پیدا نہیں کرسکتا ہم ایسے آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالے بنی اسرائیل کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ تمہاری حالتیں ایسی ردی ہو گئی ہیں کہ اب تم میں کوئی اس قابل نہیں جو نبی ہو سکے یا اُس کی اولاد میں سے کوئی نبی ہو سکے۔ اس واسطے آخری خلیفہ موسوی کو اللہ تعالیٰ نے بے باپ پیدا کیا اور اُن کو سمجھایا۔ کہ اب شریعت تمہارے خاندان سے گئی۔ اُسی کی مثل خدا تعالے نے آج یہ سلسلہ قائم کیا ہے کہ آخری خلیفہ محمدی یعنی مہدی و مسیح کو سیدوں میں سے نہیں بنایا۔ بلکہ فارسی الاصل لوگوں میں سے ایک کو خلیفہ بنایا۔ تاکہ یہ نشان ہو کہ نبوت محمدی کی گدی کے دعویداروں کی حالت تقوے اب کیسی ہے +

فرمایا۔ انبیا کا قاعدہ ہے کہ شخصی تدبر نہیں کرتے۔ نوع کے پیچھے پڑتے ہیں۔

جہاں تھی اندھیرائی وہاں جیتوں کامیابی نہ آئی۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ حال ہوا +

پورے مسلمان بنو سلہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ جب تم دُنیا سے بالکُل انقطاع کر کے اُسکی طرف آجاؤ گے وہ خود تمہارا متولّی اور متکفل ہو جائیگا۔ جو آدمی تبتل تام نہیں کرتا۔ بلکہ کچھ رُو بدُنیا رہتا ہے۔ اور کسی قدر رُو بخُدا بھی رہتا ہے وہ کبھی بھی مقصود اصلی کو حاصل نہیں کر سکتا اُسے نہ دین کی عزّت مل سکتی ہے نہ دنیا کی "۔ خدا تعالےٰ تم سے یہ چاہتا ہے کہ تم پُورے مسلمان بنو مسلمان کا لفظ ہی دلالت کرتا ہے کہ انقطاع کُلّی ہو۔ اللہ تعالےٰ نے مسلمان کو مسلمان پیدا کر کے لاانتہا فضل کیئے ہیں بشرطیکہ وہ غور کرے اور سمجھے ایک ہندو سے رامچندر کے خدا ہونے یا خدا تعالےٰ کے خالق ہونے پر بحث کرو اس وقت تمہیں ایک لذّت اور سرور آئیگا کہ تمہارا خدا کیسا قادر مطلق۔ محیی ممیت۔ خالق کُل شیئے خدا ہے۔ اور برخلاف اس کے جنہوں نے رامچندر جیسے کھانے پینے کے محتاج انسان کو خدا بنایا ہے۔ جب یہ کہیں گے کہ اس کی **بیوی** کو راون نکالکر لیگیا۔ تو کس قدر شرم اُس خدا کے ماننے والوں کو دامنگیر ہوگی۔ کہ عجیب خدا ہے جو اپنی بیوی کی بھی حفاظت نہیں کر سکا ایسا ہی آریہ جب اپنے خدا کی یہ صفت مخالف سے سنیگا۔ کہ اس نے ایک ذرہ بھی پیدا نہیں کیا۔ اور وہ اپنے کسی بڑے سے بڑے پریمی اور بھگت کو بھی کبھی نجات نہیں دے سکتا یا اس نے ایسی شریعت انسانوں کے لیئے بنائی کہ ایک مرد اپنی بیوی کو اولاد نہ ہونے کی صُورت میں دوسرے مرد سے اولاد پیدا کرنے کے واسطے ہمبستری کی اجازت دے سکتا ہے تو اُسے کیسا شرمندہ ہونا پڑیگا اگر اسمیں غیرت اور حیا کا کوئی مادہ باقی ہو۔ لیکن مسلمان کیسا خوش ہوگا اور اسکی اُمیدیں کیسی وسیع ہونگی۔ جب اپنے **خالق** کُل شے اور قدُّوس سبحان خدا کو پیش کرتا ہے

پس یاد رکھو۔ کہ خدا تعالےٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ابدا۔ اور ابرار کا نام ابد تک زندہ رہتا ہے۔ گذشتہ زمانہ کے بادشاہوں یہانتک کہ قیصر و کسرےٰ کا کوئی نام بھی نہیں لیتا۔ برخلاف اس کے خدا تعالےٰ کے راستبازوں اور برگزیدوں کی دُنیا مداح ہے +

دیکھو ہمارے رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی کس قدر عظمت دُنیا میں قائم ہے یہ ۹ کروڑ

سلہ الحکم جلد ۵ نمبر ۲۴ تاریخ تقریر جون سنہ ۱۹۰۱ء +

مسلمان آپکے نام لینے والے موجود ہیں جو ہر وقت آپ پر درود پڑھتے ہیں۔ کیا کوئی قیصر و کسریٰ پر بھی درود پڑھتا ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کس قدر عظمت ہورہی ہے یہاں تک کہ نادانوں نے اپنی جہالت اور کم مائیگی کی وجہ سے ان کو خدا بنا رکھا ہے ✦

اصل بات یہ ہے کہ رسولوں کا طبقہ مصائب اُٹھا کر دُنیا سے گذر گیا۔ مگر اُن کا خدا کے لیئے دنیا کے عیش و آرام کو چھوڑ کر طرح طرح کے آلام و مصائب کے بار کو اُٹھا لینا اُن کی عظمت کا باعث ہوگیا۔ یہ بات نہیں ہے کہ خدا کے محبوبوں کو تکالیف آتی ہیں۔ ان کی تکالیف میں ایک لطیف سر ہوتا ہے۔ ان پر اسلیئے سب سے زیادہ تکالیف اور مصائب نہیں آتی ہیں کہ تباہ ہوجائیں۔ بلکہ اسلیئے کہ تا زیادہ سے زیادہ پھل اور پھول میں ترقی کریں۔ دیکھو دُنیا میں ہر جوہر قابل کے لیئے خدا نے یہی قانون ٹھیرایا ہے۔ کہ اوّل وہ صدمات کا تختہ مشق بنایا جاتا ہے۔ کسان زمین میں ہل چلا کر اس کا جگر پھاڑتا ہے۔ اور اس مٹی کو باریک کرتا ہے یہاں تک کہ ہوا کے جھونکے اُسے ادھر اُدھر لیئے پھرتے ہیں۔ نادان خیال کریگا کہ زمیندار نے بڑی غلطی کی جو اچھی بھلی زمین کو خراب کردیا مگر عقلمند خوب سمجھتا ہے کہ جب تک زمین کو اس درجہ تک نہ پہنچایا جاوے وہ پھل پھول پیدا کرنے کی قابلیت کے جوہر نہیں دکھا سکتی۔ اسی طرح اس زمین میں بیج ڈال دیا جاتا ہے۔ جو خاک میں ملکر بالکل مٹی کے قریب ہوجاتا ہے لیکن کیا وہ دانے اسلیئے مٹی میں ڈالے جاتے ہیں کہ زمیندار ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے؟ نہیں نہیں وہ دانے اسکی نگاہ میں بہت ہی بیش قیمت ہیں۔ اسکی غرض ان کو مٹی میں گرانے سے صرف یہ ہے کہ وہ پھلیں اور پھولیں اور ایک ایک کی بجائے ہزار ہزار ہوکر نکلیں ✦

جبکہ ہر جوہر قابل کیلئے خدا نے یہی قانون رکھا ہے وہ اپنے خاص بندوں کو مٹی میں پھینک دیتا ہے۔ اور لوگ اُن کے اوپر چلتے ہیں۔ اور پیروں کے نیچے کچلتے ہیں۔ مگر کچھ وقت نہیں گذرتا کہ وہ اس سبزہ کی طرح (جو خس و خاشاک میں دبے ہوئے دانے سے نکلتا ہے) نکلتے ہیں۔ اور ایک عجیب رنگ اور آب کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں جو ایک دیکھنے والا تعجب کرتا ہے۔ یہی قدیم سے برگزیدہ لوگوں کے ساتھ سنّت اللہ ہے۔ کہ وہ ورطۂ عظیمہ میں ڈالے جاتے ہیں لیکن نہ اس لیئے کہ غرق کیئے جائیں۔ بلکہ اسلیئے کہ ان موتیوں کے وارث ہوں۔ جو

دریائے وحدت کی تہ میں ہیں۔ وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں۔ نہ اسلیئے کہ جلائے جائیں بلکہ اس غرض کیلیئے کہ خدا تعالٰے کی قدرت کا تماشا دکھایا جاوے۔ غرض اُن سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے اور ہنسی کی جاتی ہے۔ اُن پر لعنت کرنا ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا تعالٰے اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ اور اپنی نصرت دکھاتا ہے۔ اُس وقت دُنیا کو ثابت ہو جاتا ہے۔ اور غیرت الٰہی اُس غریب کیلیئے جوش مارتی ہے۔ اور ایک ہی تجلی میں عدا کو پاش پاش کر دیتی ہے۔ سو اوّل نوبت دشمنوں کی ہوتی ہے۔ اور آخر اُسکی باری آتی ہے۔ اسکی طرف خدا تعالٰے نے اشارہ فرمایا ہے والعاقبۃ عند ربك للمتقین پھر خدا تعالٰی کے ماموروں پر مصائب اور مشکلات کے آنے کا ایک یہ بھی سر ہوتا ہے۔ تا اُنکے اخلاق کے نمونے دُنیا کو دکھائے جاویں۔ اور اُس عظیم الشان بات کو دکھائے۔ جو ایک معجزہ کے طور پر نہیں ہوتی ہے۔ وہ کیا؟

استقامت

استقامت ایک ایسی چیز ہے کہ کہتے ہیں کہ الاستقامۃ فوق الکرامۃ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں یہ استقامت ہی تو تھی کہ خواب میں حکم ہوا کہ تو بیٹا ذبح کر حالانکہ خواب کی تعبیر اور تاویل بھی ہو سکتی تھی۔ مگر خدا تعالٰے پر ایسا ایمان اور دل میں ایسی قوت اور ایسی استقامت ہے کہ یہ حکم پاتے ہی معاً تعمیل کے واسطے طیار ہو گئے۔ اور اپنے ہاتھ سے نوجوان بیٹے کو ذبح کرنے لگے۔ آجکل اگر کسی کا بچہ امراض میں مُبتلا رہ کر مر جاوے۔ تو خدا تعالٰے کی نسبت ہزار شکوک پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور شکوہ و شکایت کیلیئے زبان کھولتے ہیں لیکن ایک ابراہیم ہے کہ بیٹے کی محبت کو کچل ڈالا اور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کو طیار ہو گیا۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کو خدا تعالٰے کبھی ضائع نہیں کرتا۔ ایسے آدمیوں کے کلمات طیبات قرار دیئے جاتے ہیں۔ اور اُن کو ذریعہ دُعا اُن کے کپڑوں کو متبرک قرار دیا جاتا ہے۔ یاد رکھو مومنوں کا ایلام برنگ انعام ہو جاتا ہے۔ اور اس سے عوام کو حصہ نہیں دیا جاتا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ۱۳ سالہ زندگی جو مکہ میں گذری۔ اُس میں جس قدر مصائب اور مشکلات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر آئیں۔ ہم تو اُن کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ دل کانپ اُٹھتا ہے۔ جب اُن کا تصور کرتے ہیں۔ اس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عالی حوصلگی فراخ دلی استقلال اور عزم و استقامت کا پتہ ملتا ہے کیسا کوہ وقار انسان ہے کہ مشکلات کے پہاڑ ٹوٹے پڑتے ہیں۔ مگر اُس کو ذرہ

بھی جنبش نہیں دے سکتے وہ اپنے منصب کے ادا کرنے میں ایک لمحہ سُست اور غمگین نہیں ہُوا وہ مشکلات اُس کے ارادے کو تبدیل نہیں کرسکتیں بعض لوگ غلط فہمی سے کہہ اُٹھتے ہیں کہ آپ تو خدا کے حبیب مصطفےٰ اور مجتبےٰ تھے۔ پھر یہ مصیبتیں اور مشکلات کیوں آئیں؟ میں کہتا ہوں کہ پانی کیلئے جب تک زمین کو کھودا نہ جاوے۔ اُس کا جگر پھاڑا نہ جاوے وہ کب نکل سکتا ہے۔ کتنے گز گہرا زمین کو کھودتے چلے جائیں۔ تب کہیں جاکر خوشگوار پانی نکلتا ہے جو مائۂ حیات ہوتا ہے۔ اسطرح وہ لذّت جو خدا تعالیٰ کی راہ میں استقلال اور ثبات قدم کے دکھانے سے نہیں ملتی۔ جب تک اُن مشکلات اور مصائب میں سے ہوکر انسان نہ گذرے وہ لوگ جو اس کوچہ سے بے خبر ہیں۔ وہ ان مصائب کی لذّت سے کب آشنا ہوسکتے ہیں۔ اور کب اُسے محسوس کرسکتے ہیں۔ انہیں کیا معلوم ہے کہ جب آپ کو کوئی تکلیف پہنچتی تھی اندر سے ایک سرور اور لذّت کا چشمہ پھوٹ نکلتا تھا۔ خدا تعالےٰ پر توکّل اُسکی محبت اور نصرت پر ایمان پیدا ہوتا تھا +

محبت ایک ایسی شئے ہے کہ وہ سب کچھ کرا دیتی ہے۔ ایک شخص کسی پر عاشق ہوتا ہے۔ تو معشوق کیلئے کیا کچھ نہیں کرگزرتا۔ ایک عورت کسی پر عاشق تھی۔ اُس کو کھینچ کھینچ کر لاتے تھے۔ اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے ماریں کھاتی تھی۔ مگر وہ کہتی تھی۔ کہ مجھے لذّت ملتی ہے +

جبکہ جھوٹی محبتوں فسق و فجور کے رنگ میں جلوہ گر ہونیوالے عشق میں مصائب اور مشکلات کے برداشت کرنے میں ایک لذّت ملتی ہے تو خیال کرو کہ وہ جو خدا تعالےٰ کا عاشق زار ہو اُسکے آستانۂ الوہیت پر نثار ہونے کا خواہشمند ہو وہ مصائب اور مشکلات میں کس قدر لذّت پا سکتا ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حالت دیکھو مکّہ میں اُن کو کیا کیا تکلیفیں پہنچیں بعض اُن میں سے پکڑے گئے قسم قسم کی تکلیفوں اور عقوبتوں میں گرفتار ہُوئے مرد تو مرد بعض مسلمان عورتوں پر اس قدر سختیاں کی گئیں۔ کہ اُن کے تصوّر سے بدن کانپ اُٹھتا ہے۔ اگر وہ مکّہ والوں سے ملجاتے تو اُس وقت بظاہر وہ اُن کی بڑی عزّت کرتے کیونکہ وہ اُن کی برادری ہی تو تھے۔ مگر وہ کیا چیز تھی جس نے اُن کو مصائب اور مشکلات کے طوفان میں بھی حق پر قائم رکھا وہ وہی لذّت اور سرور کا چشمہ تھا۔ جو حق سے پیار کی وجہ سے

از الحکم ۱۰ جولائی ۱۹۱۷ء

اُن کے سینوں سے پھُوٹ نکلتا تھا ؎

ایک صحابی کی بابت لکھا ہے کہ جب اُس کے ہاتھ کاٹے گئے تو اُس نے کہا۔ کہ میں وضو کرتا ہوں آخر لکھا ہے۔ کہ سر کاٹو تو سجدہ کرتا ہوا مر گیا۔ اُس وقت اُس نے دعا کی کہ یا اللہ حضرت کو خبر پہنچا دے۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُس وقت مدینہ میں تھے جبرئیل نے جا کر السلام علیکم کہا اور آپ نے علیکم السلام کہا اور اس واقعہ پر اطلاع ملی۔ غرض اس لذّت کے بعد جو خدا تعالےٰ میں ملتی ہے ایک کیڑے کی طرح کُچل کر مر جانا منظور ہوتا ہے۔ اور مومن کو سخت سے سخت تکالیف بھی آسان ہی ہوتی ہیں سچ پوچھو مومن کی نشانی ہی یہی ہوتی ہے۔ کہ وہ مقتُول ہونے کیلئے طیار رہتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو کہدیا جاوے کہ یا نصرانی ہو جا یا قتل کر دیا جائیگا اُس وقت دیکھنا چاہیئے کہ اُس کے نفس سے کیا آواز آتی ہے۔ آیا وہ مرنے کیلئے سر رکھ دیتا ہے۔ یا نصرانی ہونے کو ترجیح دیتا ہے۔ اگر مرنے کو ترجیح دیتا ہے تو وہ مومن حقیقی ہے۔ ورنہ کافر ہے۔ غرض ان مصائب میں جو مومنوں پر آتے ہیں۔ اندر ہی اندر ایک لذت ہوتی ہے بھلا سوچو تو سہی کہ اگر یہ مصائب لذت نہ ہوتے تو انبیاء علیہم السلام اُن مصائب کا ایک دراز سلسلہ کیونکر گذارتے ؎

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کلّی زندگی ایک عجیب نمونہ ہے۔ اور ایک پہلو سے ساری زندگی ہی تکلیفات میں گذری۔ جنگ اُحد میں آپ اکیلے ہی تھے لڑائی میں حضُور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی نسبت رسُول اللہ ظاہر کرنا آپ کی کس درجہ کی شوکت جرأت اور استقامت کو بتاتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ انسان جب تک اس کوچہ میں داخل نہ ہو اُسے لذّت ہی نہیں آتی یہ ایک ایسی لذت ہے جس کی طرف خدا تعالیٰ ہر مومن کو بُلاتا ہے جس طرح اور لذتوں کا مزا چکھتے ہو اس کا بھی مزا چکھو۔ اور تلاش کرنے والے پا لیتے ہیں۔ اس طرف سے اگر تکاہل اور تساہل ہوگا۔ تو اُدھر سے بھی حرکت نہ ہوگی۔ ادھر سے مجاہدہ ہوگا۔ تو اُدھر سے بھی حرکت ہوگی۔ مجاہدہ ایک ایسی شئے ہے کہ اُس کے بدون انسان کسی ترقی کے بلند مقام کو پا نہیں سکتا خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا جو لوگ ہم میں ہو کر مجاہدہ کرتے ہیں۔ ہم اُن پر اپنی راہیں کھول دیتے ہیں ؎

غرض مجاہدہ کرو۔ اور خدا میں ہو کر کرو۔ تاکہ خدا کی راہیں تم پر کھُلیں۔ اور اُن راہوں پر چلکر تم اُس لذّت کو حاصل کر سکو جو خدا میں ملتی ہے۔ اس مقام پر مصائب اور مشکلات کی

کچھ حقیقت نہیں رہتی۔ یہ وہ مقام ہے جس کو قرآن شریف کی اصطلاح میں شہید کہتے ہیں لوگوں نے شہید کے معنے صرف یہی سمجھ رکھے ہیں۔ کہ کسی کافر یا غیر مسلم کے ساتھ جنگ کی اور اس میں مارے گئے تو بس شہید ہو گئے۔ اگر اتنے ہی معنے شہید کے لئے جاویں تو پھر مخالفوں کو بہت بڑی گنجائش اعتراض کی رہتی ہے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں اور آریوں نے اسلام کو تلوار کے ذریعہ سے پھیلنے والا مذہب قرار دیا ہے۔ اگرچہ ان لوگوں کی سخت نادانی ہے۔ کہ وہ بدون دریافت کئے اصل منشاء کے اعتراض کر دیتے ہیں۔ مگر ہم کو تو ان معترضین پر بھی افسوس ہے جنہوں نے قرآن شریف کے حقائق کو پیش نہیں کیا۔ اور خیالی افسانے اور مصنوعی قصے بیان کر کے اسلام کے پاک اور خوشنما چہرہ پر ایک پردہ ڈال دیا ہے مگر خدا تعالیٰ نے جو خود اسلام کا محافظ اور ناصر ہے وہ اب چاہتا ہے۔ کہ اسلام کا پاک اور درخشاں چہرہ دکھایا جاوے چنانچہ یہ سلسلہ جو اس نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے۔ اسی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ الٰہی نصرت کا وقت آپہنچا۔ اور اسلام کی عزت اور جلال کے دن آگئے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی تائیدیں اور نصرتیں جو ہمارے شامل حال ہیں۔ یہ آج کسی مذہب کے پیرو کو نصیب نہیں اور ہم دعوے سے کہتے ہیں۔ کہ کیا کوئی اہل مذاہب ہے جو اسلام کے سوا اپنے مذہب کی حقانیت پر تائیدی اور سماوی نشان پیش کر سکے۔ خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ جو قائم کیا ہے۔ یہ اس حفاظت کے وعدہ کے موافق ہے جو اس نے انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون میں کیا ہے +

میرا مطلب یہ تھا کہ شہید کے معنے صرف یہی نہیں کہ غیر مسلم کے ساتھ جنگ کر کے مر جانیوالا شہید ہوتا ہے۔ ان معنوں نے ہی اسلام کو بدنام کیا۔ اور اب بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اکثر سرحدی نادان مسلمان بیگناہ انگریزوں کو قتل کرنے میں ثواب سمجھتے ہیں چنانچہ آئے دن ایسی وارداتیں سننے میں آتی ہیں پچھلے دنوں کسی سرحدی نے لاہور میں ایک میم کو قتل کر دیا تھا۔ ان احمقوں کو اتنا معلوم نہیں کہ یہ شہادت نہیں بلکہ قتل بیگناہ ہے۔ اسلام کا یہ منشاء نہیں ہے کہ وہ فتنہ وفساد برپا کرے۔ بلکہ اسلام کا مفہوم ہی صلح اور آشتی کو چاہتا ہے۔ اسلامی جنگوں پر اعتراض کرنے والے اگر یہ دیکھ لیتے کہ ان میں کیسے احکام

جاری ہوتے تھے۔ تو وہ حیران رہ جاتے۔ بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ جزیہ دینے والوں کو چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اور اُن جنگوں کی بنا دفاعی اصول پر تھی ✦

ہمارے نزدیک جو جاہل پٹھان اس طرح پر بیگناہ انگریزوں پر پڑتے ہیں۔ اور اُن کو قتل کرتے ہیں۔ وہ ہرگز شہادت کا درجہ نہیں حاصل کرتے بلکہ وہ قاتل ہیں۔ اور اُن کے ساتھ قاتلوں کا سا سلوک ہونا چاہیئے؟ تو شہید کے معنے یہ ہیں۔ کہ اس مقام پر اللہ تعالےٰ ایک خاص قسم کی استقامت مومن کو عطا کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں ہر مصیبت اور تکلیف کو ایک لذّت کے ساتھ برداشت کرنے کے لئے طیار ہو جاتا ہے پس اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم میں منعم علیہ گروہ میں سے شہیدوں کا گروہ بھی ہے۔ اور اس سے یہی مُراد ہے کہ استقامت عطا ہو جو جان تک دینے میں بھی قدم کو ہلنے نہ دے ✦

(۱۹ جنوری ۱۸۹۸ء بعد مغرب)

عیسائیوں کا فتنہ[1] **اُمّ الفتن** ہے۔ اس لئے چودھویں صدی کے مجدد کا کام **یکسر الصلیب** ہے۔ پھر چونکہ علامت اس پر صادق آئی اسلئے چودھویں صدی کا مجدد **مسیح موعود** قرار پایا۔ کیونکہ احادیث سے مسیح موعود کا کام یکسر الصلیب ثابت ہوتا ہے اب جبکہ ہمارے مخالفوں کو بھی ماننا پڑتا ہے کہ چودھویں صدی کے مجدد کا کام یکسر الصلیب ہی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اُس کے سامنے یہی مصیبت ہے۔ پھر انکار کے لیئے کونسی گنجائش ہے۔ کہ **مسیح موعود** چودھویں صدی کا مجدد ہی ہوگا۔ ہماری توجہ اُن لوگوں کی طرف ہے جن کو حق کی پیاس ہے۔ لیکن جو حق کی تلاش نہیں چاہتے جن کی طبیعتیں معکوس ہیں وہ ہم سے کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ یاد رکھو ہدایت تو اُس کو ہوتی ہے جو تعصب سے کام نہیں لیتے۔ وہ لوگ فائدہ نہیں اُٹھاتے جو تدبّر نہیں کرتے۔ پس طالب ہدایت سمجھ لے کہ موجودہ حالتوں میں چودھویں صدی کے مجدد کا یہ کام ہے کہ کسر صلیب کرے۔ کیونکہ صلیبی فتنہ خطرناک پھیلا ہوا ہے۔ اسلام ایسا دین تھا۔ کہ اگر ایک بھی اُس سے مُرتد ہو جاتا تو قیامت برپا ہو جاتی تھی لیکن اب کس قدر افسوس ہے کہ مُرتد ہونیوالوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ اور وہ لوگ جو مسلمانوں

[1] الحکم جلد ۵ ص۲۶ تاریخ تقریر ۱۹ جنوری ۱۸۹۸ء ✦

گھر میں پیدا ہوئے تھے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کامل انسان کی نسبت جس کی پاک باطنی کی کوئی نظیر دُنیا میں موجود نہیں قسم قسم کے دل آزار بُہتان لگارہے ہیں۔ کروڑوں کتابیں اُس سید المعصومین کی تکذیب میں اس گروہ کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں بہت سے مستقل ہفتہ وار اور ماہوار اخبار اور رسالے اس غرض کیلئے جاری کر رکھے ہیں۔ پھر کیا ایسی حالت میں خدا تعالےٰ کوئی مجدد نہ بھیجتا ؟ اور پھر اگر کوئی مجدد آتا تو تم ہی خدا کے واسطے سوچ کر بتاؤ کہ کیا اُس کا کام یہ ہونا چاہیئے کہ وہ رفع یدین کے جھگڑے کرے یا آمین بالجہر پر لڑتا مرتا پھرے ؟

غور تو کرو جو مرض وبا کی طرح پھیل رہا ہے۔ طبیب اُس کا علاج کریگا۔ نہ کسی اور مرض کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی حد ہو چکی لکھا ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین اپنی ماں سے سُنکر اُس کو مار دیا تھا۔ یہ غیرت اور حمیت تھی مسلمانوں کی۔ مگر آج یہ حال ہو گیا ہے کہ توہین کی کتابیں پڑھتے اور سُنتے ہیں غیرت نہیں آتی اور اتنا نہیں ہو سکتا کہ اُن سے نفرت ہی کریں بلکہ اُلٹا جس شخص کو خدا نے خاص اس فتنہ کی اصلاح کے لیئے بھیجا ہے۔ اور جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور جلال کے لیئے خاص قسم کی غیرت لے کر آیا ہے۔ اُس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اس پر ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں خدا تعالےٰ ہی ان لوگوں کو بصیرت کی آنکھ دے۔ آمین

اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں ایک سُورۃ بھیج کر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قدر اور مرتبہ ظاہر کیا ہے۔ اور وہ سورۃ ہے الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل۔ ان کے ساتھ کیا کیا یعنی اُن کا مکر اُلٹ کر اُن پر ہی مارا اور چھوٹے چھوٹے جانور اُن کے مارنے کیلئے بھیجدیئے۔ ان جانوروں کے ہاتھوں میں کوئی بندوقیں نہ تھیں بلکہ مٹی تھی سجیل بھیگی ہوئی مٹی کو کہتے ہیں اس سُورہ شریفہ میں اللہ تعالےٰ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ قرار دیا ہے۔ اور اصحاب الفیل کے واقعہ کو پیش کر کے آپ کی کامیابی اور تائید اور نصرت کی پیشگوئی کی ہے +

یعنی آپ کی ساری کارروائی کو برباد کرنے کیلئے جو سامان کرتے ہیں۔ اور تدابیر عملمیں

یہ سورۃ اس حالت کی پیشگوئی ہے کہ جب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم مصائب اور دکھ اٹھا رہے تھے اللہ تعالےٰ نے اس حالت میں آنحضرت کو تسلی دی کہ میں تیرا مؤید و ناصر ہوں اس میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے اصحاب الفیل

لاتے ہیں۔ اُن کے تباہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ اُن کی ہی تدبیروں کو اور کوششوں کو اُلٹا کر دیتا ہے۔ کسی بڑے سامان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے ہاتھی والوں کو چڑیوں نے تباہ کر دیا ایسا ہی یہ پیشگوئی قیامت تک جائیگی۔ جب کبھی کوئی اصحاب الفیل پیدا ہوگا تب ہی اللہ تعالیٰ اُن کے تباہ کرنے کیلئے اُن کی کوششوں کو خاک میں ملا دینے کے سامان کر دیتا ہے +

پادریوں کا اصول یہی ہے اُن کی چھاتی پر اسلام ہی پتھر ہے ورنہ باقی تمام مذاہب اُنکے نزدیک نامرد ہیں ہندو بھی عیسائی ہو کر اسلام کے ہی ردّ میں کتابیں لکھتے ہیں رامچندر اور ٹھاکر داس نے اسلام کی تردید میں اپنا سارا زور لگا کر کتابیں لکھی ہیں بات یہ ہے کہ ان کا کانشنس کہتا ہے کہ اُن کی ہلاکت اسلام ہی سے ہے طبعی طور پر خوف اُن کا ہی پڑتا ہے جن کے ذریعہ ہلاکت ہوتی ہے۔ ایک مرغی کا بچہ بلّی کو دیکھتے ہی چلانے لگتا ہے۔ اسی طرح پر مختلف مذاہب کے پیرو عموماً اور پادری خصوصاً جو اسلام کی تردید میں زور لگا رہے ہیں۔ یہ اسی لئے ہے کہ اُن کو یقین ہے بلکہ اندر ہی اندر اُن کا دل اُن کو بتاتا ہے کہ اسلام ہی ایک مذہب ہے جو ملل باطلہ کو پیس ڈالیگا +

اس وقت اصحاب الفیل کی شکل میں اسلام پر حملہ کیا گیا ہے مسلمانوں کی حالت میں بہت کمزوریاں ہیں اسلام غریب ہے۔ اور اصحاب فیل زور میں ہیں مگر اللہ تعالیٰ وہی نمونہ پھر دکھانا چاہتا ہے چڑیوں سے وہی کام لیگا ہماری جماعت اُن کے مقابلہ میں کیا ہے۔ اُن کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ اُن کے اتفاق اور طاقت اور دولت کے سامنے نام بھی نہیں رکھتے لیکن ہم اصحاب الفیل کا واقعہ سامنے دیکھتے ہیں۔ کہ کیسی تسلّی کی آیات نازل فرمائی ہیں + مجھے بھی یہی الہام ہوا ہے۔ جس سے صاف صاف پایا جاتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی نصرت اور تائید اپنا کام کرکے رہیگی۔ ہاں اس پر وہی یقین رکھتے ہیں جن کو قرآن سے محبت ہے اگر قرآن سے محبت نہیں اسلام سے اُلفت نہیں وہ ان باتوں کی کب پرواہ کر سکتا ہے اسلام اور ایمان یہی ہے کہ خدا کی رائے سے رائے ملائے۔ جو اسلام کی عزّت اور غیرت نہیں کرتا خواہ وہ کوئی ہو خدا کو اُسکی عزّت اور اُسکی غیرت کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اور وہ دیندار مسلمان نہیں۔ خدا کی باتوں کو غنیمت سمجھو اور اُن لوگوں کو قابل رحم سمجھو جنہوں نے تعصب کی وجہ سے حق کا انکار کر دیا اور کہدیا کہ امن کے زمانہ میں کسی کے آنے کی کیا ضرورت ہے۔ افسوس اُن پر وہ نہیں دیکھتے کہ اسلام کس طرح دشمنوں

کے نرغہ میں پھنسا ہوا ہے چاروں طرف سے اس پر حملہ پر حملہ ہو رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی جاتی ہے۔ پھر بھی کہتے ہیں کہ کسی کی ضرورت نہیں +

اپنی جماعت کو کچھ نصیحتیں[۱] بجائے خود مرض طاعون عذاب شدید ہے دوسرا قانون اس پر سخت ہے*۔ جو دوسرا عذاب ہے۔ اور مرض بھی بڑھ کر ہے۔ عورت ہو یا بچہ ہو الگ کیا جاتا ہے اور گھر کو خالی کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس مرض اور اس کے قانون پر غور کر کے میرے دل میں ایک درد پیدا ہوا اور میں نے تہجد میں اُس کے متعلق دُعا کی تو الہام ہوا۔ ان اللّٰہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔ اب خیال ہوتا ہے کہ وہ الہام جو ہوا تھا کہ **کون کہہ سکتا اے بجلی آسمان سے مت گر** شاید اسی کے متعلق ہو۔ میں تمہیں یہ سمجھانا چاہتا ہوں۔ کہ جو لوگ قبل از نزول بلا دُعا کرتے ہیں۔ اور استغفار کرتے اور صدقات دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اُن پر رحم کرتا ہے اور عذاب الٰہی سے اُن کو بچا لیتا ہے۔ میری ان باتوں کو قصہ کے طور پر نہ سُنو۔ میں نصحاً للّٰہ کہتا ہوں اپنے حالات پر غور کرو۔ اور آپ بھی اور اپنے دوستوں کو بھی دُعا میں لگجانے کے لیئے کہو۔ **استغفار** عذاب الٰہی اور مصائب شدیدہ کے لیئے سپر کا کام دیتا ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ ما کان اللّٰہ لیعذبھم وھم یستغفرون۔ اسلیئے اگر تم چاہتے ہو کہ اس عذاب الٰہی سے تم محفوظ رہو تو استغفار کثرت سے پڑھو +

گورنمنٹ کو اختیار ہوگا کہ مبتلا اشخاص کو علیحدہ رکھا جائے۔ گویا وہ لوگ جو علیحدہ کیئے جاویں گے قبروں ہی میں ہونگے۔ امیر و غریب مرد و عورت بوڑھے جوان کا کوئی لحاظ نہ کیا جاوے گا اسلیئے خدانخواستہ اگر کسی ایسی جگہ طاعون پھیلے جہاں تم میں سے کوئی ہو تو میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ **گورنمنٹ کے قوانین کی سب سے پہلے اطاعت کرنیوالے تم ہو۔**

اکثر مقامات میں سُنا گیا ہے کہ پولیس والوں سے مقابلہ ہوا۔ میرے نزدیک گورنمنٹ کے قوانین کے خلاف کرنا بغاوت ہے جو خطرناک جرم ہے۔ ہاں گورنمنٹ کا بے شک یہ فرض ہے کہ وہ ایسے افسر مقرر کرے جو خوش اخلاق۔ متدین اور ملک کے رسم و رواج اور مذہبی پابندیوں سے آگاہ ہوں۔ غرض تم خود اُن قوانین پر عمل کرو۔ اور اپنے دوستوں اور ہمسایوں کو اُن قوانین کے فوائد سے آگاہ کرو۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ دعاؤں کا وقت یہی ہے معلوم ہوتا ہے اس دبانے

* یہ قانون اب نہیں رہا۔ بلکہ اس میں ترمیم ہو چکی ہے۔

[۱] الحکم جلد ۵ نمبر ۳ تاریخ تقریر ۲۱ جنوری سنہ ۱۸۹۸ء +

پنجاب کا رخ کرلیا ہے۔ اسلیئے ضروری ہے کہ ہر ایک متنبہ اور بیدار ہو کر دُعا کرے اور توبہ کرے قرآن شریف کا منشا یہ ہے۔ کہ جب عذاب سر پر آپڑے پھر توبہ عذاب سے نہیں چھڑا سکتی۔

اسلیئے اس سے پیشتر کہ عذاب الٰہی آکر توبہ کا دروازہ بند کردے توبہ کرو۔ جب کہ دنیا کے قانون سے اس قدر ڈر پیدا ہوتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے قانون سے نہ ڈریں جب بلا سر پہ آپڑے تو اس کا مزہ چکھنا ہی پڑتا ہے۔ چاہیئے کہ ہر ایک شخص تہجد میں اُٹھنے کی کوشش کرے اور پانچ وقت کی نمازوں میں بھی قنوت ملا دیں۔ ہر ایک خدا کو ناراض کرنے والی باتوں سے توبہ کریں۔ توبہ سے یہ مراد ہے کہ ان تمام بدکاریوں اور خدا کی نارضامندی کے باعثوں کو چھوڑ کر ایک سچی تبدیلی کریں۔ اور آگے قدم رکھیں اور تقوےٰ اختیار کریں۔ اسمیں بھی خدا کا رحم ہوتا ہے۔ عادات انسانی کو شائستہ کریں۔ غضب نہ ہو تواضع اور انکسار اس کی جگہ لیلے اخلاق کی درستی کے ساتھ اپنے مقدور کے موافق صدقات کا دینا بھی اختیار کرو۔ یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا الخ یعنی خدا کی رضا کیلئے مسکینوں اور یتیموں اور اسیروں کو کھانا دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ خاص اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے ہم دیتے ہیں۔ اور اس دن سے ہم ڈرتے ہیں جو نہایت ہی ہولناک ہے ؀

قصہ مختصر دعا سے توبہ سے کام لو اور صدقات دیتے رہو تا کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم کے ساتھ تم سے معاملہ کرے ؀

اخلاقی حالت ایسی درست ہو کہ کسی کو نیک نیتی سے سمجھانا اور غلطی سے آگاہ کرنا ایسے وقت پر ہو کہ اسے بُرا نہ معلوم نہ ہو کسی کو استخفاف کی نظر سے نہ دیکھا جاوے۔ دلشکنی نہ کیجاوے جماعت میں باہم جھگڑے فساد نہوں دینی غریب بھائیوں کو کبھی حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھو مال و دولت یا نسبی بزرگی پر بیجا فخر کر کے دوسروں کو ذلیل اور حقیر نہ سمجھو خدا تعالےٰ کے نزدیک مکرم وہی ہے جو متقی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم دوسروں کے ساتھ بھی پورے اخلاق سے کام لینا چاہئے جو بد اخلاقی کا نمونہ ہوتا ہے۔ وہ بھی اچھا نہیں ہماری جماعت کے ساتھ لوگ مقدمہ بازی کا صرف بہانہ ہی ڈھونڈتے ہیں۔ لوگوں کے لیئے ایک طاعون ہے ہماری جماعت کیلیئے دو طاعون ہیں۔ اگر کوئی جماعت میں سے ایک شخص بُرائی کریگا تو اس ایک سے ساری جماعت پر حرف آویگا۔ دانشمندی حلم اور درگذر کے ملکہ کو بڑھاؤ۔ نادان سے نادان کی باتوں کا جواب بھی متانت اور سلامت روی سے دو۔ یاوہ گوئی کا جواب یاوہ گوئی

میں جانتا ہوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں بھی کچھ ایسی ہی حکمت عملی تھی کہ اگر ایسا نہ کرتے تو روز ماریں کھاتے پھرتے۔ رومیوں کی سلطنت تھی یہود کے فقیہہ اور فریسی اس کے مقرب تھے اس وقت اگر وہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا گال نہ پھیرتے تو روز ماریں کھایا کرتے اور روز مقدمے ہوتے باوجودیکہ وہ ایسی نرم تعلیم دیتے تھے پھر بھی یہود انھیں دم نہ لینے دیتے تھے۔ اس وقت کی موجودہ حالت انجیلی کی تعلیم ہی کو چاہتی ہوگی۔ اس وقت ہماری جماعت کی حالت بھی قریباً ویسی ہی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ مارٹین کلارک عیسائی کے مقدمہ میں محمد حسین نے بھی اُسی کی گواہی دی۔ اب سمجھ لو کہ قوم سے بھی کوئی اُمید نہیں ہے رہی گورنمنٹ اسکو بھی بدظن کیا جاتا ہے۔ اور گورنمنٹ کسی حد تک معذور بھی ہے۔ اگر خدانخواستہ وہ بدظن ہو کیونکہ عالم الغیب نہیں ہے۔ اسلئے ہم کو اکثر مرتبہ گورنمنٹ کے حضور خاص طور پر میموریل بھیجنے پڑے۔ اور اپنے حالات سے خود اسکو مطلع کرنا پڑا۔ تاکہ اسکو صحیح اور سچے واقعات کا علم ہو۔ مناسب ہے کہ ان ابتلا کے دنوں میں اپنے نفس کو مار کر تقوے اختیار کریں۔ میری غرض ان باتوں سے یہی ہے کہ تم نصیحت اور عبرت پکڑو ✦

دنیا فنا کا مقام ہے آخر مرنا ہے۔ خوشی دین کی باتوں میں ہے۔ اصلی مقصد تو دین ہی ہے ✦

رمض سورج کی تپش کو کہتے ہیں رمضان میں چونکہ انسان اکل وشرب اور تمام جسمانی لذتوں پر صبر کرتا ہے دوسرے اللہ تعالےٰ کے احکام کیلئے ایک حرارت اور جوش پیدا کرتا ہے رُوحانی اور جسمانی حرارت اور تپش ملکر رمضان ہوا اہل لغت جو کہتے ہیں کہ گرمی کے مہینہ میں آیا۔ اسلئے رمضان کہلایا میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عرب کیلئے یہ خصوصیت نہیں ہو سکتی رُوحانی رمض سے مراد رُوحانی ذوق وشوق اور حرارت دینی ہوتی ہے رمض رمض اس حرارت کو بھی کہتے ہیں جس سے پتھر وغیرہ گرم ہو جاتے ہیں ✦

مذہب کی اوّل اینٹ خدا شناسی ہے[۵۴] مذہب کی اوّل اینٹ خداشناسی ہے جب تک وہ درست نہ ہو دوسرے اعمال کیونکر پاک ہو سکتے ہیں عیسائی دوسروں کی پاک باطنی پر بڑے اعتراض کیا کرتے ہیں۔ اور کفارہ کا اخلاق سوز مسئلہ مان کر اعتراض کرتے ہیں میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب کفارہ کا عقیدہ ہو تو اللہ تعالےٰ کے مواخذہ

[۵۴] الحکم جلد ۲ نمبر ۳۸ تاریخ تقریر ۱۹ جنوری ۱۸۹۸ء ✦

کا خوف رہ کیونکر سکتا ہے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہمارے گناہوں کے بدلے میں مسیح پر سب کچھ وارد ہوگیا یہاں تک کہ اسے ملعون قرار دیا اور تین دن ہاویہ میں رکھا۔ ایسی حالت میں اگر گناہوں کے بدلے سزا ہو تو پھر کفارہ کا کیا فائدہ ہوا۔ اصول کفارہ ہی چاہتا ہے کہ گناہ کیا جاوے یہ تعجب کی بات ہے کہ اصول کا اثر بہت پڑتا ہے۔ دیکھو ہندوؤں کے نزدیک گائے بہت پوتر اور قابل تعظیم ہے۔ اور اس کا اثر ان میں اس حد تک ہے۔ کہ اس کا پیشاب اور گوبر بھی پوتر کرنے والا ان میں قرار دیا گیا ہے اور گائے کے متعلق اس قدر جوش ان میں ہے جس کی کچھ بھی حد نہیں یہی وجہ ہے کہ یہ امر ان میں بطور اصول داخل کیا گیا ہے یاد رکھو اصول بطور ماں کے ہوتے ہیں۔ اور اعمال بطور اولاد کے۔ جب مسیح کفارہ ہوگیا ہے۔ اور اس نے تمام گناہ ایمان لانے والوں کے اُٹھا لیئے پھر کیا وجہ ہے کہ گناہ نہ کیئے جاویں۔ تعجب کی بات ہے کہ عیسائی جب کفارہ کا اصول بیان کیا کرتے ہیں۔ تو اپنی تقریر کو خدا تعالےٰ کے رحم اور عدل سے شروع کیا کرتے ہیں مگر میں پوچھتا ہوں کہ جب زید کے بدلے پھانسی بکر کو ملی تو یہ کونسا انصاف اور رحم ہے۔ جب یہ اصول قرار دیدیا کہ سب گناہ اُس نے اُٹھا لئے پھر گناہ نہ کرنے کیلیئے کونسا امر مانع ہوسکتا ہے۔ اگر یہ ہدایت ہوتی۔ کہ اُس وقت کے عیسائیوں کے لیئے کفارہ ہوئے ہیں تو یہ اور بات تھی۔ مگر جب یہ مان لیا گیا ہے۔ کہ قیامت تک پیدا ہونیوالوں کے گناہوں کی گٹھڑی یسوع اُٹھا کر لے گیا۔ اور اس نے سزا بھی اُٹھالی۔ پھر گناہگار کو پکڑنا کس قدر ظلم ہے۔ اوّل ظلم تو بیگناہ کو گنہگار کے بدلے سزا دینا ہی ظلم ہے۔ اور پھر دوسرا ظلم یہ ہے۔ کہ اوّل گنہگاروں کو گناہوں کی گٹھڑی یسوع کے سر پر رکھ دی اور گنہگاروں کو مژدہ سُنا دیا کہ تمہارے گناہ اس نے اُٹھا لیئے اور پھر وہ گناہ کریں تو پکڑے جاویں۔ یہ عجیب دھوکا ہے۔ جس کا جواب عیسائی کبھی نہیں دے سکیں گے +

اگر کوئی یہ کہے کہ کفارہ پر ایمان لانے سے انسان گناہ کی زندگی سے نجات پا سکتا ہے۔ اور گناہ کی قوت اسمیں نہیں رہتی۔ تو یہ ایک ایسی بات ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اسلیئے کہ یہ اصول ہی اپنی جڑ میں گناہ رکھتا ہے۔ گناہ سے بچنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ مواخذہ الٰہی کے خوف سے لیکن وہ مواخذہ کا خوف کیونکر ہوسکتا ہے جب کہ یہ مان لیا جاوے کہ تمہارے گناہ یسوع نے اٹھا لیئے۔ اِس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں

کہ ایسے اصول کا انسان کبھی متقی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ ہر ایک کام کو جس کی بنا تقویٰ کے اصولوں پر ہو ضروری نہ سمجھے گا۔ یہ خوب یاد رکھو کہ پاک باطنی ہمیشہ اصولوں ہی سے شروع ہوتی ہے ورنہ

خبثِ نفس نہ گردد بسالہا معلوم

پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کفارہ کا مسئلہ ماننے والوں نے پاک باطنی کی عملی نظیریں کیا قائم کی ہیں؟ یورپ کی بداعمالیاں سب کو معلوم ہیں۔ شراب جو اُمّ الخبائث ہے۔ اسکی یورپ میں اس قدر کثرت ہے۔ کہ اسکی نظیر کسی دوسرے ملک میں نہیں ملتی۔ میں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا۔ کہ اگر لنڈن کی شراب کی دُکانوں کو ایک لائن میں رکھا جائے تو پچھتر میل تک چلی جاویں۔ جس حالت میں ان کو یہ تعلیم دیگئی ہے کہ ہر ایک گناہ کی معافی کا سرٹیفکیٹ دیا گیا ہے۔ اور جس قدر گناہ کوئی کرے وہ معاف ہیں۔ اب سوچ کر عیسائی ہم کو جواب دیں کہ اس کا اثر کیا پڑیگا۔ اگر نعوذ باللہ ہمارا یہ اصول ہوتا تو ہم پر اس کا کتنا بڑا اثر پڑتا۔ نفس امارہ تو سہارا ہی تلاش کرتا ہے۔ جیسے **شیعوں نے امام حسین** رضی اللہ عنہ کا سہارا لیلیا اور تقیہ کی آڑ میں جو کچھ کرلیں سو تھوڑا ہے۔ میں اسی تقیہ اور امام حسین کے فدیہ کے اصول کی بنا پر دلیری سے کہتا ہوں کہ شیعوں میں متقی کم نکلیں گے خلیفہ محمد حسن صاحب نے لکھا ہے کہ فدیناہ بذبح عظیم سے جو قرآن میں آیا ہے امام حسین کا شہید ہونا نکلتا ہے اور اس نکتہ پر بہت خوش ہوتے ہیں۔ کہ گویا قرآن شریف کے مغز کو پہنچ گئے ہیں۔ ان کی اس نکتہ دانی پر مجھے ایک پوستی کی حکایت یاد آئی۔ وہ یہ ہے کہ ایک پوستی کے پاس ایک لوٹا تھا اور اس میں ایک سوراخ تھا۔ جب رفع حاجت کو جاتا۔ اس سے پیشتر کہ وہ فارغ ہوکر طہارت کرے سارا پانی لوٹے سے نکلجاتا تھا۔ آخر کئی دن کی سوچ اور فکر کے بعد اُس نے یہ تجویز نکالی کہ پہلے طہارت ہی کرلیا کریں۔ اور اپنی اس تجویز پر بہت ہی خوش ہوا۔ اسی قسم کا نکتہ اور نسخہ ان کو ملا ہے۔ جو فدیناہ بذبح عظیم سے امام حسین کی شہادت نکالتے ہیں شیعہ لوگوں کی مسجدیں تک تو صاف نہیں رہ سکتی ہیں ہم ایک شیعہ اُستاد سے پڑھا کرتے تھے۔ اور وہاں کتے پیشاب وپاخانہ پھرجاتے تھے۔ اور مجھے یاد نہیں ہے کہ کسی نے کبھی وہاں نماز پڑھی ہو شیعہ یہی سمجھتے ہیں۔ کہ ہمارے لیئے امام حسین اور اہلبیت شہید ہوچکے ہیں۔ ان کے غم میں رو لینا اور ماتم کرلینا بس یہی کافی ہے جنت کے لیئے اور کسی عمل کی بجز اس کے ضرورت نہیں اور

ایسا ہی عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح کا خون ہمارے لئے منجی ہؤا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر تمہارے گناہوں پر بھی باز پرس ہوتی ہے۔ اور تمہیں ان کی سزا بھگتنی ہے تو پھر یہ نجات کیسی ہے؟

اس اصول کا اثر درحقیقت بہت بُرا پڑا ہے۔ اگر یہ اصول نہ ہوتا تو یورپ کے ملکوں میں اس کثرت سے فسق و فجور نہ ہوتا اور اس طرح پر بدکاری کا سیلاب نہ آتا جیسے اب آیا ہؤا ہے لندن اور پیرس کے ہوٹلوں اور پارکوں میں جاکر دیکھو کیا ہو رہا ہے۔ اور ان لوگوں سے پوچھو جو وہاں سے آتے ہیں آئے دن اخبارات میں اُن بچوں کی فہرستیں جن کی ولادت ناجائز ولادت ہوتی ہے شائع ہوتی ہیں +

ہم تو اصول ہی کو دیکھیں گے ہمارے اصول میں تو یہ لکھا ہے کہ من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ اب اس کا اثر تم خود سوچ لو گے۔ کیا پڑیگا یہی کہ انسان اعمال کی ضرورت کو محسوس کریگا۔ اور نیک عمل کرنے کی سعی کرے گا۔ برخلاف اسکے جب یہ کہا جاویگا کہ انسان اعمال سے نجات نہیں پا سکتا۔ تو یہ اصول انسان کی ہمت اور سعی کو پست کردے گا۔ اور اس کو بالکل مایوس کر کے بیدست و پا بنا دیگا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ کا اصول انسانی قویٰ کی بھی بیخ کُنی کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے انسانی قویٰ میں ایک ترقی کا مادہ رکھا ہے لیکن کفارہ اسکو ترقی سے روکتا ہے۔ ابھی میں نے کہا ہے کہ کفارہ کا اعتقاد رکھنے والوں کے حالات آزادی اور بیقیدی کو جو دیکھتے ہیں تو یہ اسی اصول کی وجہ سے ہے کہ کُتّے اور کُتیوں کی طرح بدکاریاں ہوتی ہیں۔ لندن کے ہائیڈ پارک میں علانیہ بدکاریاں ہوتی ہیں۔ اور حرامی بچے پیدا ہوتے ہیں۔ پس ہم کو صرف قیل و قال تک ہی محدود نہ رکھنا چاہیئے بلکہ اعمال ساتھ ہونے چاہئیں۔ جو اعمال کی ضرورت نہیں سمجھتا وہ سخت ناعاقبت اندیش اور نادان ہے قانون قدرت میں اعمال اور ان کے نتائج کی نظیریں تو موجود ہیں کفارہ کی نظیر کوئی موجود نہیں۔ مثلاً بھوک لگتی ہے تو کھانا کھا لینے کے بعد وہ فرو ہو جاتی ہے۔ یا پیاس لگتی ہے پانی سے جاتی رہتی ہے تو معلوم ہؤا کہ کھانا کھانے یا پانی پینے کا نتیجہ بھوک کا جاتے رہنا یا پیاس کا بجھ جانا ہؤا۔ مگر یہ تو نہیں ہوتا کہ بھوک لگے زید کو اور بکر روٹی کھائے اور زید کی بھوک جاتی رہے۔ اگر قانون قدرت میں اسکی کوئی نظیر موجود ہوتی تو شاید کفارہ کا مسئلہ مان لینے کی گنجائش رکھتا لیکن جب قانون قدرت میں اسکی کوئی نظیر ہی نہیں ہے۔ تو انسان جو نظیر دیکھ کر ماننے کا عادی ہے۔ اسے کیونکر

تسلیم کر سکتا ہے۔ عام قانون انسانی میں بھی تو اس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ زید نے خون کیا ہو اور خالد کو پھانسی ملی ہو۔ غرض یہ اک ایسا اصُول ہے جس کی کوئی نظیر ہرگز موجود نہیں +

میں اپنی جماعت کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ ضرورت ہے اعمال صالحہ کی خُدا تعالےٰ کے حضور اگر کوئی چیز جا سکتی ہے تو وہ یہی اعمال صالحہ ہیں یصعد الیہ کلمۃ الطیب خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اس وقت ہمارے قلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلواروں کے برابر ہیں۔ لیکن فتح اور نصرت اسی کو ملتی ہے جو متقی ہو خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کان حقا علینا نصر المومنین مومنوں کی نصرت ہمارے ذمہ ہے اور لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا اللہ مومنوں پر کافروں کو راہ نہیں دیتا اسلیئے یاد رکھو کہ تمہاری فتح تقوی سے ہے۔ ورنہ عرب تو بڑے لیچرار اور خطیب اور شاعر ہی تھے انہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ خدا تعالےٰ نے اپنے فرشتے ان کی امداد کیلئے نازل کیئے تاریخ کو اگر انسان پڑھے تو اسے نظر آجائیگا۔ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس قدر فتوحات کیں وہ انسانی طاقت اور سعی کا نتیجہ نہیں ہو سکتا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک بیس سال کے اندر ہی اندر اسلامی سلطنت عالمگیر ہو گئی۔ اب ہم کو کوئی بتائے۔ کہ انسان ایسا کر سکتا ہے۔ اسی لیئے اللہ تعالےٰ بار بار فرماتا ہے ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون یعنی متقی کے معنے ہیں ڈرنے والا۔ ایک ترک شر ہوتا ہے۔ اور ایک افاضۂ خیر۔ متقی ترک شر کا مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور محسن افاضۂ خیر کو چاہتا ہے۔ میں نے اسکے متعلق ایک حکایت پڑھی ہے۔ کہ ایک بزرگ نے کسی کی دعوت کی۔ اور اپنی طرف سے مہمان نوازی کا پورا اہتمام کیا اور حق ادا کیا۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو بزرگ نے بڑے انکسار سے کہا کہ میں آپکے لائق خدمت نہیں کر سکا۔ مہمان نے کہا کہ آپ نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ میں نے احسان کیا ہے۔ کیونکہ جس وقت تم مصروف تھے میں نے تمہاری املاک کو آگ لگا دیتا تو کیا ہوتا غرض متقی کا کام یہ ہے۔ کہ بُرائیوں سے باز آوے۔ اس سے آگے دوسرا درجہ افاضۂ خیر کا ہے۔ جس کو یہاں محسنون کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے کہ نیکیاں بھی کرے پورا راست باز انسان تب ہوتا ہے جب بدیوں سے پرہیز کر کے یہ مطالعہ کرے کہ نیکی کونسی کی ہے ؟

کہتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نوکر چاء کی پیالی لایا۔ جب قریب آیا تو

غفلت سے وہ پیالی آپ کے سر پر گر پڑی آپ نے تکلیف محسوس کر کے ذرا تیز نظر سے غلام کی طرف دیکھا غلام نے آہستہ سے پڑھا۔ الکاظمین الغیظ یہ سُن کر امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کظمت غلام نے پھر کہا والعافین عن الناس۔ کظم میں انسان غصّہ دبا لیتا ہے۔ اور اظہار نہیں کرتا ہے مگر اندر سے پوری رضامندی نہیں ہوتی۔ اسلئے عفو کی شرط لگادی ہے۔ آپ نے کہا کہ میں نے عفو کیا۔ پھر پڑھا واللہ یحب المحسنین محبوب الٰہی وہی ہوتے ہیں جو کظم اور عفو کے بعد نیکی بھی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ جا آزاد بھی کیا۔ راستبازوں کے نمونے ایسے ہیں۔ کہ چائے کی پیالی گرا کر آزاد ہوا۔ اب بتاؤ۔ کہ یہ نمونہ اصول کی عمدگی ہی سے پیدا ہُوا +

اللہ تعالےٰ نے فرمایا فاستقم کما امرت یعنے سیدھا ہو جا۔ کسی قسم کی بداعمالی کی کجی نہ رہے۔ پھر راضی ہوں گا۔ آپ بھی سیدھا ہو جا اور دوسروں کو بھی کہ عرب کیلئے سیدھا کرنا کس قدر مشکل تھا +

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے پوچھنے پر فرمایا کہ مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا۔ کیونکہ اس حکم کے رو سے بڑی بھاری ذمہ واری میرے سپرد ہُوئی ہے۔ اپنے آپ کو سیدھا کرنا۔ اور اللہ تعالےٰ کے احکام کی پوری فرمانبرداری جہاں تک انسان کی اپنی ذات سے تعلق رکھتی ہے۔ ممکن ہے۔ کہ وہ اسکو پورا کرے۔ لیکن دوسروں کو ویسا ہی بنانا آسان نہیں ہے۔ اس سے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بلند شان اور قوت قدسی کا پتہ لگتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اُس حکم کی کیسی تعمیل کی صحابہ کرام کی وہ پاک جماعت طیار کی کہ اُن کو کنتم خیر اُمّۃ اخرجت للناس کہا گیا۔ اور رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کی آواز اُن کو آگئی۔ آپ کی زندگی میں کوئی بھی منافق مدینہ طیبہ میں نہ رہا۔ غرض ایسی کامیابی آپ کو ہوئی۔ کہ اسکی نظیر کسی دوسرے نبی کے واقعات زندگی میں نہیں ملتی۔ اس سے اللہ تعالےٰ کی غرض یہ تھی کہ قیل وقال ہی تک بات نہ رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ اگر نرے قیل وقال اور ریاکاری تک ہی بات ہو تو دوسرے لوگوں اور ہم میں پھر امتیاز کیا ہوگا۔ اور دوسروں پر کیا شرف! تم صرف اپنا عملی نمونہ دکھاؤ۔ اور اس میں ایسی چمک ہو۔ کہ دوسرے اسکو اس میں ایسی چمک ہو کوئی اسکو قبول نہیں کرتا۔ کیا کوئی انسان میلی چیز پسند کر سکتا ہے؟ جب تک کپڑے

میں ایک داغ بھی ہو وہ اچھا نہیں لگتا۔ اسی طرح جب تک تمہاری اندرونی حالت میں صفائی اور چمک نہ ہوگی کوئی خریدار نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص عمدہ چیز کو پسند کرتا ہے۔ اسی طرح جب تک تمہارے اخلاق اعلیٰ درجہ کے نہ ہوں کسی مقام تک نہیں پہنچ سکو گے۔

سورۃ العصر میں اللہ تعالےٰ نے کفارہ اور مومنوں کی زندگی کے نمونے بتائے ہیں۔ کفارہ کی زندگی بالکل چارپایوں کی سی زندگی ہوتی ہے۔ جن کو کھانے اور پینے اور شہوانی جذبات کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوتا یا کلون کما تاکل الانعام مگر دیکھو اگر ایک بیل چارہ تو کھالے۔ لیکن ہل چلانے کے وقت بیٹھ جائے اس کا نتیجہ کیا ہوگا یہی ہوگا۔ کہ زمیندار اُسے بوچڑ خانہ میں جا کر بیچ دیگا۔ اسی طرح ان لوگوں کی نسبت (جو خدا تعالےٰ کے احکام کی پیروی یا پرواہ نہیں کرتے۔ اور اپنی زندگی فسق و فجور میں گذارتے ہیں) فرماتا ہے۔ قل ما یعبأ بکم ربی لولا دعاءکم۔ یعنی میرا رب تمہاری کیا پرواہ کرتا ہے۔ اگر تم اُس کی عبادت نہ کرو۔ یہ امر بحضورِ دل یاد رکھنا چاہئیے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کے لئے محبت کی ضرورت ہے۔ اور محبت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک محبت تو ذاتی ہوتی ہے۔ اور ایک اغراض سے وابستہ ہوتی ہے یعنی اس کا باعث صرف چند عارضی باتیں ہوتی ہیں۔ جن کے دُور ہوتے ہی وہ محبت سرد ہو کر رنج اور غم کا باعث ہو جاتی ہے۔ مگر ذاتی محبت سچی راحت پیدا کرتی ہے۔ چونکہ انسان فطرتاً خدا ہی کے لئے پیدا ہؤا جیسا کہ فرمایا۔ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ اسلئے اللہ تعالےٰ نے اسکی فطرت ہی میں اپنے لئے کچھ نہ کچھ رکھا ہؤا ہے۔ اور مخفی در مخفی اسباب سے اسے اپنے لئے بنایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے تمہاری پیدائش کی اصلی غرض یہ رکھی ہے۔ کہ تم اللہ تعالےٰ کی عبادت کرو۔ مگر جو لوگ اپنی اس اصلی اور فطری غرض کو چھوڑ کر حیوانوں کی طرح زندگی کی غرض صرف کھانا پینا اور سو رہنا ہو جاتی ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کے فضل سے دور جا پڑتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کی ذمہ واری اُن کے لئے نہیں رہتی وہ زندگی جو ذمہ واری کی ہے یہی ہے کہ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون پر ایمان لا کر زندگی کا پہلو بدلے موت کا اعتبار نہیں ہے سعدی کا شعر سچا ہے ؎

مکن تکیہ بر عمر ناپائدار مباش ایمن از بازیٔ روزگار

عمر ناپائدار پر بھروسا کرنا دانشمند کا کام نہیں ہے۔ موت یونہی آ کر لے جاتی ہے۔ اگر

انسان کو پتہ بھی نہیں لگتا۔ جب کہ انسان اس طرح پر موت کے پنجہ میں گرفتار ہے۔ پھر اس کی زندگی کا خدا تعالےٰ کے سوا کون ذمہ دار ہو سکتا ہے۔ اگر زندگی خدا کے لئے ہو۔ تو وہ اُس کی حفاظت کرے گا۔ بخاری میں ایک حدیث ہے۔ کہ جو شخص خدا تعالیٰ سے محبت کا رابطہ پیدا کر لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ اُس کے اعضا ہو جاتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کی دوستی یہاں تک ہوتی ہے۔ کہ میں اُس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ حتیٰ کہ اُس کی زبان ہو جاتا ہوں۔ جس سے وہ بولتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب انسان جذبات نفس سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور نفسانیت چھوڑ کر خدا کے ارادوں کے اندر چلتا ہے۔ اس کا کوئی فعل ناجائز نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر ایک فعل خدا کے منشا کے موافق ہوتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خدا تعالیٰ اسے اپنا فعل ہی قرار دیتا ہے۔ یہ ایک مقام ہے قرب الٰہی کا جہاں پہنچ کر سلوک کی منزلوں کو پورے طور پر طے نہ کرنیوالوں نے یا تو ٹھوکر کھائی ہے۔ یا الٰہیات سے ناواقف اور قرب الٰہی کے مفہوم کو نہ سمجھنے والوں نے غلط فہمی سے کام لیا ہے۔ اور **وحدت وجود** کا مسئلہ گھڑ لیا ہے۔ اس بات کو بھی ہرگز بھولنا نہ چاہیے کہ جہاں انسان ابتلا میں پڑتا ہے۔ وہ فعل خدا کے ارادہ سے موافق نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کی رضا اس کے خلاف ہوتی ہے۔ ایسا شخص اپنے جذبات کے نیچے ہوتا ہے۔ نہ کہ منشاء الٰہی کے ماتحت۔ لیکن وہ انسان جو اللہ کا ولی کہلاتا ہے۔ اور خدا جس کی زندگی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ وہ وہ ہوتا ہے۔ جس کی وہ حرکت و سکون بلا استصواب کتاب الٰہی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی بات اور ارادہ پر کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے مشورہ لیتا ہے۔

پھر آگے کہا ہے کہ اس کی جان نکالنے میں اللہ تعالیٰ کو بڑا تردد ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ تردد سے پاک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مصلحت کے لئے اس کو موت دی جاتی ہے اور ایک عظیم مصلحت کے لئے اس کو دوسرے جہان میں لے جایا جاتا ہے۔ نہیں تو اس کی بقا خدا کو بڑی پیاری لگتی ہے۔ پس اگر انسان کی ایسی زندگی نہیں کہ خدا تعالیٰ کو اس کی جان لینے میں بھی تردد ہو تو وہ حیوانات سے بھی بدتر ہو۔ ایک بکری سو بہت سے آدمی گذارہ کرتے ہیں۔ اور اس کا چمڑہ بھی کام آ سکتا ہے۔ اور انسان کسی حالت میں کیا مرکر بھی کام نہیں آتا۔ مگر صالح آدمی کا اثر اُس کی ذریت پر بھی پڑتا ہے اور وہ بھی اس سے فائدہ

اٹھاتی ہے۔ اصل یہ ہے۔ کہ درحقیقت وہ مرتا ہی نہیں۔ مرنے پر بھی اس کو ایک نئی زندگی دی جاتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا ہے۔ کہ میں بچہ تھا۔ بوڑھا ہوا۔ میں نے کسی خدا پرست کو ذلیل حالت میں نہیں دیکھا۔ اور نہ اُس کے لڑکوں کو دیکھا کہ وہ ٹکڑے مانگتے ہوں۔ گویا متقی کی اولاد کا بھی خدا تعالیٰ ذمہ دار ہوتا ہے۔ لیکن حدیث میں آیا ہے کہ ظالم اپنے اہل وعیال پر بھی ظلم کرتا ہے۔ کیونکہ اُن پر بھی اس کا بد اثر پڑتا ہے۔

پس کس قدر ضرورت ہے کہ تم اس بات کو سمجھ لو کہ تمہارے پیدا کرنے سے خدا تعالیٰ کی غرض یہ ہے کہ تم اس کی عبادت کرو۔ اور اس کے لئے بن جاؤ۔ دنیا تمہاری مقصود بالذات نہ ہو۔ میں اس لئے بار بار اس ایک امر کو بیان کرتا ہوں کہ میرے نزدیک یہی ایک بات ہے۔ جس کے لئے انسان آیا ہے۔ اور یہی بات ہے جس سے وہ دور پڑا ہوا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم دنیا کے کاروبار چھوڑ دو۔ بیوی بچوں سے الگ ہو کر کسی جنگل یا پہاڑ میں جا بیٹھو۔ اسلام اس کو جائز نہیں رکھتا۔ اور رہبانیت اسلام کا منشا نہیں۔ اسلام تو انسان کو چست اور ہوشیار اور مستعد بنانا چاہتا ہے۔ اس لئے میں تو کہتا ہوں کہ تم اپنے کاروبار کو جدوجہد سے کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس کے پاس زمین ہو۔ اور وہ اُس کا تردد نہ کرے۔ تو اُس سے مواخذہ ہوگا۔ پس اگر کوئی اس سے یہ مراد لے کہ دنیا کے کاروبار سے الگ ہو جائے۔ وہ غلطی کرتا ہے۔ نہیں اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کاروبار جو تم کرتے ہو۔ اس میں دیکھ لو کہ خدا تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔ اور اُس کے ارادہ سے باہر نکل کر اپنی اغراض اور جذبات کو مقدم نہ کرو۔

پس اگر انسان کی زندگی کا مدعا یہ ہو جائے۔ کہ وہ صرف تنعم ہی میں زندگی بسر کرے اور اس کی ساری کامیابیوں کی انتہا خوردونوش اور لباس وخواب ہی ہو۔ اور خدا تعالیٰ کے لئے کوئی خانہ اس کے دل میں باقی نہ رہے۔ تو یہ یاد رکھو ایسا شخص فطرۃ اللہ کا مقلب ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ وہ رفتہ رفتہ اپنے قویٰ کو بیکار کر لیگا۔ یہ صاف بات ہے کہ جس مطلب کے لئے کوئی چیز ہم لیتے ہیں۔ اگر وہ وہی کام نہ دے تو اُسے بیکار قرار دیتے ہیں۔ مثلاً ایک لکڑی کرسی یا میز بنانے کے واسطے لیں۔ اور اس کام کے ناقابل ثابت ہو۔ تو ہم اُسے ایندھن ہی بنالیں گے۔ اسی طرح پر انسان کی پیدائش کی اصل غرض تو عبادت الٰہی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی فطرت کو خارجی اسباب اور

بیرونی تعلقات سے تبدیل کر کے بیکار کر لیتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ اُس کی پروا نہیں کرتا اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔ قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ۔ میں نے ایک بار پہلے بھی بیان کیا تھا۔ کہ میں نے ایک رویا میں دیکھا کہ میں ایک جنگل میں کھڑا ہوں۔ شرقاً غرباً اس میں ایک بڑی نالی چلی گئی ہے۔ اس نالی پر بھیڑیں لٹائی ہوئی ہیں۔ اور ہر ایک قصاب کے جو ہر ایک بھیڑ پر مسلط ہے۔ ہاتھ میں چھری ہے جو اُنہوں نے اُن کی گردن پر رکھی ہوئی ہے۔ اور آسمان کی طرف منہ کیا ہوا ہے۔ میں اُن کے پاس ٹہل رہا ہوں۔ میں نے یہ نظارہ دیکھ کر سمجھا کہ یہ آسمانی حکم کے منتظر ہیں۔ تو میں نے یہی آیت پڑھی۔ قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ۔ یہ سنتے ہی اُن قصابوں نے فی الفور چھریاں چلا دیں۔ اور یہ کہا کہ تم ہو کیا آخر گوہ کھانیوالی بھیڑیں ہی ہو۔

غرض خدا تعالیٰ متقی کی زندگی کی پروا کرتا ہے۔ اور اُس کی بقا کو عزیز رکھتا ہے۔ اور جو اُس کی مرضی کے برخلاف چلے۔ وہ اُس کی پروا نہیں کرتا۔ اور اُس کو جہنم میں ڈالتا ہے اس لئے ہر ایک کو لازم ہے۔ کہ اپنے نفس کو شیطان کی غلامی سے باہر کرے۔ جیسے کلورا فارم نیند لاتا ہے۔ اسی طرح پر شیطان انسان کو تباہ کرتا ہے۔ اور اُسے غفلت کی نیند سُلاتا ہے۔ اور اسی میں اُس کو ہلاک کر دیتا ہے۔

سورہ العصر میں دو سلسلوں کا ذکر میں پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ سورہ والعصر میں دو سلسلوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک ابرار و اخیار کا سلسلہ ہے۔ اور دوسرا فجار کا۔ کفار اور فجار کے سلسلہ کا ذکر یوں فرمایا۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ اور دوسرے سلسلہ کو اس طرح پر الگ کیا۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی ایک وہ ہیں جو خسران میں ہیں۔ مگر خسران میں مومن اور عمل صالح کرنیوالے نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ خسران میں وہ ہیں۔ جو مومن اور عمل صالح کرنیوالے نہیں ہیں۔ یاد رکھو کہ صلاح کا لفظ وہاں آتا ہے۔ جہاں فساد کا بالکل نام و نشان نہ رہے۔ انسان کبھی صالح نہیں کہلا سکتا۔ جب تک وہ عقاید ردیہ اور فاسدہ سے خالی نہ ہو۔ اور پھر اعمال بھی فساد سے خالی ہو جائیں۔ متقی کا لفظ باب افتعال سے آتا ہے۔ اور یہ باب تصنع کے لئے آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ متقی کو بڑا مجاہدہ اور کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اور اس حالت میں وہ نفس لوامہ کے نیچے ہوتا ہے۔ اور جب حیوانی زندگی بسر کرتا ہے۔ اُس وقت

امارہ کے نیچے ہوتا ہے۔ اور مجاہدہ کی حالت سے نکل کر جب غالب آجاتا ہے تو مطمئنہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ متقی نفس امارہ کی حالت سے نکل کر آتا ہے۔ اور لوامہ کے نیچے ہوتا ہے۔ اسی لئے متقی کی شان میں آیا ہے۔ کہ وہ نماز کو کھڑی کرتے ہیں۔ گویا اس میں بھی ایک قسم کی لڑائی ہی کی حالت ہوتی ہے۔ وساوس اور اوہام آ آ کر حیران کرتے ہیں۔ مگر وہ گھبراتا نہیں۔ اور یہ وساوس اُس کو درماندہ نہیں کر سکتے۔ وہ بار بار خدا تعالیٰ کی استعانت چاہتا ہے۔ اور خدا کے حضور چلاتا اور روتا ہے۔ یہاں تک کہ غالب آجاتا ہے۔ ایسا ہی مال کے خرچ کرنے میں بھی شیطان اس کو روکتا ہے۔ اور اسراف اور انفاق فی سبیل اللہ کو یکساں دکھاتا ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسراف کرنے والا اپنے مال کو ضائع کرتا ہے۔ مگر فی سبیل اللہ خرچ کرنیوالا اُس کو پھر پاتا ہے۔ اور خرچ سے زیادہ پاتا ہے اس لئے ہی مما رزقنٰھم ینفقون فرمایا ہے۔

صراط مستقیم | بات یہ ہے کہ صلاح کی حالت میں انسان کو ضروری ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک قسم کے فساد سے خواہ وہ عقائد کے متعلق ہو یا اعمال کے متعلق پاک ہو۔ جیسے انسان کا بدن صلاحیت کی حالت اُس وقت رکھتا ہے۔ جبکہ سب اخلاط اعتدال کی حالت پر ہوں۔ اور کوئی کم زیادہ نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی خلط بھی بڑھ جائے تو جسم بیمار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پر روح کی صلاحیت کا مدار بھی اعتدال پر ہے۔ اسی کا نام قرآن شریف کی اصطلاح میں صراط مستقیم ہے۔ صلاح کی حالت میں انسان محض خدا کا ہو جاتا ہے جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حالت تھی۔ اور رفتہ رفتہ صالح انسان ترقی کرتا ہوا مطمئنہ کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اور یہاں ہی اس کا انشراح صدر ہوتا ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ہم انشراح صدر کی کیفیت کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے۔

انسان کا سینہ بیت اللہ اور دل حجر اسود

یہ بات بحضور دل یاد رکھو کہ جیسے بیت اللہ میں حجر اسود پڑا ہوا ہے۔ اسی طرح قلب سینہ میں پڑا ہوا ہے۔ بیت اللہ پر بھی ایک زمانہ آیا ہوا تھا۔ کہ کفار نے وہاں بت رکھدیئے تھے۔ ممکن تھا کہ بیت اللہ پر یہ زمانہ نہ آتا۔ مگر نہیں اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک نظیر کے طور پر رکھا۔ قلب انسانی بھی حجر اسود کی طرح ہے۔ اور اس کا سینہ بیت اللہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ ماسوی اللہ کے خیالات وہ بُت ہیں۔ جو اس کعبہ میں رکھے گئے ہیں۔ مکہ معظمہ

کے بتوں کا قلع وقمع اُس وقت ہوا تھا۔ جبکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدوسیوں کی جماعت کے ساتھ وہاں جا پڑے تھے۔ اور مکہ فتح ہو گیا تھا۔ اُن دس ہزار صحابہ کو پہلی کتابوں میں ملائکہ لکھا ہے۔ اور حقیقت میں ان کی شان ملائکہ ہی کی سی تھی۔ انسانی قویٰ بھی ایک طرح پر ملائکہ ہی کا درجہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ جیسے ملائکہ کی یہ شان ہے کہ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ اسی طرح پر انسانی قویٰ کا خاصہ ہے۔ کہ جو حکم ان کو دیا جائے۔ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ ایسا ہی تمام قویٰ اور جوارح حکم انسانی کے نیچے ہیں پس ماسوی اللہ کے بتوں کی شکست اور استیصال کے لئے ضروری ہے کہ ان پر اسی طرح سے چڑھائی کی جائے۔ یہ لشکر تزکیہ نفس سے طیار ہوتا ہے۔ اور اسی کو فتح دی جاتی ہے۔ جو تزکیہ کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر قلب کی اصلاح ہو جائے۔ تو کل جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اور یہ کیسی سچی بات ہے۔ آنکھ۔ کان۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ زبان وغیرہ جس قدر اعضا ہیں۔ وہ دراصل قلب کے ہی فتوے پر عمل کرتے ہیں۔ ایک خیال آتا ہے۔ پھر وہ جس اعضا کے متعلق ہو وہ فوراً اُس کی تعمیل کے لئے طیار ہو جاتا ہے۔ غرض اسی خانہ کو بتوں سے پاک وصاف کرنے کے لئے ایک جہاد کی ضرورت ہے اور اس جہاد کی راہ میں تمہیں بتاتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں۔ اگر تم اس پر عمل کرو گے۔ تو تو ان بتوں کو توڑ ڈالو گے۔ اور یہ راہ میں اپنی خود تراشیدہ نہیں بتاتا۔ بلکہ خدا نے مجھے **مامور کیا ہے کہ میں بتاؤں اور وہ راہ کیا ہے؟ میری پیروی کرو اور میرے پیچھے چلے آؤ۔** یہ آواز نئی آواز نہیں ہے۔ بلکہ بتوں سے پاک کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کہا تھا۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ اسی طرح پر اگر تم میری پیروی کرو گے۔ تو اپنے اندر کے بتوں کو توڑ ڈالنے کے قابل ہو جاؤ گے اور اس طرح پر سینہ کو جو طرح طرح کے بتوں سے بھرا پڑا ہے۔ پاک کرنے کے لائق ہو جاؤ گے تزکیہ نفس کے لئے چلہ کشیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے چلہ کشیاں نہیں کی تھیں۔ ارہ اور نفی و اثبات وغیرہ کے ذکر نہیں کئے تھے۔ بلکہ اُن کے پاس ایک اور ہی چیز تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں محو تھے۔ جو نور آپ میں تھا۔ وہ اس اطاعت کی نالی میں سے ہو کر صحابہ کے قلب پر گرتا

اور ماسوی اللہ کے خیالات کو پاش پاش کرتا جاتا تھا۔ تاریکی کے بجائے اُن سینوں میں نور بھرا جاتا تھا۔ اس وقت بھی خوب یاد رکھو وہی حالت ہے۔ جب تک کہ وہ نور جو خدا کی نالی میں سے آتا ہے۔ تمہارے قلب پر نہیں گرتا۔ تزکیہ نفس نہیں ہو سکتا۔ انسان کا سینہ مہبط الانوار ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ بیت اللہ کہلاتا ہے۔ بڑا کام یہی ہے کہ اس میں جو بُت ہیں وہ توڑے جائیں۔ اور اللہ ہی اللہ رہ جائے۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَللّٰہُ اَللّٰہُ فِیْ اَصْحَابِیْ میرے صحابہ کے دلوں میں اللہ ہی اللہ ہے۔ دل میں اللہ ہی اللہ ہونے سے یہ مراد نہیں۔ کہ انسان وحدت وجود کے مسئلہ پر عمل کرے۔ اور ہر کُتّے اور گدھے کو معاذ اللہ خدا قرار دے بیٹھے۔ نہیں نہیں۔ اس سے اصل غرض یہ ہے کہ انسان کا جو کام ہو۔ اُس میں مقصود فی الذات اللہ تعالیٰ ہی کی رضا ہو۔ اور نہ کچھ اور۔ اور یہ درجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک خدا تعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہو۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

قرآن میں علمی و عملی تکمیل کی ہدایت ہے

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے۔ کہ قرآن کریم میں علمی اور عملی تکمیل کی ہدایت ہے۔ چنانچہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ میں تکمیل علمی کی طرف اشارہ ہے اور تکمیل عملی کا بیان صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ میں فرمایا۔ کہ جو نتائج اکمل اور اتم ہیں۔ وہ حاصل ہو جائیں۔ جیسے ایک پودا جو لگایا گیا ہے۔ جب تک پورا نشوونما حاصل نہ کرے۔ اُس کو پھل پھول نہیں لگ سکتے۔ اسی طرح اگر کسی ہدایت کے اعلیٰ اور اکمل نتائج موجود نہیں ہیں۔ وہ ہدایت مُردہ ہدایت ہے۔ جس کے اندر کوئی نشوونما کی قوت اور طاقت نہیں ہے۔ جیسے اگر کسی کو وید کی ہدایت پر پورا عمل کرنے سے کبھی یہ امید نہیں ہو سکتی کہ وہ ہمیشہ کی مکتی یا نجات حاصل کر لے گا۔ اور کیڑے مکوڑے بننے کی حالت سے نکل کر دائمی سرور پالے گا۔ تو اس ہدایت سے کیا حاصل۔ مگر قرآن شریف ایک ایسی ہدایت ہے کہ اس پر عمل کرنیوالا اعلیٰ درجہ کے کمالات حاصل کر لیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ سے اس کا ایک سچا تعلق پیدا ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اعمال صالحہ جو قرآنی ہدایتوں کے موافق کئے جاتے ہیں۔ وہ ایک شجر طیب کی مثال پر جو قرآن شریف میں دی گئی ہے بڑھتے ہیں۔ اور پھل پھول لاتے ہیں۔ ایک خاص قسم کی حلاوت اور ذائقہ ان میں پیدا

ہوتا ہے۔

پس اگر کوئی شخص اپنے ایمان میں نشوونما کا مادہ نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کا ایمان مردہ ہے۔ تو اس پر اعمال صالحہ کے طیب اشجار کے بار ور ہونے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کہہ کر ایک قید لگا دی ہے۔ یعنی یہ راہ کوئی بے ثمر اور حیران اور سرگردان کرنیوالی نہیں ہے۔ بلکہ اس پر چل کر انسان بامراد اور کامیاب ہوتا ہے۔ اور عبادت کے لئے تکمیل علمی ضروری شے ہے۔ ورنہ وہ محض ایک کھیل ہوگا۔ کیونکہ درخت اگر پھل نہ دے۔ خواہ وہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو۔ مفید نہیں ہو سکتا۔ ہمارے مخالفوں کی حالت ایسی ہے جس سے سلب ایمان کا اندیشہ ہے کیونکہ وہ نیک کو برا اور مامور من اللہ کو کذاب سمجھتے ہیں۔ جس سے خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ اور اب یہ صاف امر ہے کہ خدا تعالےٰ نے مجھے مامور اور مسیح موعود کے نام سے دنیا میں بھیجا ہے۔ جو شخص میری مخالفت کرنیوالے ہیں۔ وہ میری نہیں خدا تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہیں۔ کیونکہ جب تک میں نے دعویٰ نہ کیا تھا۔ بہت سے ان میں سے مجھے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور اپنے ہاتھ سے لوٹا لے کر وضو کرانے کو ثواب اور فخر جانتے تھے۔ اور بہت سے ایسے بھی تھے۔ جو میری بیعت میں آنے کے لئے زور دیتے تھے لیکن جب خدا تعالیٰ کے نام اور اعلام سے یہ سلسلہ شروع ہوا۔ تو وہی مخالفت کے لئے اُٹھے اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ ان کی ذاتی عداوت میرے ساتھ نہ تھی۔ بلکہ عداوت ان کو خدا تعالیٰ سے ہی تھی۔ اگر خدا تعالیٰ کے ساتھ ان کو سچا تعلق تھا۔ تو ان کی دینداری اور اتقا اور خدا ترسی کا تقاضا یہ ہونا چاہئے تھا۔ کہ سب سے اول وہ میرے اس اعلان پر لبیک کہتے۔ اور سجدات شکر کرتے ہوئے میرے ساتھ مصافحہ کرتے۔ مگر نہیں وہ اپنے ہتھیار وں کو لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے مخالفت کو یہاں تک پہنچایا کہ مجھے کافر کہا۔ اور بے دین کہا۔ دجال کہا۔ افسوس ان احمقوں کو یہ معلوم نہ ہوا۔ کہ جو شخص خدا تعالیٰ سے قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اور اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ تَوْحِیْدِیْ وَتَفْرِیْدِیْ کی آوازیں سنتا ہو۔ وہ ان کی بدگوئی اور گالیوں کی کیا پروا کر سکتا ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ ان نادانوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہوا۔ کہ کفر اور ایمان کا تعلق دنیا سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے اور خدا تعالیٰ میرے مومن اور مامور ہونیکی

تصدیق کرتا ہے۔ پھر ان کی بیہودگیوں کی مجھے پروا کیا ہوسکتی ہے۔ غرض ان باتوں سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ یہ لوگ میرے مخالف نہ تھے۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی باتوں کی انہوں نے مخالفت کی۔ اور یہی وجہ ہے جس سے مامور من اللہ کے مخالفوں کا ایمان سلب ہو جاتا ہے اب یہ صاف بات ہے کہ میرے مخالف خدا تعالیٰ سے مخالفت کر رہے ہیں۔ میں اگر روشنی کی طرف آ رہا ہوں۔ اور یہ یقینی امر ہے کہ میں روشنی کی طرف آتا ہوں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے بیشمار نشان میری تائید میں ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں۔ بارش کی طرح یہ نشان آسمان سے اتر رہے ہیں۔ تو پھر یہ بھی یقینی امر ہے کہ میرے مخالف تاریکی کی طرف جاتے ہیں روشنی اور نور روح القدس کو لاتا ہے۔ اور تاریکی شیطان کی قربت پیدا کرتی ہے۔ اور اس طرح پر ولی کی مخالفت سلب ایمان کر دیتی ہے۔ اور بئس القرین سے جا ملاتی ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اصلاح تب ہوتی ہے کہ تکمیل علمی کے مراتب حاصل ہو جائیں۔ پس سورۃ العصر میں جو اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فرمایا ہے۔ اس میں اٰمَنُوۡا سے تکمیل علمی کی طرف ارشاد فرمایا۔ اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے تکمیل عملی کی طرف رہبری کی۔ حکمت کے بھی دو ہی حصے ہیں۔ ایک علم اکمل اور اتم ہو۔ دوسرے عمل اتم اور اکمل ہو۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ جو لوگ خسر سے محفوظ رہتے ہیں۔ اول وہ تکمیل علمی کرتے ہیں۔ اور پھر عمل بھی گندے نہیں کرتے۔ بلکہ علمی تکمیل کو عملی تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ اور پھر یہ کہ جب انہیں کامل بصیرت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور ان کے کمال علم کا ثبوت کمال عمل سے ملتا ہے۔ تو پھر وہ بخل نہیں کرتے بلکہ تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ پر عمل کرتے ہیں۔ لوگوں کو بھی اس حق کی دعوت کرتے ہیں۔ جو انہوں نے پایا ہے۔ اس کے یہ معنی بھی ہیں۔ کہ اعمال کی روشنی سے بھی دکھاتے ہیں واعظ اگر خود عمل نہیں کرتا تو اس کی باتوں کا کچھ بھی اثر نہیں پڑ سکتا۔ یہ بھی قاعدہ کی بات ہے کہ اگر خود آدمی کہے۔ اور کرے نہیں۔ تو اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اگر زناکار زنا سے منع کرے تو اس کی اس حالت کے ثابت ہو جانے پر سننے والوں کے دہریہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ وہ خیال کریں گے۔ کہ اگر زناکاری واقعی خطرناک چیز ہوتی۔ اور خدا تعالیٰ کے حضور اس ناپاکی پر سزا ملتی ہے۔ اور خدا واقعی ہوتا۔ تو پھر یہ جو منع کرتا تھا خود کیوں اس سے پرہیز نہ کرتا۔

مجھے معلوم ہے کہ ایک شخص ایک مولوی کی صحبت کے باعث مسلمان ہونے لگا۔ ایک روز

ولی کی مخالفت سے ایمان سلب ہوتا ہے

اُس نے دیکھا کہ وہی مولوی شراب پی رہا ہی تھا۔ تو اُس کا دل سخت ہو گیا۔ اور وہ رُک گیا۔ غرض تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ میں یہ فرمایا۔ کہ وہ اپنے اعمال کی روشنی سے دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں۔ اور پھر ان کا یہ شیوہ ہوتا ہے۔ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ یعنی صبر کے ساتھ وعظ و نصیحت کا شیوہ اختیار کرتے ہیں۔ جلدی جھاگ مُنہ پر نہیں لاتے۔ اگر کوئی مولوی اور پیش رو ہو کر امام اور رہنما بن کر جلدی بھڑک اُٹھتا ہے۔ اور اُس میں برداشت اور صبر کی طاقت نہیں۔ تو وہ لوگوں کو کیوں نقصان پہنچاتا ہے۔ دوسرے یہ بھی مطلب ہے۔ کہ جو باتیں سُننے والا صبر سے نہ سُنے وہ فایدہ نہیں اٹھاتا۔ ہمارے مخالف بردباری کا دل لے کر نہیں آتے۔ اور صبر سے اپنی مشکلات پیش نہیں کرتے۔ بلکہ اُن کا تو یہ حال ہے کہ وہ کتاب تک تو دیکھنا نہیں چاہتے۔ اور شور مچا کر حق کو ملبس کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ پھر وہ فایدہ اٹھائیں تو کیوں کر اٹھائیں۔ ابوجہل اور ابولہب میں کیا تھا؟ یہی بے صبری اور بے قراری تو تھی کہتے تھے کہ تو خدا کی طرف سے آیا ہے تو کوئی نہر لے آ۔ ان کمبختوں نے صبر نہ کیا اور ہلاک ہو گئے۔ ورنہ زبیدہ والی نہر تو آ ہی گئی۔ اسی طرح پر ہمارے مخالف بھی کہتے ہیں۔ کہ ہمارے لئے دعا کرو۔ اور وہ معاً قبول ہو جائے۔ اور پھر اس کو حق و باطل کا معیار ٹھہراتے ہیں۔ اور اپنی طرف سے بعض امور پیش کر کے کہتے ہیں کہ یہ ہو جائے اور وہ ہو جائے۔ تو مان لیں۔ لیکن آپ کسی شرط کے نیچے نہیں آتے۔ افسوس یہی لوگ ہیں۔ جو لَا یَخَافُ عُقْبٰهَا کے مصداق ہیں۔ یاد رکھو صابر ہی **شرح صدر** کا رتبہ پاتا ہے۔ جو صبر نہیں کرتا۔ وہ گویا خدا پر حکومت کرتا ہے۔ خود اُس کی حکومت میں رہنا نہیں چاہتا۔ ایسا گستاخ اور دلیر جو خدا تعالیٰ کے جلال اور عظمت سے نہیں ڈرتا۔ وہ محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور اسے کاٹ دیا جاتا ہے۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ صبر کی حقیقت میں سے یہ بھی ضروری بات ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ صادقوں کی صحبت میں رہنا ضروری ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو دور بیٹھے رہتے ہیں۔ اور کہدیتے ہیں کہ کبھی آئیں گے۔ اس وقت فرصت نہیں ہے۔ بھلا تیرہ سو سال کے موعود سلسلہ کو جو لوگ پالیں۔ اور اُس کی نصرت میں شامل نہ ہوں۔ اور خدا اور رسول کے موعود کے پاس نہ بیٹھیں وہ فلاح پا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دُوں　　　　این خیال است و محال است و جنوں

جماعت کو نصیحت

دین تو چاہتا ہے کہ مصاحبت ہو۔ پھر مصاحبت سے گریز ہو۔ تو دینداری کے حصول

کی امید کیوں رکھتا ہے۔ ہم نے بارہا اپنے دوستوں کو نصیحت کی ہے اور پھر کہتے ہیں کہ وہ بار بار یہاں آکر رہیں۔ اور فایدہ اٹھائیں۔ مگر بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ لوگ ہاتھ میں ہاتھ دیکر دین کو دنیا پر مقدم کر لیتے ہیں۔ مگر اس کی پروا کچھ نہیں کرتے۔ یاد رکھو قبریں آوازیں دے رہی ہیں۔ اور موت ہر وقت قریب ہوتی جاتی ہے۔ ہر ایک سانس تمہیں موت کے قریب کرتا جاتا ہے۔ اور تم ایسے فرصت کی گھڑیاں سمجھے جاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے مکر کرنا مومن کا کام نہیں ہے۔ جب موت کا وقت آگیا۔ پھر ساعت آگے پیچھے نہ ہوگی۔ وہ لوگ جو اس سلسلہ کی قدر نہیں کرتے۔ اور انہیں کوئی عظمت اس کی معلوم ہی نہیں اُن کو جانے دو۔ مگر ان سب سے بڑھ کر بدقسمت اور اپنی جان پر ظلم کرنے والا تو وہ ہے جس نے اس سلسلہ کو شناخت کیا۔ اور اس میں شامل ہونے کی فکر کی۔ لیکن اس نے کچھ قدر نہ کی۔ وہ لوگ جو یہاں آکر میرے پاس کثرت سے نہیں رہتے۔ اور اُن باتوں سے جو خدا تعالیٰ ہر روز اپنے سلسلہ کی تائید میں ظاہر کرتا ہے۔ نہیں سنتے اور دیکھتے۔ وہ اپنی جگہ پر کیسے ہی نیک اور متقی اور پرہیزگار ہوں۔ مگر میں یہی کہوں گا۔ کہ جیسا چاہئے اُنھوں نے قدر نہیں کی۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ کہ تکمیل علمی کے بعد تکمیل عملی کی ضرورت ہے۔ پس تکمیل عملی بدون تکمیل علمی کے محال ہے۔ اور جب تک یہاں آکر نہیں رہتے۔ تکمیل علمی مشکل ہے۔ بارہا خطوط آتے ہیں۔ کہ فلاں شخص نے اعتراض کیا۔ اور ہم جواب نہ دے سکے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ وہ لوگ یہاں نہیں آتے۔ اور اُن باتوں کو نہیں سنتے۔ جو خدا تعالیٰ اپنے سلسلہ کی تائید میں علمی طور پر ظاہر کر رہا ہے۔

پس اگر تم واقعی اس سلسلہ کو شناخت کرتے ہو۔ اور خدا پر ایمان لاتے ہو۔ اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا سچا وعدہ کرتے ہو۔ تو میں پوچھتا ہوں۔ کہ اس پر عمل کیا ہوتا ہے۔ کیا کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اگر تم واقعی ایمان لاتے ہو۔ اور سچی خوش قسمتی یہی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کو مقدم کرلو۔ اگر ان باتوں کو ردی اور فضول سمجھو گے تو یاد رکھو خدا تعالیٰ سے ہنسی کرنیوالے ٹھہرو گے۔

سورہ فاتحہ قرآن شریف کا باریک نقشہ سورہ فاتحہ پر جو قرآن شریف کا باریک نقشہ ہے۔ اور ام الکتاب بھی جس کا نام ہے۔ خوب غور کرو۔ کہ اس میں اجمال کے ساتھ قرآن کریم کے تمام معارف درج ہیں۔ چنانچہ الحمد للہ سے اس کو شروع کیا گیا ہے

جس کے معنے یہ ہیں کہ تمام محامد اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اس میں یہ تعلیم ہے کہ تمام منافع اور تمدنی زندگی کی ساری بہبودگیاں اللہ ہی کی طرف سے آتی ہیں۔ کیونکہ ہر قسم کی ستایش کا سزاوار جب کہ وہی ہے۔ تو معطی حقیقی بھی وہی ہو سکتا ہے۔ ورنہ لازم آئیگا۔ کہ کسی قسم کی تعریف و ستایش کا مستحق وہ نہیں بھی ہے۔ جو کفر کی بات ہے پس اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں کیسی توحید کی جامع تعلیم پائی جاتی ہے۔ جو انسان کو دنیا کی تمام چیزوں کی عبودیت اور بالذات نفع رساں نہ ہونے کی طرف لے جاتی ہے۔ اور واضح اور بیّن طور پر یہ ذہن نشین کرتی ہے۔ کہ ہر نفع اور سود حقیقی اور ذاتی طور پر خدا تعالیٰ کی ہی طرف سے آتا ہے۔ کیونکہ تمام محامد اُسی کے لئے سزاوار ہیں پس ہر نفع اور سود میں خدا تعالیٰ ہی کو مقدم کرو۔ اُس کے سوا کوئی کام آنیوالا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی **رضا** کے اگر خلاف ہو تو اولاد بھی دشمن ہو سکتی ہے۔ اور ہو جاتی ہے۔ پھر اسی سورہ **فاتحہ** میں اُس **خدا** کا نقشہ دکھایا گیا ہے۔ جو قرآن شریف منوانا چاہتا ہے۔ اور جس کو وہ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اُس کی **چار صفات** کو ترتیب وار بیان کیا ہے جو **امہات الصفات** کہلاتی ہیں۔ جیسے سورہ فاتحہ اُمّ الکتاب ہے۔ ویسے ہی جو صفات اللہ تعالیٰ کی اس میں بیان کی گئی ہیں۔ وہ بھی اُم الصفات ہی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ ان صفات اربعہ پر غور کرنے سے خدا تعالیٰ کا گویا چہرہ نظر آجاتا ہے۔ **ربوبیت** کا فیضان بہت ہی وسیع اور عام ہے۔ اور اس میں کل مخلوق کی کل حالتوں تربیت اور اس کی تکمیل کے تکفل کی طرف اشارہ ہے۔ غور تو کرو۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر سوچتا ہے۔ تو اُس کی امید کس قدر وسیع ہو جاتی ہے۔ اور پھر **رحمانیت** یہ ہے کہ بدون کسی عمل عامل کے ان اسباب کو مہیا کرتا ہے۔ جو لبقائے وجود کے لئے ضروری ہیں۔ دیکھو چاند۔ سورج۔ ہوا۔ پانی وغیرہ بدون ہماری دعا اور التجا کے اور بغیر ہمارے کسی عمل اور فعل کے اُس نے ہمارے وجود کے بقا کے لئے کام میں لگا رکھے ہیں۔ اور پھر **رحیمیت** یہ ہے کہ اعمال کو ضائع نہ کرے اور مالک یوم الدین کا تقاضا یہ ہے کہ بامراد کر دے۔ جیسے ایک شخص امتحان کے لئے بہت محنت سے طیاری کرتا ہے۔ مگر امتحان میں دو چار نمبروں کی کمی رہ جاتی ہے۔ تو دنیوی نظام اور سلسلہ میں تو اس کا لحاظ نہیں کرتے۔ اور اس کو گرا دیتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی **رحیمیت** اس کی پردہ پوشی فرماتی ہے۔ اور اس کو پاس کرا دیتی ہے۔ **رحیمیت** میں ایک قسم کی

پردہ پوشی بھی ہوتی ہے۔ عیسائیوں کا خدا ذرا بھی پردہ پوش نہیں ہے۔ ورنہ کفارہ کی کیا ضرورت رہتی۔ ایسا ہی آریوں کا خدا نہ رب ہے نہ رحمان ہے۔ کیونکہ وہ تو بلا مزد اور بلا عمل کچھ بھی کسی کو عطا نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ ویدوں کے اصول کے موافق گناہ گناہ بھی ضروری معلوم دیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کو اگر کسی اُس کے عمل کے معاوضہ میں گائے کا دودھ دینا مطلوب ہے۔ تو بالمقابل یہ بھی ضرور ہے کہ کوئی برہمنی (اگر یہ روایت صحیح ہو) زنا کرے۔ تاکہ اس فسق وفجش کے بدلہ میں وہ گائے کی جون میں جائے۔ اور اس عامل کو دودھ پلائے۔ خواہ وہ اُس کا خاوند ہی کیوں نہ ہو۔ غرض جب تک ایسا سلسلہ نہ ہوگا۔ کوئی عامل اپنے عمل کی جزا ویدک ایشر کے خزانہ سے پا نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کا سارا سلسلہ جوڑ توڑ ہی سے چلتا ہے۔ مگر اسلام نے وہ خدا پیش کیا ہے۔ جو جمیع محامد کا سزاوار ہے۔ اس لئے معطی حقیقی ہے۔ وہ رحمٰن ہے۔ بدون عمل عامل کے اپنا فضل کرتا ہے پھر مالکیت یوم الدین جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے۔ بامراد کرتی ہے۔ دنیا کی گورنمنٹ کبھی اس امر کا ٹھیکہ نہیں لے سکتی۔ کہ ہر ایک بی اے پاس کرنے والے کو ضرور نوکری دے گی مگر خدا تعالیٰ کی گورنمنٹ کامل گورنمنٹ اور لاانتہا خزائن کی مالک ہے۔ اس کے حضور کوئی کمی نہیں کوئی عمل کرنے والا ہو۔ وہ سب کو فائز المرام کرتا ہے۔ اور نیکیوں اور حسنات کے مقابلہ میں بعض ضعفوں اور سقموں کی پردہ پوشی بھی فرماتا ہے۔ وہ تواب بھی ہے اور ستّیر بھی ہے اللہ تعالیٰ کو ہزارہا عیب اپنے بندوں کے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ ظاہر نہیں کرتا۔ ہاں ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ بیباک ہو کر انسان اپنے عیبوں میں ترقی پر ترقی کرتا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی حیا اور پردہ پوشی سے نفع نہیں اٹھاتا۔ بلکہ دہریت کی رگ اس میں زور پکڑ جاتی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ کی غیرت تقاضا نہیں کرتی۔ کہ اس بیباک کو چھوڑا جائے۔ اس لئے وہ ذلیل کیا جاتا ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کو محمد حسین کی نسبت الہام ہوا۔ کہ اس میں کوئی عیب ہے۔ اُس نے چاہا کہ وہ ظاہر کر دیں۔ مگر انہوں نے یہی کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی حیا مانع ہے۔ پھر انہوں نے اس کی نسبت ایک رویا میں دیکھا۔ کہ اس کے کپڑے پھٹ گئے ہیں۔ چنانچہ اب وہ رویا پوری ہو گئی۔

غرض میرا مطلب تو صرف یہ تھا۔ کہ رحیمیت میں ایک خاصہ پردہ پوشی کا بھی ہے مگر اس پردہ پوشی سے پہلے یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی عمل ہو۔ اور اس عمل کے متعلق

اگر کوئی کمی یا نقص رہ جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنی رحیمیت سے اُس کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ رحمانیت اور رحیمیت میں فرق یہ ہے کہ رحمانیت میں فعل اور عمل کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ مگر رحیمیت میں فعل وعمل کو دخل ہے۔ لیکن کمزوری بھی ساتھ ہی ہے۔ خدا کا رحم چاہتا ہے کہ پردہ پوشی کرے۔ اسی طرح مالک یوم الدین وہ ہے کہ اصل مقصد کو پورا کرے خوب یاد رکھو کہ یہ امہات الصفات روحانی طور پر خدا نما تصویر ہیں۔ ان پر غور کرتے ہی معاً خدا سامنے ہو جاتا ہے۔ اور روح ایک لذت کے ساتھ اُچھل کر اُس کے سامنے سربسجود ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے جو شروع کیا گیا تھا۔ تو غائب کی صورت میں ذکر کیا ہے۔ لیکن ان صفات اربعہ کے بیان کے بعد معاً صورت بیان تبدیل ہو گئی ہے۔ کیونکہ ان صفات نے خدا کو سامنے حاضر کر دیا ہے۔ اس لئے حق تھا۔ اور فصاحت کا تقاضا تھا۔ کہ اب غائب نہ رہے بلکہ حاضر کی صورت اختیار کی جائے۔ پس اس دائرہ کی تکمیل کے تقاضا نے مخاطب کی طرف منہ پھیرا۔ اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ ہاں اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں ایک قسم کا تقدم زمانی ہے۔ کیونکہ جس حال میں محض اپنی رحمانیت سے بغیر ہماری دعا اور درخواست کے ہمیں انسان بنایا۔ اور انواع واقسام کی قوتیں اور نعمتیں عطا فرمائیں اس وقت ہماری دعا نہ تھی بلکہ محض اُس کا فضل ہمارے شامل حال تھا۔ اور یہی تقدم ہے۔ میں پھر بیان کرتا ہوں۔ اور یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ رحم دو قسم کا ہوتا ہے اول رحمانیت دوسرا رحیمیت کے نام سے موسوم ہے۔ رحمانیت تو ایسا فیضان ہے کہ جو ہمارے وجود اور ہستی سے بھی پہلے شروع ہوا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ہمارے وجود سے پیشتر ہی زمین وآسمان چاند وسورج اور دیگر اشیاء ارضی وسماوی پیدا کی ہیں۔ جو سب کی سب ہمارے کام آنے والی ہیں۔ اور کام آتی ہیں۔ دوسرے حیوانات بھی ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مگر وہ جب کہ وہ بجائے خود انسان ہی کے لئے مفید ہیں اور انسان ہی کے کام آتے ہیں۔ تو گویا مجموعی طور پر انسان ہی ان سب سے فائدہ اٹھانے والا ٹھیرا۔ دیکھو جسمانی امور میں کیسی اعلیٰ درجہ کی غذائیں کھاتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کا گوشت انسان کے لئے ہے۔ ٹکڑے اور ہڈیاں کتوں کے واسطے جسمانی طور پر تو کسی حد تک حیوان بھی

شریک ہیں۔ مگر روحانی لذات میں جانور شریک نہیں۔ مگر روحانی لذات میں جانور شریک نہیں ہیں۔ پس یہ دو قسم کی رحمتیں ہیں۔ ایک وہ جو ہمارے وجود سے پہلے ہی عطا ہوئی ہیں۔ اور دوسری وہ جو رحیمیت کی شان کے نمونے ہیں۔ اور وہ دعا کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان میں ایک فعل کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس امر کو بیان کر دیا جائے۔ کہ قانون قدرت میں ہمیشہ دعا کا تعلق ہے۔ آجکل کے نیچری طبع لوگ جو علوم حقہ سے محض بے خبر اور ناواقف ہیں۔ اور ان کی ساری تگ و دو کا نتیجہ یورپ کے طرز معاشرت کی نقل اُتارنا ہے دعا کو ایک بدعت سمجھتے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ دعا کے تعلق پر کچھ مختصر سی بحث کی جائے۔

دعا کی فلاسفی

دیکھو ایک بچہ جب بھوک سے بیتاب اور بیقرار ہو کر دودھ کے لئے چلاتا ہے۔ اور چیختا ہے۔ تو ماں کی پستان میں دودھ جوش مار کر آجاتا ہے۔ حالانکہ بچہ تو دعا کا نام بھی نہیں جانتا لیکن یہ کیا سبب ہے۔ کہ اس کی چیخیں دودھ کو جذب کر لاتی ہیں۔ یہ ایک ایسا امر ہے۔ کہ عموماً ہر ایک صاحب کو اس کا تجربہ ہے۔ بعض اوقات ایسا دیکھا گیا ہے۔ کہ مائیں اپنی چھاتیوں میں دودھ کو محسوس بھی نہیں کرتی ہیں۔ اور بسا اوقات ہوتا بھی نہیں۔ لیکن جونہی بچہ کی دردناک چیخ کان میں پہنچی۔ فوراً دودھ اُتر آیا ہے۔ جیسے بچہ کی ان چیخوں کو دودھ کے جذب اور کشش کے ساتھ ایک علاقہ ہے۔ میں سچ کہتا ہوں۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری چلاہٹ ایسی ہی اضطراری ہو۔ تو وہ اُس کے فضل اور رحمت کو جوش دلاتی ہے۔ اور اُسکو کھینچ لاتی ہے۔ اور میں اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں۔ کہ خدا کے فضل اور رحمت کو جو قبولیت دعا کی صورت میں آتا ہے۔ میں نے اپنی طرف کھینچتے ہوئے محسوس کیا ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ دیکھا ہے۔ ہاں آجکل کے زمانہ کے تاریک دماغ فلاسفر اس کو محسوس نہ کر سکیں یا نہ دیکھ سکیں۔ تو یہ صداقت دنیا سے اُٹھ نہیں سکتی۔ اور خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ میں قبولیت دعا کا نمونہ دکھانے کے لئے ہر وقت طیار ہوں۔

قبولیت دعا

تو غرض یہ ہے کہ قانون قدرت میں قبولیت دعا کی نظیریں موجود ہیں۔ اور ہر زمانہ میں خدا تعالےٰ نے زندہ نمونے بھیجے ہیں۔ اسی لئے اس نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا تعلیم فرمائی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا منشا اور قانون ہے اور کوئی نہیں۔ جو اس کو بدل سکے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا سے پایا جاتا ہے کہ ہمارے اعمال کو اکمل اور اتم کر۔ ان الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر تو اشارۃ النص کے طور پر اس سے دعا کرنے کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ صراط مستقیم کی ہدایت مانگنے کی تعلیم ہے۔ لیکن اس کے سر پر اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ بتا رہی ہے۔ کہ اس سے فائدہ اٹھائیں یعنی صراط مستقیم کے منازل کے لئے قویٰ سلیم سے کام لیکر استعانت الٰہی کو مانگنا چاہئے۔ پس ظاہری اسباب کی رعایت ضروری ہے۔ جو اس کو چھوڑتا ہے۔ وہ کافر نعمت ہے۔ دیکھو! یہ زبان جو خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ اور عروق و اعصاب سے اسکو بنایا ہے۔ اگر ایسی نہ ہوتی تو ہم بول نہ سکتے۔ ایسی زبان دعا کے لئے عطا کی جو قلب کے خیالات اور ارادوں کو ظاہر کر سکے۔ اگر ہم دعا کا کام زبان سے کبھی نہ لیں تو ہماری شوربختی ہے۔ بہت سی بیماریاں ایسی ہیں کہ اگر وہ زبان کو لگ جائیں۔ تو وہ یکدفعہ ہی کام چھوڑ بیٹھتی ہے۔ یہ رحیمیت ہے۔ ایسا ہی قلب میں خشوع و خضوع کی حالت رکھی اور سوچنے اور تفکر کی قوتیں ودیعت کی ہیں۔ پس یاد رکھو اگر ہم ان قوتوں اور طاقتوں کو معطل چھوڑ کر دعا کرتے ہیں۔ تو یہ دعا کچھ بھی مفید اور کارگر نہ ہوگی۔ کیونکہ جب پہلے عطیہ سے کچھ کام نہیں لیا۔ تو دوسرے سے کیا نفع اٹھائیں گے۔ اسلئے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے پہلے اِيَّاكَ نَعْبُدُ بتا رہا ہے۔ کہ ہم نے تیرے پہلے عطیوں اور قوتوں کو بیکار اور برباد نہیں کیا۔ یاد رکھو رحمانیت کا خاصہ یہی ہے کہ وہ رحیمیت سے فیض اٹھانے کے قابل بنا دے۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے جو اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ فرمایا۔ یہ نری لفاظی نہیں ہے۔ بلکہ انسانی شرف اسی کا مقتضی ہے۔ مانگنا انسانی خاصہ ہے اور استجابت جو اللہ تعالیٰ کا جو نہیں۔ ۔ وہ ظالم ہے۔ دعا ایک ایسی سرور بخش کیفیت ہے۔ کہ مجھے افسوس ہوتا ہے۔ کہ میں کن الفاظ میں اس لذت اور سرور کو دنیا کو سمجھاؤں۔ یہ تو محسوس کرنے ہی سے پتہ لگیگا۔ مختصر یہ کہ دعا کے لوازمات سے اول ضروری یہ ہے کہ اعمال صالحہ اور اعتقاد پیدا کریں۔ کیونکہ جو شخص اپنے اعتقادات کو درست نہیں کرتا۔ اور اعمال صالحہ سے کام نہیں لیتا اور دعا کرتا ہے۔ وہ گویا خدا تعالیٰ کی آزمایش کرتا ہے۔ تو بات یہ ہے کہ اهدنا الصراط المستقیم کی دعا میں یہ مقصود ہے۔ کہ ہمارے اعمال کو اکمل اور اتم کر اور پھر یہ کہکر صراط الذین انعمت علیهم اور بھی صراحت کر دی۔ کہ ہم اس صراط کی ہدایت چاہتے

ہیں جو منعم علیہ گروہ کی راہ ہے اور مغضوب گروہ کی راہ سے بچا۔ جن پر بد اعمالیوں کیوجہ سے عذاب الہیٰ آ گیا۔ اور الضالین کہکر یہ دعا تعلیم کی۔ کہ اس سے بھی محفوظ رکھ کہ تیری حمایت کے بدون بھٹکتے پھریں۔ ایک اور بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس جگہ لف ونشر مرتب ہے۔ اول اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ اللہ مستجمع جمیع صفات کاملہ ہر ایک خوبی کو اپنے اندر رکھنے والا اور ہر ایک عیب اور نقص سے منزہ۔ دوم رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سوم اَلرَّحْمٰنِ چہارم اَلرَّحِیْمِ پنجم مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اب اس کے بعد جو درخواستیں ہیں۔ وہ ان پانچوں کے ماتحت ہیں۔ اب سلسلہ یوں شروع ہوتا ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ یہ فقرہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کے مقابل ہے۔ یعنی لے اللہ تو جو ساری صفات حمیدہ کا جامع ہے۔ اور تمام بدیوں سے منزہ ہے۔ تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ مسلمان اُس خدا کو جانتا ہے جس میں وہ تمام خوبیاں جو انسانی ذہن میں آ سکتی ہیں۔ موجود ہیں۔ اور اس سے بالاتر اور بالاتر ہے۔ کیونکہ یہ سچی بات ہے۔ کہ انسانی عقل اور فکر اور ذہن خدا تعالیٰ کی صفات کا احاطہ ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے۔ ہاں تو مسلمان ایسے کامل الصفات خدا کو مانتا ہے۔ تمام قومیں مجلسوں میں اپنے خدا کا ذکر کرتے ہوئے شرمندہ ہو جاتی ہیں۔ اور اُنہیں شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً ہندوؤں کا خدا جو اُنہوں نے مانا ہے۔ اور کہا ہے کہ ویدوں سے ایسے خدا ہی کا پتہ لگتا ہے جب اُس کی نسبت وہ یہ ذکر کریں گے۔ کہ اُس نے دنیا کا ایک ذرہ بھی پیدا نہیں کیا۔ اور نہ اس نے روحوں کو پیدا کیا ہے۔ تو کیا ایسے خدا کے ماننے والے کے لئے کوئی مفرہ سکتا ہے جب اُسے کہا جائے۔ کہ ایسا خدا اگر مر جائے تو کیا حرج ہے۔ کیونکہ جب یہ اشیاء اپنا وجود مستقل رکھتی ہیں۔ اور قائم بالذات ہیں۔ پھر خدا کی زندگی کی ان کی زندگی اور بقا کے لئے کیا ضرورت ہے جیسے ایک شخص اگر تیر چلائے۔ اور وہ تیر ابھی جاری رہا ہو کہ اس شخص کا دم نکل جائے۔ تو بتاؤ اُس تیر کی حالت میں کیا فرق آئیگا۔ ہاتھ سے نکلنے کے بعد وہ چلانیوالے کے وجود کا محتاج نہیں ہے۔ اسی طرح پر ہندوؤں کے خدا کے لئے اگر یہ تجویز کیا جائے۔ کہ وہ ایک وقت مر جائے تو کوئی ہندو اُس کی موت کا نقصان نہیں بتا سکتا۔ مگر ہم خدا کے لئے ایسا تجویز نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ کے لفظ سے ہی پایا جاتا ہے کہ اُس میں کوئی نقص اور بدی نہ ہو۔ ایسا ہی جبکہ آریہ مانتا ہے کہ اجسام اور روحیں انادی ہیں یعنی ہمیشہ سے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جب تمہارا یہ اعتقاد ہے پھر خدا کی ہستی کا ثبوت ہی کیا دے سکتے ہو؟ اگر کہو کہ اس نے جوڑا جاڑا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جب تم پرمانو اور پرکرتی کو قدیم سے مانتے ہو۔ اور انکے وجود کو قایم بالذات کہتے

ہوتو پھر جوڑنا جاڑنا تو ادنیٰ فعل ہے۔ وہ جڑ بھی سکتے ہیں۔ اور ایسا ہی جب وہ یہ تعلیم بتاتے ہیں۔ کہ خدا نے ویدوں میں مثلاً یہ حکم دیا ہی۔ کہ اگر کسی عورت کے ہاں اپنے خاوند سے بچہ پیدا نہ ہوسکتا ہو۔ تو وہ کسی دوسرے سے ہم بستر ہوکر اولاد پیدا کرلے۔ تو بتاؤ ایسے خدا کی نسبت کیا کہا جائیگا۔ یا مثلاً یہ تعلیم پیش کی جائے کہ خدا کسی اپنے پریمی اور بھگت کو ہمیشہ کے لئے مکتی یعنی نجات نہیں دے سکتا بلکہ مہاپرلے کے وقت اُس کو ضروری ہوتا ہی کہ مکتی یافتہ انسانوں کو پھر اسی تناسخ کے چکر میں ڈالے یا مثلاً خدا کی نسبت یہ کہنا۔ کہ وہ کسی کو اپنے فضل و کرم سے کچھ بھی عطا نہیں کرسکتا۔ بلکہ ہر ایک شخص کو وہی ملتا ہے۔ جو اُس کے اعمال کے نتائج ہیں۔ پھر ایسے خدا کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے۔ غرض ایسا خدا ماننے والے کو سخت شرمندہ ہونا پڑے گا۔

ایسا ہی عیسائی بھی جب یہ پیش کریں گے۔ کہ ہمارا خدا یسوع ہے۔ اور پھر اُس کی نسبت وہ یہ بیان کریں گے۔ کہ یہودیوں کے ہاتھوں سے اس نے ماریں کھائیں۔ شیطان اسے آزماتا رہا۔ بھوک اور پیاس کا اثر اُس پر ہوتا رہا۔ آخر ناکامی کی حالت میں پھانسی پر چڑھایا گیا۔ تو کون دانشمند ہوگا جو ایسے خدا کے ماننے کے لئے طیار ہوگا۔ غرض اسی طرح پر تمام قومیں اپنے مانے ہوئے خدا کا ذکر کرتی ہوئی شرمندہ ہوتی ہیں۔ مگر مسلمان کبھی اپنے خدا کا ذکر کرتے ہوئے کسی مجلس میں شرمندہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ جو خوبی اور عمدہ صفت ہے۔ وہ اُن کے مانے ہوئے خدا میں موجود اور جو نقص اور بدی ہے اُس سے وہ منزہ ہی۔ جیسا کہ سورۃ الفاتحہ میں اللہ کو تمام صفات حمیدہ کا موصوف قرار دیا ہی۔ تو الحمد للہ کے مقابل میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ ہے اس کے بعد ہی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ربوبیت کا کام ہی۔ تربیت اور تکمیل جیسے ماں اپنی بچہ کی پرورش کرتی ہی۔ اسکو صاف کرتی ہے ہر قسم کے گند اور آلائش سے دور رکھتی ہی۔ اور دودھ پلاتی ہی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ وہ اُس کی مدد کرتی ہے۔ اب اس کے مقابل میں یہاں اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پھر الرَّحْمٰن ہی جو بغیر خواہش بدون درخواست اور بغیر اعمال کے اپنے فضل سے دیتا ہے۔ اگر ہمارے وجود کی ساخت ایسی نہ ہوتی تو ہم سجدہ نہ کرسکتے۔ اور رکوع نہ کرسکتے۔ اس لئے ربوبیت کے مقابلہ میں اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ فرمایا جیسے باغ کا نشو و نما پانی کے بغیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح پر اگر خدا کے فیض کا پانی نہ پہنچے تو ہم نشو و نما نہیں پاسکتے۔ درخت پانی کو چوستا ہی اسکی جڑوں میں دہانے اور سوراخ ہوتے ہیں طبعی میں یہ مسئلہ ہی کہ درخت کی شاخیں پانی کو جذب کرتی ہیں۔ اُن میں قوت جاذبہ ہی۔ اسی طرح پر عبودیت میں ایک قوت جاذبہ ہوتی ہی جو خدا کے فیضان کو جذب کرتی ہی اور چوستی ہی بس الرحمٰن کے بالمقابل اھدنا الصراط المستقیم

ہی یعنی اگر اس کی رحمانیت ہمارے شامل حال نہ ہوتی اگرچہ قویٰ اور طاقتیں تو نے عطا نہ کی ہوتیں
تو ہم اس فیض سے کیونکر بہرہ ور ہو سکتے۔

ہدایت رحمانیت الٰہی سے ملتی ہی | پس اهدنا الصراط المستقیم، الرحمٰن کے بالمقابل ہی۔ کیونکہ ہدایت
پانا کسی کا حق تو نہیں ہی۔ بلکہ محض رحمانیت الٰہی سے یہ فیض حاصل ہو سکتا ہی اور صراط الذین انعمت
علیهم الرحیم کے بالمقابل ہی کیونکہ اس کا ورد کرنیوالا رحیمیت کے چشمہ سے فیض حاصل کرتا ہی۔ اور اسکے
یہ معنی ہیں کہ اے رحم خاص سے دعاؤں کے قبول کرنیوالے ان رسولوں اور صدیقوں اور شہید ولی اور
صالحوں کی راہ ہم کو دکھا جنہوں نے دعا اور مجاہدات میں مصروف ہو کر تجھ سے انواع واقسام کے معارف
اور حقایق اور کشوف اور الہامات کا انعام پایا اور دائمی دعا اور تضرع اور اعمال صالحہ سے معرفت تامہ کو پہنچے۔
رحیمیت کے مفہوم میں نقصان کا تدارک کرنا لگا ہوا ہی۔ حدیث میں آیا ہی۔ کہ اگر فضل نہ ہوتا تو نجات نہ
ہوتی۔ ایسا ہی حدیث سے معلوم ہوتا ہی۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ سے سوال کیا کہ یا حضرت
کیا آپکا بھی یہی حال ہی۔ آپ نے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا ہاں۔ نادان اور احمق عیسائیوں نے اپنی نافہمی
اور ناواقفی کیوجہ سے اعتراض کئے ہیں۔ لیکن وہ نہیں سمجھتے کہ یہ آپکی کمال عبودیت کا اظہار تھا۔ جو
خداتعالیٰ کی ربوبیت کو جذب کر رہا تھا۔ ہم نے خود تجربہ کر کے دیکھا ہی۔ اور متعدد مرتبہ آزمایا ہی بلکہ ہمیشہ دیکھتے
ہیں کہ جب انکسار اور تذلل کی حالت انتہا کو پہنچی ہے۔ اور ہماری روح اس عبودیت اور فروتنی میں
بہ نکلتی ہی۔ اور آستانہ حضرت واہب العطایا پر پہنچ جاتی ہی۔ تو ایک روشنی اور نور اوپر سے اترتا ہی اور
ایسا معلوم ہوتا ہی جیسے ایک نالی کے ذریعہ سے مصفا پانی دوسری نالی میں پہنچتا ہی۔ پس آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی حالت جسقدر بعض مقامات پر فروتنی اور انکساری میں کمال پر پہنچی ہوئی نظر آتی ہی
وہاں معلوم ہوتا ہی کہ اسیقدر آپ روح القدس کی تائید اور روشنی سے مؤید اور منور ہیں۔ جیسا کہ ہمارے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی اور فعلی حالت سے دکھایا ہی۔ یہانتک کہ آپکے انوار و برکات کا دائرہ
اسقدر وسیع ہے کہ ابدالآباد تک اس کا نمونہ اور ظل نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی جو کچھ خدا
تعالیٰ کا فیض اور فضل نازل ہو رہا ہے۔ وہ آپ ہی کی اطاعت اور آپ ہی کے اتباع سے ملتا ہے
میں سچ کہتا ہوں کہ کوئی شخص حقیقی نیکی کرنیوالا اور خداتعالیٰ کی رضا کو پانیوالا نہیں ٹھہر سکتا۔ اور
ان انعام و برکات اور معارف اور حقایق اور کشوف سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ جو اعلیٰ درجہ کے
تزکیہ نفس پر ملتے ہیں۔ جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھویا نہ جائے اور اسکا ثبوت
خود خداتعالیٰ کے کلام سے ملتا ہی۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

اور خدا تعالیٰ کے اس دعوے کے عملی اور زندہ دلیل میں ہوں۔ اُن نشانات کیساتھ جو خدا تعالیٰ کے محبوبوں اور ولیوں کے قرآن شریف میں مقرر ہیں مجھے شناخت کرو۔ غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا کمال یہانتک ہے کہ اگر کوئی بڑھیا بھی آپکا ہاتھ پکڑتی تھی تو آپ کھڑے ہو جاتے تھے اور اُسکی باتوں کو نہایت توجہ سے سنتے۔ اور جبتک کہ وہ خود آپ کو نہ چھوڑتی آپ نہ چھوڑتے تھے اور پھر غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے مقابل ہے۔ اس کا ورد کرنیوالا چشمہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے فیض پاتا ہے جس کا مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ اے جزا و سزا کے دن کے مالک ہمیں اس سے بچا۔ کہ یہودیوں کی طرح جو دنیا میں طاعون وغیرہ بلاؤں کا نشانہ ہوئے۔ اور اُس کے غضب سے ہلاک ہو گئے۔ یا نصاریٰ کیطرح نجات کی راہ کھو بیٹھیں۔ اس میں یہود کا نام مغضوب اسلئے رکھا گیا ہے۔ کہ ان کی شامت اعمال سے بھی اُن پر عذاب آیا۔ کیونکہ اُنہوں نے خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں اور راستبازوں کی تکذیب کی اور بہت سی تکلیفیں پہنچائیں۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے جو یہاں سورہ فاتحہ میں یہودیوں کی راہ سے بچنے کی ہدایت فرمائی۔ اور اس سورہ کو الضالین پر ختم کیا یعنی ان کی راہ سے بھی بچنے کی ہدایت فرمائی تو اس میں کیا سر تھا۔ اسمیں یہی راز تھا امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک قسم کا زمانہ آنیوالا ہے۔ جب کہ یہود کی تتبع کرنیوالے ظاہر پرستی کریں گے۔ اور استعارات کو حقیقت پر حمل کر کے خدا کے راستباز کی تکذیب کے لئے اٹھیں گے۔ جیسا کہ یہود نے مسیح ابن مریم کی تکذیب کی تھی۔ اور اُنہیں یہی مصیبت پیش آئی کہ اُنہوں نے اس کی تاویل پر ٹھٹھا کیا۔ اور کہا کہ اگر خدا کا یہی مطلب تھا کہ ایلیا کا مثیل آئیگا تو کیوں خدا نے اپنی پیشگوئی میں اس کی صراحت نہ کی۔ غرض اسی روش اور طریق پر اسوقت ہمارے مخالفوں نے بھی قدم مارا ہے۔ اور میری تکذیب اور ایذا دہی میں انہوں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا یہاں تک کہ میرے قتل کے فتوے دیئے۔ اور طرح طرح کے حیلوں اور مکروں سے مجھے ذلیل کرنا اور نابود کرنا چاہا اگر خدا تعالیٰ کے فضل سے گورنمنٹ برطانیہ کا اس ملک میں راج نہ ہوتا تو یہ مدت سے میرے قتل سے دل خوش کر لیتے۔ مگر خدا تعالیٰ نے انکو ان کی ہر مراد میں نامراد کیا۔ اور وہ جو اُس کا وعدہ تھا کہ واللہ یعصمک من الناس وہ پورا ہوا۔

غرض اس دعا میں غیر المغضوب کا فقرہ مسلمانوں کے ایک گروہ کی اس حالت کا پتہ دیتا ہے۔ جو وہ مسیح موعود کے مقابل مخالفت اختیار کرے گا۔ اور ایسا ہی الضالین سے مسیح موعود کے زمانہ کا پتہ لگتا ہے کہ اس وقت صلیبی فتنہ کا زور اپنے انتہائی

نقطہ پر پہنچ جائے گا۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے جو سلسلہ قایم کیا جائے گا۔ وہ مسیح موعود ہی کا سلسلہ ہوگا۔ اور اسی لئے احادیث میں مسیح موعود کا نام خدا تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کاسر الصلیب رکھا ہے۔ کیونکہ یہ سچی بات ہے کہ ہر ایک مجدد فتن موجودہ کی اصلاح کے لئے آتا ہے۔ اب اس وقت خدا کے لئے سوچو تو کیا معلوم نہ ہوگا کہ صلیبی نجات کی تائید میں قلم اور زبان سے وہ کام لیا گیا ہے۔ کہ اگر صفحات عالم کو ٹٹولا جائے۔ تو باطل پرستی کی تائید میں یہ سرگرمی اور زمانہ میں ثابت نہ ہوگی۔ اور جب کہ صلیبی فتنہ کے حامیوں کی تحریریں اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکی ہیں۔ اور توحید حقیقی اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عفت۔ عزت اور حقانیت اور کتاب اللہ کے منجانب اللہ ہونے پر ظلم اور زور کی راہ سے حملے کئے گئے ہیں۔ تو کیا خدا تعالیٰ کی غیرت کا تقاضا نہیں ہونا چاہیے کہ اس کاسر الصلیب کو اس نازل کرے ؟؟؟ کیا خدا تعالیٰ اپنے وعدہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون کو بھول گیا ؟ یقیناً یاد رکھو کہ خدا کے وعدے سچے ہیں اس نے اپنے وعدہ کے موافق

دنیا میں ایک نذیر بھیجا ہے۔ دنیا نے اس کو قبول نہ کیا مگر خدا تعالیٰ اس کو ضرور قبول کرے گا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کرے گا

میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ

مَیں خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق مسیح موعود ہو کر آیا ہوں۔ چاہو تو قبول کرو چاہو تو رد کرو۔

مگر تمہارے رد کرنے سے کچھ نہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا ہے وہ ہو کر رہے گا کیونکہ خدا تعالیٰ نے پہلے سے براہین میں فرما دیا ہے

صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَکَانَ

وَعْدًا مَّفْعُوْلًا